اخبارِ اُردو

کراچی

جنوری ۱۹۸۲ء

"قومی زبان کو قومی زندگی میں صحیح مقام حاصل ہوئے بغیر قومی یگانگت پیدا نہیں ہو سکتی۔ نہ قوم کے دماغوں سے احساس کمتری دور ہو سکتا ہے، نہ خود اعتمادی پیدا ہو سکتی ہے، نہ ملک اور قوم مستحکم ہو سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

خطبۂ صدارت، سالانہ اجلاس مغربی پاکستان اردو اکیڈیمی، منعقدہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۷، لاہور

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مُقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل و نفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ——— قوم کے حساس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ———

ماہنامہ
اخبارِ اردو
کراچی

فہرست

ربیع الاول ۱۴۰۲ھ جنوری ۱۹۸۲ء
جلد نمبر ۲ شمارہ ۱

مقتدرہ قومی زبان
۳۴-ڈی، بلاک ۷، گلشن اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون: ۲۲-۴۶۴۱۲۱
قیمت: ایک روپیہ، سالانہ چندہ دس روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مادری زَبان

زَبان فی الحقیقت ایک تہذیبی ، معاشرتی اور اکتسابی وسیلۂ اظہار ہے۔ اس کے موروثی اور مادری (عام مفہوم میں) ہونے کے تمام نظریات حقیقت پر مبنی ہیں۔ اس کی تشکیل اور اس کا ارتقاء معاشرتی اور تہذیبی عوامل پر منحصر ہوتا ہے۔ معاشرتی عمل ہونے کے لحاظ سے ایک بچہ سب سے زیادہ اس زبان کو سیکھتا ہے جو اس کے ماحول کی عام زبان ہوتی ہے اور جس سے اس کا مستقل واسطہ رہتا ہے۔ مادری زبان کی اہمیت کا یہی ایک بڑا سبب ہے کہ اس زبان کے زیرِ سایہ بچہ اپنی آنکھ کھولتا ہے اور اپنا بچپن گزارتا ہے۔ یہ محض ایک اولین وسیلۂ اظہار ہے اور ایک آسان طرزِ ادا۔ ورنہ زبان سے اختیار کرنے میں نہ نسل کی کوئی اہمیت ہے نہ نسب کی۔ جو زبان ابتدائے عمر سے عام استعمال میں آتی ہے اور جس سے ایک فرد کا دن رات کا واسطہ رہتا ہے ـــــــ وہی اس کی مادری زبان ہوتی ہے۔ مادری زبان نہ انسان کو ورثہ میں ملتی ہے نہ ماں کے دودھ کے ساتھ بچے کے جسم میں سرایت کرتی ہے۔

ہر شخص کی مادری زبان دراصل وہ زبان ہوتی ہے جسے وہ زیادہ استعمال کرتا ہے۔ اس اعتبار سے جغرافیائی ، نسلی یا معاشرتی امتیاز ایک ہی ماحول میں پلنے بڑھنے والے افراد کی زبانوں میں محسوس بھی نہیں ہوتا۔ ایک ہی معاشرے کے پروردہ افراد کی زبانوں میں لہجے ، روزمرّہ اور محاروں کے لحاظ سے بھی کوئی فرق نہیں ہوتا ـــــــ چاہے افراد کا نسلی اور تہذیبی و تاریخی پس منظر مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ اس نقطۂ نظر سے مادری زبان اور غیر مادری زبانیں کسی تفریق ، امتیاز اور تنازع کا سبب نہیں بن سکتیں۔ جس زبان سے ہمارا واسطہ دن رات کا ہوتا ہے اور جو ہماری شخصیت ، ہمارے افکار و خیالات اور معاملاتِ زندگی کی تکمیل اور ادائیگی کا سب سے اہم اور ناگزیر وسیلہ ہوتی ہے دراصل وہی ہماری مادری زبان ہوتی ہے ـــــــ اور وہ ہمارے وجود کا ایک ایسا حصہ بن جاتی ہے جسے ہم اپنی فطرت اور اپنے لاشعور سے الگ نہیں کرسکتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر مادری زبان قومی زبان نہیں بن سکتی۔ یہ بات آج بھی ناقابلِ تردید ہے اور ماضی میں بھی ایسا ہوا ہے کچھ مادری زبانیں محض بولیوں کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے بولنے والوں کو اپنے علمی و تعلیمی تقاضوں کی تکمیل کے لیے کسی نہ کسی بڑی زبان کو اکتسابی عمل کے ذریعے اختیار کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان میں پنجابی ، سندھی ، پشتو ، بلوچی ، سرائیکی ، کشمیری وغیرہ مادری زبان کی حیثیت سے اپنے اپنے علاقوں میں رائج ہیں۔ لیکن یہ بولیاں بولنے والے سب ہی

اُردو کو اپنی قومی اور تعلیمی ضرورتوں اور اعلیٰ اظہار کی زبان کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

پاکستان میں زبانوں کے تصادم کی کوئی صورت حال یا لسانی تنازع اور کشمکش کا کوئی مسئلہ نہیں۔ لسانی کشمکش اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی زبان کسی ترقی یافتہ اہم زبان کو زیر کرنا یا اس کی جگہ لینا چاہتی ہے۔ مثلاً انگریزی جس طرح اُردو کو زیر کیے ہوئے ہے اور اس کی جگہ پر قابض ہے ــــــ اور فقط یہی ہمارے ملک کا ایسا مسئلہ ہے جس کے باعث لسانی اضطراب کی کیفیت قیام پاکستان کے بعد سے اب تک نظر آتی ہے۔ اگر انگریزی کے بجائے اردو کو اس کا جائز مقام مل جائے ــــــ یعنی جہاں جہاں انگریزی زبان اپنا تسلط رکھتی ہے وہاں اُردو کو رائج کر دیا جائے تو نہ صرف اُردو بلکہ تمام علاقائی زبانوں کو فروغ اور ارتقاء حاصل ہوگا۔

اُردو کا حلقۂ اثر اور اس کی افہام و تفہیم کا دائرہ کسی ایک علاقے یا جماعت تک محدود نہیں بلکہ سارے پاکستان پر حاوی ہے۔ یہ ملک کے ہر حصے اور گوشے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور تمام مدرسوں اور اعلیٰ درس گاہوں میں علمی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ یہ تمام پاکستانیوں کی ــــ گو عام مفہوم میں، مادری زبان نہیں لیکن اپنی وسعت، اپنی افادیت، اپنی اہمیت اور مقبولیت کے باعث اس کی حیثیت مادری زبان ہی کی ہے۔ اس لیے اُسے بجا طور پر ــــ تمام پاکستانیوں کی مادری زبان سمجھنا چاہیے۔

"میں اپنی راہ گم کردہ قوم سے نہایت ادب کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ پاکستان حاصل کرنے کا جذبہ ہمارے دل میں شیکسپیئر پڑھ کر پیدا ہوا یا حالی کے مسدس کے درد سے؟ ورڈس ورتھ نے ہمارے دلوں میں ہیجان پیدا کیا یا اقبال نے؟ جب ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا تو اس لیے کہ برنارڈ شا یا شیلے پڑھنے کی آزادی خطرہ میں تھی یا اس لیے کہ کہیں ہندی کا بڑھتا ہوا سیلاب ہمارے دل سے میر و مرزا کے اشعار محو نہ کر دے؟

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
"افکار و اذکار" صفحہ ۶۱

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم

نئے سال کے پہلے مہینے کی آمد کے ساتھ ہی ہمارے دلوں میں حادثہ فاجعہ کی یاد تازہ ہو گئی جس نے ہمارے محبوب رہنما اور مایۂ ناز سرپرست و سربراہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو ہم سے ہمیشہ کے لیے چھین لیا۔ ۲۲ جنوری ۱۹۸۱ء کو جب ہمیں ڈاکٹر صاحب کے سفرِ آخرت کی خبر اسلام آباد سے موصول ہوئی تو ہماری بے شمار اُمیدوں اور آرزوؤں پر اچانک بجلی گر گئی۔ وہ صرف ہمارے قومی ادارہ کے صدر نشین اور انتظامی اعتبار سے ہمارے افسرِ اعلیٰ ہی نہیں تھے ان کا فیضانِ روحانی ہماری تمام سرگرمیوں اور امنگوں کو تقویت و استحکام عطا کرتا تھا۔ ان کی قیادت ہمارے لیے ہمہ گیر تھی۔ اُن کا قرب نہ صرف ہمیں اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی پر آمادہ کرتا تھا بلکہ ان اقدار کو اپنانے کا موقع بھی بہم پہنچاتا تھا جو تشکیلِ کردار کے لیے ضروری ہیں۔ اس طرح وہ ہمارے لیے سب کچھ تھے۔ ہمارے مخدوم بھی تھے اور زندگی کے پُرخطر راستوں میں مشعلِ راہ بھی۔

ڈاکٹر صاحب کے اوصافِ حمیدہ کو شمار کرانے کے لیے تو ایک دفتر چاہیئے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ پروفیسر تھے، مورخ تھے، دانشمند تھے، ماہرِ سیاسیات و علومِ عمرانی تھے، حکومتِ پاکستان کے وزیر رہ چکے تھے، شیخ الجامعہ بھی رہے تھے۔ ان کی زندگی کے تانے بانے میں علوم و فنون کے ساتھ عملی جد و جہد کو بھی بڑا دخل تھا۔ مگر اپنی زندگی کے آخری دور میں جب ہمیں اُن کی سرپرستی میں کام کرنے کا موقع میسر ہوا، انہوں نے اپنے سب سے زیادہ پسندیدہ کام قومی زبان کو فروغ دینے اور اسے پاکستانی زندگی کے ہر شعبہ میں رائج کرنے کے لیے، اہم ترین خدمات انجام دیں۔ ان خدمات کو وہ لوگ یقیناً سب سے زیادہ یاد رکھیں گے جو سب سے زیادہ اُن کے قریب تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی علالت کے باوجود جس انہماک اور سرگرمی کے ساتھ اس کام کو شروع کیا اور آگے بڑھایا وہ اُن کا ایک تاریخی کارنامہ ہے اور ہمیشہ یادگار رہے گا۔

حق تعالیٰ اپنی مصلحتوں کو ہم سب سے بہتر جانتا ہے۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کو ایک مقررہ وقت پر جو لوحِ محفوظ میں مقدر تھا اپنے پاس بلا لیا۔ ہم پس ماندگان صرف یہ سوچ ہی سکتے ہیں کہ اگر وہ تھوڑے دنوں اور زندہ رہتے، اگر ان کی صحت تھوڑے عرصہ تک اور ان کا ساتھ دیتی تو جس اہم کام کا انہوں نے بیڑا اٹھایا تھا وہ بہت جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا۔

ڈاکٹر صاحب کی یاد آج بھی پوری قوم کے لیے ولولہ انگیز ہو سکتی ہے۔ آج جہاں ہم حق تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ ان کی روح کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے مراتب کو بلند کرے وہاں ہمیں بارگاہِ ایزدی میں یہ التجا بھی کرنی چاہیئے کہ وہ ان مقاصدِ جلیلہ کو جن کے لیے انہوں نے عمر بھر جد و جہد کی اور جن میں قومی زبان اُردو کی ترویج و ترقی سرِ فہرست تھی اپنی قدرتِ کاملہ سے جلد منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ ہمارے لیے اُن کی یاد کو تازہ کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اُس کام کو جو انہوں نے پیغامِ قضا آ جانے کے باعث مجبوراً ادھورا چھوڑ دیا، مکمل کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ مقتدرہ قومی زبان کے ارکان اپنے قائد و سربراہ کی سپرد کردہ امانت کے تقاضے اسی صورت میں پورا کر سکتے ہیں کہ ساری قوم مکمل توجہ اور اتحاد کے ساتھ اس پر آمادہ ہو جائے کہ اس راہ میں جو رکاوٹیں ہیں انھیں سب مل کر دور کریں۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

لسان اور مطالعۂ لسان میں مسلمانوں کی خدمات

ایک تعارف[1]

مسلمانوں کے علمی اور فکری دور کے زوال کا آغاز بدقسمتی سے اس عہد میں ہوا جسے مسلمانوں کے علمی اور تہذیبی دور کا نقطۂ آغاز کہا جاتا ہے یعنی دولتِ عباسیہ۔ اگرچہ یونانی علوم سے عرب ایک حد تک واقف تھے لیکن خلافتِ عباسیہ کے دور میں بکثرت یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا اور یونانیوں کی علم و حکمت کی چمک دمک سحر ثابت ہوئی جس کے نتیجہ میں تقلید زیادہ اور آزاد غور و فکر کا رُجحان قدرتی طور پر کمزور ہوگیا۔ یونانی اور لاطینی کا یہ طلسم اور سحر آج تک باقی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج تک جدید علوم و فنون کے لیے نئے تصوّرات، نئے خیالات، نئے نظریات کے لیے بھی جو اصطلاحیں وضع ہوتی ہیں ان میں اہلِ مغرب یونانی اور لاطینی سے اصطلاحات وضع کرسکتے ہیں۔ بظاہر بہانہ یہ ہے کہ علمی اعتبار سے لاطینی اور یونانی میں اصطلاح سازی کی گنجائش بہت زیادہ ہے۔ اصحاب علم و فن جانتے ہیں کہ اس اعتبار سے عربی غالباً ان زبانوں سے اس اعتبار سے یقیناً فوقیت رکھتی ہے کہ اس میں صرفی تغیرات کی اتنی گنجائش ہے کہ اصطلاح سازی کے لیے کم از کم بین الاقوامی سطح پر ایک مشترک ماخذ اسی زبان سے پیدا ہوسکتا ہے۔ خدا کرے کہ وہ دن ہماری زندگی میں آجائے۔

غرض ان حالات اور واقعات نے اور اس کے بعد ہسپانیہ سے لے کر برصغیر پاک و ہند تک ایک طویل عرصے کے مغربی استحصال، مسلمان ملکوں کی غلامی اور اس کے نتائج افلاس، غربت، جہالت ایمان اور عقیدہ کا ضعف اپنی روایات سے لاعلمی، اپنی تاریخ سے بیگانگی، احساسِ کمتری کی ایک طویل داستان ہے جس نے مسلمانوں کو صرف سیاسی اعتبار سے نہیں، تاریخی اور تہذیبی اعتبار سے بھی ایک ایسی ملّت بنادیا جس کے نیست و نابود کرنے کا خواب صرف صیہونیت کے علمبردار ہی نہیں اور بھی بہت سی قومیں دیکھنے لگیں۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مشرق وسطیٰ، تیسری دُنیا، ایران وغیرہ میں قدرت نے تیل کے ذخائر ظاہر کرکے آہستہ آہستہ ان ملکوں کی نہ صرف معاشی اور معاشرتی زندگی میں ایک انقلاب برپا کردیا بلکہ دُنیا کی سیاست کے نقشہ میں بھی اب ان کی حیثیت ایک اہم مہرہ کی سی ہوگئی۔ یہ انقلاب آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں جو بار بار "لایخلف المیعاد" کہا گیا اور جس کی طرف علامہ اقبال نے بھی ہمیں متوجہ کیا ہے، اب وقت آچکا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے عروج کے ساتھ ان کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کا حساب ہوگا۔ تاریخ اپنے صحیح تناظر میں کہی جائے گی اور دُنیا کو معلوم ہوگا کہ علوم و فنون کی ترقی میں جو بیسویں صدی کی تہذیب کا سرمایہ ہے مسلمانوں کا کیا حصّہ ہے۔ ان علوم و فنون میں "لسانیات" بھی شامل ہے۔ اُسے آپ مطالعۂ لسان کہیے، مطالعۂ زبان کہیے، یا لسانیات کی جدید تر اصطلاح استعمال کیجیے۔ اس سے موضوع میں فرق پیدا نہیں ہوتا اس لیے اس سے پہلے اس کے مفہوم، موضوع اور حدود کو متعین کرلیں اور پھر

---

[1] یہ مضمون ایک غیر مطبوعہ زیرِ اشاعت کتاب کے پیش نامہ کا حصّہ ہے۔ کتاب کی طباعت سے پہلے اس کے حوالے نقل نہ کیے جائیں ـــ ابواللیث صدیقی

دیکھیں کہ مسلمانوں نے اس علم میں کیا کارنامے چھوڑے ہیں۔

زبان سیکھنے یا کسی زبان کو استعمال کرنے کے مختلف مقاصد اور ان مقاصد کی نسبت سے مختلف ذرائع اور وسائل ہوتے ہیں۔ ذریعۂ ابلاغ کے لیے کسی معاشرہ میں جسے ہم اس معاشرہ کی مادری زبان کہتے ہیں (اور لطف یہ ہے کہ ہمارے وہ معاشرے بھی جو مادری معاشرے نہیں پدری معاشرے ہیں، زبان مادری زبان ہی کہلاتی ہے) بچہ آغوشِ مادر سے سنتا، سیکھتا اور استعمال کرتا چلا آتا ہے اس کی عمر، معاشرہ میں اس کے تعلقات کی وسعت، اس کے تجزیئے، اس کی تعلیم و تربیت، اس کے پیشہ اور فرائض ان کے لیے زبان کا ایک سرمایہ مہیا کرتے ہیں جو اس کے معاشرے کی زبان ہوتی ہے۔ اس میں اس کی ذاتی اور انفرادی خصوصیات ہوتی ہیں، جن کو ہم تکیۂ کلام کہتے ہیں۔ اس کی مقامی خصوصیات ہوتی ہیں جو اس حد تک قابلِ تعین ہوتی ہیں کہ اس فن کے ماہرین اس زبان کے بولنے والے کے علاقہ، بلکہ محلہ تک کا پتہ چلا لیتے ہیں۔ جدید لسانیات نے تو اسے اب وضاحت سے محسوس کیا اور اُسے بولی کا نام دیا یعنی DIA LECT لیکن اب سے بہت پہلے انشاء اللہ خان انشاء نے "دریائے لطافت" میں دلی کے نہ صرف مختلف محلوں کی بلکہ ایک حویلی سے دوسری حویلی تک کی حد بندی کر کے لسانی خصوصیات بتا دی تھیں۔ دوسری صورت زبان سیکھنے کی کوئی غیر مادری زبان سیکھنا ہے۔ یہ مختلف ضرورتوں کے تحت ہو سکتا ہے مثلاً مذہبی ضروریات کے تحت، جو حقیقت میں لسانیات کی تاریخ میں زبانوں کے مطالعہ کے آغاز کی بنیاد ہے یا انتظامی ضروریات کے تحت فاتح اور مفتوح قوموں کو ایک دوسرے کی زبان سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے یا کاروباری اور تجارتی ضرورت کے لیے سیر و سیاحت اور سفر کے لیے، دوسرے ملکوں سے سیاسی تعلقات کی بنا استوار کرنے کے لیے، بین الاقوامی مجالس اور مباحثوں میں شرکت کے لیے اور سب سے آخر میں محض ایک علمی مقصد کے لیے جسے ہم آج کل کی رائج اصطلاحوں میں فن برائے فن اور علم برائے علم کہہ سکتے ہیں۔

زبان سیکھنے کی نہایت اہم ضرورت، جس نے بڑی حد تک علم اللسان یا لسانیات کے ارتقاء میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، مذہب ہے اور اس میں کسی ایک مذہب کی تخصیص نہیں۔ البتہ جس معاشرہ میں مذہب کی جس قدر اہمیت ہو گی یا جس کے پیرو یا ماننے والوں کی تعداد جتنی زیادہ ہو اور جتنے زیادہ جغرافیائی علاقے میں پھیلی ہو گی اتنی ہی اس زبان کے سیکھنے کی ضرورت ہو گی۔ اس کی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ پہلے ان زبانوں کو لے لیجئے جنھیں ہم آج عرفِ عام میں مردہ زبانیں کہتے ہیں، یعنی جو زبان عام طور پر بولی نہیں جاتی البتہ کتابوں اور نوشتوں میں محفوظ ہیں اور عصری زبانوں یا بولیوں میں ان کے آثار باقیہ ورثہ کے طور پر بکھرے ہوئے ہیں۔ مثلاً ویدک سنسکرت جو ویدوں کی زبان، آریوں کی مقدس زبان، برہما کی زبان، پاک زبان تھی اور جس کا بولنے والا آج کوئی نہیں اور آج کی بات نہیں صدیوں سے یہ زبان بس مقدس ویدوں اور ان کی تشریحوں میں محفوظ ہے۔ انتہائی احتیاط کے باوجود یہ زبانِ مقدس بھی تغیرات سے محفوظ نہ رہی جو زبان کی ارتقا کے اٹل قوانین ہیں اور ان کے تحفظ کے لیے قدیم مصنفین کو خاص اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ لسانیات کی تاریخ میں اس سلسلے میں پانینی کا نام لیا جاتا ہے جو چوتھی صدی قبل مسیح سے تعلق رکھتا ہے جس نے بقول بعض دنیا میں کسی زبان کی پہلی قواعد لکھی۔ حقیقت یہ ہے کہ خود پانینی نے اپنے پیشرو مصنفین کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی تصانیف اب موجود نہیں صرف بعض اجزاء اور حوالے ملتے ہیں کیونکہ تحریری شہادت کے قدیم ترین نمونے برصغیر میں ان کتبات میں ملتے ہیں جن کا سلسلہ اشوک کی کتاب کا ہے اور جن میں سے ایک پاکستان میں شہباز گڑھی کے علاقے میں موجود ہے۔ ان کتبات کو پنجاب یونیورسٹی کے لائق مستشرق ڈاکٹر وولنر نے دو جلدوں میں مرتب کر کے شائع کر دیا ہے۔ ان کتبات کا سلسلہ دو مختلف رسم الخط میں ہے۔ ایک خروشتی رسم الخط جو چوتھی صدی قبل مسیح سے کم و بیش دوسری صدی عیسوی تک پنجاب میں رائج تھا۔ یہی وہ علاقہ تھا جسے گندھارا کا علاقہ کہتے ہیں اور جو پانچویں صدی قبل مسیح میں سامی تحریر کی ارامی شاخ سے ماخوذ ہوا تھا اور دائیں طرف سے بائیں طرف لکھا جاتا تھا۔ جیسے آج بھی عربی، فارسی، پشتو، پنجابی، سندھی، اردو وغیرہ زبانیں لکھی جاتی ہیں بلکہ وہ جو غیر آریائی زبانوں مثلاً براہوی تک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دوسرا رسم الخط وہ ہے جسے براہمی کا نام دیا گیا اور جس سے آج بعض بھارتی زبانوں اور بولیوں کے رسم الخط ماخوذ ہیں مثلاً ہندی، گورمکھی، بنگالی، مرہٹی، گجراتی وغیرہ۔ اس کی خصوصیت یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ خروشتی کے برعکس بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی طرف لکھتے ہیں جیسا کہ آج کل دیوناگری وغیرہ میں موجود ہے لیکن یہ انداز غالباً بعد میں اختیار

زبان کا مذہب سے گہرا تعلق ہوتا ہے

کیا گیا کیونکہ چوتھی صدی قبل مسیح کے دریافت شدہ سکوں میں بھی دائیں سے بائیں طرف لکھا جاتا ہے اور محققین کے بقول جس کی اساس بھی شمالی سامی یا فنیقی رسم الخط ہے جو اپریا کے اوزان اور باقیات میں نویں صدی قبل مسیح تک ملتے ہیں اور غالباً برصغیر پاک و ہند میں یہ رسم الخط تاجروں کے ذریعہ پہنچا جو میسوپوٹا میں کاروبار کے لیے آتے تھے۔ بہرحال پانینی اور اس کے پیشرو مصنفین نے قواعد کے سلسلے میں جو کچھ کیا اس کی صدائے بازگشت آج بھی کہیں کہیں سنائی دیتی ہے مثلاً صوتیات کے سلسلے برہمی رسم الخط میں چھیالیس[۴۶] آوازوں کو سامی رسم الخط کی صرف بائیس علامتوں سے ظاہر کرنے کی مہم ان برہمنوں نے سَر کی جو سنسکرت کے اجارہ دار بھی تھے اور محافظ بھی۔ انہوں نے صرف فہرست سازی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان کی ترتیب بھی کی۔ مثلاً صوتیہ اور مصمتوں کو الگ الگ کیا۔ ان میں بھی سادہ مصمتے الگ کیے اور دو صوتیے الگ اور مصمتوں کو ذیلی خانوں میں ان کے مخرج کے اعتبار سے شمار کیا۔ مثلاً دندانی ت ٹ۔ د۔ دھ۔ پ۔ پھ۔ ب۔ بھ وغیرہ[۱]

اس تھوڑی تفصیل کی ضرورت یوں پڑی کہ زبان کا مذہب سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ آج جب بھارت کی آزادی کے بعد ہندوؤں میں اپنی قدیم روایات کو زندہ کرنے اور ان کو تقویت پہنچانے کا جذبہ بیدار ہوا ہے تو وہ اپنی موجودہ زبانوں اور بولیوں میں سنسکرت کے ایسے الفاظ داخل کر رہے ہیں جن کے مترادفات ان کی زبانوں اور بولیوں میں مدتوں سے موجود ہیں۔ اس کی ایک مثال جدید ہندی ہے۔ دوسری مثال عبرانی کی ہے جو اسرائیل کی زبان کی حیثیت سے صرف بعض علماء کی تحقیق، تعلیم و تدریس کا ایک مشغلہ تھی لیکن صیہونی ریاست کے قیام کے ساتھ اسے دوبارہ زندہ کرنے کے منصوبے بنائے گئے اور اگرچہ نام نہاد ریاست اسرائیل میں مختلف ملکوں میں آکر بسنے والے یہودیوں کی اپنی اپنی زبانیں ہیں جو نسلوں سے ان کے آباواجداد بولتے چلے آئے ہیں لیکن اب وہ اسی عبرانی کو اپنی زندہ قومی اور سرکاری زبان کہتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

لاطینی جو آج علمی اصطلاحات کے ماخذ کا یورپی زبانوں میں ایک اہم منبع ہے صرف اپنی کلیسائی حیثیت اور اہمیت کی بدولت ہم تک پہنچی ورنہ یورپ کے مختلف ممالک میں ان لوگوں کی اولاد، جن کی زبان لاطینی تھی، آج اپنے اپنے علاقوں کی زبانیں اور بولیاں بولتے ہیں۔ ژند اور اوستا کی زبان بھی ہم تک صرف چند نوشتوں کے چند اجزاء کی بدولت پہنچی ہے جو پارسی زردشت کے پیرو اپنے سینے سے لگائے رہے اور آج اس زبان کے بولنے، لکھنے اور پڑھنے والے علماء انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جن کے لیے یہ ایک علمی اور تحقیقی مشغلہ ہے۔

ان چند مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ زبانوں کی ترقی، ان کی تہذیب و اصلاح میں مذہب کا بڑا دخل ہوتا ہے اور کوئی زبان حقیر یا معمولی بولی ہی کیوں نہ سمجھی جاتی ہو۔ اگر اسے کسی قومی مذہب کی سرپرستی نصیب ہو جائے تو وہ ان زبانوں کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے جن کو برتری اعلیٰ نسبی شرف و امتیاز کا دعویٰ ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال سنسکرت کے مقابلے میں ماگدھی پراکرت ہے۔ جب یہ گوتم بدھ کی تعلیمات کی زبان بنی اور اس کے ماننے والوں کی حکومت کا حلقہ بنگال سے افغانستان تک اور کشمیر سے سری لنکا تک پھیلا تو یہی پالی سنسکرت کی جانشین۔ ایک علمی زبان اور مہاتما بدھ کی زبان بن کر تاریخ میں سامنے آئی۔ یہی صورتحال اسلام کے آغاز سے پیدا ہوئی اور اس کا اثر نہ صرف عربی زبان یا جزیرہ نما عرب یا مشرقِ وسطیٰ یا عرب ممالک تک محدود رہا بلکہ دنیا میں جہاں اور جب بھی اسلام کا پیغام پہنچا، وہاں ان کی اپنی زبانوں اور بولیوں پر بھی اسلام کی چھاپ لگ گئی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے دور کے ساتھ جو سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ یہ وسیع تر ہوگا۔ یہ اثرات زیادہ گہرے اور دوررس ثابت ہوں گے۔ (جاری ہے)

۱؎ سنسکرت لٹریچر از اے اے میکڈونل، لندن۔ ۱۹۰۹ء۔ صفحہ ۱۵

مسائل و مباحث

(۱)

آپ کے موقر رسالے کا تیسرا شمارہ پہلے ملا تھا اور اس پر میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا تھا۔ اب پانچواں شمارہ بھی ملا ہے۔ بیچ کے شمارے نہیں ملے۔ اگر ممکن ہو تو بھجوا دیں۔ ان سے استفادہ کرونگا۔ اخبار اردو کی ترسیل کا شکریہ قبول فرمائیے۔

اُردو میں انگریزی کے استعمال پر جو مضمون شائع ہوا ہے وہ خوب ہے۔ اس برائی کے مرتکب زیادہ تر ہمارے اُردو کے اخبارات ہیں۔ اور وہ لوگ جو انگریزی میں ترجمہ کرتے ہیں۔ وہ اُردو زبان سے پورے طور پر واقف نہیں ہوتے اور نہ انگریزی کے معانی اور مطالب سے آگاہ ہوتے ہیں وہ کاہلی یا جلد بازی کی وجہ سے لُغت دیکھنا بار سمجھتے ہیں اس لیے فوراً انگریزی کا لفظ جوں کا توں لکھ دیتے ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ عام طور پر دکاندار اپنی تختی انگریزی میں لکھتے ہیں۔ اگر اردو میں لکھتے ہیں تو وہی بات ہوتی ہے یعنی انگریزی الفاظ اُردو رسم الخط میں۔ یہ تو پورا تیتر ہوا نہ آدھا بیٹر۔ اس کے لیے ایوان تجارت کے عہدے داروں سے گفتگو کرنا چاہیے۔

ایک تیسری چیز یہ ہے کہ بعض پیشے کے لوگ اپنے پیشے کو اُردو میں ظاہر کرنا ہتک عزت سمجھتے ہیں حالانکہ وہی بات وہ انگریزی الفاظ میں اُردو رسم الخط میں ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً حلوائی اپنے کو "سوئیٹ میٹ مرچنٹ" کہلانا، حجام "ہیئر ڈریسر" کہلانا، سبزی فروش یا کنجڑا "ویجیٹبل سیلر" کہلانا، درزی "ٹیلر ماسٹر" کہلانا وغیرہ پسند کرتا ہے۔ انگریزی الفاظ سے نہ پیشے کی ماہیت بدلتی ہے اور نہ شہرت۔ مگر یہ انگریزی راج کی لعنت ہے کہ اس کا اثر باقی ہے۔

اس مضمون میں ایک جگہ قمیص کا ماخذ پرتگالی بتایا گیا ہے۔ شاید راقم مضمون نے یہ خیال رام بابو سکسینہ کی کتاب تاریخ ادب اردو سے لیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے یہ غلطی کی ہے کہ قمیص کو پرتگالی سے ماخوذ بتایا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ خالص عربی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں کئی بار آیا ہے۔ گمان ہوسکتا ہے کہ شاید یہ لفظ لاطینی سے آیا۔ تو جناب لاطینی میں یہ لفظ سرے سے موجود نہیں ہے اور نہ دور دور تک اس کا پتہ ہے۔ لاطینی میں قمیص کے لیے لفظ SUBUCOLA استعمال ہوتا تھا۔ جدید اطالوی میں قمیص CAMICA استعمال ہوتا ہے۔ اس کا تلفظ آجکل کیمچا کیا جاتا ہے مگر اغلب ہے کہ قدیم زمانے میں قمیص ہی رہا ہو۔ واضح ہو کہ جدید اطالوی زبان نویں دسویں صدی عیسوی سے لاطینی سے نکلی ہے مگر الفاظ میں دوسری زبانوں کا اس نے بہت اثر قبول کیا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ CAMICIA کا لفظ صقلیہ سے اطالوی زبان میں داخل ہوا۔

اب پانچویں شمارے کی بابت کچھ عرض کرونگا۔ اصول وضع اصطلاحات کے بارے میں آپ نے چند اصول حوالہ قلم بند کیے ہیں۔ اس مضمون میں بعض جگہ آپ کا لب ولہجہ ذرا سخت ہوگیا ہے ایک مبلغ کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ نرمی کے علاوہ اور کوئی زبان استعمال کرے۔ اب آیئے لسانیات کی طرف۔ آپ نے صحیح لکھا ہے کہ "مڈل انگلش" یعنی وسطی دور کی انگریزی زبان پر فرانسیسی، ہسپانوی اور اطالوی زبانوں کا اثر زیادہ پایا جاتا ہے۔ تو جناب والا یہ اثر فرانسیسی زبان کے ذریعہ داخل ہوا کیونکہ فرانس نے صدیوں تک انگلستان پر حکومت کی ہے۔ دراصل یہ اثر فرانس کا ہے اور فرانس کے ذریعہ لاطینی اثر کا ہے جو اطالوی اور ہسپانوی زبانوں کا مجموعی منبع ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں روسی زبان کا ذکر کیا ہے کہ اکا دکا دخیل الفاظ کو چھوڑ کر انگریزی، جرمن، فرانسیسی اور ہسپانوی زبان سے میل نہیں کھاتی۔ یہ بیان آپ کا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ میں اسٹاک ہولم میں ایک دفعہ مشہور سیاح سوِن ہیڈن سے ملا۔ باتوں باتوں میں روسی زبان کا ذکر آگیا۔ اس نے کہا کہ پیٹر اعظم سے پہلے روسی زبان بہت بے مایہ زبان تھی۔ مگر اس کے بعد اس نے بے شمار الفاظ جرمن اور فرانسیسی سے لینے شروع کیے اور آج روسی اس قابل ہے کہ وہ کوئی مضمون ہو اس کو خوش اسلوبی سے ادا کرسکتی ہے۔ میں نے خود روسی میں الفاظ کی تحقیق میں کچھ وقت گزارا۔

مجھے اندازہ ہوا کہ اس میں سنسکرت اور عربی کے الفاظ بھی داخل ہو گئے ہیں۔

پھر آپ نے یہ تحریر کیا کہ جرمن زبان نے فرانسیسی یا روسی زبان کو اپنے اوپر یلغار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ بیان بھی حقیقت کے خلاف ہے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں جرمنی کے شاہ فریڈرک دوم کے دربار کی زبان فرانسیسی تھی اور پروشیا کی علمی جماعت کے سامنے جو خطبے دیئے جاتے تھے وہ فرانسیسی میں ہوتے تھے۔ یہ تو ہیرڈر، گوئٹے اور ویلانڈ کا فیض ہے جنھوں نے جرمن زبان کا بول بالا کیا اور جرمن زبان میں سائنس کی ترقی تو انیسویں صدی کے نصف دوم سے شروع ہوئی اور آج سائنس کے میدان میں جرمن سب سے اہم زبان مانی جاتی ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ جرمنوں نے لاطینی زبان کی طرف زیادہ رُخ نہیں کیا بلکہ تمام لاطینی زبانوں کے الفاظ اپنی زبان میں ڈھال لیے۔ ایک لفظ ٹیلیفون لیجیے۔ اس لفظ کے اصلی معنی ہیں دور کی آواز۔ ٹیلی کے معنی دور کے اور فون کے معنی آواز کے ہیں۔ یہ یونانی لفظ سے ملا کر بنایا گیا۔ اب جرمن زبان میں اس کا ترجمہ ہوا VERSPECHER یعنی VERN (فرن) دور کے اور SPECHER معنی بولنے والے کے یعنی دور سے بولنے والا۔ اب اس کا ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم نے دور گو کیا تھا۔ مگر یہ لفظ چلا نہیں کیونکہ لوگوں پر انگریزیت سوار تھی۔ اب ایک واقعہ عربی کا بھی سن لیجیے۔ ۱۹۲۱ء کا ذکر ہے۔ لکھنؤ میں خلافت کانفرنس ہو رہی تھی۔ مولوی سلامت اللہ ایک سفید ریش زنگی محلی بزرگ ہال سے کسی ضرورت سے باہر آئے۔ انھوں نے ایک والنٹیر کو آواز دی۔ اور یہ کہہ کر پکارا۔ ارے او حزب المطوعین۔ ایک صاحب جو پاس ہی کھڑے تھے انھوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ جب تک آپ اتنا بڑا لفظ ادا کریں گے تب تک تو وہ چلا جائیگا۔ مولوی صاحب کچھ برہم ہوئے۔ اس زمانے میں عربی کا زور تحریک خلافت کی وجہ سے چل نکلا تھا۔ اور ابوالکلام آزاد کی مشکل پسند طبیعت کے اردو میں عربی الفاظ رائج کرنے کا شوق حدِ اعتدال سے آگے جا رہا تھا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ افراتفری کا اندازہ زبان کے ڈھالنے اور اس کو وسعت دینے میں نہیں ہونا چاہیئے۔

آپ نے لکھا ہے کہ حیوانات اور جنس کے لاطینی ناموں کا ترجمہ نہ کیا جائے اس کی آپ نے کوئی وجہ نہیں بیان کی۔ آخر کیوں نہ کیا جائے۔ لاطینی الفاظ کوئی جادو کے اکھر تو نہیں ہیں کہ انسانی فہم و ادراک سے باہر ہوں۔ آخر لاطینی والوں نے بھی تو کچھ سمجھ کر اس کو لکھا ہوگا۔ آپ نے مثال کے طور پر MUSCA DOMESTICA لکھا ہے کہ اس کو جوں کا توں رکھا جائے۔ اب سنیئے ان دو لفظوں کے کیا معنی ہیں۔ لاطینی میں MUSCA مکھی کو کہتے ہیں، اور موجودہ اطالوی میں اس کو MOSCA کہتے ہیں۔ گھر کو لاطینی میں DOMUS کہتے ہیں اس لیے MUSCA DOMESTICA کے معنی ہوئے وہ مکھی جو عام طور پر گھروں میں پائی جاتی ہے۔ اب اس کو اگر مگس خانہ یا مگس مکانی کہا جائے تو اس میں کون سی قباحت ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں لاطینی کے جاننے والے لوگ نہیں ہیں اس لیے میرا مشورہ ہے کہ کسی ایسے پادری کو اپنا رکن بنا لیجیے جو لاطینی سے اچھی طرح واقف ہو اور تھوڑی بہت اردو جانتا ہو تو بہت اچھا ہے۔ اب پادری کا ذکر آیا تو ایک دلچسپ تاریخی واقعہ اور یاد آیا۔ جب کارڈینال ریشلیو کے زمانے میں سترہویں صدی کے وسط میں فرانسیسی لغت کی تدوین کا کام فرانسیسی اکادمی کی طرف سے شروع ہوا تو اس کے ارکان میں جن کے ذمہ لغت نویسی کا کام سپرد ہوا۔ بہت سے پادری تھے جو عربی زبان سے واقف تھے۔ اس وقت تک شاید اطالوی زبان کے علاوہ یورپ کی کسی زبان میں کوئی لغت موجود نہیں تھی۔ ان پادریوں نے کام شروع کیا تو ان کے سامنے عربی لغت کے نمونے تھے۔

انہوں نے فرانسیسی اکادمی کی پہلی لغت عربی لغت کے اصول پر یعنی مادہ کی بنیاد پر رکھی لیکن تیسرے ایڈیشن سے مادہ کو بدل کر حروف تہجی کے انداز میں لغت مرتب ہونے لگی۔ اب مصر میں حروف تہجی کے اصول پر ایک عربی لغت شائع ہوئی ہے۔

آپ نے مقابل صفحہ ۹ پر انگریزی زبان، جرمن، فرانسیسی اور ہسپانوی مثالیں اصطلاحات کی دی ہیں۔ ان میں آپ دیکھیں گے کہ فرانسیسی انگریزی اور ہسپانوی اصطلاحات بہت تھوڑے فرق کے ساتھ ملتی جلتی ہیں مگر جرمنوں نے تمام اصطلاحات کا اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا ہے اور یہ کوئی خاص الفاظ نہیں ہیں بلکہ روزمرہ کے استعمال میں آتے ہیں۔ آپ کے دیئے ہوئے الفاظ میں سے میں چند کو لیتا ہوں۔ AREA

کا جرمن ترجمہ FLACHNRAUM ہوا۔ FLACHAN صیغہ جمع میں استعمال ہوا ہے اس کے معنی سطح کے ہیں اور RAUM کے معنی جگہ کے ہیں۔ اب AREA کا ترجمہ صاف ہو گیا۔ اسی طرح FOCUS کو لیجیے۔ اس کا ترجمہ ہے PRENN - PRENNPUNKT کے معنی جلنے کٹنے یا کامیاب ہونے کے ہیں اور PUNKT کے معنی ہوئے نقطہ کے۔ یعنی وہ نقطہ جس پر کوئی چیز جل جائے کٹ جائے یا کامیاب ہو۔ اسی طرح DENSITY کے معنی ہیں - DICHTE اس لفظ کے جرمن ہیں معنی ہوئے موٹے ہونے یا موٹائی کے۔ اب دیکھیے کہ جرمنوں نے سائنس کے میدان میں بغیر لاطینی کے اپنی زبان کو مرکبات کے ذریعہ سے اور کہیں تنہا الفاظ سے آگے بڑھایا۔ کیا ہم یہ کام نہیں کر سکتے کہ عربی، فارسی، اردو ترکی اور ہندی کے ذریعے اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ کریں۔ ایسا ترجمہ جو ہماری زبان کی روح کے مطابق ہو اور جو جلد رائج ہو جائے۔

ہاں ایک لفظ صفحہ ۱۳ پر CARBONIFE-ROUS آیا ہے۔ اس کا ترجمہ آپ نے کاربن بردار کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کاربن کوئلہ کو کہتے ہیں اس لیے بردار کے ساتھ اس کا فارسی یا عربی سابقہ لگا دیں تو معنی صاف ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر ریاض الحسن
کراچی

(۲)

اردو میں تاروں کی ترسیل

(گذشتہ دنوں مقتدرہ کی جانب سے محکمہ ٹیلیفون و ٹیلی گراف کے نام ایک مکتوب ارسال کیا گیا تھا تاکہ اردو میں تاروں کی ترسیل نہ ہونے کی وجوہات اور اس کے پس منظر کا علم ہو سکے۔ اس کے جواب میں محکمۂ مذکورہ نے جو جواب ارسال کیا ہے۔ وہ نذر قارئین ہے)

آپکا مراسلہ حوالہ نمبر ر/۲۰/۸۰ الف) مورخہ ۱۸ ر نومبر ۱۹۸۱ء موصول ہوا۔ اس سلسلہ میں اصل صورت حال درج ذیل ہے۔

۱۔ اردو میں تاروں کی ترسیل تجرباتی طور پر چند شہروں میں ۱۹۵۱ء میں شروع کی گئی۔ جسکے لیے اُن شہروں سے کچھ عملہ کو خصوصی طور پر "مورس سسٹم" (کرگرگٹ گٹ) پر اردو کے اشارات پر تربیت دی گئی۔

۲۔ عوام کی طرف سے اردو زبان میں تاروں کی ترسیل پر عدم توجہ کی بنا پر محکمہ کے لیے مزید عملہ کی اردو میں تربیت جاری رکھنا ممکن نہ رہا۔ کیونکہ اردو میں بعض شہروں سے کئی کئی ماہ ایک عدد تار بھی ارسال نہ کی گئی جبکہ لاہور اور کراچی جیسے بڑے شہروں میں دوسرے یا تیسرے ماہ ایک تار بک کروا دی جاتی۔

۳۔ اب عرصہ دس سال سے مورس کا پرانا نظام ان تمام شہروں میں ختم ہو چکا ہے اور نیا نظام ٹیلی پرنٹر کا رائج ہو چکا ہے کیونکہ یہ ٹیلی پرنٹر انگریزی زبان کے ہیں اسلیے اردو کی تاریں ان پر ارسال نہیں کی جاسکتیں۔

۴۔ غلطی سے چند شہروں کی ٹیلیفون ڈائریکٹریوں میں اردو میں تاروں کی سہولت کے بارے میں دوبارہ چھپ جانے کی وجہ سے ایک دو جگہوں سے شکایات موصول ہوئی ہیں جس پر متعلقہ افسران کو ہدایات کی گئی کہ اردو میں تاروں کی سہولت کے بارے میں ٹیلیفون ڈائرکٹری سے اسے اس وقت تک خارج کر دیں۔ جب تک اردو ٹیلی پرنٹر نصب نہیں ہو جاتے۔

۵۔ اردو کے ٹیلی پرنٹر کی تیاری آخری مرحلوں میں داخل ہو چکی ہے کیونکہ اس سلسلہ میں موجودہ حکومت کی طرف سے خاص طور پر حکم دیا گیا تھا۔ انشاء اللہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سال کے اندر اندر بہت زیادہ شہروں کے درمیان اردو میں تاروں کی ترسیل کا نظام بیک وقت شروع ہو جائیگا اور پبلک کی دیرینہ خواہش پوری ہو جائیگی۔

فقط۔ والسلام
نیازمند، محمد منیر اقبال
اسسٹنٹ ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل محکمہ ٹیلیفون و ٹیلی گراف اسلام آباد۔

افکارِ معاصرین

۱۹۸۲ء — سالِ اردو

اُردو انجمنوں کے ۱۸ ویں سالانہ اجلاس میں ۱۹۸۲ء کو "سالِ اُردو" کے طور پر منانے کا جو مطالبہ کیا گیا ہے۔ وہ حکومت کے علاوہ تمام قومی حلقوں کی طرف سے بھی فوری توجہ اور پرخلوص پذیرائی کا مستحق ہے۔ موجودہ حکومت بالخصوص صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے قومی زبان کے مقام و مرتبہ میں اضافہ کرنے کے سلسلے میں جو عملی اقدامات کیے ہیں۔ اردو انجمنوں کے اس اجلاس میں انہیں بنظرِ تحسین دیکھا گیا۔ اور ۱۹۸۲ء کو "سالِ اُردو" کے طور پر منانے کا مطالبہ اس اعتراف کا سلسلہ اور آگے بڑھانے کی تحریک کی حیثیت رکھتا ہے۔ مقتدرہ قومی زبان نے کچھ عرصہ قبل تمام سرکاری شعبوں میں اُردو کو ذریعۂ اظہار بنانے کا جو پروگرام مرتب کیا تھا اس پر عمل درآمد کی ایک مؤثر اور قابلِ اعتماد صورت یہی ہوگی کہ اُردو انجمنوں کے اس مطالبے کو قبول کر لیا جائے۔ یکم دسمبر ۱۹۸۰ء سے سرکاری اہلکاروں کے لیے پاکستانی اور قومی لباس کو لازمی قرار دینے کا جو قابلِ تعریف اہتمام کیا گیا ہے اس کا منطقی تقاضا یہ بھی ہے کہ قومی زبان کو اس کے اصل مقام و مرتبہ سے بہرہ مند کرنے میں اب کوئی تاخیر روا نہ رکھی جائے۔

یہ مدّت تو بہت زیادہ ہے

حکومتِ پنجاب کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری نے (جو مجلسِ زبان دفتری پنجاب کے سربراہ ہیں) ایک اخباری انٹرویو میں بتایا ہے کہ تمام سرکاری محکموں میں اُردو کو باضابطہ طور پر دفتری زبان کے طور پر رائج کرنے کا قومی سطح پر جو پروگرام مرتب کیا گیا ہے اس پر عمل درآمد کا آغاز اگست ۱۹۸۲ء سے ہوگا۔ اور چھ سال کے عرصے میں پایۂ تکمیل تک پہنچے گا۔ موصوف نے اس ضمن میں یہ بتایا کہ آئین ۷۳ء میں بھی اس مقصد کے لیے آخری میعاد اگست ۱۹۸۷ء ہی مقرر کی گئی تھی۔ یہ بات اگرچہ خوشی و اطمینان کا باعث بنے گی کہ ایک مطلوب و مقصود کام کے لیے بالآخر قومی سطح پر پروگرام مرتب کر لیا گیا ہے، لیکن چھ سال کی مدت کو اکثر و بیشتر حلقے بہت زیادہ قرار دینے میں حق بجانب ہوں گے۔ کیونکہ اسی مقصد کے لیے وفاقی حکومت کی ہی قائم کردہ "تنظیم مقتدرہ قومی زبان" نے اس تبدیلی کے لیے صرف تین برس کی مدت کافی قرار دی تھی۔ آئین ۷۳ء میں آخری حد کے تعین کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اس سے پہلے یہ کام سرانجام نہیں دینا چاہیئے۔ مزید برآں آئین ۷۳ء میں اس اہتمام کو حجت قرار دیتے وقت یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ ۱۹۵۶ء اور پھر ۱۹۶۲ء کے آئینوں میں اس سلسلے میں جو مدت مقرر کی گئی تھی، وہ کبھی کی گزر چکی ہے۔ قومی زبان سے بے اعتنائی کا سلسلہ بہت طویل ہو چکا ہے اور اب "دیر آید درست آید" کو بھی جواز بنایا جائے تو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقتدرہ قومی زبان نے تبدیلی کے لیے جو مدت تجویز کی ہے اسی کی بنیاد پر ہی پروگرام مرتب کیا جائے، تاکہ تاخیر و التوا کا سلسلہ ختم ہوتا نظر آئے۔

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی

۳۰ر نومبر ۱۹۸۱ء

اُردو ٹیلی پرنٹرز سروس۔ اصل رکاوٹ

ایک خبر یہ ہے کہ ملک میں برقیاتی (کمپیوٹرائزڈ) اُردو انگریزی ٹیلی پرنٹر سروس اگلے سال ستمبر سے شروع ہو جائے گی جس سے ڈاک، تار، ٹیلکس اور اخباری صنعت میں انگریزی کے ساتھ ساتھ اُردو ٹیلی پرنٹرز بھی استعمال کیے جا سکیں گے۔ قومی اقتصادی کونسل نے ترجیحی بنیادوں پر پہلے مرحلے میں مقتدرہ قومی زبان کے تجویز کردہ ۱۵۰۰ ٹیلی پرنٹرز تیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ ٹیلی پرنٹرز بیک وقت اُردو اور انگریزی دونوں میں کام آ سکیں گے۔

یہ خبر بہت اُمید افزا ہے۔ نوری نستعلیق کتابت کے بعد یہ اُردو کے رواج اور ترقی کے سلسلے میں ایک اہم تکنیکی کامیابی کا سنگ میل ہوگا۔ اُردو ٹیلی پرنٹرز سروس سے طویل فاصلوں کے درمیان تیز رفتار پیغام رسانی کے سلسلے میں انگریزی کی محتاجی ختم ہوگی۔ کاروباری اور صنعتی دُنیا اور ذرائع ابلاغ کی صنعتوں میں اس کامیابی کے بعد اُردو کے تیز رفتار رواج کی راہ ہموار ہوگی۔ اُردو کی تکنیکی ترقی کے سلسلے میں یہ کامیابیاں اپنی جگہ بہت اہم اور لائق تحسین ہیں۔ مگر اُردو کی

اس فنی اور تکنیکی ترقی کے ساتھ ان کامیابیوں کے ثمرات سے استفادۂ عام اور ان کے رواج کے راہ کی موانعات بھی دور کی جانی چاہئیں اور ان موانعات میں سب سے اہم رکاوٹ ساری نظر میں حکومت کے اندر انگریزی طبقے کی ایک بہت مضبوط لابی کا طرزِ فکر اور طرزِ عمل ہے۔ یہ طبقہ نہیں چاہتا کہ اس ملک میں انگریزی کا کھرا سکہ کھوٹا قرار پائے اور اردو کا سکہ کھرا ہو کر رواج پائے۔

مثلاً یہ خبر قابلِ توجہ ہے کہ ٹیلی فون انڈسٹری ہزارہ میں ٹائپ رائٹروں کی تیاری شروع ہو چکی ہے۔ ۵۰۰ ٹائپ رائٹر تیار بھی ہو گئے جن میں سے چھ ٹائپ رائٹر مقتدرہ کو بھیجے گئے ہیں۔ لیکن دوسرے تیار شدہ ٹائپ رائٹروں کے کارخانے سے حاصل کرنے کے لیے سرکاری اور نجی شعبے سے کوئی پیشکش نہیں ہوئی۔ اس سلسلے میں پہل کاری کی ذمہ داری سرکاری شعبے کی ہے کیونکہ جب تک سرکاری دفتروں میں اردو ٹائپ رائٹر سے کام نہیں لیا جائے گا اور وہاں سے اردو میں مراسلت کا آغاز نہیں ہو گا تو نجی شعبے میں اردو ٹائپ رائٹر کے قبول کرنے کی راہ ہموار نہیں ہو گی کیونکہ حکومت سے مراسلت کے لیے انگریزی ٹائپ رائٹر ہی کو ترجیح حاصل رہے گی۔ سوال یہ ہے کہ جب حکومت نے ٹیلی فون انڈسٹری ہزارہ کو اردو ٹائپ رائٹروں کی تیاری کا حکم دیا تو سرکاری محکموں کو کیوں ہدایت نہیں کی وہ فوراً یہ "ٹائپ رائٹر" منگائیں۔ ملک بھر کے کامرس کالجوں اور کمرشل ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹوں اور دوسرے اداروں میں بھی اگر عام نوجوانوں کو تربیت دینے کے لیے دو دو ٹائپ رائٹر منگائے جاتے تو ایک طرف تو ٹیلی فون انڈسٹری کے تیار کردہ ٹائپ رائٹر کھپ جاتے اور انڈسٹری کو مزید ٹائپ رائٹر تیار کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے اور دوسری طرف اردو ٹائپسٹوں کی تربیت کا انتظام ہوتا کہ جن کی کم یابی بھی اردو ٹائپ رائٹروں کے استعمال اور رواج میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ حکومت ان موانعات کو دور کرنے کے سلسلے میں بھی مناسب اور موثر کارروائی کی ضرورت سے لاتعلق نہیں برتے گی۔

روزنامہ "جسارت" کراچی

۷ نومبر ۱۹۸۱ء

قومی زبان کا فوری نفاذ

ترک سربراہ مملکت جنرل کنعان ایورن کے اعزاز میں گزشتہ روز کراچی میں جو شہری استقبالیہ دیا گیا اس کی تمام کارروائی اردو اور ترکی میں ہوئی حتیٰ کہ تقریب کے آغاز پر کلام پاک کی جو آیات تلاوت کی گئیں ان کا ترجمہ بھی دونوں زبانوں میں پیش کیا گیا تقریب میں شریک تمام سرکاری افسران پاکستان کے قومی لباس میں ملبوس تھے۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت نے جس تواتر، تسلسل اور دلچسپی کے ساتھ قومی زبان اور قومی لباس کے رواج اور فروغ کے لیے جدوجہد کی ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ صدرِ محترم کی ذاتی دلچسپی اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سمت میں حکومت اور قوم نے اب تک جو پیش قدمی کی ہے اسے مزید مستحکم کرنے کے لیے قومی زبان اور قومی لباس کے لازمی استعمال کو قانونی شکل دی جائے تاکہ آئندہ اس سے انحراف اور ترقی معکوس کا کوئی خدشہ باقی نہ رہے آئینی طور پر اردو روزِ اوّل سے پاکستان کی قومی زبان ہے لیکن حقیقتاً اس پر کبھی عمل نہیں ہوا۔ اب صدر ضیاء الحق کی ذاتی کوششوں اور دلچسپی سے بعض سرکاری محکمے بھی اس سمت پیش قدمی کر رہے ہیں لیکن سرکاری افسران کی اکثریت اب بھی انگریزی ہی کے استعمال کی عادی ہے بات اب بہرحال طے ہو گئی ہے جو وقار اور احساس تشخص قومی زبان اور قومی لباس کے استعمال سے پیدا ہوتا ہے وہ زبان و لباس میں غیر ملکی تقلید سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ صدر محترم اس ضمن میں ٹھوس عملی کارروائی کریں اور آرڈیننس یا کسی قانون کے نفاذ سے اردو کو فوری طور پر پورے ملک میں اور تمام سطحوں پر رائج کرنے کا حکم دے دیں۔ اب اس معاملے میں مزید تاخیر کی کوئی گنجائش یا ضرورت نہیں ہے لاہور ہائیکورٹ کے ریٹائرڈ جج مسٹر جسٹس عطاء اللہ سجاد نے بھی گزشتہ روز لاہور میں انجمن ترقی اردو کی ۱۸ ویں سالانہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ صدر ۲۳ مارچ کو نفاذِ اردو کا اعلان کریں۔ اور اس پر فوری عملدرآمد کا حکم دیں۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق کا یہ اقدام پاکستان کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھا جائے گا۔

روزنامہ جنگ کراچی

۲۸ نومبر ۱۹۸۱ء

اردو کے نفاذ کیلئے آرڈیننس

لاہور ہائیکورٹ کے ریٹائرڈ جج مسٹر جسٹس عطاء اللہ سجاد نے انجمن ترقی اردو کی ۱۸ ویں سالانہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے صدر مملکت ضیاء الحق سے درخواست کی کہ وہ آرڈیننس یا کسی قانون کے تحت اردو کو سرکاری زبان بنانے

کا اعلان کریں۔ وہ اُردو کو سرکاری زبان بنانے سے متعلق آئین کی دفعہ سے مطمئن نہیں ہیں جس کے تحت اُردو کو ۱۹۸۸ء تک سرکاری زبان بنا دیا جائے گا۔ اُردو کو بطور سرکاری زبان اختیار کرنے اور اُسے متعارف کرا لینے کے سلسلے میں صدر کو ۲۳ مارچ کو اعلان کر دینا چاہیئے۔ جس کا اطلاق اسی وقت سے ہو ریٹائرڈ جسٹس عطاء اللہ سجاد کے اس بیان سے ہمارا خیال ہے پوری قوم اتفاق کریگی اس لیے کہ اُردو کو اب تک مکمل طور پر سرکاری زبان نہ بنائے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے کہ اُردو سرکاری اور عدالتی کام انجام دینے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اگر دفتری یا عدالتی کاموں میں اُردو زبان کے استعمال میں کوئی عملی دشواری ہے تو اُسے مختلف تدابیر اختیار کرکے دور کیا جاسکتا ہے جیسا کہ سابق جسٹس عطاء اللہ سجاد نے کہا ہے قانون دانوں اور ججوں کی اکثریت اس بات کے لیے آمادہ ہے کہ وہ تمام کارروائی اُردو میں انجام دیں۔ اس خواہش کے باوجود اگر اُردو میں قوانین اور حوالے کی کتابیں نہیں ہیں تو یہ کتابیں تیار کی جاسکتی ہیں۔ اُردو کی ترقی و ترویج کے لیے حکومت کی سرپرستی میں چلنے والے اتنے سارے ادارے آخر کس مرض کی دوا ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ایک ہی مقصد کے لیے قائم ہونیوالے متعدد سرکاری ادارے خزانے پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ کیا یہ ادارے قانونی اور دیگر تکنیکی کتابیں تیار نہیں کرسکتے۔

سب سے خوش آئند بات یہ ہے کہ صدر مملکت اپنی زیادہ تر تقاریر اُردو میں کر رہے ہیں جس سے اُردو کو سرکاری زبان قرار دینے کی کوششوں پر یقیناً مثبت اثرات مرتب ہوں گے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اُردو کو فوری طور پر سرکاری زبان قرار دیا جائے اور یہ کام ۲۳ مارچ کو ہی انجام دیا جائے اس لیئے کہ سرکاری زبان قرار دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ نوکر شاہی ہے اس لیے کہ اس سے اس کا مفاد متاثر ہوتا ہے اور اُسے بھی عوام کی سطح پر آکر باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ اُردو کو بآسانی عام سرکاری کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً محکمۂ ڈاک، محکمۂ ٹیلیفون یا محکمۂ تعلیمات اور انکم ٹیکس وغیرہ میں انگریزی استعمال کرنیکی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ اصل سوال نیت کا ہے اگر نیت صاف اور نیک ہو تو تمام دشواریوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ہمیں یقین ہے صدر مملکت عوام الناس کی خواہش کا ضرور خیال رکھیں گے۔

روزنامہ حریت کراچی

۲۸ نومبر ۱۹۸۱ء

عملی اقدامات بھی فرمایئے

ایک استقبالیے سے خطاب کرتے ہوئے صوبائی وزیر تعلیم و ثقافت جناب جسٹس غوث علی شاہ صاحب نے کہا ہے کہ قومیں اپنی زبان اور لباس سے پہچانی جاتی ہیں لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنی قومی زبان اور قومی لباس پر توجہ نہیں دیتے۔

جناب جسٹس غوث علی شاہ صاحب نے بہت صحیح بات کی ہے۔ یہ بالکل سچ اور اصولی حقیقت ہے کہ قوموں کا تشخص ان کی زبان و لباس سے بھی متعین ہوتا ہے یہ دونوں چیزیں دراصل قومی فکر، نظام عقائد اور طرز عمل کی ترجمانی کرتی ہیں۔ جن قوموں کو اپنا قومی تشخص اُجاگر رکھنا عزیز ہوتا ہے۔ وہ قومی تشخص کے ان خارجی مظاہر کو برقرار رکھنے کا بھی اہتمام کرتی ہیں۔ ان مظاہر کے احترام و استقرار کی پوری ذمہ داری نہ تو محض حکومت کی ہے اور نہ محض عامۃ الناس کی بلکہ اس سلسلے میں اپنی اپنی جگہ دونوں کا کردار اور عمل اہمیت رکھتا ہے تاہم اس ضمن میں عمال حکومت کا رویّہ اور عمل عامۃ الناس میں تقلید کا رجحان پیدا کرکے زیادہ مؤثر عامل ثابت ہوسکتا ہے۔ وزیر موصوف نے جو کچھ کہا ہے عام لوگوں کو تو اس پر توجہ دینی ہی چاہیئے مگر اس سلسلے میں ذمہ دار وزیر کی حیثیت سے جناب غوث علی شاہ صاحب کو ان کاموں کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے کہ جو خالصتاً حکومت ہی کے کرنے کے ہیں۔

مثلاً جب تک سرکاری دفتروں میں افسران والا شان منہ سے پائپ ہٹا کر انگریزی کی بجائے اُردو نہیں بولنا شروع کرینگے، قومی لباس زیب تن نہیں کریں گے اور فائلوں پر اُردو میں لکھنا نہیں شروع کرینگے اُس وقت تک اُن سے تعلق رکھنے والے قومی زبان اور قومی لباس نہیں اپنائیں گے۔ یہ اُن کی مجبوری ہے کیونکہ وہ افسران بالا کی خوشنودی مزاج کی خاطر اُن کی پسندیدہ زبان اور ان کا پسندیدہ لباس استعمال کرنا ہی اپنے لیے نفع بخش سمجھتے ہیں۔

اسی طرح جب تک سرکاری کاموں میں انگریزی کی جگہ قومی زبان کا استعمال شروع نہیں ہوگا اُس وقت تک قومی زبان ہماری قومی علامت کا درجہ نہ پا سکے گی۔ یہ کام حکومت ہی کے کرنے کے ہیں کیا واقعی حکومت یہ کام کر دے گی؟ یہ اقدامات تقریروں سے زیادہ مؤثر رہیں گے۔

روزنامہ جسارت، کراچی

۱۶ نومبر ۱۹۸۱ء

تازہ مطبوعات

اقبال کی طویل نظمیں

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی معروف اور اہم تصنیف "اقبال کی طویل نظمیں" اولاً ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی تھیں اور یہ علمی و ادبی دنیا اور خصوصاً اقبالیات کے ضمن میں نہایت وقیع مفید اور معلوماتی کاوش سمجھی گئی تھی۔ کچھ عرصہ سے یہ کمیاب تھی۔ چنانچہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے حال میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے۔ جس کی قیمت ۲۵ روپے ہے اور یہ ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اس تازہ اشاعت میں متعدد مقامات پر مفید اور اہم ضروری اضافے کیے ہیں۔ اس اعتبار سے نظرثانی اور اضافوں کے ساتھ یہ نیا ایڈیشن پہلے ایڈیشن کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور مفید ہوگیا ہے۔ یہ کتاب اقبال کی ان طویل اردو نظموں کے فکری اور فنی جائزے پر مشتمل ہے۔ جنھیں اقبال کے فکر و فن کے لحاظ سے ان کی بہترین اور اہم نظمیں شمار کیا جاتا ہے۔ مصنف نے، جو علمی و ادبی دنیا میں اپنی مفید اور بلند پایہ کاوشوں کے سبب ایک ممتاز مقام پر فائز ہیں — اور جنھیں خصوصاً اقبالیات کے شعبۂ میں اب استناد کا درجہ حاصل ہے، اپنی اس تصنیف میں اپنے موضوع کا نہایت جامع اور بھرپور مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے نہ صرف اقبال کی طویل نظموں کا سیاسی، تاریخی اور تہذیبی پس منظر بیان کیا ہے بلکہ ہر نظم کے فکری جائزہ اور فنی تجزیہ کے ساتھ ساتھ اس نظم کا بھرپور تعارف، اس کا پس منظر اور اس کی مجموعی قدر و قیمت وغیرہ بھی تحریر کیے ہیں۔ گو کہ اقبال کی طویل نظموں کے جائزہ پر مشتمل یہ تصنیف اب واحد تصنیف نہیں رہی، لیکن اپنی معلومات اپنے فنی و فکری تجزیئے اور دیگر محاسن کے سبب یہ اپنے موضوع پر ایک مکمل، جامع اور زیادہ اہم تصنیف قرار دی جاسکتی ہے۔

محفلے دیدم

حیرت شملوی مرحوم کے تحریر کردہ شخصی خاکوں کا مجموعہ "محفلے دیدم" حیرت شملوی اکادمی (محمد آباد) نے حال میں شائع کیا ہے۔ ڈھائی سو صفحات کی اس کتاب کی قیمت درج نہیں ہے۔ مرحوم کثیر التصانیف مصنف تھے، لیکن اُن کے انتقال (۱۹۶۴ء) تک ان کی کوئی اہم تصنیف شائع نہیں ہوسکی تھی۔ اب ان کی یاد میں حیرت شملوی اکادمی نے ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کو مرتب کرکے شائع کرنے کا ایک مستحسن فیصلہ کیا ہے اس سلسلہ کی یہ پہلی تصنیف ہے جو منظرِ عام پر آئی ہے۔ اسے سید انیس شاہ جیلانی نے مرتب کیا ہے اور ایک مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے جس سے مرحوم کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کا تعارف ہوتا ہے۔ اس تصنیف میں تقریباً ۴۷ مشاہیرِ علم و ادب صحافت و سیاست کے شخصی خاکے شامل ہیں۔ یہ ایک مفید اور دلچسپ کتاب ہے جس کی اشاعت پر اکادمی مبارکباد کی مستحق ہے۔

مجلہ بچوں کا سالنامہ

پاکستان چلڈرنز اکیڈمی کے زیرِ اہتمام "مجلہ، بچوں کا سالنامہ ۱۹۸۱ء" حال میں شائع ہوا ہے۔ اس مجلہ کے نگران ڈاکٹر جمیل جالبی ہیں اور مدیر کامل القادری ہیں۔ یہ اس سلسلہ کا دوسرا سالنامہ ہے جو پاکستان چلڈرنز اکیڈمی نے شائع کیا ہے۔ اس سالنامہ کو بچوں کے لیے متنوع اور دلچسپ تحریروں سے مرتب کیا گیا ہے۔ جنھیں ممتاز اور معروف ادیبوں و شاعروں نے تحریر کیا ہے ان لکھنے والوں میں ڈاکٹر جمیل جالبی، ابوالفضل صدیقی، قیوم نظر کشور ناہید، کامل القادری اور شریف کمال عثمانی وغیرہ شامل ہیں۔ ان لکھنے والوں نے نہایت توجہ اور خلوص سے عمدہ اور دلچسپ تحریریں تخلیق کی ہیں۔ ہمارے ادب میں بچوں کے لیے ان کی ذہنی سطح کے مطابق مناسب اور ستھری تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ ایسی صورت میں زیرِ نظر مجلہ کی اشاعت ایک ضروری اور قابلِ قدر کوشش ہے۔

ذکرِ اختر

محمد صادق قصوری کی تازہ تصنیف "ذکرِ اختر" مرکزی مجلس امیرِ ملت (ابرج کلاں) نے شائع کی ہے۔ ۴۸ صفحات کی اس مختصر کتاب میں پیر سید اختر حسین شاہ علی پوری کی سوانح حیات اور اُن کے مذہبی قومی و سیاسی کارناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے آخر میں اہلِ علم کے تاریخی مادے اور شعراء کے قطعاتِ تاریخ اور نثر اور نظم میں خراجِ عقیدت درج کیے گئے ہیں۔

قارئین کی رائے

"اخبار اردو" باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ اس سے مقتدرہ کے بارے میں ہی معلومات حاصل نہیں ہوتیں بلکہ یہ اردو دنیا کی جملہ سرگرمیوں سے بھی بڑی حد تک باخبر کر دیتا ہے۔ بہت سے ایسے منصوبے جن کی ہمیں اطلاع نہیں ہوتی ان کا تذکرہ اس اخبار میں ملتا ہے۔ پرچے کا مجموعی مزاج ادبی اور معلوماتی ہے۔ اور یہی اس کا مقصد نظر آتا ہے۔ اس قسم کے پرچے کی بہت ضرورت تھی مقتدرہ نے اسے بڑی خوبی سے پورا کیا ہے۔ بلاشبہ یہ اردو زبان کا ایک اہم اخبار ہے۔ وقار احمد رضوی صاحب کی یہ تجویز مناسب ہے کہ اسے پندرہ روزہ اخبار بنائیں۔ کاغذ کا معیار قدرے کم کر کے اتنی ہی قیمت میں یہ ہفتہ وار بھی بن سکتا ہے۔ بھارت کے "ہماری زبان" کی طرح ایک ہفتہ وار "اردو اخبار" کی ضرورت زیادہ ہے اور یہ کام صرف مقتدرہ ہی کر سکتا ہے۔ ..... "اخبار اردو" میں بھارت کی اردو اطلاعات شائع نہیں ہوتیں۔ ہندی کے فروغ کے باوجود بھارت اب بھی اردو کی ایک اہم راجدھانی ہے۔ اس ملک کے اردو لکھنے والے پاکستان کی طرف بڑی حسرت سے دیکھتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس ملک کی ادبی اور علمی سرگرمیوں کا احاطہ بھی کیا جائے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس باب میں کم از کم دو صفحات ضرور وقف کیجیے، جن میں بھارت میں چھپنے والی کتابوں کا، ادیبوں کے نئے تصنیفی منصوبوں کا، ادبی جلسوں کا، نئے رسائل کے مضامین وغیرہ کا تذکرہ ہو ....."

(ڈاکٹر) انور سدید
کوٹ ادو، ۱۸ دسمبر ۱۹۸۱ء

○

"..... "اخبار اردو" باقاعدگی سے مجھے مل رہا ہے۔ ان شماروں کو پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے اور اردو زبان و ادب کے بارے میں بہت سی مفید باتیں جو ہم سننا چاہتے ہیں وہ بھی ہمیں مل جاتی ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ ...."

یوتاکا اسادہ
شعبۂ اردو۔ جامعۂ زبانہائے خارجی ٹوکیو (جاپان)

○

اخبار اردو نومبر ۱۹۸۱ء کا شمارہ ملا۔ شکریہ!
اصول وضع اصطلاحات کے عنوان سے آپ کا مضمون بہت معلوماتی اور اہم ہے۔ اس قسم کے مضمون کی ضرورت تھی تاکہ لوگوں کو اصطلاحات کے بارے میں آگاہی ہو۔ آپ نے اصطلاحات کے باب میں جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ اہم ہیں۔ گورنر کے لیے آپ نے والی کا لفظ بالکل صحیح دیا ہے۔ عربی میں بھی گورنر کے لیے والی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ آپ نے یہ اچھا کیا کہ اردو مترادفات اور اصطلاحات کے بارے میں مقتدرہ کی طرف سے دفتر معلومات قائم کر دیا ہے اس کے ذریعہ لوگوں کو اصطلاحات کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے میں سہولت ہوگی۔

اخبارات سے یہ معلوم ہو کر بھی خوشی ہوئی کہ اردو ٹائپ سکھانے کے لیے مقتدرہ کی جانب سے اردو سائنس کالج میں تربیتی مرکز قائم کیا جا رہا ہے۔ یہ ملک کی اہم ضرورت ہے۔ اردو ٹائپ رائٹر کے بننے کے بعد اب اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اردو ٹائپسٹوں کی کھیپ تیار کی جائے تاکہ سرکاری دفتروں میں اردو کے نفاذ میں سہولت ہو۔ تھوک کے بھاؤ اردو ٹائپسٹ پیدا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اردو کو نافذ کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ اردو ٹائپ کی جو دور ہو گئی۔ اب اس پر عملی اقدام کی احتیاج ہے۔

مقتدرہ نے صدر مملکت کو اردو کے نفاذ کے لیے مزید تاخیر نہ کرنے کے باب میں جو تجاویز بھیجی ہیں وہ مستحسن قدم ہے۔ اخبار اردو سے یہ خبر پڑھ کر خوشی ہوئی کہ جامعہ کراچی کی سنڈیکیٹ نے اپنی زبان اردو قرار دیدی ہے مگر اس پر پوری جامعہ کے دفاتر اور شعبہ جات پر بھی اطلاق ہو تو اچھا ہے، جیسا کہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے فیصلہ کیا ہے۔

اردو ٹائپ رائٹر کا کلیدی تختہ اور پہلی پاکستانی ساختہ اردو ٹائپ رائٹر مشین کی تحریر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ مگر اس کے نیچے لکھی گئی اور منظورہ حکومت پاکستان ترکیب پسند نہیں آئی۔

منظورہ کے بجائے منظور شدہ ہونا چاہیے منظورہ میں ناظورہ کا سا مفہوم نکلتا ہے چنانچہ منظور نظر بولتے ہیں۔

(پروفیسر) وقار احمد رضوی
کراچی

○

"اخبارِ اردو کا اجراء ایک مستحسن قدم ہے کیونکہ اس کے ذریعہ مقتدرہ قومی زبان سے ہمارا مستقل رابطہ ہو گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اس کے علاوہ قارئین کو بھی مرکزی مسائل پر اظہارِ خیال کا موقع مل جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

وارث سرہندی
کنجروڑ۔ ۲۸ نومبر ۱۹۸۱ء

○

"اخبارِ اردو کا پانچواں شمارہ نظر نواز ہوا۔ بہت خوشی ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ باہمی رابطہ کا یہ موثر ذریعہ قومی زبان کے وقار کی بحالی کی تحریک میں بہت معاون ثابت ہوگا ۔ ۔ ۔"

صدیق طاہر
رحیم یار خاں
۲ دسمبر ۱۹۸۱ء

○

"ماہنامہ اخبارِ اردو مقتدرہ قومی زبان کا ایک نمائندہ ماہنامہ جریدہ ہے۔ اگرچہ اس کا اجراء چند ماہ قبل ہوا ہے لیکن یہ ماہنامہ مقتدرہ کے مقاصد منصوبوں اور عزائم کو جس خوبصورتی کے ساتھ متعارف کرا رہا ہے۔ وہ قابلِ صد تعریف ہے اردو زبان کے نفاذ اور ترویج میں یہ نمائندہ جریدہ بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

ماہنامہ "کتاب" لاہور
نومبر ۱۹۸۱ء

○

پنجاب میں اردو کے نفاذ کے لیے ضلعی مجالس زبان دفتری بنائی گئی ہیں۔ بہاولپور ڈویژن میں اگرچہ سابق ریاست کے عہد میں ایک صدی سے زائد عرصہ تک اردو کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل رہا تھا مگر بعد میں حالت یکساں ہو گئی تھی۔ پنجاب کے دوسرے علاقوں کی طرح راقم الحروف کو نئی ضلعی مجلس کے رکن کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ ہماری ضلعی مجلس کے صدر ملک محمد اکرم ڈپٹی کمشنر ایک انتہائی محب وطن نوجوان ہیں انہوں نے دفتروں میں اردو کے عملی نفاذ کی راہ میں حائل دشواریوں کے جائزہ کے لیے ایک سب کمیٹی تشکیل دی تھی۔ اس سب کمیٹی کے ایک رکن کی حیثیت سے راقم اپنے دو دیگر رفقاء جناب عطا محمد چشتی ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر، جناب مختار عزمی لیکچرار اردو خواجہ فرید گورنمنٹ کالج رحیم یار خاں کے ہمراہ ضلع کے مختلف محکموں کے دفاتر میں گئے اور انکے افسران اور اہلکاروں سے مفصل تبادلہ خیالات کیا۔ اس علاقہ میں محکمۂ مال محکمۂ انہار، عدلیہ اور پولیس وغیرہ کا ابتدائی کام اسی زمانہ سے ہی اردو میں ہو رہا ہے۔ مختلف محکموں کے افسروں اور اہلکاروں کے ساتھ جب ہم نے نظریۂ پاکستان قومی خودداری اور انگریزی غلامی کی نشانی سے نجات کے حوالے سے بات کی تو یقین کیجیے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ہمارا ہمنوا نہ ہوتا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ اردو کے عملی نفاذ کی راہ میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں۔ آپ حکومت سے کہیں کہ وہ ایک حتمی تاریخ مقرر کر دے جس کے بعد تمام کام لازمی طور پر اردو میں لازمی قرار دیدیا جائے۔

یہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وسیع تر بین الاقوامی رابطہ اور عالمی سائنس فنی اور علمی رابطہ کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی انگریزی کے عاشقوں کو قومی ذریعۂ اظہار کو پسند نہ کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ ایک پاکستانی کی حیثیت سے جی چاہتا ہے کہ صدر مملکت ایک تاریخ (اردو کانفرنس کی تجویز ۲۳ مارچ ۸۲ء) کا اعلان کر دیں تو بہت بہتر ہو اور قوم کو تعویق کے کسی اور مرحلہ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

والسلام: صدیق طاہر
اسسٹنٹ ریذیڈنٹ ڈائریکٹر پاکستان نیشنل سینٹر۔ رحیم یار خاں

"مجھ سے اکثر لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ انگریزی کو ترک کر دیا گیا تو ہماری ترقی تو نہیں رک جائے گی؟ میں ان سے گزارش کرتا ہوں کہ حضور والا آپ کی ترقی آپ کی نظر میں کتنی ہی وقیع ہو لیکن اس پر غور فرمائیں کہ اس کی حقیقی وقعت کیا ہے؟ کیا دو سو سال انگریزی پڑھنے کے بعد ہم کسی میدان میں جاپان کے ہم سر ہو سکتے ہیں"۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
"افکار و اذکار" صفحہ ۵۵

نفاذ اردو

مقتدرہ نے سول سروس اور مقابلہ کے امتحانات میں اردو رائج کرنے کیلئے سفارشات مرتب کر لیں!

سفارشات کابینہ ڈویژن کے توسط سے حکومت کو پیش کی جائیں گی

سول سروس اور مقابلے کے دوسرے اعلیٰ امتحانات میں اردو کے بطور متبادل ذریعۂ امتحانات نفاذ کے مسئلے پر غور کرنے کے لیے مقتدرہ قومی زبان کی ذیلی مجلس امتحانات مقابلہ کا ایک اجلاس دفتر مقتدرہ میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت وفاقی پبلک سروس کمیشن کے رکن جناب شیخ منظور الٰہی نے کی اور صوبائی پبلک سروس کمیشنوں کے نمائندوں کے علاوہ پلاننگ ڈویژن، وزارت مالیات کے زائد معتمد (ایڈیشنل سیکرٹری) بھی اجلاس میں شریک تھے۔ اجلاس میں اعلیٰ ملازمتوں کے امتحانات مقابلہ میں قومی زبان کے اجراء کے لیے اقدامات اور مسائل کا جائزہ لیا گیا اور سفارشات مرتب کی گئیں جو منظوری کے لیے حکومت کو بھیجی جائیں گی۔ جناب شیخ منظور الٰہی نے اجلاس کو بتایا کہ قیام پاکستان سے قبل سول سروس کے امتحانات کے نصاب میں اردو کا ۲۰۰ نمبر کا پرچہ لازمی تھا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد اس پرچے کو ختم کر دیا گیا۔ اور اس طرح قومی زبان کا درجہ گھٹا دیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ مقتدرہ قومی زبان کے قیام کی قرار داد کے مطابق یہ مقتدرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ امتحانات مقابلہ میں قومی زبان کے بطور ذریعۂ امتحانات اجراء کے لیے اپنی تجاویز حکومت کو پیش کرے۔

انھوں نے کہا کہ اب مقتدرہ کے سامنے اصل مسئلہ یہ ہے کہ قومی زبان کو بطور ذریعۂ امتحانات رائج کرنے میں کتنی مدت لگے گی اور جو مشکلات سامنے ہیں انہیں کیسے دور کیا جائے گا۔ مقتدرہ قومی زبان کے قائم مقام صدر نشین میجر آفتاب حسن نے اجلاس پر زور دیا کہ اردو کو نہ صرف سول سروس کے امتحانات میں اس مقام تک لایا جائے جو اسے تقسیم سے پہلے حاصل تھا بلکہ قومی زبان کی حیثیت سے فوری طور پر بطور متبادل ذریعۂ امتحانات رائج کیا جائے اور مجلس اس مدت کا تعین کرے جس کے بعد اردو کو مکمل طور پر انگریزی کی جگہ لینی ہے۔ بعد میں اجلاس نے اس ضمن میں منصوبہ بندی کے لیے مختلف تجاویز پر غور کیا اور اپنی سفارشات مرتب کیں جو دسمبر کے آخر میں مقتدرہ کے جلسے میں پیش کی جائیں گی اور منظوری کے لیے کابینہ ڈویژن کے توسط سے حکومت کو پیش کی جائیں گی۔ اجلاس میں جن ارکان نے شرکت کی ان کے نام یہ ہیں۔ جناب جسٹس امداد علی آغا، صدر سندھ پبلک سروس کمیشن۔ جناب بریگیڈیئر نصیر محمد خان، رکن سرحد پبلک سروس کمیشن۔ جناب پروفیسر ایم اے رشید صاحب، رکن پنجاب پبلک سروس کمیشن۔ جناب سید حبیب حسین صاحب ایڈیشنل سیکرٹری، پلاننگ ڈویژن، وزارت مالیات، جناب میجر آفتاب حسن، قائم مقام صدر نشین مقتدرہ قومی زبان اور صدر مجلس جناب شیخ منظور الٰہی رکن وفاقی پبلک سروس کمیشن۔

سرگودھا میں نفاذ اردو کیلئے کل پاکستان اردو کانفرنس منعقد ہوگی

گزشتہ دنوں انجمن ترقی اردو سرگودھا کا ایک خصوصی اجلاس مولانا اخگر سرحدی کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں اردو انجمنوں کی اٹھارویں اردو کانفرنس لاہور میں منظور کردہ قراردادوں کی تائید کی گئی۔ اس اجلاس میں مذکورہ کانفرنس میں طے شدہ منصوبوں کے مطابق ضلع سرگودھا میں ۲۳ مارچ ۱۹۸۲ء کو پورے جوش و خروش کے ساتھ "یوم اردو" منایا جائے گا۔ اور ۲۲، ۲۳ مارچ کو سرگودھا میں نفاذ اردو کے سلسلہ میں کل پاکستان اردو کانفرنس منعقد کی جائے گی۔ اس میں ارباب حل و عقد، ملک کے بلند پایہ مشاہیر علم و ادب اور سرکردہ بہی خواہان اردو کو شرکت کی دعوت دی جائے گی۔ اس کانفرنس کی تیاریوں کا آغاز کر دیا گیا۔

اُردو کے فروغ کے لیے ہم جذباتی طور پر بہت کچھ کہتے ہیں لیکن عملاً تحریکی جذبہ سے کام نہیں کرتے

وفاقی وزیر تعلیم جناب محمد علی خان ہوتی نے کہا ہے کہ اردو کے فروغ کے لیے جذباتی طور پر کام کرنے کی بجائے تحریکی جذبے سے کام کرنے اور معیاری کتب کے مستند تراجم کرنے کی ضرورت ہے۔ ۱۹ دسمبر کی صبح اُردو سائنس کالج کراچی کے جشن سیمیں کی سہ روزہ تقریبات کے افتتاح کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے وفاقی وزیر تعلیم نے کہا کہ دُنیا کی ہر قوم اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنی قومی زبان کو ترجیح دیتی ہے اور کوئی ترقی یافتہ قوم ایسی نہیں ہے جس نے بدیسی زبان کے ذریعہ ترقی حاصل کی ہو انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت اُردو کے فروغ کے لیے کوشاں ہے مگر ہم جذباتی طور پر بہت کچھ کہتے ہیں لیکن عملاً تحریکی جذبے سے کام نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ قومی سطح پر مختلف علوم ترقی کریں اور علمی و فکری اشتراک باہمی کے ذریعے آگے بڑھیں تو ہمیں لازمی طور پر ایسی زبان اختیار کرنی ہوگی جو ایک تو ہمارے انفرادی فکر سے زیادہ ہم آہنگ ہو اور دوسرے ملک کے ہر خطے سے تعلق رکھنے والوں میں سمجھی جاتی ہو ایسی زبان اُردو کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

ذریعۂ تعلیم اُردو نہ ہونے کی وجہ سے ہم ترقی نہیں کرسکے۔

ہم اُردو کے بغیر صحیح معنوں میں تعلیم حاصل نہیں کرسکتے۔ فیضی

صوبائی وزیر ٹرانسپورٹ زکوٰۃ و عشر جناب دوست محمد فیضی نے اساتذہ پر زور دیا ہے کہ وہ سائنسی موضوعات پر کتب کی تیاری پر زیادہ توجہ دیں تاکہ نوجوان نسل سائنس و ٹیکنالوجی کے کارناموں اور افادیت سے پوری طرح آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اُردو سائنس کالج کے جشن سیمیں کے موقع پر ایک مجلس مذاکرہ سے خطاب کرتے ہوئے جناب دوست محمد فیضی نے کہا کہ معاشی ترقی کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اب تک وہ مقام حاصل نہیں کر سکے ہیں جو ہمارا اصل مقصد ہے اور سابقہ دورِ حکومت میں ذریعۂ تعلیم اُردو نہ ہونے کی وجہ سے ہم ترقی نہیں کر سکے جناب دوست محمد فیضی نے کہا کہ انگریزی ہماری قومی زبان نہیں ہے اور ہم اپنی مادری اور قومی زبان اُردو کے بغیر جدید ٹیکنالوجی کی معلومات اور تعلیم صحیح معنوں میں حاصل نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ جاپان اور چین سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اس لیے سب سے آگے ہیں کہ ان ممالک میں تمام کتابیں اور تعلیم ان کی قومی زبان میں دی جاتی ہے انہوں نے اس سلسلے میں روس، ہالینڈ، فرانس، اٹلی اور دیگر ممالک کی مثالیں پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ ممالک بھی اپنی قومی زبان کی ترقی کے باعث سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔ جناب دوست محمد فیضی نے کہا کہ اردو سائنس کالج قوم کی اہم ضرورت پوری کر رہا ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس بات کا احساس کریں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی اور دیگر علوم کی تعلیم قومی زبان میں دی جائے۔

مقتدرہ قومی زبان تربیتی ادارہ قائم کرے گا۔

مقتدرہ قومی زبان نے نئے اُردو ٹائپ رائٹر پر ٹائپسٹوں کو تربیت دینے کے لیے ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلے میں تمام انتظامات مکمل کر لیے ہیں توقع ہے کہ یہ ادارہ جلد قائم ہوگا۔ واضح رہے کہ مقتدرہ ٹائپسٹوں کی تربیت کے لیے ایک مشقی کتاب بھی شائع کر رہا ہے۔

انگریزی کی جگہ اُردو میں ناموں کی تختیاں

پنجاب کے تمام وزراء اور سول سکرٹریٹ میں تمام سکرٹری اور دیگر اعلیٰ حکام کے ناموں کی تختیاں اب انگریزی کی بجائے اُردو میں نصب کی جا رہی ہیں۔ یہ کام یکم جنوری تک مکمل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ اقدام پنجاب میں قومی زبان کو ترویج دینے کے لیے کیے جا رہے ہیں۔

راولپنڈی میں دفتری اور عدالتی امور میں اُردو کا نفاذ عام ہو گیا

جنوری میں اُردو کنونشن منعقد کرنے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں

مجسٹریٹوں نے مقدمات کے فیصلے اُردو میں تحریر کرنے شروع کر دیئے ۔ تمام اراکینِ مجلس اپنے دستخط اُردو میں کریں گے۔

ضلعی مجلس زبان دفتری، راولپنڈی نے ۳ دسمبر کے اپنے اجلاس میں اُردو کنونشن کے پروگرام کی منظوری دے دی ۔ جو جنوری میں راولپنڈی میں منعقد ہوگا ۔

اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ تمام سرکاری محکموں کے ضلعی سربراہان سے کہا جائے کہ وہ اپنے دفاتر میں معائنہ رجسٹر رکھیں جس میں ارکانِ مجلس وقتاً فوقتاً جا کر اپنی آراء لکھیں گے اور تجاویز بھی دیں گے جن پر عمل پیرا ہو کر متعلقہ دفاتر میں اُردو کے نفاذ کی راہ میں حائل مشکلات دور ہو سکیں گی ۔ اس رجسٹر کا مقصد یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ گورنر پنجاب لیفٹننٹ غلام جیلانی نے اس ضمن میں جو ہدایات جاری کی ہیں ۔ ان پر کس حد تک عمل ہو رہا ہے ۔

اجلاس میں جناب نیاز عرفان کی یہ قرارداد منظور کی گئی کہ تمام محکمہ جات اور دوسرے سرکاری اور نیم سرکاری اداروں پر زور دیا جائے کہ وہ تمام اجلاسوں میں اُردو کو ذریعۂ اظہار بنائیں ۔ انکی کارروائی اور روداد بھی اسی زبان میں تحریر کی جائے ۔ مجلس نے جناب ابو مسعود کی تجاویز پر طے کیا کہ تمام اراکین مجلس اپنے دستخط اُردو میں کیا کریں اور دوسرے ذمہ دار افسران پر بھی زور دیا جائے گا کہ وہ بھی اس ضمن میں آغاز کریں ۔

سرکاری اہل کاروں کی دفتری امور سے متعلق تربیت کے سلسلے میں فیصلہ ہوا کہ جناب رحیم بخش شاہین مجلس کی نمائندگی کرتے ہوئے علامہ اقبال یونیورسٹی کے رجسٹرار سے ملکر اس بارے میں تفصیلات طے کرنے کے بعد مجلس کو بتائیں گے ۔

ملک محمد شفیع نے مجلس کو یقین دلایا کہ محکمہ تعلیم میں اُردو کی ترویج کے بارے میں خصوصی کوششیں کریں گے ۔ جناب شمس الحق کی یہ تجویز بھی منظور کی گئی کہ اہم چوراہوں پر قومی زبان کو اپنانے کی ترغیب کے لیے اشتہاری تختے لگائے جائیں ۔ اس سلسلے میں صدر مجلس چوہدری نذیر احمد نے یقین دلایا کہ وہ خصوصی توجہ دے کر متعلقہ اداروں اور صاحب ثروت اصحاب سے رابطہ قائم کریں گے ۔

صدر مجلس جناب نذیر احمد چوہدری نے اجلاس کو بتایا کہ انہوں نے خود اور اُن کے رفقاء مجسٹریٹوں نے مقدمات کے مختصر فیصلے اُردو میں تحریر کرنے کا آغاز کر دیا ہے اور ان کے دفاتر میں کیفیت نویسی اور خط و کتابت اُردو میں کی جا رہی ہے نیز اُن کے دفتر کے بورڈ اور ناموں کی تختیاں بھی اُردو میں لکھوائی جا چکی ہیں ۔ انہوں نے وکلاء سے درخواست کی ہے کہ وہ درخواستیں اُردو میں پیش کیا کریں ۔ معتمد مجلس نثار احمد اختر نے گزشتہ کارروائیوں پر عمل درآمد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اسکے حوصلہ افزاء نتائج برآمد ہو رہے ہیں ۔ جن دفاتر میں اُردو ٹائپ مشین نہیں ہیں وہاں خریدی جا رہی ہیں ۔ سرکاری اصطلاحات کی لغات بھی اکثر دفاتر نے حاصل کر لی ہیں ۔ متعدد دفاتر نے اطلاع دی ہے کہ کیفیت نویسی اور دفتری کاروبار اُردو میں کرنے کا آغاز ہو چکا ہے ۔ مزید برآں انگریزی کے فارم اُردو میں منتقل کرنے کے لیے اعلیٰ حکام کو لکھا جا رہا ہے ۔

> "علمی ترقی کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک اذہان ایک غیر زبان کی زنجیروں میں جکڑے رہیں اور ان کی بالیدگی کا موقع نہ ملے۔"
>
> ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
>
> "افکار و اذکار" صفحہ ۶۷

۱۹۸۲ء کو اردو کا سال قرار دیا جائے

اردو کانفرنس کی قرارداد

انجمن ترقی اردو لاہور کے زیر اہتمام دو روزہ سالانہ اردو کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ سال ۸۲ء کو اردو کا سال قرار دیا جائے اور اردو کی ترویج اور ترقی کے لیے ملک کے گوشے گوشے میں پروگرام ترتیب دیئے جائیں۔ اجلاس میں مختلف قراردادیں بھی منظور کی گئیں۔ ایک قرارداد میں صدر مملکت سے اپیل کی گئی ہے کہ ۲۳ مارچ ۸۲ء کو آزادی نیشن کے ذریعے اردو کو دفتری زبان بنانے کا آغاز کر دیا جائے۔ دوسری قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ پنجاب یونیورسٹی کا نام انجمن پنجاب یونیورسٹی رکھ دیا جائے۔ نیز نئی تعلیمی پالیسی میں انگریزی کی جگہ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔ انٹرمیڈیٹ کی نئی نصابی اسکیم میں اردو کی لازمی حیثیت ختم کرنے کے خلاف احتجاج کیا گیا اور صدر پاکستان سے درخواست کی گئی کہ اس نصابی اسکیم کو مسترد کیا جائے اور اردو کی لازمی حیثیت بحال کی جائے قومی نظام تعلیم میں عربی اور فارسی کو مؤثر مقام دیا جائے۔ ایک اور قرارداد میں مختلف سماجی طبقوں سے اپیل کی گئی دکانوں، فرموں، مکانوں، سڑکوں اور کارخانوں کے نام اردو میں رکھے جائیں۔

سندھ الکلیز کی سالانہ رپورٹ اردو میں

مقتدرہ قومی زبان کی جانب سے سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں اردو کے بطور دفتری زبان کو اپنے دفتری معاملات میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس کی ایک مثال سرکاری کارپوریشن سندھ الکلیز لمیٹڈ کی ۱۹۸۱ء کی سالانہ رپورٹ ہے جو انگریزی کے ساتھ اب اردو میں بھی شائع کی گئی ہے۔ اس رپورٹ کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اس رپورٹ میں تمام دفتری اصطلاحیں اردو میں استعمال کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں عام دفتری اصطلاحوں کے علاوہ عہدوں اور شعبوں کے لیے بھی اردو مترادفات ہی استعمال کیے گئے ہیں۔ قومی زبان میں سالانہ رپورٹ پیش کرنے پر سندھ الکلیز لمیٹڈ کے ارباب اختیار یقیناً قابل مبارک باد ہیں۔

پاکستان کی ترقی و استحکام کے لیے قومی زبان کی ترویج ضروری ہے

بدیسی زبان کے ذریعے دنیا کی کسی قوم نے ترقی نہیں کی: پروفیسر اکرام الرحمٰن

گورنمنٹ اردو سائنس کالج کراچی کے پروفیسر اکرام الرحمٰن نے کہا ہے کہ پاکستان کی بقا اور سالمیت اور استحکام کا راز ہماری قومی یکجہتی اور قومی زبان کی ترویج و ترقی میں مضمر ہے۔ انہوں نے گزشتہ دنوں کالج کے اساتذہ کی جانب سے گورنر سندھ لیفٹننٹ جنرل ایس ایم عباسی صاحب کے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیہ میں سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ دنیا کی ہر قوم اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں اپنی قومی زبان کو ترجیح دیتی ہے۔ قومی زبان سائنس کی تدریس و تفہیم کی علم بردار ہوتی ہے۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے بدیسی زبان کے ذریعہ ترقی حاصل کی ہو ہر قوم کی ترقی خود اپنی زبان کی مرہون منت ہے۔ پاکستانی قوم اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل ہے لیکن ہم سائنس کے میدان میں اس صورت میں ترقی کر سکتے ہیں جب ہم حقیقی معنوں میں بدیسی زبان کو ترک کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ اردو کالج کا قیام انہی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور انہی مقاصد کے حصول کے لیے عمل میں لایا گیا۔ اردو سائنس کالج اور اردو کالج پاکستان کے منفرد ادارے ہیں جہاں اعلیٰ جماعتوں میں ذریعۂ تعلیم سائنس، فنون، تجارت اور قانون کی اعلیٰ تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔ انہوں نے اردو زبان کی ترویج و ترقی میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی خدمات اور کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا انہوں نے بین الاقوامی اجتماعات اور غیر ملکی اداروں میں خیالات کا اظہار قومی زبان میں کر کے قوم کے لیے قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔

معاشرے کے تمام طبقوں کو قریب لانے کیلئے قومی زبان اور قومی لباس کو فروغ دیا جائے: ڈاکٹر جوگیزئی

وفاقی وزیر صحت ڈاکٹر نصیر الدین جوگیزئی نے کہا ہے کہ موجودہ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ سائنسی علوم کو قومی زبان میں پیش کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔ یہ بات انہوں نے ڈاکٹر ایم اے صوفی اور ڈاکٹر بیگم اقبال صوفی کی مشترکہ اردو تصنیف "معاشرتی طب" کی تقریب رونمائی سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ یہ تقریب ۲۶ نومبر کی شام لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔

گرد و پیش

مدھیہ پردیش (بھارت) میں اردو اکادمی کی سرگرمیاں

مدھیہ پردیش وسط ہند کا ایک بڑا صوبہ ہے جس کا صدر مقام شہر بھوپال ہے۔ یہاں حکومت کی زیر نگرانی نومبر ۱۹۷۶ء سے اردو اکادمی اردو کی ترویج و اشاعت کا کام کر رہی ہے اس کے صدر نشین صوبے کے وزیر اعلیٰ اور نائب صدر نشین کابینہ کے ایک وزیر ہوتے ہیں۔ اکادمی کے انتظامات کے لیے ایک الگ شعبہ ہے جس کا سربراہ ایک سکریٹری ہے اور اکادمی کی مجلس عام میں مدھیہ پردیش کے نامور ادیب اور شعراء حضرات کا تقرر کیا جاتا ہے۔

اکادمی نے فروری ۱۹۷۸ء میں اقبال صدی پر ایک سیمینار کا اہتمام کیا جس میں ہندوستان کے متعدد ماہرین اقبالیات نے شرکت کی اور اپنے مقالات پیش کیے اس کی تفصیل مع مقالات اکادمی نے "اقبال آئینہ خانہ میں" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کر دی ہے، جسے پروفیسر آفاق احمد نے مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہند پاک مشاعرہ اور مختلف مباحثوں کا انعقاد بھی کیا گیا۔

۱۹۷۹ء میں اردو ادب کے دسنیٰ سال پر ایک سیمینار اور پریم چند صدی تقریبات منعقد ہوئیں۔

۱۹۸۰ء سے مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ نے اکادمی کا بجٹ بڑھا کر پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کر دیا۔ اس سال کئی سیمینار اور سمپوزیم منعقد ہوئے جس میں بھارت کے بیشتر دانشوروں نے شرکت کی اس کے علاوہ متعدد ادیبوں اور شاعروں کی علالت یا ضروریات کے پیش نظر اردو اکادمی نے مالی امداد کی جس کی فہرست کافی طویل ہے۔

۱۹۸۱ء میں ۱۴ اردو مسودات کی اشاعت کے لیے مالی امداد دی گئی۔ اکادمی نے اپنے خرچ سے سات کتابیں بھی بڑی نفاست سے شائع کیں جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ "خاموش آواز" جاں نثار اختر کے خطوط کا مجموعہ
۲۔ "سورج نما" محمد علی تاج کا مجموعۂ کلام
۳۔ "نشاط فکر" فاضل انصاری کا شعری مجموعہ
۴۔ "لو آج ہم بھی" شفیقہ فرحت کے انشائیے
۵۔ "کلام حامد" حامد سعید خاں مرحوم کا شعری مجموعہ۔
۶۔ "فکر و شعور" کوثر چاندپوری کے تنقیدی مضامین۔
۷۔ "شعاع فکر" وکیل بھوپالی کا شعری مجموعہ۔

اس سال پہلی بار اکادمی نے مدھیہ پردیش اور مدھیہ پردیش سے باہر کے دانشوروں کو اعزازات سے نوازا۔

۱۔ میر تقی میر کل ہند اعزاز اور گیارہ ہزار روپیہ۔ اردو کے نامور افسانہ نگار اور صحافی جناب خواجہ احمد عباس کو ان کی خدمات کے عوض دیا گیا۔

۲۔ سراج میر خاں سحر صوبائی اعزاز اور پانچ ہزار روپیہ نامور شاعر جناب شعری بھوپالی کو ان کی ادبی خدمات پر دیا گیا۔

اعزازی سند اور مبلغ گیارہ سو روپیہ مندرجہ ذیل حضرات کو ان کی مطبوعات پر دیئے گئے۔

۱۔ جناب کوثر چاندپوری۔ "رات کا سورج" (افسانوی مجموعہ)
۲۔ ڈاکٹر کشور سلطان "جاں نثار اختر حیات اور فن" (تنقید)
۳۔ ظفر صہبائی "دھوپ کے پھول" (شعری مجموعہ)
۴۔ کاشف اندوری "کاوش" (شعری مجموعہ)

یکم ستمبر ۱۹۸۱ء کو وزیر اعلیٰ نے اکادمی کی نئی مجلس عام کا اعلان کیا جس میں صوبے کے مندرجہ ذیل دانشوروں کو نامزد کیا گیا۔

۱۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر ۲۔ ڈاکٹر ظہیر احمد مدنی ۳۔ جناب فخر الدین۔ ۴۔ جناب اختر سعید خاں ۵۔ جناب شعری بھوپالی۔ ۶۔ جناب ابراہیم یوسف ۷۔ جناب قیصر اندوری ۸۔ جناب عبدالباقی (۹) جناب شمیم احمد (۱۰) جناب اظہر راہی (۱۱) جناب کرشن نرائن پردھان ایم ایل اے۔

پروفیسر اظہر راہی
وکرم یونیورسٹی۔ اجین (بھارت)

مغربی بنگال (بھارت) میں اردو کی سرکاری اہمیت تسلیم کر لی گئی

بھارتی صوبے مغربی بنگال کی حکومت نے صوبے کے بعض علاقوں میں اردو کو بطور سرکاری زبان استعمال کرنے کا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے۔ صوبہ کے چیف سیکرٹری نے ایک وفد سے ملاقات کے بعد ہدایت جاری کر دی کہ صوبائی دارالحکومت کلکتہ کے علاوہ ضلع بردوان، آسنول سب ڈویژن اور مغربی دیناج پور کے اسلام پور سب ڈویژن میں لوگوں کو اردو میں درخواستیں پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ ان درخواستوں کا جواب بھی اردو میں دیا جائے گا۔

۱۹۸۲ء کو اردو کا سال قرار دیا جائے

اُردو کانفرنس کی قرارداد

انجمن ترقی اُردو لاہور کے زیرِ اہتمام دو روزہ سالانہ اُردو کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ سال ۸۲ء کو اُردو کا سال قرار دیا جائے اور اُردو کی ترویج اور ترقی کے لیے ملک کے گوشے گوشے میں پروگرام ترتیب دیے جائیں۔ اجلاس میں مختلف قرارداد میں بھی منظور کی گئیں۔ ایک قرارداد میں صدرِ مملکت سے اپیل کی گئی ہے کہ ۲۳ مارچ ۸۲ء کو آرڈی نینس کے ذریعے اُردو کو دفتری زبان بنانے کا آغاز کر دیا جائے۔ دوسری قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ پنجاب یونیورسٹی کا نام انجمن پنجاب یونیورسٹی رکھ دیا جائے۔ نیز نئی تعلیمی پالیسی میں انگریزی کی جگہ اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔ انٹرمیڈیٹ کی نئی نصابی اسکیم میں اُردو کی لازمی حیثیت ختم کرنے کے خلاف احتجاج کیا گیا اور صدرِ پاکستان سے درخواست کی گئی کہ اس نصابی اسکیم کو مسترد کیا جائے اور اُردو کی لازمی حیثیت بحال کی جائے قومی نظامِ تعلیم میں عربی اور فارسی کو مؤثر مقام دیا جائے۔ ایک اور قرارداد میں مختلف سماجی طبقوں سے اپیل کی گئی دکانوں، فرموں، مکانوں سڑکوں اور کارخانوں کے نام اُردو میں رکھے جائیں۔

سندھ الکلینز کی سالانہ رپورٹ اُردو میں

مقتدرہ قومی زبان کی جانب سے سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں اُردو کے بطور دفتری زبان کو اپنے دفتری معاملات میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس کی ایک مثال سرکاری کارپوریشن سندھ الکلینز لمیٹڈ کی ۱۹۸۱ء کی سالانہ رپورٹ ہے جو انگریزی کے ساتھ اب اُردو میں بھی شائع کی گئی ہے۔ اس رپورٹ کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اس رپورٹ میں تمام دفتری اصطلاحیں اُردو میں استعمال کی گئی ہیں۔ روداد میں عام دفتری اصطلاحوں کے علاوہ عہدوں اور شعبوں کے لیے بھی اردو مترادفات ہی استعمال کیے گئے ہیں۔ قومی زبان میں سالانہ رپورٹ پیش کرنے پر سندھ الکلینز لمیٹڈ کے اربابِ اختیار یقیناً قابلِ مبارک باد ہیں۔

پاکستان کی ترقی و استحکام کے لیے قومی زبان کی ترویج ضروری ہے

بدیسی زبان کے ذریعہ دُنیا کی کسی قوم نے ترقی نہیں کی :: پروفیسر اکرام الرحمٰن

گورنمنٹ اردو سائنس کالج کراچی کے پروفیسر اکرام الرحمٰن نے کہا ہے کہ پاکستان کی بقاء اور سالمیت اور استحکام کا راز ہماری قومی یک جہتی اور قومی زبان کی ترویج و ترقی میں مضمر ہے۔ انہوں نے گزشتہ دنوں کالج کے اساتذہ کی جانب سے گورنر سندھ لیفٹننٹ جنرل ایس ایم عباسی صاحب کے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیہ میں سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ دُنیا کی ہر قوم اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں اپنی قومی زبان کو ترجیح دیتی ہے۔ قومی زبان سائنس کی تدریس و تفہیم کی علم بردار ہوتی ہے۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے بدیسی زبان کے ذریعہ ترقی حاصل کی ہو ہر قوم کی ترقی خود اپنی زبان کی مرہون منت ہے۔ پاکستانی قوم اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل ہے لیکن ہم سائنس کے میدان میں اس صورت میں ترقی کر سکتے ہیں جب ہم حقیقی معنوں میں بدیسی زبان کو ترک کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ اردو کالج کا قیام انہی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور انہی مقاصد کے تحت عمل میں لایا گیا۔ اُردو سائنس کالج اور اردو کالج پاکستان کے منفرد ادارے ہیں جہاں اعلیٰ جماعتوں میں ذریعۂ تعلیم سائنس، فنون، تجارت اور قانون کی اعلیٰ تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔ انہوں نے اردو زبان کی ترویج و فروغ میں صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی خدمات اور کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا انہوں نے بین الاقوامی اجتماعات اور غیر ملکی اداروں میں خیالات کا اظہار قومی زبان میں کر کے قوم کے لیے قابلِ تقلید مثال قائم کی ہے۔

معاشرے کے تمام طبقوں کو قریب لانے کیلئے

قومی زبان اور قومی لباس کو فروغ دیا جائے: ڈاکٹر جوگیزئی

وفاقی وزیر صحت ڈاکٹر نصیر الدین جوگیزئی نے کہا ہے کہ موجودہ حکومت کی پالیسی ہے کہ سائنسی علوم کو قومی زبان میں پیش کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔ یہ بات انہوں نے ڈاکٹر ایم اے صوفی اور ڈاکٹر بیگم اقبال صوفی کی مشترکہ اردو تصنیف معاشرتی طب کی تقریب رونمائی سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ یہ تقریب ۲۶ نومبر کی شام لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔

گرد و پیش

مدھیہ پردیش (بھارت) میں اردو اکادمی کی سرگرمیاں

مدھیہ پردیش وسطِ ہند کا ایک بڑا صوبہ ہے جس کا صدر مقام شہر بھوپال ہے۔ یہاں حکومت کی زیر نگرانی نومبر ۱۹۷۶ء سے اردو اکادمی، اردو کی ترویج و اشاعت کا کام کر رہی ہے اس کے صدر نشین صوبے کے وزیر اعلیٰ اور نائب صدر نشین کابینہ کے ایک وزیر ہوتے ہیں۔ اکادمی کے انتظامات کے لیے ایک الگ شعبہ ہے جس کا سربراہ ایک سکریٹری ہے اور اکادمی کی مجلس عام میں مدھیہ پردیش کے نامور ادیب اور شعرا حضرات کا تقرر کیا جاتا ہے۔

اکادمی نے فروری ۱۹۷۸ء میں اقبال صدی پر ایک سیمینار کا اہتمام کیا جس میں ہندوستان کے متعدد ماہرینِ اقبالیات نے شرکت کی اور اپنے مقالات پیش کیے اس کی تفصیل مع مقالات اکادمی نے "اقبال آئینہ خانہ میں" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کر دی ہے جسے پروفیسر آفاق احمد نے مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہند پاک مشاعرہ اور مختلف مباحثوں کا انعقاد بھی کیا گیا۔

۱۹۷۹ء میں اردو ادب کے دسنوی سال پر ایک سیمینار اور پریم چند صدی تقریبات منعقد ہوئیں۔

۱۹۸۰ء سے مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ نے اکادمی کا بجٹ بڑھا کر پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کر دیا۔ اس سال کئی سیمینار اور سمپوزیم منعقد ہوئے جس میں بھارت کے بیشتر دانشوروں نے شرکت کی اس کے علاوہ متعدد ادیبوں اور شاعروں کی علالت یا ضروریات کے پیشِ نظر اردو اکادمی نے مالی امداد کی جس کی فہرست کافی طویل ہے۔

۱۹۸۱ء میں ۱۴ اردو مسودات کی اشاعت کے لیے مالی امداد دی گئی۔ اکادمی نے اپنے خرچ سے سات کتابیں بھی بڑی نفاست سے شائع کیں جس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ "خاموش آوازیں" جاں نثار اختر کے خطوط کا مجموعہ
۲۔ "سورج نما" محمد علی تاج کا مجموعۂ کلام
۳۔ "نشاطِ فکر" فاضل انصاری کا شعری مجموعہ
۴۔ "لو آج ہم بھی" شفیقہ فرحت کے انشائیے
۵۔ "کلامِ حامد" حامد سعید خاں مرحوم کا شعری مجموعہ۔
۶۔ "فکر و شعور" کوثر چاندپوری کے تنقیدی مضامین۔
۷۔ "شعاعِ فکر" وکیل بھوپالی کا شعری مجموعہ۔

اس سال پہلی بار اکادمی نے مدھیہ پردیش اور مدھیہ پردیش سے باہر کے دانشوروں کو اعزازات سے نوازا۔

۱۔ میر تقی میر کل ہند اعزاز اور گیارہ ہزار روپیہ اردو کے نامور افسانہ نگار اور صحافی جناب خواجہ احمد عباس کو ان کی خدمات کے عوض دیا گیا۔

۲۔ سراج میر خاں سحر صوبائی اعزاز اور پانچ ہزار روپیہ نامور شاعر جناب شعری بھوپالی کو ان کی ادبی خدمات پر دیا گیا۔

اعزازی سند اور مبلغ گیارہ سو روپیہ مندرجہ ذیل حضرات کو ان کی مطبوعات پر دیے گئے۔

۱۔ جناب کوثر چاندپوری۔ "رات کا سورج" (افسانوی مجموعہ)
۲۔ ڈاکٹر کشور سلطان۔ "جاں نثار اختر حیات اور فن" (تنقید)
۳۔ ظفر صہبائی "دھوپ کے پھول" (شعری مجموعہ)
۴۔ کاشف اندوری "کاوش" (شعری مجموعہ)

یکم ستمبر ۱۹۸۱ء کو وزیر اعلیٰ نے اکادمی کی نئی مجلس عام کا اعلان کیا جس میں صوبے کے مندرجہ ذیل دانشوروں کو نامزد کیا گیا۔

۱۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر ۲۔ ڈاکٹر ظہیر احمد مدنی ۳۔ جناب قمر الدین۔ ۴۔ جناب اختر سعید خاں ۵۔ جناب شعری بھوپالی۔ ۶۔ جناب ابراہیم یوسف ۷۔ جناب قیصر اندوری ۸۔ جناب عبد الباقی (۹) جناب شمیم احمد (۱۰) جناب اظہر راہی (۱۱) جناب کرشن نرائن پردھان ایم ایل اے۔

پروفیسر اظہر راہی
وکرم یونیورسٹی۔ اجین (بھارت)

مغربی بنگال (بھارت) میں اردو کی سرکاری اہمیت تسلیم کر لی گئی

بھارت کے صوبے مغربی بنگال کی حکومت نے صوبے کے بعض علاقوں میں اردو کو بطور سرکاری زبان استعمال کرنے کا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے۔ صوبہ کے چیف سیکرٹری نے ایک وفد سے ملاقات کے بعد ہدایت جاری کر دی کہ صوبائی دار الحکومت کلکتہ کے علاوہ ضلع بردوان، آسنول سب ڈویژن اور مغربی دیناج پور کے اسلام پور سب ڈویژن میں لوگوں کو اردو میں درخواستیں پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ ان درخواستوں کا جواب بھی اردو میں دیا جائے گا۔

AKHBAR-E-URDU

"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"

Registration No. S. 3195 — Vol. 2 — NO: 1 — January

وفیات

فضل احمد کریم فضلی

اُردو کے ممتاز اور بزرگ شاعر اور ناول نگار فضل احمد کریم فضلی، ۱۷ دسمبر کی شام کو سکتۂ قلب کے نتیجہ میں کراچی میں رحلت فرما گئے۔ مرحوم کی عمر چھہتر سال تھی۔ وہ ۷، نومبر ۱۹۰۶ء کو الٰہ آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی سند حاصل کی۔ تعلیم کے ہر مرحلہ میں وہ نمایاں طور پر کامیاب ہوتے رہے۔ اور فارسی میں پورے صوبۂ یوپی میں اوّل درجہ حاصل کیا۔ ۱۹۲۹ء میں صوبائی سروس میں شامل ہوئے پھر آئی سی ایس کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد ۱۹۳۰ء میں ہندوستانی سول سروس میں شامل ہو گئے۔ بعد ازاں انھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے فارسی میں "بی لٹ" کی سند حاصل کی۔ قیام پاکستان کے وقت مرحوم چاٹگام میں ڈپٹی کمشنر اور قائم مقام کمشنر بھی رہے۔ صدر محمد ایوب خاں کے عہد میں مرحوم جبری طور پر ملازمت سے سبکدوش کر دیئے گئے تھے۔ ۱۹۷۰ء سے مرحوم عارضۂ قلب کے شکار ہوئے اور مسلسل زیرِ علاج رہے۔ زعمائے قوم میں سے مولوی فضل الحق، حسین شہید سہروردی، خواجہ ناظم الدین، مولوی عبدالحق اور جگر مرادآبادی سے ان کے قریبی روابط تھے۔ شاعری میں وحشت کلکتوی سے اصلاح لیتے تھے۔ "نغمۂ زندگی" (مطبوعہ ۱۹۴۱ء) اور "چشمِ غزال" (مطبوعہ ۱۹۵۳ء) ان کی غزلوں، نظموں اور رُباعیات کے مجموعے ہیں۔ وہ اپنا ایک اور شعری مجموعہ مرتب کر رہے تھے۔ ایک اچھے شاعر کے علاوہ وہ ایک عمدہ ناول نگار بھی تھے۔ ان کا معروف ناول "خونِ جگر ہونے تک" قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے اُردو کے اہم ناولوں میں سے ایک ہے۔ انہوں نے ایک اور ناول "سحر ہونے تک" بھی تصنیف کیا ہے، جو ابھی شائع نہیں ہو سکا۔

مرحوم ایک اچھے شاعر اور عمدہ ناول نگار کے ساتھ ساتھ اعلیٰ قدروں کے حامل ایک وضع دار اور شریف النفس انسان بھی تھے۔

حکیم آفتاب احمد قرشی

ممتاز عالم اور طب یونانی کے بلند پایہ حکیم جناب آفتاب احمد قرشی ۲۱ دسمبر کی صبح لاہور میں سکتۂ قلب کے باعث انتقال فرما گئے۔ وہ عربی میں ایم اے تھے اور حکیم حاذق اور زبدۃ الحکماء کے نصابوں کے سند یافتہ تھے۔ انھوں نے طب یونانی کو عہدِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اہم اور مفید تحقیقی کام کیے تھے وہ کئی طبی تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے انہیں علامہ اقبال کی شاعری اور فکر سے والہانہ لگاؤ تھا۔ علامہ اقبال پر دو مختصر کتابیں "نظریۂ پاکستان اور علامہ اقبال" اور "علامہ اقبال اور عالم اسلام" بھی ان سے یادگار ہیں۔

طابع: المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

ماہنامہ
اخبارِ اُردو
کراچی

فروری ۱۹۸۲ء

"نظم و نسق کے اعلیٰ کارپردازوں کو چونکہ اُردو
زبان سے سرکاری طور پر ربط نہیں رہا
اس لیے اُن کی اکثریت اِس بارے میں
خود اعتمادی سے گریزاں ہے۔ جب تک
ہماری یونیورسٹیوں میں قومی زبان کو ذریعۂ تعلیم
نہیں بنایا جائیگا، اُن کے فارغ التحصیل
اسی احساسِ کمتری میں مبتلا رہیں گے۔"

جسٹس ایس اے رحمان
خطبہ سائنٹفک سوسائٹی پاکستان
نویں سالانہ کانفرنس، ۱۹۶۰ء لاہور

AKHBAR-E-URDU

"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"

34-D ... BLOCK ... KARACHI

egistration No. S. 3195 —— Vol. 2 — NO: 1 —— January 1982

وفیات

فضل احمد کریم فضلی

اُردو کے ممتاز اور بزرگ شاعر اور ناول نگار فضل احمد کریم فضلی، ۱۷؍ دسمبر کی شام کو سکتۂ قلب کے نتیجہ میں کراچی میں رحلت فرما گئے۔ مرحوم کی عمر پچھتر سال تھی۔ وہ ۷؍ نومبر ۱۹۰۶ء کو الہ آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے اور الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی سند حاصل کی۔ تعلیم کے ہر مرحلہ میں وہ نمایاں طور پر کامیاب ہوتے رہے۔ اور فارسی میں پورے صوبۂ یوپی میں اوّل درجہ حاصل کیا۔ ۱۹۲۹ء میں صوبائی سروس میں شامل ہوئے پھر آئی سی ایس کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد ۱۹۳۰ء میں ہندوستانی سول سروس میں شامل ہو گئے۔ بعد ازاں انھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے فارسی میں "بی لٹ" کی سند حاصل کی۔ قیام پاکستان کے وقت مرحوم چاٹگام میں ڈپٹی کمشنر اور قائم مقام کمشنر بھی رہے۔ صدر محمد ایوب خاں کے عہد میں مرحوم جبری طور پر ملازمت سے سبکدوش کر دیئے گئے تھے۔ ۱۹۷۰ء سے مرحوم عارضۂ قلب کے شکار ہوئے اور مسلسل زیر علاج رہے۔ زعمائے قوم میں سے مولوی فضل الحق، حسین شہید سہروردی، خواجہ ناظم الدین، مولوی عبدالحق اور جگر مرادآبادی سے ان کے قریبی روابط تھے۔ شاعری میں وحشت کلکتوی سے اصلاح لیتے تھے۔ "نغمۂ زندگی" (مطبوعہ ۱۹۴۱ء) اور "چشمِ غزال" (مطبوعہ ۱۹۵۳ء) ان کی غزلوں، نظموں اور رباعیات کے مجموعے ہیں۔ وہ اپنا ایک اور شعری مجموعہ مرتب کر رہے تھے۔ ایک اچھے شاعر کے علاوہ وہ ایک عمدہ ناول نگار بھی تھے۔ ان کا معروف ناول "خونِ جگر ہونے تک" قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے اُردو کے اہم ناولوں میں سے ایک ہے۔ انہوں نے ایک اور ناول "سحر ہونے تک" بھی تصنیف کیا ہے، جو ابھی شائع نہیں ہو سکا۔

مرحوم ایک اچھے شاعر اور عمدہ ناول نگار کے ساتھ ساتھ اعلیٰ قدروں کے حامل ایک وضع دار اور شریف النفس انسان بھی تھے۔

حکیم آفتاب احمد قریشی

ممتاز عالم اور طبِ یونانی کے بلند پایہ حکیم جناب آفتاب احمد قریشی ۱۶؍ دسمبر کی صبح لاہور میں سکتۂ قلب کے باعث انتقال فرما گئے۔ وہ عربی میں ایم اے تھے اور حکیم حاذق اور زبدۃ الحکماء کے نصابوں کے سند یافتہ تھے۔ انھوں نے طب یونانی کو عہد جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اہم اور مفید تحقیقی کام کیے تھے وہ کئی طبی تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے انہیں علامہ اقبال کی شاعری اور فکر سے والہانہ لگاؤ تھا۔ علامہ اقبال پر دو مختصر کتابیں "نظریۂ پاکستان اور علامہ اقبال" اور "علامہ اقبال اور عالم اسلام" بھی ان سے یادگار ہیں۔

طابع: المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

ماہنامہ
اخبارِ اردو
کراچی

فروری ۱۹۸۲ء

"نظم ونسق کے اعلیٰ کارپردازوں کو چونکہ اُردو
زبان سے سرکاری طور پر ربط نہیں رہا
اس لیے اُن کی اکثریت اِس بارے میں
خود اعتمادی سے گریزاں ہے۔ جب تک
ہماری یونیورسٹیوں میں قومی زبان کو ذریعۂ تعلیم
نہیں بنایا جائیگا، اُن کے فارغ التحصیل
اِسی احساسِ کمتری میں مبتلا رہیں گے۔"

جسٹس ایس اے رحمان
خطبہ سائنٹفک سوسائٹی پاکستان
نویں سالانہ کانفرنس، ۱۹۶۰ء لاہور

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل و نفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ـــــــ قوم کے حساس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ـــــــ

اخبارِ اردو

فہرست

ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ ۔ فروری ۱۹۸۲ء

جلد نمبر ۲ شمارہ : ۲

مقتدرہ قومی زبان

۳۲ - ڈی، بلاک ۷، گلشن اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون : ۲۲ - ۳۶۳۱۲۱

قیمت : ایک روپیہ ، سالانہ چندہ دس روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معروضات

ایک بڑا المیہ

زبان اپنے تمام تقاضوں کے لحاظ سے ایک تہذیبی اور معاشرتی عمل ہے۔ ایک ایسا عمل ——— جس کے رونما ہونے کے لیے کسی نہ کسی نوعیت کے اجتماع یا گروہ کا وجود لازمی ہے۔ ہر زبان کا ظہور اور ارتقاء اور اس کا زوال معاشرے کے عروج و زوال پر منحصر ہوتا ہے اور اسی طرح ہر معاشرے کی تقدیر اس کی تہذیب اور زبان سے وابستہ ہوتی ہے۔

کسی تہذیبی اور سیاسی انقلاب کے زیر اثر جب کوئی جماعت اپنی زبان ترک کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے تو اس کی تہذیبی انفرادیت ختم ہونے لگتی ہے، وہ تخلیقی اعتبار سے مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کی ذہنی موت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہی کچھ ہماری قوم کے ساتھ بھی ہوا ہے اور فی الوقت بظاہر ایسے آثار نظر نہیں آتے کہ ہم اس زوال کی رفتار کو بہت جلد روکنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہماری قوم کے دانشوروں کو اس کا احساس ہے اور یہ احساس مختلف سمتوں سے عام بھی کیا جاتا رہا ہے، لیکن افسوس کہ بند باندھنے کی کوئی بھرپور اور مخلصانہ کوشش ایسی نہیں ہوئی جو ہماری قوم کو ذہنی موت سے بچا کر اسے قوت اور توانائی دے سکے۔

صورت حال یہ ہے کہ ہماری نئی نسل جو اس وقت اسکولوں، کالجوں اور جامعات میں تعلیم پا رہی ہے، ایک بے زبانی کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔ وہ نہ اپنی قومی زبان پر عبور رکھتی ہے اور نہ انگریزی زبان پر، جو اب تک اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ قومی زبان ہر قوم کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اس کے بقاء اور ارتقاء کے لیے ناگزیر بھی ہوتی ہے۔ جب کسی قوم کی لسانی نوعیت ——— جو اس کا ایک تہذیبی ورثہ اور سرمایہ ہوتی ہے، ختم کر دی جاتی ہے تو وہ نہ صرف تہذیبی افلاس میں مبتلا ہو جاتی ہے بلکہ بولنے اور سمجھنے یہاں تک کہ سوچنے کی صلاحیتیں بھی کھو بیٹھتی ہے۔ آج ہم اسی المیہ کا شکار ہیں۔ ڈیڑھ سو سال سے زیادہ عرصہ تک انگریزی سیکھنے اور اسے اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں داخل کرنے کے باوجود بھی ہماری قوم میں اس کے وسیلہ سے کوئی قابل فخر بات ظاہر نہیں ہو سکی۔ انگریزی زبان کے سہارے دی جانے والی تعلیم نے علم کو عام کرنے کے بجائے محدود کر دیا ہے۔ اس نے ہمارے معاشرے کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جو آپس میں ایک دوسرے کے لیے بیگانے ہیں۔

جو طبقہ ڈیڑھ سو سال سے انگریزی زبان سے چپکا ہوا ہے اس میں ایک بھی ادیب و شاعر ایسا پیدا نہ ہو سکا جس کا ذکر انگریزی زبان و ادب کی تاریخ کے کسی حاشیہ ہی میں درج ہو سکتا۔ علوم میں بھی ہماری کاوشیں جزئیاتی تحقیق بلکہ سرسری اور سطحی تحقیق تک محدود رہی ہیں۔ کسی بھی علم کی نظریاتی سطح پر ہم اب تک

کوئی قابلِ ذکر اضافہ ـــــــ ایک دو مستثنیات کو چھوڑ کر ، نہیں کر سکے ہیں ۔ اس پس منظر میں آج جو نسل تیار ہو رہی ہے اور جسے ورثہ میں علمی ، تحقیقی اور فکری بے بضاعتی کے سوا کچھ نہیں ملا اور جو نہ انگریزی سے اچھی طرح واقف ہے اور نہ اُردو پر عبور رکھتی ہے ـــــــ وہ کوئی بڑا تخلیقی اور تحقیقی کارنامہ انجام نہیں دے سکتی۔ وہ اپنے مکمل ابلاغ کے لیے نہ قلم سے کام لے سکتی ہے اور نہ زبان سے ۔ نہ اس میں سوچنے کی استعداد ہے نہ اظہارِ خیال کی۔ اس کے ذہن اور اس کی زبان پر لسانی دوغلے پن کے تحت جہلِ مرکب کی مہریں ثبت ہو رہی ہیں ۔ یہ سب اس لیے ہے کہ اس نسل کو اس کی قومی زبان سے ـــــــ جو قومی تشخص کا آئینہ ، شخصیت کے اظہار اور اس کی خود اعتمادی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتی ہے ، کماحقہٗ استفادہ کے مواقع میسّر نہیں ہیں۔ جس قسم کی تعلیم اُسے مل رہی ہے اور اس کے حصول کا جو ذریعہ اس کے لیے مقرر ہے اس سے نہ اس کے اظہار و ابلاغ کی صلاحیت نمو پا رہی ہے اور نہ ہی اس میں مناسب لیاقت اور استعداد پیدا ہو رہی ہے ۔ اس کا ذخیرۂ الفاظ کیا اُردو کیا انگریزی ، نہایت محدود ہے ۔ یہ امتحانات کامیاب تو کر لیتی ہے لیکن رٹے کے یا نقل کر کے ۔ اسکول کے اونچے درجوں میں پہنچنے کے بعد بھی یہ کسی زبان میں دو جملے صحت کے ساتھ لکھ نہیں سکتی اور چار سطریں صحیح تلفظ کے ساتھ بول نہیں سکتی۔

وہ نسل جس کا اوڑھنا بچھونا انگریزی ہے ، وہ انگریزی اگر بول بھی لیتی ہے تو اس میں نہ فصاحت ہوتی ہے نہ بلاغت ۔ یہ صورتِ حال بہتر ہونے کے بجائے بدتر ہی ہوتی جا رہی ہے ۔ یہ معیار اب صرف اسکولوں کے طلبہ ہی تک محدود نہیں رہا ، اعلیٰ تعلیمی درسگاہوں کے طلبہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں ۔ شدید المیہ یہ ہے کہ یہی نسل اب اساتذہ کے زمرے میں بھی داخل ہو رہی ہے ۔ اظہار و ابلاغ کا فقدان اب اساتذہ میں بھی عام ہوتا محسوس ہو رہا ہے ۔ کسی اُستاد کے تقرر کے لیے ، جو چاہے اسکول کے لیے ہو یا کالجوں یا جامعات کے لیے ، صحتِ زبان اور ابلاغ پر دسترس کی کوئی شرط یا معیار موجود نہیں ہے ۔ چنانچہ اب جو نسل اساتذہ میں وارد ہو رہی ہے وہ بھی زبان اور قلم سے کماحقہٗ کام لینے میں ماہر نظر نہیں آتی ۔ نہ وہ مکمل طور پر اُردو میں درس دے سکتے ہیں نہ مکمل اور درست انگریزی میں ۔ جب یہ صورتِ حال ہو جائے تو پھر طلبہ میں صحتِ زبان اور اظہار کی صلاحیتیں کیونکر پیدا ہو سکتی ہیں۔

قومی زبان کو روزمرّہ زندگی اور معاشرتی اداروں اور خصوصاً درسگاہوں سے دور کرنے اور انگریزی کو چمٹائے رکھنے سے جو بھیانک قومی المیہ جنم لے رہا ہے وہ ہوش مندوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ انگریزی زبان کی عمل داری کی وجہ سے قومی زبان ہماری قومیت اور شخصیت کا جزو نہیں بن سکی ہے ۔ اور اسی لیے اس پر عبور حاصل نہ ہونے کے سبب ہمارے ملک میں تعلیم کا اصل فائدہ اور حقیقی مقصد مفقود ہے۔ قومی زبان پر عبور ہم اس وقت حاصل کر سکتے ہیں ، جب یہ مکمل طور پر ذریعۂ تعلیم اور ہماری روزمرّہ زندگی کا جزو لازم ہو ۔ انسان زبان سے اشرف ہوتا ہے لیکن ہم یہ شرفِ انسانیت کھوتے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

دوسری قسط

لسان اور مطالعۂ لسان میں مسلمانوں کی خدمات

مسلمان جن ممالک میں رہتے اور بستے ہیں وہاں ان کی اپنی اپنی زبانیں اور بولیاں ہیں اور یہ دُنیا کی زبانوں کے تمام بڑے خاندانوں میں شامل ہیں۔ سامی خاندان میں عربی سب سے نمایاں ہے۔ آریائی خاندان برصغیر پاک و ہند کی آریائی زبانیں بشمول اُردو، پنجابی، سندھی پشتو، بلوچی، کشمیری اور زبانوں کا وہ خاندان جیسے ڈاکٹر لائٹنر نے دردستان کے علاقے کی بولیوں کا حلقہ بنایا ہے، جس میں شینا اور اس کی ہمسایہ زبانیں اور بولیاں شامل ہیں۔ اسی خاندان کی دوسری شاخ ایرانی ہے جس میں ژند اور اوستا کے دور سے پہلوی اور فارسی جدید تک شامل ہیں۔ ہند و پاکستان میں غیر آریائی زبانیں اور بولیاں ہیں مثلاً پاکستان میں براہوی اور جنوبی بھارت میں تامل، کنٹری اور ملیالم۔ پھر زبانوں کا منگول خاندان الگ ہے۔ جن کی آج نمائندہ زبان اور زبانوں کے علاوہ ترکی بھی ہے۔ افریقہ کی زبانوں کے لیے اپنے الگ حلقے اور خاندان ہیں۔ مثلاً ان میں سواحیلی ہے۔ ریف کی بولیاں ہیں[1] جن کا ایک پورا گروہ بربر خاندان کی بولیوں پر مشتمل ہے۔ چینی زبان کا ایک الگ سلسلہ ہے۔ جاپانی الگ ہے۔ لیکن اسلام کی زبان عربی ہے اور جہاں مسلمان گئے ان کے ساتھ اُن کی تہذیب اور تشخص کی نشانی عربی زبان اور اس کے اثرات بھی گئے۔ یہ الگ اور اہم موضوع ہے کہ اسلام اور عربی زبان نے دُنیا کی مختلف زبانوں کے ارتقاء میں اور اُن کی ادبی نشو و نما میں کیا حصّہ لیا ہے۔ یہاں ہم مسلمانوں کی لسانیات کے مطالعہ کی مختصر روداد پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جو قدرتاً عربی سے اور عرب سے شروع ہوتی ہے۔

عربی ایک ایسی زبان ہے جس کی فصاحت اور بلاغت قبلِ اسلام سے مانی ہوئی ہے، ایک مورخ کا بیان ہے:[2] (اُردو ترجمہ)

"عرب ایک ایسی قوم ہے جو دیگر اقوام میں ازروئے گویائی، فصاحتِ گفتار اور بلاغت بیان میں مشہور چلی آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں یہ نام دیا گیا کیونکہ عرب کے لفظی معنی "اظہار و بیان" ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے تو کہا جاتا ہے:-

اَعْرَبَ الرَّجُل فی ضمیرہٖ (فلاں نے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا)

ان ہی معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

"الثَّیِّبُ تُعْرِبُ عَن نَفْسِہا" "ثیب" یعنی وہ عورت جس کا خاوند مرچکا ہوگا یا جسے طلاق مل چکی ہو اپنے دل کی بات ہی ظاہر کر دے گی۔"

تمام قوموں میں عربوں کی فصیح البیانی ایک مخصوص علامت ہے ہم عنقریب کسریٰ کا قصّہ بیان کریں گے کہ کس طرح اس نے عربی ممالک میں متعین اپنے وائسرائے نعمان ابن منذر سے کہا تھا کہ اس

---

[1] ان کی کسی تفصیل اور ان پر عربی اثرات کے لیے دیکھئے راقم کا مقالہ "ARABIC LOAN WORDS IN BERBER WITH SPECIAL REFERENCE TO THE DIALECTS OF RIF-
- UNIVERSITY - JOURNAL OF KARACHI UNIVERSITY.

[2] بلوغ الارب۔ مصنفہ محمود شکری آلوسی۔ اُردو ترجمہ پیر محمد حسن۔ شائع کردہ مرکزی ترقی اُردو بورڈ لاہور۔ ۱۹۶۷ء۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷

کی طرف عربوں کے بزرگوں اور خطیبوں میں سے اپنی پسند کے کچھ لوگوں کا وفد بھیجئے۔ چنانچہ ان کا قصّہ اور ان کی حیرت انگیز فصاحت کا واقعہ مشہور ہے۔

عربی کی اس مسلمہ حیثیت پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اسی سے اندازہ لگائیے کہ عربوں کی تقسیم میں وہ "عرب" تھے۔ یعنی اپنا مافی الضمیر زبان سے ادا کرتے تھے اور باقی دنیا عجم تھی۔ عربی کی تاریخ بیان کرنا یہاں مقصود نہیں لیکن یہ بات ہم جانتے ہیں کہ آج بھی ساری دنیائے اسلام میں عربی کا رواج کم و بیش پایا جاتا ہے۔ بعض ملکوں میں یہ بولی جانے والی، لکھی اور پڑھی جانے والی اور واحد ذریعۂ ابلاغ ہے اور یہ علاقہ بھی عراق سے شمالی افریقہ کے ساحلوں تک پھیلا ہوا ہے، جس میں عراق، شام، لبنان، فلسطین، اردن، مملکت سعودیہ، یمن، مصر اور شمالی افریقی علاقے شامل ہیں۔ جن ملکوں میں یہ مادری زبان نہیں وہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ اس کا اثر و نفوذ نظر آتا ہے۔ ایران میں فارسی جدید کا دور ہی اسلام کے بعد اور قدیم پہلوی میں عربی اثرات کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور آج تک باقی ہے۔ ترکی ایک الگ خاندان اور قبیلے کی زبان ہے لیکن ترکی پر عربی کے اثرات سے ترکی زبان سے آشنا ہر شخص واقف ہے اور ایک سیاسی مصلحت سے ترکی زبان کا رسم الخط بدلنے کے باوجود ترکی زبان سے عربی عناصر کا اخراج ممکن نہیں ہوا اور نہ ہے۔ یہی حال برصغیر پاک و ہند کی زبانوں اور بولیوں کا ہے۔ پشتو، بلوچی، سندھی، پنجابی، مرہٹی، گجراتی ان سب پر عربی کا اثر ہے۔ کچھ براہ راست کچھ بالواسطہ یعنی فارسی کے ذریعے سے بلکہ برصغیر کے آخری حصّے بنگال تک یہ اثر پھیلا ہے اور سنیتی کمار چیٹر جی نے بنگالی زبان کے ارتقاء پر جو تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ اس میں ان اثرات کی نشان دہی کی ہے اور ادھر ملیشیا اور انڈونیشیا تک یہ اثرات پھیلے ہوئے ہیں۔ اور آج بھی اردو میں جس پر عربی کا اثر براہ راست بھی ہے اور بالواسطہ بھی، اتنے نمایاں ہیں کہ ان سے انکار ممکن نہیں ہے اور آج بھی جدید علمی و فنی اصطلاحات وضع کرنے میں اس وسیع علاقے میں عربی بطور ایک اہم ماخذ استعمال ہو رہی ہے بلکہ ان امکانات کا بھی جائزہ لیا جا رہا ہے کہ جس طرح مغرب کے جدید علوم میں جن اصطلاحات کو بین الاقوامی کہا جاتا ہے اور جن کی اصل لاطینی اور یونانی ہے۔ کیا اسی طرح اس علاقے میں جدید علوم کی اصطلاحات وضع کرنے میں عربی کو وہی درجہ دے کر بین الاقوامی اصطلاحات وضع اور عام طور پر مقبول ہو سکتی ہیں؟ کئی سال ہوئے جامعہ کراچی میں سعودی عرب کے ایک اعلیٰ اختیاری تعلیمی وفد سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال ہوا تھا اور اس کے امکانات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

سید علی بلگرامی صاحب تمدن عرب[1] میں لکھتے ہیں:

"وہ تعمیر، ادب، علوم، فلسفہ بلکہ مذہب تک ان مختلف ممالک میں جن پر عربوں نے حکومت کی مختلف مدارج ترقی میں تھے۔ مذہب و زبان البتہ دو چیزیں تھیں جو کل عربوں میں عام اور مختلف ممالک میں اتحاد کی بنیاد تھیں۔"

بات دراصل یہ تھی کہ اسلام کی اساس ہی قرآن حکیم اور احادیث نبوی ہیں اور ان کے لیے عربی کا علم ناگزیر ہے۔ چنانچہ اسلام جہاں اور جب پہنچا اپنے ساتھ قرآن اور احادیث کو لے گیا اور مختلف ممالک میں صدیوں کے سیاسی، معاشی اور تہذیبی انقلابات کے باوجود اس کے آثار و اثرات اب بھی قائم اور باقی ہیں عبادات میں بھی عربی سے مفر نہیں۔ مسلمان کسی ملک کا ہو اذان اس کی عربی میں، نماز اس کی عربی میں ہوتی ہے۔ یہ کام وہ اپنی زبان کے ترجمے سے ادا نہیں کر سکتا۔ یہاں میں اس تحریک کی تفصیل میں نہیں ___ جانا چاہتا جہاں ترکی میں قرآن حکیم کو عربی رسم الخط کی بجائے ترکی رسم الخط میں جو اصلاً لاطینی رسم الخط کی ایک شاخ اور یورپ کی اکثر و بیشتر زبانوں کا رسم الخط ہے لکھنے کی تحریک ہوئی۔ لیکن یہ تحریک اس حد تک تو ضرور کامیاب ہوئی کہ ترکی زبان کا رسم الخط بدل گیا اور ترک اپنے قدیم تاریخی ورثہ کے ایک بڑے حصّے سے محروم ہو گئے لیکن قرآنی رسم الخط کے بدلنے کے بعد زبان کے اعتبار سے عربی ہی رہا اور اب براہ راست عربی میں قرآن حکیم کی طباعت اور تلاوت کے شوق کا میری آنکھیں شہادت دے سکتی ہیں۔ ترجمے کا مسئلہ الگ ہے۔ تفہیم قرآن کے لیے اس کے بکثرت تراجم ہوئے اور ان کی کوئی مکمل فہرست بھی ابھی تک

---

[1] تمدن عرب۔ سید علی بلگرامی۔ ص ۱۴۶۔ طبع مدراس۔ ۱۸۹۸ء

نہیں بنی ہے لیکن دُنیا کی شاید ہی کوئی زبان ہو جس میں قرآن حکیم کا ترجمہ موجود نہ ہو۔ یہ بات تفہیم اور تسہیل مطالب کی حد تک منحصر ہے ورنہ قرآن حکیم کی زبان عربی ہے اور بار بار خود قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ "ہم نے قرآن حکیم کو عربی میں اتارا کہ تم اُسے سمجھو"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس فن میں ابوعمرو بن علا کا کیا مرتبہ تھا۔ ایک اور ماہر فن نافع بن عبدالرحمان ابوالحسن ہیں جن کو امام بھی کہا جاتا ہے۔ اصمعی کا بیان ہے کہ ان کو نافع نے بتایا کہ وہ اصلاً اصفہان سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر یہ بیان درست ہے تو بلاشبہ ابوالحسن کو اصفہانی ہونے کی وجہ سے اہل مکہ اور بالخصوص قبیلہ قریش کی قرأت کو باقاعدہ سیکھنا پڑا ہوگا اور وہ اس سلسلہ کے اکابر ہیں۔ ان سے یہ فن حاصل کرنے والوں میں ایک ابو موسیٰ عیسیٰ بن نیا بن وردان بن عبداللہ بن رزقی ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق اس کا لقب قالون تھا۔ مدینہ کے قرأ اور علمائے نحو میں اُن کا شمار ہوتا تھا چونکہ نافع سے ان کا تعلق بہت قریبی تھا اور بعض لوگ اِن کو نافع کا پرودہ بھی کہتے تھے اور قرآت قرآن میں انکا ایسا کمال تھا کہ اُسے قالون کے لقب سے یاد کرتے ہیں جس کے معنی بعض لغات میں نہایت عمدگی سے پڑھنے والا ہے۔ یہ رومی نژاد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسیران روم کے ساتھ آئے اور عجب بات یہ ہے کہ بہرے تھے اور اتنے بہرے کہ صدائے برق نہ سن پاتے لیکن قرآن پڑھا جاتا تو سُن لیتے۔ ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ دراصل قالون پڑھنے والے کے ہونٹوں کی حرکت سے معلوم کر لیتا کہ قرآن غلط پڑھا جارہا ہے یا قاری کسی قسم کے شبہ میں پڑ گیا ہے۔ وہ ۲۰ھ مطابق سنہ ۷۴۰ء میں پیدا ہوئے اور متواتر پچاس سال تک نافع کو قرآن سناتے رہے۔

مکہ کے طبقہ ثانیہ کے قرار میں عبداللہ ابن کثیر کا نام بھی مشہور ہے۔ ۱۲۰ھ مطابق ۷۳۷ء میں مکہ میں وفات پائی۔ اور اپنے دور کے علمار میں ممتاز تھے۔ اس کے شاگردوں میں اسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین کا نام لیا جاتا ہے۔ قرائے قرآن کے طبقہ ثالثہ میں عاصم بن بہدلہ ہیں۔ جن کی کنیت ابوبکر بن ابوالجنود ہے ان کی وفات ۱۲۸ھ میں ہوئی۔ انھوں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی اور زرین جیش سے قرآت سیکھی تھی۔ غرض ان قرار تک جنھیں قرائے سبعہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ سیکڑوں نام تاریخ میں ملتے ہیں اور ان میں سے بیشتر اس فن کے صاحب تصنیف ہیں۔ مثلاً حمزہ بن حبیب زیات جن کی کنیت ابوعمارہ ہے۔ کتاب قرأت حمزہ اور کتاب الغرائض ان کی تصانیف ہیں۔ ان کی وفات ابوجعفر کے زمانۂ خلافت میں ۱۵۶ھ مطابق ۷۷۳ء میں ہوئی۔ نحوی بغداد کے سمجھو۔[1]

ابتدائے زمانہ اسلام میں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک عرب کے اکثر قبائل اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ ان میں بھی وہ لسانی اختلاف تھا جسے ہم آج "بولی" یا محاورہ یا روزمرہ کا اختلاف کہہ سکتے ہیں یا اُسے آپ DIALECT کہہ لیجئے۔ ملحق علاقوں میں لسانی اختلاف ہوتا ہے لیکن وہ آپس میں سلسلۂ کلام کر سکتے ہیں اور عام زندگی میں ابلاغ ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا لیکن جیسے جیسے لسانی حلقہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور زبانوں کی سرحدیں دور سے دور تر ہوتی چلی جاتی ہیں یہ اختلاف اسی نسبت سے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اُسے ہم آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے اور کانوں سے سُن سکتے ہیں۔ آپ کراچی سے پشاور تک کا سفر کیجئے۔ بظاہر کراچی کا اُردو یا سندھی بولنے والا سندھ، بہاولپور، ملتان، پنجاب، راولپنڈی سے گزرتا پشاور تک جا پہنچتا ہے۔ اُسے سندھی سے سرائیکی، سرائیکی سے ملتانی، ملتانی سے پنجابی، پنجابی سے پوٹھوہاری، پوٹھوہاری سے ہندکو ہندکو سے پشتو میں لسانی انضمام آہستہ اور تدریجی معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس وسیع اور طویل علاقے کی دو سرحدوں کی زبانوں کے بولنے والوں کے لیے ایک دوسرے کی زبان بالکل اجنبی بن جاتی ہے۔ حالانکہ زبانیں دونوں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے صرف ونحو میں اشتراک ہے۔ اُن کے سرمایۂ الفت میں اشتراک ہے لیکن پھر بھی یہ زبانیں الگ الگ زبانیں ہیں۔

یہ صورت حال ظاہر ہے عرب میں بھی ہوگی اور بدوی قبائل میں جو ایک دوسرے سے الگ رہتے تھے اور ذرائع اور وسائل ابلاغ بھی اتنے آسان اور عام نہ تھے جتنے اب ہیں، تلفظ اور قرآت کا اختلاف پایا جاتا تھا۔ چنانچہ علوم قرآنی کے سلسلے میں قرأ سبعہ ان

۱؎ الفہرست ترجمہ اردو طبع ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۵ء ص ۷۲

کے رواۃ اور قرآت کا ایک خاص موضوع ہے۔ "الفہرست" کے مصنف ابن ندیم کے قول کے مطابق ابو عمرو بن علا اس فن کے ایک بڑے عالم ہیں جن کا پورا نام زبان بن مالک بن عمرو المازنی ہے اسی بیان کے مطابق یونس اور دیگر مشائخ بصرہ نے جو قرا کے طبقہ رابعہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے تحصیل علم کی تھی۔ احمد بن ہمدانی کی تصنیف کتاب قرآت ابی عمرو ہے۔ اسی نام کی کتاب کا ایک اور مصنف ابو ذھل ہے جس کی روایت ان سے عصر بن ابو عصمہ کی ہے اور تیسری کتاب اسی نام کی اور ہے۔ جس کی روایت یزیدی نے قاریوں میں مشہور رہیں۔ پہلے قرآت حمزہ کے مطابق اس فن کی تدریس کرتے بعد میں انھوں نے اپنا انداز اختیار کیا اور خلافت ہارون کے زمانہ میں قرآت کی تعلیم کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ قرآت کسائی کے بارے میں بھی بے شمار علما نے تصانیف اور لکھی ہیں جن میں بعض یہ ہیں:

(۱) کتاب ماخالف الکسائی فیہ از ابو جعفر بن مغیرہ
(۲) کتاب قرائت از مغیرہ بن شعیب تمیمی
(۳) کتاب قرائت از ابو مسلم عبدالرحمٰن بن واقد واقدی
(۴) کتاب حروف الکسائی از سورۃ بن مبرد
(۵) کتاب المعانی القرآن از سورۃ بن مبرد

غرض کہاں تک تفصیل دی جائے۔ اہل مکہ، اہل بصرہ، اہل کوفہ، اہل شام، اہل یمن، اہل بغداد کے اپنے مکاتیب قرآت ہیں۔ جن کی تفصیل تاریخوں میں مذکور ہے۔ ابو بکر احمد بن موسیٰ بن عباس بن مجاہد بغداد میں تاجدار علم قرآت کہلاتے تھے۔ ۲۴۵ھ ۸۵۹ء میں ولادت اور ۳۲۴ھ رجب ۹۳۴ء میں وفات پائی۔ انکی تصانیف میں کتاب القرات الکبیر، کتاب القرات الصغیر، کتاب الیاءات، کتاب الحادات، کتاب قرآۃ، ابی عمرو، کتاب قرآت ابن کثیر، کتاب قرآت عاصم، کتاب قرآت نافع، کتاب قرآت حمزہ، کتاب قرآت الکسائی، کتاب قرآت ابن عامر اور کتاب قرآت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے۔ معلوم نہیں ان میں اب کسی کتاب کا وجود ہے یا نہیں۔ یہاں میں صرف ایک اور شخص کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس سے اس علم کی طرف مسلمانوں کے انہاک اور تفہیم القرآن کے لیے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ شخص محمد بن احمد بن ایوب بن شنبوذ ہے۔ راویوں کے بیان کے مطابق کثیر المحسن اور قلیل السلام تھا۔ ۳۲۸ھ ۹۴۰ء میں دارالحکومت کے قید خانے میں مرا۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے قرآن حکیم کی قرآت کو مصحف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف پڑھا تھا۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ اس نے اپنی پوری قرآت شاذہ کا اعتراف کر لیا تھا۔ اور اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ توبہ نامہ ملا ہے:

"محمد بن احمد بن ایوب کہتا ہے کہ میں اس طرح حروف پڑھا کرتا تھا جو مصحف عثمان رض کے خلاف تھے جن کی صحت پر صحابہ رسول کا اتفاق ہے۔ پھر مجھ پر یہ چیز واضح ہوگئی کہ یہ غلط ہے۔ تو میں نے اس سے توبہ کر دی اور اس قرآت کو چھوڑ دیا۔ اب میں اس قرآت سے اللہ جل اسمہ کے حضور برائت و بیزاری کا اظہار کرتا ہوں کیونکہ مصحف عثمان ہی صحیح اور مبنی بر حق ہے۔ نہ اس کی مخالفت جائز ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے پڑھنا چاہیے۔"[1]

---

[1] ایضاً ص ۸۰-۸۱

ڈاکٹر وزیر آغا

اردو اور انگریزی کے استعمال کی جائز حدود

ہر زبان کا ایک لسانی تناظر ہوتا ہے جس پر دوسری زبانوں سے اخذ و اکتساب کی ساری داستان رقم ہوتی ہے۔ اردو زبان کے لسانی تناظر میں ہمیں فارسی، عربی، انگریزی اور پراکرتوں کے الفاظ آبدار موتیوں کی طرح جڑے ہوئے نظر آتے ہیں مگر یہ سب کچھ ایک فطری طریق سے سرانجام پایا ہے۔ نتیجتہً دوسری زبانوں کے الفاظ اردو زبان کی بُنت میں شامل ہوئے ہیں اس کے دامن سے چپٹے ہوئے نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس جدید ہندی میں سنسکرت کے الفاظ کی شعوری سطح پر آمیزش ایک بالکل مصنوعی عمل ہے۔ جس سے ہندی زبان کی تازگی اور کوملتا بُری طرح متاثر ہوئی ہے۔ اردو زبان کو سنسکرت کے الفاظ کی یلغار کا تو قطعاً کوئی خطرہ نہیں مگر یہاں ایک اور خطرہ ہے جو آج سے کافی عرصہ پہلے اردو زبان کے افق پر ایک شہاب ثاقب کی طرح نمودار ہوا تھا مگر جواب ایک جلا دینے والا سورج بنکر سوا نیزے پر آچکا ہے۔ اور جس کی آتش بار شعاعوں نے اردو زبان کے حریری ملبوس میں جا بجا سوراخ کر دیئے ہیں۔ میرا اشارہ انگریزی زبان کی طرف ہے جس نے ہمارے ملک میں سگی بہن کا کردار ادا کرنے کے بجائے سوتیلی ماں کا کردار ادا کیا ہے۔

ہر زبان ایک عمارت کی طرح ہوتی ہے جس میں چاروں طرف کھڑکیاں اور دروازے سورج کی روشنی اور ہوا کے لمس کو قبول یا رد کرنے کے لیے کا ہے کھولے اور گا ہے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے زبان کی اس عمارت کی ساری کھڑکیاں اور دروازے مقفل کر دیئے جائیں تو پھر نہ تو سورج کی روشنی ہی عمارت کے اندر جا سکتی ہے اور نہ وہاں تازہ ہوا ہی کا گزر ہوتا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جس عمارت کو روشنی اور ہوا سے محروم کر دیا جائے (چاہے یہ عمارت زبان کی، معاشرے کی ہو یا شخصیت کی) تو اس کے اندر سے بدبو کے بھبکے سے اٹھنے لگتے ہیں، نمی سی پھیل جاتی ہے اور دیمک کی کارکردگی بڑھ جاتی ہے۔ سنسکرت زبان کی عمارت کو جب برہمنوں نے پوری طرح مقفل کر دیا تو اس کے اعماق میں بھی یہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور پھر وہ زمانے کی روشنی اور ہوا سے محروم ہو کر انجماد کی نذر ہوتی چلی گئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اردو زبان کو کسی ایسی صورتحال کا سامنا نہیں اور اس نے ہمیشہ تازہ ہوا اور روشنی کے لیے اپنے دروازوں اور کھڑکیوں کو بار بار کھولا ہے۔ مگر دوسری طرف یہ بھی دیکھیے کہ جس عمارت کی ساری کھڑکیاں اور دروازے مستقل طور پر کھول دیئے جائیں اس میں بادِ نسیم کے ساتھ ساتھ بادِ سموم بھی داخل ہو سکتی ہے اور سورج کی روشنی کے ساتھ جھلسا دینے والی دھوپ کی یلغار بھی بعید از امکان نہیں بلکہ میں تو یہ تک کہوں گا کہ جس عمارت کے دروازے اور کھڑکیاں ہمہ وقت کھلے ہوں وہ عمارت نہیں بلکہ ایک جلسہ گاہ ہے جس میں ہر طرح کی مخلوق آ جا سکتی ہے۔ کم از کم انگریزی کے معاملے میں مجھے یہ ہمیشہ محسوس ہوا کہ اردو زبان کی عمارت کی جملہ کھڑکیاں اور دروازے بڑی بے احتیاطی سے کھلے چھوڑ دیئے ہیں جس کے نتیجے میں انگریزی کے الفاظ محاورے، نام اور ان سب سے وابستہ غیر ملکی تہذیبی مظاہر اور خباثتیں بے روک ٹوک ہماری تہذیب کے ایوانوں میں داخل ہوتی چلی گئی ہیں۔

مبادا کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے میں انگریزی کے معاملے میں

پوری طرح قلعہ بند ہو جانے کے حق میں نہیں ہوں بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ انگریزی زبان کی صورت میں ہمیں ایک ایسی کھڑکی میسر آئی ہے جس سے ہم پوری دُنیا کی علمی اور سائنسی فتوحات کا نظارہ کر سکتے ہیں اور جس کے ذریعے علوم کی روشنی ہم تک پہنچ سکتی ہے بلکہ پہنچ رہی ہے۔ اس کھڑکی کو بند کر دینے کا مطلب ہوگا کہ ہم زمانے کے فیوض اور برکات سے خود کو محروم کر لیں گے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ مغز کے ساتھ چھلکے کو بھی قبول کر لیا جائے۔ علوم کے ساتھ اُس تہذیبی کیپ سول کو بھی نگل لیا جائے جس میں یہ علوم بند کر کے بھیجے گئے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انگریزی کے الفاظ اور محاوروں اور ناموں کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ اردو کے الفاظ اور محاوروں کو دھکیل کر پرے کریں اور خود اُن کی مسندوں پر قابض ہوتے چلے جائیں۔ بدقسمتی سے جہاں تک قومی زبان کی مملکت کا تعلق ہے اس میں دو حکمرانوں کا سکہ چل رہا ہے یعنی انگریزی اور اُردو کا! اور آج تک اس بات کا فیصلہ نہیں ہوسکا کہ ان کی حدود، حقوق اور اختیارات کیا ہیں۔

موجودہ حکومت نے سابقہ تمام حکومتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ دانشمندی کے ساتھ اُردو زبان کے حقوق اور اختیارات کا احساس دلایا ہے اور یوں اُردو کو اس کا کھویا ہوا وقار ایک بڑی حد تک بحال کر دیا ہے۔ مگر انگریزی کی عملداری ابھی تک جاری ہے اور بعض اوقات اس عملداری کے باعث اُردو کی عملداری کے راستے میں رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں۔ مثلاً عام زندگی بالخصوص کاروباری زندگی میں انگریزی اور اُردو کے الفاظ کا دنگل جاری ہے حالانکہ اس دنگل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی بلکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس خاص میدان میں اُردو کی بالادستی کا احساس دلایا جاتا۔ اس سلسلے میں ریڈیو، ٹیلی وژن اور دیگر ثقافتی ادارے معاشرتی رویوں کو ایک بڑی حد تک تبدیل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح عدالتوں دفتروں، بینکوں اور دوسرے اداروں میں اُردو زبان کو موثر کردار ادا کرنے کی نہ صرف اجازت ملنی چاہیئے بلکہ کوشش ہونی چاہیئے کہ یہ زیادہ سے زیادہ موثر کردار ادا کر سکے مثال کے طور پر اگر ملکی بنک ایک ضابطہ سا وضع کر لیں کہ وہ غیر ملکیوں کو چھوڑ کر باقی سب لوگوں کے صرف اُردو دستخطوں ہی کو قبول کریں گے اور اسی طرح اوپر سے نیچے تک تمام سرکاری ملازمین کو یہ ہدایت کر دی جائے کہ وہ اُردو کے سوا اور کسی زبان میں دستخط نہیں کریں گے تو پورے ملک کی فضا میں ایک خوشگوار تبدیلی آسکتی ہے۔ کیونکہ جب دستخط اُردو میں ہوں گے تو درخواستیں بھی اُردو میں لکھی جائیں گی اور احکامات بھی اُردو میں صادر کیے جائیں گے اور پوری کاروباری زندگی میں اُردو کا نفوذ بڑھ جائے گا۔ ایسی صورت میں اس بات کی ضرورت پڑے گی کہ انگریزی زبان کے الفاظ اور اصطلاحات کے اُردو تراجم کو عام کیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس سلسلے میں پیش رفت ہو چکی ہے اور کئی ادارے اس ضمن میں کام کر رہے ہیں تاہم ابھی تک ترجمہ کرنے والے ان اداروں میں پوری ہم آہنگی پیدا نہیں ہوسکی۔ نتیجتہً ترجمے کے سلسلے میں مختلف رویّے سامنے آئے ہیں۔ یہ بات اُردو زبان کے فروغ کے راستے میں ایک رکاوٹ ہے۔

آخر میں یہ گزارش کر کے اجازت چاہوں گا کہ انگریزی زبان کو بے شک برقرار رکھیئے بلکہ ضروری ہے کہ اُسے برقرار رکھا جائے اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے مگر ملک کے اندر عملداری اُردو زبان ہی کی ہونی چاہیئے تاکہ انگریزی زبان کے حامیوں کو غیر مبہم الفاظ میں یہ معلوم ہو جائے کہ گھر کے اندر محترمہ کے اختیارات کی نوعیت کیا ہے نیز افرادِ خانہ کی قطار میں اُسے کس مقام پر کھڑے ہونے کا حق حاصل ہے۔

"پاکستانی بننے کے لیے ہمیں قومی زبان کو پوری اہمیت دینا ہوگی۔"

جسٹس گل محمد خان

مسائل و مباحث

وارث سرہندی

وضع اصطلاحات کے سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ کام مدت مدید سے جاری ہے۔ مختلف افراد اور اداروں نے اتنی اصطلاحات وضع کی ہیں کہ اصطلاحات کا ڈھیر لگ گیا ہے۔ ایک ہی مطلب و مفہوم کی اصطلاحات کی فراوانی سے انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ ایک عام قاری یا مضمون نگار پریشان ہو جاتا ہے کہ کس اصطلاح کو قبول کرے اور کس کو ترک کرے۔ اس انتشار کو دور کرنا نہایت ضروری ہے۔ قومی سطح پر تمام اصطلاحات کا جائزہ لے کر ایک ہی مطلب کی متعدد اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح کا انتخاب کر کے اسکو رائج کرنا ضروری ہے۔ یہ کام مقتدرہ اہل علم اور قارئین کے مشورہ و تعاون سے کر سکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ نئی اصطلاحات وضع کرنے کی بجائے پہلے سے وضع کردہ اصطلاحات جمع کی جائیں۔ اور پھر اُن میں سے موزوں و مناسب اصطلاحات منتخب کر کے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کی جائیں۔ اس کے بعد متعلقہ شعبوں میں انکی ترویج کی جائے اور ہر کتاب میں یہ پابندی اختیار کی جائے کہ ان ہی اصطلاحات کو استعمال کیا جائے۔ اسی طرح ہر شخص ان اصطلاحات کے مفہوم اور استعمال سے پوری طرح واقف ہو سکتا ہے۔ اور اپنی تحریر و تقریر میں ان سے کام لے سکتا ہے۔ نصابی کتابوں کے سلسلہ میں یہ پابندی اور بھی ضروری ہے۔ ہر محکمہ کو ان منظور شدہ اصطلاحات کا مجموعہ فراہم کر کے اس کو ان کے استعمال کا پابند کیا جائے۔ یہ کام قومی اور مرکزی سطح پر ہونا ضروری ہے تاکہ اصطلاحات کے استعمال میں یکسانی پیدا ہو جس سے قومی ہم آہنگی کو فروغ بھی ملے گا۔ بالفعل یہ ہو رہا ہے کہ ایک ہی مفہوم ادا کرنے کے لیے پنجاب میں ایک اصطلاح استعمال ہوتی ہے تو کراچی یا ملک کے دوسرے علاقہ میں کوئی اور۔ اس سے انتشار اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے۔ اصطلاحات کے انتخاب اور نئی اصطلاحات وضع کرنے کے سلسلہ میں چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ اگر ایک ہی مفہوم کی ایک سے زیادہ اصطلاحات موجود ہوں تو کسی اصطلاح کے انتخاب کے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان میں سے کونسی اصطلاح زیادہ مروج و مقبول ہے۔ ایک مقبول اور مروج اصطلاح کو ترک کر کے کسی غیر مروج اصطلاح کو منتخب کرنا مناسب نہ ہوگا۔

۲۔ اگر چند اصطلاحات یکساں طور پر مقبول ہوں تو ان میں سے وہ اصطلاح منتخب کرنی چاہیئے جو مفہوم کو زیادہ صحت اور جامعیت کے ساتھ ادا کرتی ہو اور عربی یا فارسی میں اسی مفہوم کی مروجہ اصطلاحات کے زیادہ قریب ہو۔

۳۔ نئی اصطلاحات وضع کرتے وقت فارسی اور عربی میں اس مفہوم کی رائج اصطلاحات کو پیش نظر رکھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو عربی یا فارسی میں مروجہ اصطلاحات میں سے کوئی مناسب اصطلاح منتخب کر لی جائے۔ اگر عربی یا فارسی میں مناسب اصطلاح نہ ملے تو پھر نئی اصطلاح تراشی جا سکتی ہے۔ عربی اور فارسی اصطلاحات کو اختیار کرنے سے ہمیں ان اسلامی زبانوں کے سیکھنے میں زیادہ آسانی اور سہولت ہوگی۔

مثال کے طور پر "گورنر" کی اصطلاح لو لیجیے۔ غیر ترقی صاحب نے اس کا بدل "ناظم" تجویز کیا ہے۔ "مقتدرہ" نے اس کے لیے "والی" کی اصطلاح اختیار کی ہے۔ مجلس زبان دفتری نے اس کے لیے "امیر صوبہ" کی اصطلاح وضع کی ہے۔ فارسی میں اس کے لیے "استاندار" اور عربی میں "عامل" مستعمل ہے۔ اردو کی بعض کتابوں میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے "حاکم صوبہ" کی ترکیب بھی استعمال ہوئی ہے۔ اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی ایسی اصطلاح منتخب کریں جو اصل کے مفہوم سے قریب تر بھی ہو اور مقبول بھی ہو۔

"استاندار" ہمارے لیے اجنبی ہے۔ اردو میں شاید ہی کسی نے یہ اصطلاح گورنر کے لیے استعمال کی ہو۔ "ناظم" اردو کا کثیر الاستعمال لفظ ہے۔ مگر یہ گورنر سے مخصوص نہیں ہے۔ مختلف محکموں کے سربراہوں کے لیے "ناظم" کا لفظ استعمال ہو رہا ہے۔ ڈائریکٹر کے لیے بھی "ناظم" استعمال ہو رہا ہے۔ مثلاً ناظم مجلس ترقی ادب، لاہور، ایڈمنسٹریٹر کے لیے بھی "ناظم" ہی لکھا جا رہا ہے۔ ریاست پٹیالہ میں ڈپٹی کمشنر کو ناظم کہا جاتا تھا۔ اسلیئے میری رائے میں گورنر کے لیے "ناظم" کی اصطلاح مناسب نہیں ہوگی۔ اسے ڈائریکٹر

۔ ایڈمنسٹریٹر میں سے کسی ایک کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

"حاکم صوبہ" اگرچہ انگریزی کی اصل اصطلاح سے معنوی طور پر قریب تر ہے مگر اردو میں "حاکم" کا لفظ کسی مخصوص مفہوم کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ ہر حکم چلانے والے کو حاکم کہا جاتا ہے۔ اتھارٹی کے لیے بھی "حاکم" کا لفظ استعمال ہو رہا ہے۔ اسی طرح "والی" کا لفظ بھی عام معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً والی ریاست، والی شہر وعلیٰ ہذا القیاس۔ "امیر صوبہ" معنوی مفہوم کے لحاظ سے بہتر اصطلاح ہے۔ مگر "گورنر" کے لیے مروجہ نہیں ہے۔ "عامل" عربی کے علاوہ اردو میں بھی "گورنر" کے لیے دوسری اصطلاحات کی نسبت زیادہ استعمال ہوتی رہی ہے ایک اور اصطلاح صوبہ دار ہے۔ مفہوم کے لحاظ سے یہ بھی ایک بہتر اصطلاح ہے، مگر یہ ایک فوجی عہدہ کے لیے بھی مستعمل و مروج ہے۔ اس انتشار کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ملک کے اہل علم اور قارئین کے مشورہ سے ان میں سے کوئی اصطلاح منتخب کر لی جائے اور پھر ہر تحریر میں اس کے استعمال کی پابندی کی جائے۔ سرکاری سطح پر اس کی منظوری کے بعد اس مفہوم کے لیے کسی دوسری اصطلاح کا استعمال کم از کم سرکاری تحریروں میں ممنوع قرار دیا جائے۔ اسی طرح لسانی اور قومی ہم آہنگی حاصل ہو سکتی ہے۔

یہ خبر باعث مسرت ہے کہ مقتدرہ کے مجوزہ کلیدی تختہ کو اردو ٹائپ رائٹر کے لیے حکومت نے منظور کر لیا ہے اور اسی کلیدی تختہ کے مطابق ٹائپ رائٹر بننے لگے ہیں۔

اس اردو ٹائپ رائٹر کو گھر گھر پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ ملکی و غیر ملکی مختلف کارخانے اس کو تیار کریں اور اسی کلیدی تختہ کے مطابق ضروری کمی بیشی کر کے چھوٹے سفری ٹائپ رائٹر بھی بنائے جائیں۔ سب سے اہم اور بڑی بات مناسب قیمت ہے۔ اردو ٹائپ رائٹر کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ متوسط طبقہ کا کوئی فرد اس کو خریدنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ انگریزی کا چھوٹا ٹائپ رائٹر ساڑھے آٹھ سو روپے میں مل رہا ہے۔ مگر اردو ٹائپ رائٹر چار پانچ ہزار روپے سے کم میں نہیں ملتا۔ میں خود اردو ٹائپ رائٹر کی خواہش و ضرورت محسوس کرنے کے باوجود اسے خریدنے کی جرأت نہیں کر سکا کیونکہ یہ قیمت میری استطاعت سے باہر ہے۔ اس طرف توجہ دینی ضروری ہے۔ مقتدرہ کو بھی چاہیئے کہ حکومت کی توجہ اس اہم مسئلہ کی طرف مبذول کرائے ورنہ اردو ٹائپ رائٹر قبول عام حاصل نہ کر سکے گا۔

◆

رضیہ سلطانہ، کراچی

قومی زبان اردو کے سلسلہ میں بالآخر ہمیشہ کی طرح اس بار بھی پنجاب ہی نے پہل کی ہے جو سرکاری و غیر سرکاری سطح پر اردو کے نفاذ اور ترویج کے لیے کوشاں ہے مگر یہ بڑی زیادتی ہوگی کہ سارا بار ایک ہی صوبہ پر ڈال دیا جائے۔ سندھ سمیت سرحد، بلوچستان کو بھی اس سلسلہ میں موثر کردار ادا کرنا چاہیئے۔

۳۵ سال گزر گئے لیکن قومی زبان اردو آئین ۱۹۷۳ء کے مقبرے سے باہر نہ نکل سکی اس لیے کہ برطانوی ساخت کی کیلیں بڑی مضبوطی سے لگائی گئی تھیں جنکی جڑیں آج تک ان غلامانہ ذہنوں میں پیوست ہیں یہ کہنا کہ عثمانیہ یونیورسٹی ختم ہو گئی ہے علی گڑھ یونیورسٹی کا خاتمہ ہو گیا ہے اور اردو تہی دست ہے اس سے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ یہ ان غلامانہ ذہنیت کے لوگوں کی باتیں ہیں جو حقیقت سے دور کسی اور دنیا کے باسی ہیں وہ اپنی اس غلامانہ ذہنیت کو جو انگریز نے انکے رگ و پے میں داخل کر دی ہے اسکو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ تعصب کی عینک اتار پھینکنے کے لیے تیار نہیں۔ ۱۹۴۷ء سے قبل حیدرآباد دکن میں نہ صرف سارا کام اردو میں رائج تھا بلکہ عثمانیہ میڈیکل کالج میں ایم بی بی ایس کی تعلیم اردو میں ہوتی تھی اور اس ڈگری کو ساری دنیا تسلیم کرتی تھی اور اسی ڈگری کی بنا پر عثمانیہ کالج کے ڈاکٹر لندن، امریکہ، جرمنی وغیرہ کے کالجوں میں داخل ہو کر اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرتے تھے۔ تمام قوانین اردو میں تھے عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کا تمام کام اردو میں ہوتا تھا تمام نظائر اردو میں طبع ہوتے تھے۔ سارا نظام حکومت اردو میں تھا جسکو ساری دنیا مانتی تھی اس زبان کو بے مایہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

تقسیم ملک سے پہلے بھارت میں ہندی زبان کہیں بھی نافذ نہیں تھی دفاتر میں استعمال نہیں تھا لیکن جیسے ہی ۱۹۴۷ء میں بھارتی حکومت قائم ہوئی ایک سال کے اندر تمام ملک میں ہندی زبان بطور قومی زبان کے نافذ کر دی گئی تمام ملازمین کو اندرون چھ ماہ ہندی سیکھنے کا پابند کر دیا گیا اور یہ یک وقت سارے بھارت میں ہندی میں کام ہونے لگا۔ میرا اس واقعہ کے بیان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہر طبقہ کا فرد اردو سے اچھی طرح واقف ہے۔ جب تک کسی چیز کو راستہ پر چلایا نہ جائے۔ اسکی مائیگی و کم مائیگی پر قیاس آرائی کرنا فضول ہے کوئی مشکل سامنے ہو تو اس پر عبور حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے اگر یہ لامتناہی سلسلہ جاری رہا تو ممکن ہے۔ یہ مدت بڑھتے بڑھتے قیامت کے ساتھ اپنا دامن نہ باندھ لے اور اس مختصر عرصہ میں اردو کی ترقی کے لیے جو محنت کی گئی اکارت ہو جائے۔ زندہ قومیں ماتم کی عادی نہیں ہوا کرتیں۔ ہم نے بہت کچھ کھویا اب کچھ گنجائش نہیں ہے۔

اب وہ وقت دور نہیں جو جناب صدر ضیاء کی ولولہ انگیز قیادت کے سبب اور آپکی محنت سے ایوان صدر کے "قم باذن اللہ" کے حکم سے قومی زبان اردو زندہ ہو کر پورے ملک پاکستان کو جلوہ گر کر دے۔ اگر مقتدرہ اس قلیل عرصہ میں ٹائپ

بقیہ صفحہ ۱۷ پر

قارئین کی رائے

اخبارِ اُردو مل رہا ہے۔ کرم فرمائی کے لیے ممنون ہوں۔ آپ اچھا کام کر رہے ہیں۔ اسے جاری رکھیں۔ انشاء اللہ نتائج برآمد ہوں گے۔ والسلام

(ڈاکٹر) محمد باقر
پروفیسر ایمریطس
جامعہ پنجاب۔ لاہور
۲۶ر دسمبر ۱۹۸۱ء

شرمندہ ہوں کہ میں آج تک "اخبارِ اُردو" کے لیے آپ کا شکریہ تک ادا نہیں کر سکا۔ جو گذشتہ کئی مہینوں سے مجھے باقاعدہ موصول ہو رہا ہے۔ ادھر میری صحت اتنی سقیم ہو گئی کہ زندگی کا سارا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا۔ اس کا سب سے زیادہ اثر خط و کتابت پر پڑا ہے طالبِ دعا ہوں۔

آپ تمام اُردو دوستوں کے شکریے کے مستحق ہیں کہ اخبارِ اُردو کے ذریعہ انھیں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اُردو کی توسیع میں جو کام ہو رہا ہے، اس کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ آپ اس کے مندرجات میں وسعت اور بوقلمونی پیدا کر سکتے ہیں۔ پرچہ کا معیارِ طباعت بھی بہت دیدہ زیب اور مثالی ہے۔ خدا آپ کے نیک ارادوں میں برکت دے۔ آمین

مالک رام
نئی دہلی، ۲۹ر دسمبر ۱۹۸۱ء

"اخبارِ اُردو" باقاعدگی سے مل رہا ہے مواد بھی اچھا ہے۔ ترتیب بھی اچھی ہے۔ لیکن میں یہ بھی کہوں گا کہ اگر اس کے مضامین قومی اخباروں میں چھپواتے جائیں تو وہ بہت زیادہ ہاتھوں تک پہنچیں گے اور اُن کا اثر گہرا اور دیرپا ہوگا۔

(ڈاکٹر) عبدالسلام خورشید
لاہور ۲۰ر دسمبر ۱۹۸۱ء

"اخبارِ اُردو" بہت پسند آیا۔ کرم فرمائی کے لیے ممنون ہوں۔ ہمیں قومی زبان قومی لباس اور قومی و اسلامی روایات پر فخر ہے اس کے لیے اخبارِ اُردو ایک اہم ذریعہ ہے۔

اُردو زبان ایک اسلامی زبان ہے جس کو ہم نے قربانی دے کر حاصل کی ہے۔ اس کی ہر تعمیری اخبار قابلِ احترام ہے۔ خدا کرے کہ پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں میں اُردو ذریعۂ تعلیم بنکر ترقی کا سبب بنے۔

پروفیسر محمد نواز طاہر
ڈائرکٹر پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی
۲۴ر دسمبر ۱۹۸۱ء

اِدھر کچھ عرصے سے برابر آپ کا رسالہ مل رہا ہے اور میں بہت دل چسپی سے اس کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ اگرچہ ہمارے لیے یہ بات حیرت کی ہے کہ پاکستان میں اُردو کے سرکاری استعمال کے مرحلے ابھی طے ہی ہو رہے ہیں، بہر امر بہرحال مسرت انگیز ہے کہ اس استعمال پر کم از کم اب توجہ دی جا رہی ہے اور آپ جیسے مستعد شیدایانِ اُردو اس مہم میں جاں فشانی سے لگے ہوئے ہیں۔

آپ کے رسالے میں ہمارے لیے سب سے زیادہ حوصلہ افزا ان ترقیات کی اطلاعات ہیں جو جدید ٹکنالوجی کے آلات کو اُردو کے مصرف میں لانے کے لیے ہو رہی ہیں۔ اس میں جس حد تک کامیابی ہوگی اور اس کے ساتھ ہی علمی و ادبی کام جتنے زیادہ اُردو میں ہوتے جائیں گے، وہ انشاء اللہ بین الاقوامی سطح پر اُردو کی مقبولیت، اشاعت اور اہمیت میں روز افزوں اضافے کا باعث ہوں گے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ عصرِ حاضر کی جدید ترین زبان عالمی پیمانے پر اُردو ہی ہے اور اگر اُردو آبادی کے ممالک کو فروغ ہوا تو اُردو کا شمار دُنیا کی اہم ترین چند بین الاقوامی زبانوں میں ہوگا۔

شاید آپ کو خبر ملی ہو کہ آزادی کے ۳۴ سال بعد ہندوستان کی ایک ریاست بہار میں اکتیس سے باہر پہلی بار اُردو کو بھی باضابطہ اسمبلی و کونسل میں قانون منظور کر کے مستقل طور پر ہندی کے ساتھ ساتھ ایک سرکاری زبان تسلیم کر لیا گیا ہے اور اب اس قانون کے مکمل نفاذ کی مہم درپیش ہے۔ یہ سب کچھ انجمن ترقی اُردو بہار کی تیس سالہ تحریک کے نتیجے میں ہوا ہے اور اسی کے زیرِ قیادت ہو رہا ہے۔

(ڈاکٹر) عبدالمغنی
صدر انجمن ترقی اُردو بہار، پٹنہ ۷ر دسمبر ۱۹۸۱ء

"اخبارِ اردو" باقاعدگی سے مل رہا ہے اپنی نوعیت کا واحد پرچہ ہے۔ میں نہ صرف خود بلکہ میرے ایک دو رفقاء بھی اسے باقاعدگی سے دیکھتے ہیں۔ اندرونِ ملک دفتری سطح پر اردو کی ترویج کے لیے آپ کی کوششیں مستحسن ہیں۔ "اخبارِ اردو" میں رسم الخط کے مسائل، دیگر لسانی مباحث اور اردو سے متعلق بہت سی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔

امید ہے پرچہ اردو کے بہی خواہوں میں مقبول ہو گا۔

(پروفیسر) اختر۔ ایم

واہ کینٹ

۱۹ دسمبر ۱۹۸۱ء

❋

میں سمجھتا ہوں اس ماہانہ اخبار کا اجراء ایک بڑی ہی قابلِ قدر کوشش ہے اور اب تک کے شمارے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گزشتہ چھ مہینوں میں اس کے معیار میں مثبت اور کارآمد تبدیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ بہت سے نکات سفارشات، خواہشات اور آراء مختلف مضامین اور تحریروں میں ایسی ہوتی ہیں۔ جن سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بات بذاتِ خود کامیابی کی دلیل ہے کہ اس اخبار پر کسی ایک سوچ رکھنے والوں کی اجارہ داری نہیں بلکہ ہر مکاتیبِ فکر کے نمائندوں کو اظہارِ خیال کا موقع دیا جاتا ہے۔ چونکہ مختلف شماروں یا ایک ہی شمارے کے مختلف صفحات میں ہمیں اس کی علمی عکاسی نظر آتی ہے۔ میں اس اخبار کے منتظمین اور مدیران کو دلی مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ بڑی "پابندی" اور باقاعدگی سے ہر ماہ یہ جریدہ شائع کر رہے ہیں۔

آغا ناصر

اسلام آباد ۲۱ دسمبر ۱۹۸۱ء

❋

اخبارِ اردو چند ماہ سے باقاعدہ زیرِ مطالعہ ہے۔ قومی زبان اردو کے لیے آپ جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس پر تہ دل سے دعا نکلتی ہے۔

مجھے توقع ہے کہ سرکاری و غیر سرکاری اور تعلیمی میدان میں اردو کی ترویج و ترقی کے لیے آپ کی کوشش بجد مفید ثابت ہو گی۔

یہ امر اور بھی وجہ اطمینان ہے کہ ڈاکٹر سلمان شاہجہان پوری جیسے لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ پرچہ یوں بھی معیاری اور تعمیری مضامین پر مشتمل ہوتا ہے تازہ مطبوعات پر تبصرہ معلومات افزا ہے۔

حکیم ملک عنایت نسیم سوہدری

سوہدرہ ۱۹ دسمبر ۱۹۸۱ء

❋

"اخبارِ اردو" باقاعدگی سے موصول ہو رہا ہے۔ اردو زبان کی ترویج اور اس کی ترقی کے لیے "اخبارِ اردو" نے جس کام کا آغاز کیا ہے میری ناچیز رائے میں میدانِ صحافت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اخبارِ اردو ہر ماہ نہ صرف اردو زبان کے اہم ترین مسائل پر تحقیقی مضامین شائع کرتا ہے بلکہ قومی اور بین الاقوامی سطح کی خبریں بھی شائع کرتا ہے اس سے اردو کی ترویج و ترقی کی منزل قریب تر آتی چلی جاتی ہے۔ ذاتی طور پر مجھے اس اخبار نے حوصلہ بھی بخشا اور رہنمائی بھی۔ اس کی اہمیت کا احساس مجھے خاص طور پر اس وقت ہوا جب مجھے راولپنڈی ضلع کی مجلس زبانِ دفتری کا سرکاری رکن نامزد کیا گیا۔ اس لیے میں نے پہلے اجلاس ہی میں یہ سفارش کی کہ "اخبارِ اردو" راولپنڈی ضلع کے انتظامی دفاتر میں منگوایا جائے۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ میری سفارش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور راولپنڈی میں اس اخبار سے استفادہ شروع ہو گیا ہے۔ انشاءاللہ اخبارِ اردو جس مقصد کی تکمیل میں کوشاں ہے اس میں ہماری کوششیں بھی اس کے ساتھ شامل رہیں گی۔

(پروفیسر) رحیم بخش شاہین

راولپنڈی ۲۲ دسمبر ۱۹۸۱ء

❋

"اخبارِ اردو" برابر مل رہا ہے۔ اس تحفۂ علمی کے لیے ہم آپ کے ممنون ہیں۔ پرچہ نہ صرف یہ کہ صوری اور معنوی لحاظ سے خوب ہے بلکہ متن کے لحاظ سے بھی خوب تر ہے۔ شمارہ نمبر ۶ میں ایک حوصلہ افزا خبر ملی خدا کرے آئندہ سال قومی زبان "اردو" دفتروں میں رائج کر دی جائے۔

اتنا خوبصورت معیاری پرچہ نکالنے پر دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔

محمد عبیداللہ سیفی

کتب خانہ ہمدرد کراچی

۲۱ دسمبر ۱۹۸۱ء

❋

"اخبارِ اردو" نومبر، دسمبر ۸۱ء کے ۲ شمارے پڑھنے کا موقع ملا۔ اردو زبان اور ادب کی ترقی کے سلسلے میں آپ کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔ مقتدرہ قومی زبان کی سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ "اخبارِ اردو" کے ذریعے ہوتا ہے جو قابلِ ستائش ہے۔

(پروفیسر) محمد حنیف خواجہ

میرپور آزاد کشمیر

۲۰ دسمبر ۱۹۸۱ء

اس اخبار کی افادیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ اس کے جتنے شمارے اب تک منظرِ عام پر آئے ہیں، صوری و معنوی، دونوں اعتبار سے انتہائی وقیع ہیں۔ خبروں کو پیش کرنے کا انداز اُردو کے سلسلے میں گرانقدر مضامین و شذرات اور پھر جاندار اداریئے تمام اپنے اپنے مقام پر خوب ہیں۔

"اخبار اُردو" کی سب سے بڑی خوبی اسکی جامعیت ہے۔ مختصر صفحات میں اُردو دُنیا سے متعلق مکمل معلومات، ہم گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں، اسکی یہی افادیت کیا کم ہے۔

ڈاکٹر مظفر عباس

لاہور ۲۲ دسمبر ۱۹۸۱ء

"اخبار اُردو" پابندی سے مل رہا ہے۔ میں آپکی اس توجہ اور عنایت کے لیے ممنون ہوں۔ پرچہ صوری اعتبار سے صاف ستھرا اور معنوی اعتبار سے معلوماتی ہے۔ دُعا گو ہوں کہ یہ پرچہ جس مقصد کے لیے جاری کیا گیا ہے۔ اس میں اُسے کامیابی ہو۔

علی عبید ملک

کراچی ۱۲ دسمبر ۱۹۸۱ء

"اخبار اُردو" کے شمارے یہاں برابر پہنچتے رہے ہیں۔ "مقتدرہ" نے قومی زبان کو زندگی کے ہر شعبے میں رائج کرنے اور دفتری۔ عدالتی سطح پر اُسے عملاً نافذ کرنے کا جو بیڑا اٹھایا ہے، وہ قابلِ ستائش ہے۔ اس عمل کو تیز تر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عہدِ حاضر کے علوم و فنون کو اُردو زبان میں منتقل کیا جائے۔ اس سلسلے میں تراجم بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کی روایت کو تازہ کرتے ہوئے ہمیں یورپ کی زبانوں میں لکھے گئے مشہور و معروف مقالوں اور کتابوں کے تراجم کا سلسلہ بھی جاری کرنا چاہیئے۔ آپ اپنے اخبار میں ایک صفحہ جدید علمی اصطلاحات کے لیے وقف فرمائیں اور اگر وسائل اجازت دیں تو تراجم کا اہتمام کریں۔

ڈاکٹر رفیق احمد

شیخ الجامعہ اسلامیہ یونیورسٹی۔ بہاولپور

۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء

"اخبار اُردو" باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اخبار اُردو مختصر سہی مگر مواد اور معلومات کے لحاظ سے ایک جامع اخبار ہے۔ مثلاً شمارہ نمبر ۳ میں ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کا مضمون خود ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا مضمون بڑی اہمیت اور افادیت کے حامل ہیں۔ اس لحاظ سے اُردو زبان کی ترویج اور ترقی کے لیے اخبار اُردو کی اہمیت نہ صرف مستحکم ہے۔ بلکہ اس کو ایک افادی حیثیت حاصل ہے۔

میری پُر خلوص دُعا ہے کہ ربِ جلیل اخبار اُردو کو کامیابی اور نصرت سے ہمکنار کرے۔ آمین

(پروفیسر) میر محمد بھیو

حیدر آباد

۲۹ دسمبر ۱۹۸۱ء

"اخبار اُردو" کے ذریعے اُردو کی انفرادی اور اجتہادی شان و شوکت کی بحالی ایک زریں کارنامہ ہے۔ قومی زبان کا کوئی بھی مورخ اُسے نظر انداز کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔

مضامین میں ندرتِ فکر کی جلوہ گری اور خیالات میں فطرت کی رعنائی اُردو کا حسن و زیبائش ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ "اخبار اُردو" اس معیار پر پورا اتر رہا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ معیار برقرار بلکہ مزید بہتر رہے گا۔

میں اُردو کی حقیقی عظمت کی بحالی کے لیے چشم براہ اور آپ احباب کی کامیابی کے لیے دُعا گو ہوں۔ خداوند قدوس حقیقت کے اقرار اور فطرت کے اظہار کے ضمن میں مصلحت پسندی" اور "عزیزوں کی فرزندگی" سے بچائے۔

سید عارف محمود مہجور رضوی

گجرات ۲۸ دسمبر ۱۹۸۱ء

"اخبار اُردو" کے گذشتہ تین شمارے وصول پائے۔ اس کرم فرمائی کے لیے ممنون ہوں۔ اُردو نہ صرف پاکستان بلکہ پورے ایشیا کی ممتاز ترین زبانوں میں سے ہے۔ پاکستان کی قومی زبان اُردو کو اس کا جائز حق دلانے میں آپ کی کوششیں قابلِ ستائش ہیں۔

حالیہ شمارے میں یہ پڑھکر دلی مسرت ہوئی کہ آئندہ سال ۱۵ اگست سے تمام سرکاری نیم سرکاری دفاتر میں انگریزی کی بجائے پاکستان کی قومی زبان اُردو میں کام شروع ہو جائے گا۔

احمد نسیم سندیلوی

افسر تعلقات عامہ۔ سیالکوٹ

۲۹ دسمبر ۱۹۸۱ء

اخبارِ اُردو اپنی زندگی کے چھ ماہ پورے کر چکا ہے۔ اس قلیل عرصہ میں اُس نے اپنے ظاہری باطنی محاسن کی بدولت اکناف واطراف ملک ہی نہیں بلکہ غیر ممالک میں بھی اپنی عظمت کا لوہا منوالیا ہے اور یہ کچھ ادارہ کے فعال، مستعد، محنتی، صاحب ذوق اور اُردو نواز ارکان کے خلوص کا مرہونِ منت ہے۔ اسپر ادارہ مبارک باد کا مستحق ہے۔

اخبارِ اُردو نے ملک میں اُردو نواز طبقہ میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑا دی ہے اور وہ دن دور نہیں جبکہ اُردو زبان مکمل طور پر دفتری زبان بنکر فتح کے جھنڈے بلند کریگی اور پاکستانی قوم عالمی برادری میں فخر سے اپنا سر اُونچا کرسکیگی۔ اخبارِ اُردو کی شبانہ روز کاوشیں لائقِ تحسین ہیں کہ حکومت بھی اُردو کو اہمیت دے رہی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ادارے کی مساعی بارآور ہونگی۔ کیونکہ

سب آثار بتاتے ہیں کہ سحر ہو کے رہے گی
انشاء اللہ تعالیٰ!

محمد صادق قصوری
۳۰ دسمبر ۱۹۸۱ء

مجھے "اخبارِ اُردو" باقاعدگی سے مل رہا ہے اس کی ظاہری خوبیوں کا تو خیر ذکر ہی کیا آپ خوب سے خوب تر کی سعی کر رہے ہیں۔ معنوی طور پر ہر پرچہ بڑا جاندار ہے اور یقین ہے کہ بہت جلد "اُردو تحریک" اس پرچے کے گرد گھومنے لگے گی۔ آپ اور آپ کے رفقاء اس اعتبار سے ساری قوم کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ ظلمت کدہ میں چراغ جلا رہے ہیں۔ اور اس ذہنی غلامی کا شکار قوم کو اپنی روایات کی طرف بلا رہے ہیں۔ جس سفر پر آپ نکلے ہیں وہ کٹھن ہے اور بہت اور اپنے ملک کے "صاحب بہادر" کے مزاج سے بھی خوب واقف ہوں کہ وہ لارڈ میکالے سے اپنی نسبت پر فخر کرتا ہے۔ لیکن ہمت نہ ہاریئے انشاء اللہ تعالیٰ اُردو کا سورج طلوع ہوگا اور ایسے کہ اندھیرے چھٹ جائیں گے۔

محمد سعید الرحمٰن علوی
مدیر ہفت روزہ خدام الدین لاہور
۲۱ دسمبر ۱۹۸۱ء

اخبارِ اُردو مسلسل مل رہا ہے اور میں نہ صرف انہماک کے ساتھ مطالعہ کرتا ہوں۔ احتیاط کے ساتھ جمع بھی رکھتا ہوں۔ اسکا دیدہ زیب رکھ رکھاؤ اور تحریر و مضامین قابلِ رشک ہیں۔ جو معلومات آپ ہمیں فراہم فرما رہے ہیں ایک اُردو کے شیدائی کے لیے نعمت اور حوصلہ بلند کرنے کے موجب ہیں۔ اس دورِ انحطاط میں آپ کی یہ کوشش قابلِ صد ستائش ہے۔ درگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ وہ آپ لوگوں کے حوصلے بلند اور کوششیں بارآور فرمائے۔ آمین مجلس مشاورت و ادارت کے زیب و زینت اور بارِ اُسکی افادیت کے شاہد ہیں۔

حاجی محمد یعقوب خان خویشگی خورجوی
ہسپتال روڈ، نواب شاہ
۲۰ دسمبر ۱۹۸۱ء

آپ کا "اخبارِ اردو" ہمیں پابندی سے مل رہا ہے۔ جس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔

"اخبارِ اُردو" اُردو زبان کی ترقی کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دے رہا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔

عبدالقیوم راشد
اسسٹنٹ جنرل مینجر، شعبہ تربیت و ترقی
اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن، پاکستان
۲۹ دسمبر ۱۹۸۱ء

"اخبارِ اُردو" باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ پرچہ خوب ہے۔ طباعت و ترتیب کے لحاظ سے بڑا عمدہ ہے۔ جس کے لیے آپ لوگوں کی محنت قابلِ ستائش ہے اور آپ کی لگن قابلِ تحسین ہے۔ مقتدرہ قومی زبان کے قیام سے پاکستان میں نفاذِ اُردو کی سرگرمیاں تیز تر ہوگئی ہیں۔ جس کے لیے اراکین مقتدرہ کی کوششیں قابلِ ستائش ہیں۔ انشاء اللہ بہت جلد پاکستان میں اُردو زبان کو اپنی صحیح حیثیت حاصل ہو جائے گی۔

(پروفیسر) محمد جہانگیر عالم
جھنگ۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۱ء

صفحہ ۱۳ سے آگے

کا تختہ کلید ترتیب دے کر قوم کو عملی میدان میں لاسکتی ہے تو یہ بھی بعید نہیں کہ حکومت عالیہ کے موثر تعاون سے اُردو کے اس قومی دیئے کو روشن کر دے جس کی ضو فشانی پھر سے ساری دنیا کو منور کردے میری تمنا اور میری دعا ہے کہ آپ کی مساعی بارآور ہوں اور اخبار اردو تاریخ پاکستان کا ایک روشن باب بن جائے۔

افکارِ معاصرین

خوش آئند فیصلہ

راولپنڈی کے ڈویژنل کمشنر جناب محمد افضل کھوکھر نے کہا ہے کہ ان کے دفتر میں ۸۰ فیصد کام اردو میں ہو رہا ہے اور اردو کے مکمل نفاذ کے لیے بھی اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

یہ اپنی نوعیت کی پہلی خبر نہیں دیگر مختلف اضلاع سے خبریں آ رہی ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوبہ پنجاب کی بیوروکریسی نے غالباً اردو کو دفتری زبان بنانا قبول کر لیا ہے۔ یہ خوش آئند بات ہے۔ توقع کی جانی چاہیئے کہ دوسرے صوبوں میں بھی یہی رجحان فروغ پائے گا۔ اردو کے نفاذ سے صرف ایک قومی تقاضہ پورا نہیں ہوگا اور محض ہمارا قومی تشخص ہی اجاگر اور متعین نہیں ہوگا بلکہ اردو کا رواج عوام اور نوکرشاہی کے ذہنی اور مزاجی فاصلوں کو بھی سمیٹے گا۔ یہ بات امید افزا ہے کہ اردو ٹائپ رائٹر کافی تعداد میں تیار ہو رہے ہیں۔ اور مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔

ہمارے خیال میں بات صرف ٹائپ رائٹروں کی تیاری اور مارکیٹ میں پہنچنے ہی سے نہیں بنے گی بلکہ مارکیٹ سے ان ٹائپ رائٹروں کے دفتروں تک پہنچانے کا بھی فیصلہ ہونا چاہیئے۔ ڈویژن کے قیام کے ذریعے رسمی کارروائی کا اہتمام ہو رہا ہے۔ ہمارے خیال میں خصوصی طور پر اردو ٹائپسٹوں کا الگ سے تقرر اردو کے نام پر اسراف بے جا ہے۔ اصولاً کیا یہ جانا چاہیئے کہ تمام انگریزی ٹائپسٹوں کو نوٹس دیا جانا چاہیئے کہ وہ چھ ماہ میں یا ایک سال کے اندر اندر

ہر محکمے کو خصوصی گرانٹ اور ہدایت دی جانی چاہیئے کہ وہ اردو ٹائپ رائٹروں کی خریداری کا اہتمام کریں۔ بعض اطلاعات کے مطابق کچھ دفاتر میں ایک آدھ اردو ٹائپ رائٹر منگوا کر اور خصوصی طور پر ایک اردو ٹائپسٹ کا تقرر کر کے اردو ٹائپ اور مختصر نویسی سیکھ لیں۔ نئے ٹائپسٹوں کے تقرر کا مطلب تو یہ ہے کہ انگریزی کے پرانے ٹائپسٹوں کو یا تو جوں کا توں برقرار رکھنا ہے یا انہیں نکال دینا ہے۔ یہ دونوں صورتیں قابلِ قبول نہیں ہو سکتیں۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ جس طرح اہل کاروں اور افسروں کو انگریزی کی بجائے اردو میں کام کرنا ہوگا۔ اسی طرح ٹائپسٹوں کو بھی انگریزی چھوڑ کر اردو اختیار کرنا ہوگی۔ یہ بات ٹائپسٹوں پر واضح کر دی جانی چاہیئے اور اس کے ساتھ حکومت کو وسیع پیمانے پر اردو ٹائپ اور مختصر نویسی کی تربیت کے مراکز کا انتظام بھی کرنا چاہیئے۔

روزنامہ "جسارت" کراچی

۵ رجنوری ۱۹۸۲ء

لسانی و ادبی سرگرمیاں

رفتارِ تحقیق

جامعہ بہاء الدین زکریا، ملتان کے شعبۂ اردو میں ان دنوں پی ایچ ڈی کی سند کے لیے جو تحقیقی مقالے لکھے جا رہے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ عنوان "اردو ڈرامے کا ارتقاء" (خصوصی مطالعہ حکیم احمد شجاع بحیثیت ڈرامہ نگار)

محقق: اے بی۔ اشرف

نگران: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

۲۔ عنوان: "اردو افسانہ۔ اپنے سیاسی و سماجی تناظر میں"

محقق: انوار احمد

نگران: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

۳۔ عنوان: عابد علی عابد۔ شخصیت و فن"

محقق: عبدالرؤف شیخ

نگران: ڈاکٹر سلیم اختر

۴۔ عنوان: "ملتان کی ادبی و ثقافتی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ"

محقق: روبینہ ترین

نگران: پروفیسر اے بی۔ اشرف

اردو واسوخت کا مطالعہ

کامل القادری نے "اردو واسوخت کا مطالعہ (آبرو سے اقبال تک)" پر اپنا تحقیقی مقالہ مکمل کر لیا ہے اور اب وہ اسے پی ایچ ڈی کی سند کے لیے جامعہ کراچی میں داخل کر رہے ہیں۔ ان کے اس مقالہ کے نگران ڈاکٹر فرمان فتحپوری ہیں۔

تازہ مطبوعات

پطرس ــــ ایک مطالعہ

پطرس ہمارے جدید ادب کے ایک منفرد اور صاحبِ اسلوب مزاح نگار تھے۔ بظاہر ان کی تخلیقات تعداد اور ضخامت میں بہت کم ہیں، لیکن اس قابل ہیں کہ مزاح نگاری کے ہر جائزے میں انھیں ناگزیر اہمیت دی جائے۔ ہماری جدید مزاح نگاری کی عمارت جن ستونوں پر استوار ہوئی ہے۔ اس کا ایک اہم ستون پطرس ہیں۔ اُن کی تمام تر شہرت اُن کے چند مزاحیہ مضامین پر منحصر ہے لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ پطرس مزاح نگار کے علاوہ دیگر اصنافِ ادب میں بھی اپنے تخلیقی جوہر دکھاتے رہے ہیں مثلاً انہوں نے نظمیں، افسانے، تنقیدی مضامین سفر نامے اور انشائیے بھی تحریر کیے ہیں۔ پھر ان کے مکاتیب بھی ادبی جواہرات سے مالا مال ہیں۔ یہ ان کی ادبی اور تخلیقی شخصیت کے وہ متنوع پہلو ہیں جو عام قارئین کے مطالعہ سے محو رہے ہیں۔ ایک عرصہ سے ہمارے تنقید نگاروں اور اکابرِ ادب پر یہ قرض واجب رہا ہے کہ وہ پطرس جیسی منفرد اور ہمہ گیر شخصیت اور ان کے فن کا بھرپور جائزہ لیں اور ان کی اصل حیثیت کا تعین کریں۔ کرنل غلام سرور تمام ادب دوستوں کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پطرس کی شخصیت و فن کے بھرپور جائزے کا نہ صرف آغاز کیا ہے ـــــــــ بلکہ اپنے طور پر اس کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔ "پطرس، ایک مطالعہ" ان کی ایک ایسی مفید، معلوماتی اور بھرپور کاوش ہے جس میں انھوں نے پطرس کی سوانح حیات، ان کی شخصیت اور ان کے فکر و فن کا مبسوط اور مفصل جائزہ تحریر کیا ہے ـــــــــ اور پھر نمونہ پطرس کی تخلیقات کا ایک جامع اور نمائندہ انتخاب بھی کتاب کے دوسرے حصہ کے طور پر شامل کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب پطرس کے ایک بھرپور تعارف کا حق ادا کرتی ہے اور اپنے مندرجات اور مباحث کے لحاظ سے ایک بہت جامع کاوش ہے . . . . . جو یقین ہے کہ پطرس پر کئی مزید تصانیف کے لیے محرک ثابت ہو گی۔ اس کتاب کو "مطبوعات حرمت" (اینک روڈ، راولپنڈی) نے شائع کیا ہے۔ یہ ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس کی قیمت چالیس روپے ہے۔

مولانا ظفر علی خاں ـ بحیثیت شاعر

مولانا ظفر علی خان ہماری قومی، ادبی اور صحافتی تاریخ کی ایک نہایت بلند و بالا شخصیت تھے۔ ہم اپنی تاریخ کے کسی باب سے انھیں نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ان کی شخصیت اور ان کے قومی، سیاسی اور ادبی اور صحافتی کارناموں کے جائزے پر کئی کتابیں منظرِ عام پر آئی ہیں، لیکن ان کی شخصیت اور اس کے تمام گوشے اس قدر بھرپور اور ہمہ گیر ہیں کہ اب تک ان گوشوں کا کما حقہٗ جائزہ نہیں لیا جا سکا ہے زیرِ نظر تصنیف اپنے طور پر مولانا ظفر علی خاں کو بحیثیت شاعر دیکھنے کی ایک بہرحال بھرپور اور مبسوط کوشش ہے۔ اسے پروفیسر ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی نے تصنیف کیا ہے اور اسے انجمن ترقی اردو کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس کی قیمت ۲۵ر روپے ہے۔ اور یہ ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے یہ تصنیف دراصل مصنف کے اس تحقیقی مقالے کا ایک حصہ ہے جو مولانا ظفر علی خاں کی صرف شاعری کے تحقیقی اور تنقیدی جائزے پر مشتمل ہے اور جس تحقیقی مقالہ پر مصنف کو سندھ یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی سند عطا کی ہے۔

اس کتاب کو چھ فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان فصلوں کے تحت مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کے تقریباً تمام اہم پہلوؤں، موضوعات اور محاسن کا جائزہ ان کے تمام سیاسی، قومی اور ادبی پس منظر کی روشنی میں لیا گیا ہے۔ ہر وہ پہلو جو مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کے موضوعات اور محاسن کے جائزے کے لیے ضروری ہو سکتا تھا، مصنف نے سمیٹ لیا ہے۔ چنانچہ اپنے موضوع اور مندرجات کے لحاظ سے یہ کاوش ایک بھرپور، جامع اور مفید و معلوماتی تصنیف کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

"پیامی" پندرھویں صدی نمبر

اسلام کے موضوع پر یونیسکو کے اردو جریدہ پیامی کی زیرِ نظر اشاعت کئی خصوصیات کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہے۔ اوّل یہ کہ اُسے پندرھویں صدی ہجری کی مناسبت سے شائع کیا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کے لیے مختصر، جامع اور مستند مضامین دُنیا بھر کے ماہرین سے لکھوائے گئے ہیں۔ مثلاً اس شمارے میں برطانیہ، مراکش، الجزائر، تونس شام، ترکی، پاکستان اور انڈونیشیا سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کی نگارشات شامل ہیں۔

اس شمارے میں اسلام کے تمام اہم پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح حیات، اسلام بطور ایک عالم گیر تحریک، سوویت یونین، انڈونیشیا اور افریقہ میں اسلام اور مسلمان، اسلام میں تعلیم کے مقاصد، ہجرت کی اہمیت اور اسلامی تقویم، اسلام کے سائنسی کارنامے، جدید دور

میں اسلام کا سائنس کی طرف اقدام، اسلامی فکر، تصوف اور اسلامی فنِ تعمیر جیسے موضوعات اس اشاعت میں شامل ہیں۔

یہ اشاعت خاص اسلام کی ان تمام خصوصیات اور کارناموں کا احاطہ کرتی ہے۔ جن کی بنیاد پر اسلام نے کرۂ ارض پر انسان کو اخلاق اور علم و فن کے زیور سے آراستہ کرکے عظمت سے ہمکنار کیا اور عالمی تہذیب کا نقشہ بدلا ہے۔

ان معنوی خوبیوں کے علاوہ یہ اشاعت اپنی خوبصورت پیش کش کے لحاظ سے بھی قابلِ ستائش ہے۔ اس میں بارہ صفحات پر نادر مخطوطات، خطاطی، فنونِ لطیفہ کے شاہکاروں مساجد اور تعمیرات کی رنگین تصویریں شامل کی گئی ہیں۔

اس مفید اور معلوماتی اور دیدہ زیب جریدہ کی خصوصی اشاعت پر ہمدرد فاؤنڈیشن اور حکیم محمد سعید صاحب مبارکباد کے حق دار ہیں۔ یہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ۱۵ روپے ہے۔

کوکھ جلی

ممتاز افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں کے مجموعہ "کوکھ جلی" کی تیسری اشاعت حال میں مکتبۂ جامعہ دہلی (بھارت) کے اہتمام سے منظرِ عام پر آئی ہے۔ اس کتاب کے ۱۶۸ صفحات ہیں اور قیمت ساڑھے تیرہ روپے ہے۔ افسانوں کا یہ مجموعہ مصنف کے دوسرے مجموعوں کی طرح ادب میں دقیع اور اہم سمجھا جاتا ہے اور اس سے مصنف کے فن اور اسلوب کی بہتر طور پر نمائندگی ہوتی ہے۔ جن خصوصیات سے مصنف کا فن عبارت ہے وہ اس مجموعہ کے کئی افسانوں میں نمایاں ہوتی ہیں۔

تذکرہ ۔ احوال و آثار علمائے قلعہ دار

قلعہ دار گجرات کے نواح میں مغلوں کی ایک قدیم بستی ہے، جسے نواب قلعہ دار خاں نے بسایا تھا۔ اس میں مغلوں کی تعمیر کردہ عمارات اور ان کے آثار موجود ہیں۔ اس بستی کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ یہاں نابغۂ روزگار علماء پیدا ہوتے رہے ہیں۔ پروفیسر حامد حسن سید نے ایسے علماء کے احوال و آثار کے جائزہ پر مشتمل یہ زیرِ نظر "تذکرہ" حال ہی شائع کیا ہے۔ اس پر ناشر کا نام اور پتہ درج نہیں ہے۔ اور یہ بلا قیمت تقسیم کے لیے ہے صفحات ۱۰۴ ہیں۔ یہ تصنیف اپنے موضوع پر پہلی اور جامع کوشش ہے جو معلوماتی اور مفید ہونے کے سبب لائق ستائش ہے۔ اس کی اشاعت سے ہماری تاریخ کا ایک گوشہ منور ہوا ہے، جس پر اس کے مصنف قابلِ مبارکباد ہیں۔ اس تصنیف میں گیارہ علمائے قلعہ دار کے حالات اور ان کے علمی و ادبی کارناموں کا تذکرہ تحریر کیا گیا ہے۔

دیوان راجہ بابا

محمد خواص خاں کی تصنیف "دیوان راجہ بابا" مجلس علم و ادب، (پوسٹ بکس نمبر ۵۸۰) راولپنڈی نے شائع کی ہے۔ یہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ۶ روپے ہے۔ مانسہرہ (ضلع ہزارہ) کے نواح میں گلی باغ کے مقام پر دیوان راجہ بابا کا مزار مرجع خلائق ہے۔ ان کا زمانہ تقریباً ڈھائی سو سال قبل کا ہے۔ ان کی شہرت اپنے زمانہ کے ایک ممتاز صوفی اور بزرگ کی حیثیت میں اطراف و اکناف میں عام رہی ہے۔ وہ ایک صاحب کمال شاعر بھی تھے لیکن ان کی شاعری جس میں فکری کمال اور صوفیانہ جمال بھی ہے اور درس عظمت بھی، ان کی صوفیانہ زندگی کے سبب پس پشت ہی رہی۔ محمد خواص خاں نے ایک نہایت اہم علمی کارنامہ انجام دیا کہ ان کے فارسی کلام کو یکجا کرکے اپنے مفید اور معلوماتی مقدمے کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔ کلام کو ترتیب دیتے ہوئے انہوں نے یہ التزام بھی رکھا ہے کہ تمام دستیاب نسخوں کی مدد سے اسے مرتب کیا ہے اور اختلافِ نسخ بھی پیش کر دیے ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب و تدوین اور مقدمہ کی تصنیف میں انہوں نے جس خلوص اور محنت کا ثبوت دیا ہے وہ لائق ستائش ہے۔

درسوزاں

ملت پبلی کیشنز (اسلیمی چیمبرز) لاہور نے بعس بختیاری کی منظومات کے مجموعہ "درسوزاں" کو حال میں شائع کیا ہے۔ یہ ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ۱۲ روپے ہے۔ بعس بختیاری نوجوان نسل سے تعلق رکھنے والے ایک نمائندہ شاعر ہیں اور زیادہ تر "آزاد نظمیں" لکھتے ہیں۔ "درسوزاں" تمام تر ان کی آزاد نظموں کا مجموعہ ہے۔ جس میں متنوع موضوعات پر نظمیں شامل کی گئی ہیں۔

"جو شخص قومی یا مادری زبان بولتا ہے، اس میں قومی غیرت اور ملک و قوم کی محبت کا جذبہ ہوتا ہے۔ جب کہ غیر ملکی زبان انسان میں خود غرضی اور انفرادی علیحدگی پیدا کرتی ہے۔"

میر رسول بخش تالپور

وفیات

ہادی حسین

۸ جنوری کو ممتاز اور معروف ادیب اور مترجم جناب ہادی حسین انتقال فرما گئے مرحوم اُردو اور انگریزی زبانوں میں متعدد کتابوں کے مصنف تھے اور ایک بلند پایہ مترجم اور شاعر کی حیثیت میں ادبی دنیا میں عام طور پر پہچانے جاتے تھے۔ اُردو سے انگریزی اور انگریزی سے اُردو نظم و نثر میں ترجمہ کرنے میں وہ ید طولیٰ رکھتے تھے علامہ اقبالؒ کی کئی اہم نظموں کے انگریزی تراجم ان سے یادگار ہیں، خاص طور پر "پیامِ مشرق"، "گلشن راز جدید" اور "بندگی نامہ" جیسی نظموں کے تراجم قابلِ ذکر ہیں۔ اُردو میں "مغربی شعریات"، "شاعری اور تخیل" "دردتر کے آلام"، "دسنا نوحہ" ان کے اہم اور وقیع ادبی کارنامے ہیں۔ مرحوم انگریزی اور فارسی ادب کا نہایت ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ گو ان کی تربیت اور ان کا اوڑھنا بچھونا انگریزی زبان اور انگریزی تہذیب ہی رہی اور وہ ہندوستانی سول سروس سے مستقل وابستہ رہنے کی وجہ سے انگریزی مزاج سے بھی قریب ہی رہے۔ اور خصوصاً انگریزی اور اُردو کی مسابقت کے معاملہ میں ان کا نقطۂ نظر مخصوص "افسر شاہی" رویّہ کا مظہر رہا ۔ لیکن اُردو و فارسی ادب سے انھیں خاصہ لگاؤ تھا۔ اور وہ اپنا زیادہ وقت مفید اور بلند معیار ادبی کاموں میں معروف رہے۔ وہ ۱۹۰۶ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے فارغ التحصیل ہوئے اور ۱۹۲۷ء میں انگریزی ادبیات میں ایم اے کی سند حاصل کی۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۷ء تک ہندوستانی سول سروس سے اور پھر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۳ء تک پاکستان سول سروس سے وابستہ رہے اس کے بعد سے آخری وقت تک ترقی اُردو بورڈ کراچی سے بحیثیت صدر منسلک تھے۔ ادارہ مرحوم کی مغفرت کے لیے دُعاگو ہے۔

سعید بن محمد نقش

بھارت کے نامور مصور اور شاعر جناب سعید بن محمد نقش کا بعارضۂ فالج ۱۶ر جنوری ۱۹۸۳ء کو حیدرآباد دکن میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم حیدرآباد کے "کالج آف فائن آرٹس اینڈ آرکیٹکٹ" میں شعبۂ مصوری کے صدر تھے۔ ان کے شاگردوں میں اس وقت بھارت کے متعدد نامی گرامی مصور شامل ہیں۔ مرحوم کو فنِ مصوری میں شبیہہ بنانے کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں انھوں نے ایک نئی تکنیک "ابری" بھی ایجاد کی تھی جو بے حد مقبول ہوئی۔ "الورہ" اجنتا پر بنائی ہوئی ان کی تصویریں دہلی کے نیشنل اسمبلی ہال اور راشٹرپتی کے مصوری کے دو عجائب گھروں میں لگائی گئی ہیں۔ مرحوم کو شعر و ادب سے بےحد رغبت تھی۔ اور نقش تخلص کیا کرتے تھے۔ مزاج کے بموجب انھوں نے رنگ، خطوط، زاویوں اور مناظرِ قدرت کی گوناگوں کیفیات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تھا۔ آندھرا پردیش للت کلا اکیڈیمی اور ساہتیہ اکیڈیمی کی جانب سے ممتاز مصوروں کے بارے میں شائع شدہ کتاب میں جناب سعید بن محمد نقش کو اوّلین مقام دیا گیا ہے۔

جلیل الرحمٰن شامی

جنوری کے اوائل میں انجمن ترقی اُردو پاکستان کے ایک بزرگ کارکن جلیل الرحمٰن شامی رحلت فرما گئے۔ مرحوم شعر و ادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ فنِ عروض پر عبور حاصل تھا۔ اس سلسلہ میں ان کا ایک سلسلۂ مضامین ماہنامہ "قومی زبان" میں شائع ہو چکا ہے۔

> "جب قومی زبان کا سہارا لیا جاتا ہے تو دل و دماغ بیدار ہو کر تحقیق کی نئی راہیں تلاش کرتے ہیں اور انسان کی نگاہوں پر علوم و فنون کے نئے افق کھلنے لگتے ہیں۔"
>
> پروفیسر حمید احمد خاں
>
> خطبۂ سائنٹفک سوسائٹی پاکستان۔ نویں سالانہ کانفرنس، ۲۹ر نومبر ۱۹۶۷ء لاہور

نفاذ اردو

سرکاری دفاتر میں اردو کو رائج کرنے کی کوشش

ترقیوں کے لیے اردو میں کارکردگی اور خوش خطی کو لازمی شرط قرار دیا جائے

کمشنر راولپنڈی محمد افضل کھوٹ نے کہا ہے کہ گورنر پنجاب لیفٹننٹ جنرل غلام جیلانی خان کی نفاذ اردو کے ضمن میں ہدایات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ضلعی سطح پر بھی ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کہا کہ ضلع کے محکمہ جات کا آپس میں رابطہ قائم کرنا ان کی کارکردگی کا جائزہ لینے مشکلات اور دشواریوں کو دور کرنے کے لیے کم از کم تین ماہ میں ایک اجلاس منعقد ہوگا۔

یہ بات انھوں نے ضلعی مجلس زبان دفتری کے ایک وفد سے باتیں کرتے ہوئے بتائی جو بریگیڈیئر گلزار احمد کی سربراہی میں ان سے ملا تھا۔ اسی وفد میں مجلس کے دیگر اراکین محمد وہاب الخیری، پروفیسر انور مسعود، پروفیسر رحیم بخش شاہین، پروفیسر نیاز عرفان اور مددگار ناظم اطلاعات ثناء اللہ اختر شامل تھے۔ جو ڈپٹی کمشنر راولپنڈی چوہدری نذیر احمد کی صدارت میں مجلس کے ماہانہ اجلاس کے اختتام پر ان سے ملنے گیا تھا۔ محمد افضل کھوٹ نے اراکین وفد کو بتایا کہ ان کے دفتر میں اسی فیصد کام اردو میں ہی کیا جا رہا ہے اور یہ معلوم کرنے پر بھی توجہ دیں گے کہ دوسرے اضلاع کے دفاتر میں سرکاری ہدایات پر عمل درآمد کی کیا کیفیت ہے۔ اور اس سلسلے میں جن مشکلات کا حل ان کے اختیار میں ہے، وہ بلا تاخیر دور کی جائیں گی۔ قبل ازیں مجلس کا اجلاس ڈپٹی کمشنر چوہدری نذیر احمد کی صدارت میں ہوا۔ جس میں صوبائی حکومت سے یہ سفارش کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ تمام سرکاری ملازمین کے لیے ترقیوں اور حد قابلیت عبور کرنے کے لیے اردو میں کارکردگی اور خوش خطی کو لازمی شرط قرار دیا جائے نیز جو ملازمین اردو ٹائپ، مختصر نویسی اور خوش خطی میں مہارت حاصل کریں انھیں انعامات اور اعزازیہ دینے کی منظوری دی جائے۔ صدر مجلس نے اس سلسلے میں آغاز کے طور پر اپنے دفتر کے ایک اہل کار کو ترقی دینے کا فیصلہ کیا، جس نے اردو ٹائپ از خود سیکھی تھی۔ مجلس نے فیصلہ کیا کہ تمام ضلعی دفاتر سے مروجہ انگریزی فارموں کی نقول حاصل کی جائیں اور ان کا اردو میں ترجمہ کر کے بھیجا جائے۔ تاکہ طباعت کرا سکیں۔

مقتدرہ کے زیر اہتمام ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی برسی انتہائی عقیدت و احترام سے منائی گئی۔

مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ملک میں قومی زبان عملاً رائج کی جائے۔ مقررین کا خطاب

برصغیر پاک و ہند کے ممتاز مورخ، ماہر تعلیم اور مقتدرہ قومی زبان کے پہلے صدر نشین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی پہلی برسی انتہائی عقیدت و احترام سے منائی گئی۔ اس سلسلے میں مقتدرہ قومی زبان کے زیر اہتمام ۲۱ جنوری کو اردو سائنس کالج کراچی میں ممتاز سائنس داں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صاحب کی صدارت میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے سے ملک کی مقتدر شخصیتوں جسٹس قدیر الدین، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، جناب ہلال احمد زبیری، ڈاکٹر ریاض الاسلام، پروفیسر اکرام الرحمٰن، ڈاکٹر ایوب قادری، میجر آفتاب حسن اور صدر جلسہ ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی نے خطاب کیا اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی نے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے انتہائی دشواریوں اور مشکلات کے باوجود ہمیشہ راست بازی اور حق گوئی کا راستہ اپنائے رکھا۔ انھوں نے جامعہ کراچی میں بحیثیت وائس چانسلر اپنے گیارہ سالہ دور میں تمام تر مشکلات کے باوجود نئے نئے شعبے قائم کیے۔ ڈاکٹر قریشی مرحوم کی شخصیت زہد، انکساری اور رکھ رکھاؤ کا حسین امتزاج تھی۔ وہ انگریزی اور اردو زبان کے بے مثال ادیب تھے۔ لیکن ساتھ ہی انھیں سائنس کے مقام اور اس کی اہمیت کا علم تھا اس لیے انھوں نے سائنس کے فروغ کے لیے ہر ممکن سعی کی۔

اردو کے ممتاز ادیب اور نقاد

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر قریشی میں اکل حلال اور صدقِ مقال کی خوبیاں موجود تھیں۔ انھوں نے کبھی مصلحت کوشی سے کام نہیں لیا وہ اتنے بڑے صاحبِ علم تھے کہ کولمبیا یونیورسٹی کے بڑے بڑے پروفیسران کی عزت کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ملک میں قومی زبان کو عملاً رائج کیا جائے۔

سبکدوش جسٹس قدیرالدین نے اپنی تقریر میں کہا کہ ڈاکٹر قریشی مرحوم کی زندگی شریعت کی پابندی اور جہدِ مسلسل کی عکاسی ہے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل شریعت کی پابندی میں مضمر ہے۔ اسی عقیدت کے باعث انھیں لادینیت کا رجحان رکھنے والے عناصر کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین مرحوم کے قدیم رفیق جناب ہلال احمد زبیری نے ڈاکٹر قریشی مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کو زندگی میں جو بھی ذمہ داریاں سونپی گئیں، انھوں نے انھیں انتہائی لگن، خلوص اور ذمہ داری سے انجام دیا۔ انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر قریشی مرحوم کی ابتدائی زندگی انتہائی کسمپرسی اور کٹھن حالات میں گزری۔ یہاں تک کہ مالی وسائل نہ ہونے کے باعث انھیں میٹرک کے بعد اپنا سلسلۂ تعلیم بھی منقطع کرنا پڑا۔ انھوں نے بتایا کہ ڈاکٹر قریشی مرحوم یوپی کے ایک قصبہ پٹیالی میں پیدا ہوئے تھے یہ وہی مقام ہے جہاں تقریباً چھ سو سال پہلے حضرت امیر خسرو پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد بچپن میں ہی انتقال کر گئے۔ چنانچہ ابتدائی تربیت والدہ اور چچا کے زیرِ سایہ ہوئی۔ بعد میں انھوں نے مارہرہ سے اعلیٰ ثانوی کا امتحان کامیاب کیا۔ جس زمانے میں وہ بی اے آنرز کر رہے تھے تو وہ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے ایک اخبار میں کام کیا کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ایک بار ان کے لکھے ہوئے اداریئے کو پڑھ کر مولانا محمد علی جوہر اس اخبار کے دفتر پہنچے اور کہا کہ اخبار کا ایڈیٹر جس کا نام اخبار کی لوح پر شائع ہوتا ہے اتنا اچھا اداریہ نہیں لکھ سکتا۔ کیونکہ وہ ایڈیٹر کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ انھوں نے اصل اداریہ نویس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، جب وہ اشتیاق حسین قریشی سے ملے تو انھوں نے قریشی صاحب کی بہت تعریف کی اور کہا کہ تم مستقبل میں بہت ترقی کروگے۔

مقتدرہ قومی زبان کے قائم مقام صدر نشین میجر آفتاب حسن نے اپنی مختصر تقریر میں ڈاکٹر قریشی مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر قریشی کو اپنے کام سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا اور وہ مقتدرہ میں بھی آخر وقت تک ذوق و شوق و محنت اور لگن سے کام کرتے رہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ اپنی زندگی میں بے شمار لوگوں سے ملے ہیں لیکن ڈاکٹر قریشی واحد ایسی شخصیت کے مالک تھے جن کا عمل ان کے قول کی گواہی دیتا تھا۔

ڈاکٹر ریاض الاسلام ڈاکٹر قریشی مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر قریشی مرحوم نے اپنی تاریخ نویسی کے ذریعہ بہت سی غلط فہمیاں دور کیں۔ وہ تاریخ کو خالصتاً معروضی نہیں سمجھتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ تاریخ کا پہلا سبق یہ ہے کہ شک کرو۔

ڈاکٹر ایوب قادری نے اپنی تقریر میں کہا کہ ڈاکٹر قریشی سچے مسلمان اور شریف انسان تھے۔ وہ اپنے عزیزوں اور طلبہ کی ہر طرح مدد کیا کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کی تعمیر میں اُنکی والدہ کا بڑا ہاتھ رہا تھا۔

پروفیسر اکرام الرحمٰن نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر قریشی نے تاریخ کے علاوہ فارسی میں بھی ایم اے کیا تھا۔ اور اردو سائنس کالج کے لیے ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

جلسے میں ڈاکٹر قریشی کے مداحوں اور شاگردوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

جناب آغا شاہی نے خارجہ حکمتِ عملی پر اُردو میں پہلی تقریر کی۔

اسلام آباد میں مجلسِ شوریٰ کے ۱۲ر جنوری کے اجلاس میں پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی پر بحث و مباحثہ ہوا۔ وزیرِ خارجہ جناب آغا شاہی نے امورِ خارجہ پر اُردو میں ایک مفصّل تقریر کی۔ یہ شاید پاکستان کی تاریخ میں خارجہ حکمتِ عملی پر پہلے سرکاری بیان کے طور پر تھی، جو اُردو زبان میں جاری کیا گیا۔

جناب آغا شاہی نے اپنی اس تقریر پر اور اپنی شستہ زبان اور عمدہ لہجے اور صحیح تلفظ کی ادائیگی پر حاضرینِ مجلس سے خوب خوب داد وصول کی۔

NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY

February 19

Registration No. S. 3195 — Vol : 2 —NO: 2

سائنسی کتب لکھوانے کا سرکاری طور پر انتظام ہونا چاہیئے: مقتدرہ قومی زبان کی تجاویز

اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کیلئے مثالی ڈگری کالج قائم کیے جائیں

سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کرنیوالے سکولوں کیخلاف سخت کارروائی کی جائے

مقتدرہ قومی زبان نے حکومت کو تجویز پیش کی ہے کہ چاروں صوبوں میں نمونے کا ایک ایک اردو ڈگری کالج قائم کیا جائے جن میں تمام دوسرے کالجوں اور جامعات کے اساتذہ کو اردو میں تدریس کی تربیت کے انتظامات کیے جائیں۔ یہ تجویز مقتدرہ کی ذیلی مجلس ذریعۂ تعلیم کے ایک اجلاس میں تیار کی گئی جو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر احمد محی الدین کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس میں ملک کی جامعات اور کالجوں میں اردو ذریعۂ تعلیم کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور اردو کو سائنسی و غیر سائنسی علوم میں ذریعۂ تعلیم بنانے کے لیے مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔ اجلاس نے اس امر سے اتفاق کیا کہ پورے ملک میں میٹرک تک ذریعۂ تعلیم اردو ہے اور نوے فیصد طالب علم اردو ذریعۂ تعلیم سے فارغ التحصیل ہو کر جب کالجوں میں داخلہ لیتے ہیں تو وہاں انگریزی ذریعۂ تعلیم کے سبب ان کا تعلیمی معیار گر جاتا ہے۔ اور جن کالجوں میں صرف درجہ اوّل میں کامیاب طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے ان کا انٹر کا نتیجہ بھی سو فیصد سے گھٹ کر پچاس فیصد رہ جاتا ہے جس کا بنیادی سبب ذریعۂ تعلیم کی تبدیلی ہے۔ اجلاس نے اس تجویز پر غور کیا کہ فنون اور سماجی علوم میں اردو کو فوری طور پر بی اے / بی ایس سی کی سطح تک بطور متبادل ذریعۂ تعلیم و امتحانات رائج کیا جائے۔ کیونکہ فنون میں نہ صرف اردو میں عام تدریسی کتابیں موجود ہیں بلکہ چند گنتی کے انگریزی اداروں کو چھوڑ کر تمام کالجوں میں فنون اور سائنسی تعلیم عملاً اردو زبان ہی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طالب علموں کی انگریزی کی استعداد اتنی نہیں ہوتی کہ وہ اساتذہ کے انگریزی خطبات کو سمجھ سکیں۔ اجلاس میں کہا گیا کہ اگر ثبوت کی ضرورت ہے تو کراچی میں اردو سائنس کالج میں طویل عرصے سے تمام سائنسی اور غیر سائنسی مضامین میں اردو تدریس کامیابی سے جاری ہے۔ سائنسی مضامین میں جو درسی کتابیں موجود نہیں ہیں وہ دو سال کے اندر اندر لکھوائی جا سکتی ہیں اور متعلقہ سرکاری اداروں کے علاوہ مقتدرہ بھی یہ خدمت انجام دے سکتا ہے۔ اجلاس میں انگریزی ذریعۂ تعلیم پبلک اسکولوں اور عیسائی مشنری اداروں کے زیر انتظام مدارس میں سال بہ سال اردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے منصوبے سے اتفاق کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا گیا کہ اس منصوبہ پر سختی سے عملدرآمد کرایا جائے۔ کیونکہ یہ اطلاعات ملی ہیں کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم اسکول ان احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں جو اس سلسلے میں ۱۹۸۰ء میں جاری کیے گئے تھے۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ اس اسکیم پر عملدرآمد کے لیے اعلیٰ سطح پر سخت نگرانی کی ضرورت ہے اور ان احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے مدارس کو بند کر دیا جائے۔ سائنسی مضامین میں درسی کتابوں کی قلت دور کرنے کے لیے تجویز کیا گیا کہ تمام مضامین کی درسی کتابیں سرکاری طور پر ابھی سے لکھوانی شروع کی جائیں۔ اور درسی کتابیں تیار کرنے والے سرکاری اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ ان درسی کتابوں میں صرف وہ مستند اصطلاحات استعمال کریں۔ جو وفاقی وزارت تعلیم نے انٹر کی سطح تک معیاری قرار دی ہیں۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ وفاقی وزارت تعلیم پر سائنسی و غیر سائنسی علوم کی اصطلاحات کی وہ لغت فوری طور پر شائع کرنے پر زور دیا جائے جو گزشتہ سال تیار کی گئی تھی اور اگر وزارت تعلیم اس لغت کو شائع کرنے میں کوئی مشکل محسوس کرتی ہے تو مقتدرہ قومی زبان اس لغت کو شائع کرنے کی پیشکش کرے۔ اجلاس میں طے پایا کہ اردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے سلسلے میں تجاویز کو حتمی شکل دینے کے لیے مقتدرہ کی ذیلی مجلس "ذریعۂ تعلیم" کا ایک اجلاس فروری ۱۹۸۲ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں منعقد ہوگا۔ یہاں جو مسودہ تیار کیا جائے گا اُسے مقتدرہ کے اجلاس میں غور و خوض کے بعد حکومت کی منظوری کے لیے کابینہ ڈویژن کو بھیجا جائے گا۔

طابع : المخزن پرنٹرس (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

اخبارِ اردو
کراچی

مارچ ۱۹۸۲ء

”انگریزی کا بے جا غلبہ ہماری ملّی حمیت
کی توہین ہے اور عملی لحاظ سے تضیع
اوقات اور قومی مصلحتوں کے لیے
بے حد خطرناک اور افسوسناک ہے۔“

ڈاکٹر سید عبداللہ

NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY

...tration No. S. 3195 — Vol : 2 — NO: 2 — February 1982

مقتدرہ قومی زبان کی تجاویز سائنسی کتب لکھوانے کا سرکاری طور پر انتظام ہونا چاہیئے

اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کیلئے مثالی ڈگری کالج قائم کیے جائیں

سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کرنیوالے سکولوں کیخلاف سخت کارروائی کی جائے

مقتدرہ قومی زبان نے حکومت کو تجویز پیش کی ہے کہ چاروں صوبوں میں نمونے کا ایک ایک اردو ڈگری کالج قائم کیا جائے جن میں تمام دوسرے کالجوں اور جامعات کے اساتذہ کو اردو میں تدریس کی تربیت کے انتظامات کیے جائیں۔ یہ تجویز مقتدرہ کی ذیلی مجلس ذریعۂ تعلیم کے ایک اجلاس میں تیار کی گئی جو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر احمد محی الدین کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس میں ملک کی جامعات اور کالجوں میں اردو ذریعۂ تعلیم کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور اردو کو سائنسی و غیر سائنسی علوم میں ذریعۂ تعلیم بنانے کے لیے مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔ اجلاس نے اس امر سے اتفاق کیا کہ پورے ملک میں میٹرک تک ذریعۂ تعلیم اردو ہے اور نوّے فیصد طالب علم اردو ذریعۂ تعلیم سے فارغ التحصیل ہو کر جب کالجوں میں داخلہ لیتے ہیں تو وہاں انگریزی ذریعۂ تعلیم کے سبب ان کا تعلیمی معیار گر جاتا ہے۔ اور جن کالجوں میں صرف درجہ اوّل میں کامیاب طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے ان کا انٹر کا نتیجہ بھی سو فیصد سے گھٹ کر پچاس فیصد رہ جاتا ہے جس کا بنیادی سبب ذریعۂ تعلیم کی تبدیلی ہے اجلاس نے اس تجویز پر غور کیا کہ فنون اور دوسرے علوم میں اردو کو فوری طور پر بی اے / بی ایس سی کی سطح تک بطور متبادل ذریعۂ تعلیم و امتحانات رائج کیا جائے۔ کیونکہ فنون میں نہ صرف اردو میں عام تدریسی کتابیں موجود ہیں بلکہ چند گنتی کے انگریزی اداروں کو چھوڑ کر تمام کالجوں میں فنون اور سائنسی تعلیم عملاً اردو زبان ہی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طالب علموں کی انگریزی کی استعداد اتنی نہیں ہوتی کہ وہ اساتذہ کے انگریزی خطبات کو سمجھ سکیں۔ اجلاس میں کہا گیا کہ اگر ثبوت کی ضرورت ہے تو کراچی میں اردو سائنس کالج میں طویل عرصے سے تمام سائنسی اور غیر سائنسی مضامین میں اردو تدریس کامیابی سے جاری ہے۔ سائنسی مضامین میں جو درسی کتابیں موجود نہیں ہیں وہ دو سال کے اندر اندر لکھوائی جا سکتی ہیں اور متعلقہ سرکاری اداروں کے علاوہ مقتدرہ بھی یہ خدمت انجام دے سکتا ہے۔ اجلاس میں انگریزی ذریعۂ تعلیم پبلک اسکولوں اور عیسائی مشنری اداروں کے زیر انتظام مدارس میں سال بہ سال اردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے منصوبے سے اتفاق کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا گیا کہ اس منصوبہ پر سختی سے عملدرآمد کرایا جائے۔ کیونکہ یہ اطلاعات ملی ہیں کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم اسکول ان احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں جو اس سلسلے میں ۱۹۸۰ء میں جاری کیے گئے تھے۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ اس اسکیم پر عملدرآمد کے لیے اعلیٰ سطح پر سخت نگرانی کی ضرورت ہے اور ان احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے مدارس کو بند کر دیا جائے۔ سائنسی مضامین میں درسی کتابوں کی قلت دور کرنے کے لیے تجویز کیا گیا کہ تمام مضامین کی درسی کتابیں سرکاری طور پر ابھی سے لکھوانی شروع کی جائیں۔ اور درسی کتابیں تیار کرنے والے سرکاری اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ ان درسی کتابوں میں صرف وہ مستند اصطلاحات استعمال کریں جو وفاقی وزارت تعلیم نے انٹر کی سطح تک معیاری قرار دی ہیں۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ وفاقی وزارت تعلیم پر سائنسی و غیر سائنسی علوم کی اصطلاحات کی وہ لغت فوری طور پر شائع کرنے پر زور دیا جائے جو گزشتہ سال تیار کی گئی تھی اور اگر وزارت تعلیم اس لغت کو شائع کرنے میں کوئی مشکل محسوس کرتی ہے تو مقتدرہ قومی زبان اس لغت کو شائع کرنے کی پیشکش کرے۔ اجلاس میں طے پایا کہ اردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے سلسلے میں تجاویز کو حتمی شکل دینے کے لیے مقتدرہ کی ذیلی مجلس "ذریعۂ تعلیم" کا ایک اجلاس فروری ۱۹۸۲ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں منعقد ہوگا۔ یہاں جو مسودہ تیار کیا جائے گا۔ اُسے مقتدرہ کے اجلاس میں غور و خوض کے بعد حکومت کی منظوری کے لیے کابینہ ڈویژن کو بھیجا جائے گا۔

طابع : المخزن پرنٹرس (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

اخبارِ اردو
کراچی

مارچ ۱۹۸۲ء

"انگریزی کا بے جا غلبہ ہماری ملّی حمیت
کی توہین ہے اور عملی لحاظ سے تضیع
اوقات اور قومی مصلحتوں کے لیے
بے حد خطرناک اور افسوسناک ہے۔"

ڈاکٹر سید عبداللہ

NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY

Registration No. S. 3195 —— Vol : 2 —NO. 2 —— ...ruary

سائنسی کتب لکھوانے کا سرکاری طور پر انتظام ہونا چاہیئے: مقتدرہ قومی زبان کی تجاویز

اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کیلئے مثالی ڈگری کالج قائم کیے جائیں

سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کرنیوالے سکولوں کیخلاف سخت کارروائی کی جائے

مقتدرہ قومی زبان نے حکومت کو تجویز پیش کی ہے کہ چاروں صوبوں میں نمونے کا ایک ایک اردو ڈگری کالج قائم کیا جائے جن میں تمام دوسرے کالجوں اور جامعات کے اساتذہ کو اُردو میں تدریس کی تربیت کے انتظامات کیے جائیں۔ یہ تجویز مقتدرہ کی ذیلی مجلس ذریعۂ تعلیم کے ایک اجلاس میں تیار کی گئی جو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر احمد محی الدین کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس میں ملک کی جامعات اور کالجوں میں اُردو ذریعۂ تعلیم کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور اُردو کو سائنسی و غیر سائنسی علوم میں ذریعۂ تعلیم بنانے کے لیے مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔ اجلاس نے اس امر سے اتفاق کیا کہ پورے ملک میں میٹرک تک ذریعۂ تعلیم اُردو ہے اور نوے فیصد طالب علم اُردو ذریعۂ تعلیم سے فارغ التحصیل ہو کر جب کالجوں میں داخلہ لیتے ہیں تو وہاں انگریزی ذریعۂ تعلیم کے سبب ان کا تعلیمی معیار گر جاتا ہے۔ اور جن کالجوں میں صرف درجہ اوّل میں کامیاب طلب کو داخلہ دیا جاتا ہے ان کا انٹر کا نتیجہ بھی سو فیصد سے گھٹ کر پچاس فیصد رہ جاتا ہے۔ جس کا بنیادی سبب ذریعۂ تعلیم کی تبدیلی ہے اجلاس نے اس تجویز پر غور کیا کہ فنون اور دیگر علوم میں اُردو کو فوری طور پر بی اے / بی ایس سی کی سطح تک بطور متبادل ذریعۂ تعلیم و امتحانات رائج کیا جائے۔ کیونکہ فنون میں نہ صرف اُردو میں عام تدریسی کتابیں موجود ہیں بلکہ چند گنتی کے انگریزی اداروں کو چھوڑ کر تمام کالجوں میں فنون اور سائنسی تعلیم عملاً اُردو زبان ہی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طالب علموں کی انگریزی کی استعداد اتنی نہیں ہوتی کہ وہ اساتذہ کے انگریزی خطبات کو سمجھ سکیں۔ اجلاس میں کہا گیا کہ اگر ثبوت کی ضرورت ہے تو کراچی میں اُردو سائنس کالج میں طویل عرصے سے تمام سائنسی اور غیر سائنسی مضامین میں اُردو میں تدریس کامیابی سے جاری ہے۔ سائنسی مضامین میں جو درسی کتابیں موجود نہیں ہیں وہ دو سال کے اندر اندر لکھوائی جا سکتی ہیں اور متعلقہ سرکاری اداروں کے علاوہ مقتدرہ بھی یہ خدمت انجام دے سکتا ہے اجلاس میں انگریزی ذریعۂ تعلیم پبلک اسکولوں اور عیسائی مشنری اداروں کے زیرِ انتظام مدارس میں سال بہ سال اُردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے منصوبے سے اتفاق کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا گیا کہ اس منصوبہ پر سختی سے عملدرآمد کرایا جائے۔ کیونکہ یہ اطلاعات ملی ہیں کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم اسکول ان احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں جو اس سلسلے میں ۱۹۷۹ء میں جاری کیے گئے تھے اجلاس میں کہا گیا ہے کہ اس اسکیم پر عملدرآمد کے لیے اعلیٰ سطح پر سخت نگرانی کی ضرورت ہے اور ان احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے مدارس کو بند کر دیا جائے سائنسی مضامین میں درسی کتابوں کی قلت دور کرنے کے لیے تجویز کیا گیا کہ تمام مضامین کی درسی کتابیں سرکاری طور پر ابھی سے لکھوانی شروع کی جائیں۔ اور درسی کتابیں تیار کرنے والے سرکاری اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ ان درسی کتابوں میں صرف وہ مستند اصطلاحات استعمال کریں جو وفاقی وزارت تعلیم نے انٹر کی سطح تک معیاری قرار دی ہیں۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ وفاقی وزارت تعلیم پر سائنسی و غیر سائنسی علوم کی اصطلاحات کی وہ لغت فوری طور پر شائع کرنے پر زور دیا جائے جو گزشتہ سال تیار کی گئی تھی اور اگر وزارت تعلیم اس لغت کو شائع کرنے میں کوئی مشکل محسوس کرتی ہے تو مقتدرہ قومی زبان اس لغت کو شائع کرنے کی پیشکش کرے۔ اجلاس میں طے پایا کہ اُردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے سلسلے میں تجاویز کو حتمی شکل دینے کے لیے مقتدرہ کی ذیلی مجلس "ذریعۂ تعلیم" کا ایک اجلاس فروری ۱۹۸۲ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں منعقد ہوگا۔ یہاں جو مسودہ تیار کیا جائے گا۔ اُسے مقتدرہ کے اجلاس میں غور و خوض کے بعد حکومت کی منظوری کے لیے کابینہ ڈویژن کو بھیجا جائے گا۔

طابع : المخزن پرنٹرس (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

اخبارِ اردو

کراچی

مارچ ۱۹۸۲ء

"انگریزی کا بے جا غلبہ ہماری ملّی حمیت
کی توہین ہے اور عملی لحاظ سے تضیع
اوقات اور قومی مصلحتوں کے لیے
بے حد خطرناک اور افسوسناک ہے"

ڈاکٹر سید عبداللہ

AKHBAR-I-URDU

NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY

Registration No. S. 3195 — Vol : 2 — NO. 2 — February

مقتدرہ قومی زبان کی تجاویز

سائنسی کتب لکھوانے کا سرکاری طور پر انتظام ہونا چاہیئے

اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کیلئے مثالی ڈگری کالج قائم کیے جائیں

سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کرنیوالے سکولوں کیخلاف سخت کارروائی کی جائے

مقتدرہ قومی زبان نے حکومت کو تجویز پیش کی ہے کہ چاروں صوبوں میں نمونے کا ایک ایک اردو ڈگری کالج قائم کیا جائے جن میں تمام دوسرے کالجوں اور جامعات کے اساتذہ کو اردو میں تدریس کی تربیت کے انتظامات کیے جائیں۔ یہ تجویز مقتدرہ کی ذیلی مجلس ذریعۂ تعلیم کے ایک اجلاس میں تیار کی گئی جو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر احمد محی الدین کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس میں ملک کی جامعات اور کالجوں میں اردو ذریعۂ تعلیم کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور اردو کو سائنسی و غیر سائنسی علوم میں ذریعۂ تعلیم بنانے کے لیے مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔ اجلاس نے اس امر سے اتفاق کیا کہ پورے ملک میں میٹرک تک ذریعۂ تعلیم اردو ہے اور نوے فیصد طالب علم اردو ذریعۂ تعلیم سے فارغ التحصیل ہو کر جب کالجوں میں داخلہ لیتے ہیں تو وہاں انگریزی ذریعۂ تعلیم کے سبب ان کا تعلیمی معیار گر جاتا ہے۔ اور جن کالجوں میں صرف درجہ اول میں کامیاب طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے ان کا انٹر کا نتیجہ بھی سو فیصد سے گھٹ کر پچاس فیصد رہ جاتا ہے جس کا بنیادی سبب ذریعۂ تعلیم کی تبدیلی ہے اجلاس نے اس تجویز پر غور کیا کہ فنون اور سماجی علوم میں اردو کو فوری طور پر بی اے / بی ایس سی کی سطح تک بطور متبادل ذریعۂ تعلیم و امتحانات رائج کیا جائے۔ کیونکہ فنون میں نہ صرف اردو میں عام تدریسی کتابیں موجود ہیں بلکہ چند گنتی کے انگریزی اداروں کو چھوڑ کر تمام کالجوں میں فنون اور سائنسی تعلیم عملاً اردو زبان ہی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طالب علموں کی انگریزی کی استعداد اتنی نہیں ہوتی کہ وہ اساتذہ کے انگریزی خطبات کو سمجھ سکیں۔ اجلاس میں کہا گیا کہ اگر ثبوت کی ضرورت ہے تو کراچی میں اردو سائنس کالج میں طویل عرصے سے تمام سائنسی اور غیر سائنسی مضامین میں اردو میں تدریس کامیابی سے جاری ہے۔ سائنسی مضامین میں جو درسی کتابیں موجود نہیں ہیں وہ دو سال کے اندر اندر لکھوائی جا سکتی ہیں اور متعلقہ سرکاری اداروں کے علاوہ مقتدرہ بھی یہ خدمت انجام دے سکتا ہے۔ اجلاس میں انگریزی ذریعۂ تعلیم پبلک اسکولوں اور عیسائی مشنری اداروں کے زیر انتظام مدارس میں سال بہ سال اردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے منصوبے سے اتفاق کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا گیا کہ اس منصوبہ پر سختی سے عملدرآمد کرایا جائے۔ کیونکہ یہ اطلاعات ملی ہیں کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم اسکول ان احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں جو اس سلسلے میں ۱۹۸۰ء میں جاری کیے گئے تھے۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ اس اسکیم پر عملدرآمد کے لیے اعلیٰ سطح پر سخت نگرانی کی ضرورت ہے اور ان احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے مدارس کو بند کر دیا جائے۔ سائنسی مضامین میں درسی کتابوں کی قلت دور کرنے کے لیے تجویز کیا گیا کہ تمام مضامین کی درسی کتابیں سرکاری طور پر ابھی سے لکھوانی شروع کی جائیں۔ اور درسی کتابیں تیار کرنے والے سرکاری اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ ان درسی کتابوں میں صرف وہ مستند اصطلاحات استعمال کریں جو وفاقی وزارت تعلیم نے انٹر کی سطح تک معیاری قرار دی ہیں۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ وفاقی وزارت تعلیم پر سائنسی و غیر سائنسی علوم کی اصطلاحات کی وہ لغت فوری طور پر شائع کرنے پر زور دیا جائے جو گزشتہ سال تیار کی گئی تھی اور اگر وزارت تعلیم اس لغت کو شائع کرنے میں کوئی مشکل محسوس کرتی ہے تو مقتدرہ قومی زبان اس لغت کو شائع کرنے کی پیشکش کرے۔ اجلاس میں طے پایا کہ اردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے سلسلے میں تجاویز کو حتمی شکل دینے کے لیے مقتدرہ کی ذیلی مجلس "ذریعۂ تعلیم" کا ایک اجلاس فروری ۱۹۸۲ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں منعقد ہوگا۔ یہاں جو مسودہ تیار کیا جائے گا۔ اسے مقتدرہ کے اجلاس میں غور و خوض کے بعد حکومت کی منظوری کے لیے کابینہ ڈویژن کو بھیجا جائے گا۔

طابع : المخزن پرنٹرس (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

اخبارِ اردو

کراچی

مارچ ۱۹۸۲ء

"انگریزی کا بے جا غلبہ ہماری ملّی حمیت
کی توہین ہے اور عملی لحاظ سے تضیع
اوقات اور قومی مصلحتوں کے لیے
بے حد خطرناک اور افسوسناک ہے۔"

ڈاکٹر سید عبداللہ

AKHBAR-E-URD [redacted]

NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY

Registration No. S. 3195 — Vol : 2 — NO. 2 — February

سائنسی کتب لکھوانے کا سرکاری طور پر انتظام ہونا چاہیے

مقتدرہ قومی زبان کی تجاویز

اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کیلئے مثالی ڈگری کالج قائم کیے جائیں

سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کرنیوالے سکولوں کیخلاف سخت کارروائی کی جائے

مقتدرہ قومی زبان نے حکومت کو تجویز پیش کی ہے کہ چاروں صوبوں میں نمونے کا ایک ایک اردو ڈگری کالج قائم کیا جائے جن میں تمام دوسرے کالجوں اور جامعات کے اساتذہ کو اردو میں تدریس کی تربیت کے انتظامات کیے جائیں۔ یہ تجویز مقتدرہ کی ذیلی مجلس ذریعۂ تعلیم کے ایک اجلاس میں تیار کی گئی جو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر احمد محی الدین کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس میں ملک کی جامعات اور کالجوں میں اردو ذریعۂ تعلیم کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور اردو کو سائنسی و غیر سائنسی علوم میں ذریعۂ تعلیم بنانے کے لیے مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔ اجلاس نے اس امر سے اتفاق کیا کہ پورے ملک میں میٹرک تک ذریعۂ تعلیم اردو ہے اور نوے فیصد طالب علم اردو ذریعۂ تعلیم سے فارغ التحصیل ہو کر جب کالجوں میں داخلہ لیتے ہیں تو وہاں انگریزی ذریعۂ تعلیم کے سبب ان کا تعلیمی معیار گر جاتا ہے۔ اور جن کالجوں میں صرف درجہ اول میں کامیاب طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے ان کا انٹر کا نتیجہ بھی سو فیصد سے گھٹ کر پچاس فیصد رہ جاتا ہے جس کا بنیادی سبب ذریعۂ تعلیم کی تبدیلی ہے۔ اجلاس نے اس تجویز پر غور کیا کہ فنون اور سماجی علوم میں اردو کو فوری طور پر بی اے / بی ایس سی کی سطح تک بطور متبادل ذریعۂ تعلیم و امتحانات رائج کیا جائے۔ کیونکہ فنون میں نہ صرف اردو میں عام تدریسی کتابیں موجود ہیں بلکہ چند گنتی کے انگریزی اداروں کو چھوڑ کر تمام کالجوں میں فنون اور سائنسی تعلیم عملاً اردو زبان ہی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طالب علموں کی انگریزی کی استعداد اتنی نہیں ہوتی کہ وہ اساتذہ کے انگریزی خطبات کو سمجھ سکیں۔ اجلاس میں کہا گیا کہ اگر ثبوت کی ضرورت ہے تو کراچی میں اردو سائنس کالج میں طویل عرصے سے تمام سائنسی اور غیر سائنسی مضامین میں اردو میں تدریس کامیابی سے جاری ہے۔ سائنسی مضامین میں جو درسی کتابیں موجود نہیں ہیں وہ دو سال کے اندر اندر لکھوائی جا سکتی ہیں اور متعلقہ سرکاری اداروں کے علاوہ مقتدرہ بھی یہ خدمت انجام دے سکتا ہے۔ اجلاس میں انگریزی ذریعۂ تعلیم پبلک اسکولوں اور عیسائی مشنری اداروں کے زیر انتظام مدارس میں سال بہ سال اردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے منصوبے سے اتفاق کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا گیا کہ اس منصوبہ پر سختی سے عملدرآمد کرایا جائے۔ کیونکہ یہ اطلاعات ملی ہیں کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم اسکول ان احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں جو اس سلسلے میں ۱۹۷۹ء میں جاری کیے گئے تھے۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ اس اسکیم پر عملدرآمد کے لیے اعلیٰ سطح پر سخت نگرانی کی ضرورت ہے اور ان احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے مدارس کو بند کر دیا جائے۔ سائنسی مضامین میں درسی کتابوں کی قلت دور کرنے کے لیے تجویز کیا گیا کہ تمام مضامین کی درسی کتابیں سرکاری طور پر ابھی سے لکھوانی شروع کی جائیں۔ اور درسی کتابیں تیار کرنے والے سرکاری اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ ان درسی کتابوں میں صرف وہ مستند اصطلاحات استعمال کریں جو وفاقی وزارت تعلیم نے انٹر کی سطح تک معیاری قرار دی ہیں۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ وفاقی وزارت تعلیم پر سائنسی و غیر سائنسی علوم کی اصطلاحات کی وہ لغت فوری طور پر شائع کرنے پر زور دیا جائے جو گزشتہ سال تیار کی گئی تھی اور اگر وزارت تعلیم اس لغت کو شائع کرنے میں کوئی مشکل محسوس کرتی ہے تو مقتدرہ قومی زبان اس لغت کو شائع کرنے کی پیشکش کرے۔ اجلاس میں طے پایا کہ اردو ذریعۂ تعلیم کے نفاذ کے سلسلے میں تجاویز کو حتمی شکل دینے کے لیے مقتدرہ کی ذیلی مجلس "ذریعۂ تعلیم" کا ایک اجلاس فروری ۱۹۸۲ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں منعقد ہوگا۔ یہاں جو مسودہ تیار کیا جائے گا اسے مقتدرہ کے اجلاس میں غور و خوض کے بعد حکومت کی منظوری کے لیے کابینہ ڈویژن کو بھیجا جائے گا۔

طابع : المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

اخبارِ اردو

کراچی

مارچ ۱۹۸۲ء

"انگریزی کا بے جا غلبہ ہماری ملّی حمیت
کی توہین ہے اور عملی لحاظ سے تضیع
اوقات اور قومی مصلحتوں کے لیے
بے حد خطرناک اور افسوسناک ہے"

ڈاکٹر سید عبداللہ

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل و نفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ـــــــ قوم کے حسّاس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ـــــــ

اخبارِ اردو
کراچی

فہرست

جلد نمبر ۲ شمارہ ۳

جمادی الاوّل ۱۴۰۲ھ مارچ ۱۹۸۲ء

مقتدرہ قومی زبان

۳۴-ڈی ، بلاک ۷ ، گلشن اقبال ، کراچی ۴۷ ٹیلی فون : ۲۲ - ۴۶۴۱۲۱

قیمت : ایک روپیہ ، سالانہ چندہ دس روپے

طابع : المخزن پرنٹرس (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک ، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معروضات

انگریزی زبان کی تدریس

برِعظیم پاک و ہند میں انگریزی زبان کا تسلط انگریزوں کے مستحکم اور مکمل اقتدار کے ساتھ ساتھ شروع ہوا۔ ایک صدی تک انگریزی زبان پڑھاکر اور اسے امورِ حکومت اور اعلیٰ ملازمتوں میں جزوِ لازم کی حیثیت دے کر جب انگریزوں نے جنوبی ایشیا سے اپنے قدم سمیٹے تو یہاں کی آبادی کا بمشکل بارہ فی صد حصہ تعلیم یافتہ تھا اور اُن میں سے بھی بہت کم ایسے تھے جنھیں انگریزی داں سمجھا جاسکتا تھا۔ اس طرح انگریزی تعلیم سے پڑھے لکھے افراد کا ایک نیا طبقہ ضرور پیدا ہوا جسے حکومتوں اور ملازمتوں میں اجارہ داری حاصل ہوئی، لیکن ان میں بہت کم پر انگریزی پر عبور رکھنے کا اطلاق کیا جاسکتا تھا۔ ان میں زیادہ تعداد ایسے افراد کی تھی جو انگریزی زبان میں اپنی ذمہ داریوں کو محض نباہنے کے قابل تھے۔ یہ وہ طبقہ تھا جو لارڈ میکالے کی توقعات کے عین مطابق ثابت ہوا —— اور جو خود پر اہلِ زبان کا قیاس کرتا تھا۔ چنانچہ انگریزی زبان کے تسلط سے اس نے اپنے آپ کو حصولِ آزادی کے بعد بھی، نجات دلانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ اس کی طبیعت نجات حاصل کرنے کی طرف مائل ہوئی۔

۱۹۴۷ء میں انگریزوں کے چلے جانے کے باوجود حکومت اور اعلیٰ ملازمتوں میں اس طبقہ کے متمکن رہنے کی وجہ سے انگریزی زبان بدستور اسی مقام پر رہی جہاں انگریزوں نے اسے فائز کیا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد اُردو زبان کے پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان ہونے کے بارے میں قائدِاعظم اور مسلم لیگ کے واضح نقطۂ نظر کے باوجود اربابِ اختیار کو مختلف محرکات کے سبب، جن میں مشرقی پاکستان میں بنگالی زبان کے حق میں ابھرنے والی متشددانہ تحریک کا بھی دخل تھا، انگریزی زبان کو مملکت کی جڑوں میں مستقل سرایت کیے رہنے کا بہترین موقع حاصل ہوگیا۔ انگریزی کے خلاف دانشورانہ اور عوامی ردِعمل کے باوجود، جو قیامِ پاکستان کے بعد سے مستقل سامنے آتا رہا ہے، انگریزی زبان بہت سخت جان ثابت ہوئی۔ اس کو پاسبان خود صنم خانہ سے ملتے رہے۔ ملک کی افسر شاہی، جس کا اوڑھنا بچھونا فقط انگریزی زبان ہے، انگریزی کے قدم مضبوطی سے جمانے کا سبب بنی۔

موجودہ حکومت کے عہد میں اُردو کے نفاذ کے تعلق سے جو عزائم سامنے آرہے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر حکومت کے عزائم اور اعلانات پر عمل درآمد ہوتا رہا تو انگریزی زیادہ عرصہ تک نہ تو تعلیم کا ذریعہ رہ سکتی ہے اور نہ سرکاری نظم و نسق کا۔ لیکن ہماری افسر شاہی اور یہاں تک کہ ہماری جامعات میں اساتذہ کا ایک ایسا طبقہ موجودہ ہے جو ابھی تک خود کو اس صورتِ حال سے ہم آہنگ نہیں کرسکا ہے۔

اس وقت ملک کے تعلیمی نظام میں انگریزی زبان کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ذریعۂ تعلیم کی، دوسری لازمی مضمون کی۔ ان دونوں کے بارے میں بنیادی تبدیلی لازمی ہے۔ انگریزی ذریعۂ تعلیم کی مخالفت کے پس منظر میں یہ خیال کبھی کسی کے پیش نظر نہیں رہا کہ انگریزی کو قطعی طور پر ملک سے نکال دیا جائے ہمیشہ اور ہر سمت سے اس کے بے جا غلبہ اور اس کی ناجائز بالادستی کی مخالفت کی گئی ہے۔ انگریزی زبان کی بالادستی اور اس کے غلبہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں رہا کہ انگریزی بطور زبان و ادب بالکل ہی نہ پڑھائی جائے۔ اُسے لازمی طور پر پڑھایا جائے اور اس طرح کہ انگریزی کی شدبد نہ صرف ہر شخص کو ہو جائے بلکہ وہ تمام علمی اور بین الاقوامی تقاضے کما حقہ پورا کر سکے۔ بعض علمی ضرورتوں کے لیے اُسے وہ لوگ زیادہ خصوصیت کے ساتھ پڑھیں جنھیں اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ بعض عام ضرورتوں کے تحت اُسے لازماً پڑھا جائے لیکن ایک خاص درجہ کے بعد اس کا پڑھنا سب کے لیے لازمی نہ ہو۔ بعض علمی مفادات کے علاوہ وہ لاکھوں طلبہ جن کے خاص علمی مفادات نہیں ہوتے۔ اپنا قیمتی وقت اس مضمون پر بلا ضرورت صرف کرتے ہیں۔ اس لیے انھیں زیادہ درجات تک انگریزی لازمی کے لیے مجبور نہ کیا جائے۔ کیونکہ زیادہ درجات تک لازمی انگریزی اول تو ملکی و قومی تربیت کے معاشرتی اصولوں کے خلاف ہے، پھر علمی لحاظ سے سب کے لیے کسی طور پر ضروری نہیں۔ دُنیا بھر میں کسی ترقی یافتہ قوم کی مثال ایسی نہیں کہ اس نے کسی ایسی زبان کو اپنے لازم کر لیا ہو۔ جس کا تعلق اس کی اپنی تہذیب سے نہ ہو۔ اس محکومانہ مصلحت کو اب باقی نہیں رہنا چاہیے ــــــــــ جو انگریزی اقتدار کے دور میں تھی۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ انگریزی زبان پر اتنا زور دیے جانے کے باوجود انگریزی کا معیار دن بہ دن گرتا جا رہا ہے۔ انگریزی پڑھنے والے سب ہی ہیں لیکن انگریزی پڑھانے والے لائق اساتذہ بہت کم ہیں۔ انگریزی زبان کے اکثر اساتذہ اس زبان پر مکمل عبور کے حامل نہیں کہے جا سکتے۔ چنانچہ طلبہ کے لیے انگریزی کی بہتر تدریس کسی طور پر ممکن نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج جو طلبہ بی اے تک انگریزی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان میں سے اکثر صحت کے ساتھ نہ لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم انگریزی زبان اور ادب کو بہرحال انگریزی ذریعۂ اظہار کے تحت ہی پڑھتے ہیں۔ انگریزی کے وسیلہ سے ہم جس طرح دوسرے مضامین میں کورے رہ جاتے ہیں، اسی طرح خود انگریزی سے بھی نابلد ہی رہتے ہیں۔ ہماری ساری محنت اسم، فعل، صفت کی انگریزی میں تعریفیں رٹنے میں صرف ہو جاتی ہے! اور زبان کا فہم اور سلیقہ پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے اسباق بھی جو مضامین اور شاعری وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں، ہماری سمجھ سے بالا ہی رہتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ مناسب ہوگا کہ :۔

(۱) ـــــ انگریزی پڑھنے والوں کی تعداد کو کم کیا جائے اور صرف وہی لوگ انگریزی پڑھیں جو خاص علمی مفادات رکھتے ہوں۔

ـــــــــ یہ تعداد اس طرح کم ہو سکتی ہے کہ انگریزی صرف چند درجوں میں لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جائے اور زیادہ توجہ کے ساتھ پڑھائی جائے اور باقی درجوں سے خارج کر دی جائے جب تعداد کم ہوگی تو اساتذہ بھی کم درکار ہوں گے اور اس طرح لائق اساتذہ کی فراہمی کا مسئلہ بہت حد تک کم ہو جائے گا۔

ـــــــــ ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ انگریزی زبان کی غیر ضروری تدریس کے کم ہونے سے طلبہ اپنی محنت، اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کو کسی اور مزید مضمون میں استعمال کر سکیں

گے۔ نئے نصاب میں اسلامیات اور مطالعۂ پاکستان کی ضرورت بجا طور پر محسوس کی گئی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انگریزی کو محدود کر کے عربی زبان نصاب میں انگریزی کے بقیہ درجات میں شامل کر لی جائے۔ اس سے ہماری نہ صرف دینی ضرورت پوری ہو سکتی ہے، بلکہ دنیائے اسلام سے ہمارے تعلقات مزید قریب ہو سکتے ہیں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ریاضی یا سائنس بھی لازمی مضامین کی حیثیت سے پڑھائے جائیں۔

(۳)۔ انگریزی زبان اور ادب کو بھی اردو میں پڑھایا جائے۔

—— اس تجویز پر یہ اعتراض کہ ہر زبان کے ادب کو اسی زبان میں پڑھنا چاہیئے معقول نہیں ہو سکتا۔ آخر ہمارے اکابر انگریزی زبان کے سہارے فرانسیسی، جرمن اور دوسری مغربی زبانوں کے ادب کو پڑھتے ہی رہے ہیں۔ اور اس طرح عربی، فارسی، سنسکرت اور دیگر مشرقی ادبیات کو برطانیہ اور امریکہ میں انگریزی میں پڑھا جاتا ہے۔ جب ان زبانوں کے ادب کو انگریزی میں پڑھا جا سکتا ہے تو انگریزی زبان اور ادب کو اردو میں کیوں نہیں پڑھا جا سکتا؟ اس سلسلے میں یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح طالب علموں کو انگریزی زبان میں اظہارِ خیال پر پوری قدرت حاصل نہ ہو سکے گی۔ اگر اظہار پر قدرت حاصل نہ ہو سکے تو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ اچھی انگریزی لکھ بول لینا اور علم حاصل کرنا کچھ لازم و ملزوم تو نہیں۔ فرانس، جرمنی اور روس وغیرہ کے وہ علمائے ادب جو انگریزی نہیں جانتے جاہل تو نہیں کہے جا سکتے۔

اگر انگریزی زبان اور ادب اردو میں پڑھائے جائیں تو نہ صرف زبان اور ادب کا بہتر فہم پیدا ہو سکے گا بلکہ انگریزی زبان کے وہ اصول و قواعد اور ادب کے وہ تصورات اور شاہکار جو انگریزی میں اعلیٰ اسناد حاصل کرنے کے باوجود پوری طرح ہماری دسترس میں نہیں ہوتے ہماری گرفت میں آ جائیں گے۔

قارئین "اخبارِ اردو" کے پُر زور اصرار پر موجودہ شمارہ سے "اخبارِ اردو" کے صفحات میں آٹھ صفحات کا اضافہ کیا جا رہا ہے، متعدد وجوہات کے سبب فی الحال اسے پندرہ روزہ شائع کرنا ممکن نہیں —— اُمید کہ قارئین کی آراء اور مشورے ہمیشہ حاصل ہوتے رہیں گے۔

مُدیر

یارانِ نکتہ داں کے لیے

"ذیل میں جناب ثاقب رزمی صاحب کا ایک اہم مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے اس میں بعض اہم اور قابلِ غور مسائل پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہ مسائل تمام قارئین اور متعلقہ اداروں کی توجہ کے مستحق ہیں۔ اگر آپ ان مسائل اور ان کے حل کے بارے میں کچھ سوچتے ہیں اور کچھ لکھنا چاہیں ـــــ تو "اخبارِ اردو" کے صفحات حاضر ہیں۔"

اُردو زبان میں نراجیت

ـــــ تحریر: ثاقب رزمی ـــــ

اُردو زبان اپنے جلو میں برصغیر کی تمام جدید سیاسی، معاشرتی اور علمی تحریکوں کا ورثہ سمیٹے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام جدید تحریکوں کا آغاز برطانوی اقتدار سے ہوتا ہے۔ اس لیے اُردو زبان کا دامن انگریزی زبان کی سیاسی، معاشرتی اور علمی اصطلاحوں سے بھرا ہے، جن کے بغیر اُردو زبان جدید معاشرتی زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں تک انگریزی زبان کی علمی اصطلاحوں کے تراجم کا تعلق ہے، اُردو زبان میں ایک نراجیت پھیلی ہوئی ہے۔ ہر جدید اسکالر اور ادیب انگریزی زبان کی مطلوبہ اصطلاحوں کا ترجمہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے اور یہ مشقِ ستم ایک بہت طویل مدت پر محیط ہے اور آج بھی جاری ہے۔ جہاں تک انگریزی اصطلاحوں کا تعلق ہے، اُردو زبان ایک لامرکزیت سے دوچار ہے۔ یعنی کوئی ایسا مرکز نہیں جسے حتمی اقتدار حاصل ہو اور جسے ہر اسکالر اور ادیب حرفِ آخر مانے۔ میرے خیال میں یہ صورتِ حال اس لیے موجود ہے کہ جتنی انگریزی اصطلاحوں کے ترجمے ہو چکے ہیں، وہ کسی ایک مرکز کی طرف سے انتہائی تحقیق، جاں فشانی اور قطعیت کے ساتھ نہیں ہوئے۔ اس صورتِ حال کا لابدی نتیجہ یہ ہے کہ اُردو اسکالر اور ادیب اپنے ایک ہی مضمون میں مختلف مقامات پر ایک ہی جدید اصطلاح کو کہیں انگریزی میں لکھ دیتے ہیں اور کہیں اُس کے دو تین مختلف ترجمے دے دیتے ہیں۔

اُردو زبان کی موزونیت کو برقرار رکھنے سے تغافل کا یہ عالم ہے کہ کہیں ہائے ہوز اور ہائے دوچشمی (ہندی) کا امتیاز ختم کر دیا جاتا ہے۔ دہی کو دھی، آگہی کو آگھی، دھول کو دہول یا دھندا کو دہندا لکھ دیا جاتا ہے اور کہیں بعض غلط الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کراہت کو کراہیت لکھ دیا جاتا ہے اور وحدانیت کو بمعنی وحدت (جیسے فکر کی وحدت کی جگہ فکر کی وحدانیت) استعمال کیا جاتا ہے۔

میں نے اُردو زبان میں نراجیت دکھانے کے لیے اس مضمون کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ غیر ملکی شخصیات کے نام
۲۔ اُردو میں مستعمل انگریزی الفاظ
۳۔ یائے نسبتی اور یائے معروف کا استعمال

۴۔ اصطلاحوں کا ترجمہ اور دوسرے اہم الفاظ

جہاں تک اُردو زبان میں اس مزاجیت کا تعلق ہے، یہ ایک بحرِ ذخار ہے۔ میں نے یہاں صرف کچھ الفاظ پیش کئے ہیں جنہیں میں مطالعہ کے دوران مختلف کتابوں سے اکٹھا کرتا رہا۔

۱۔ غیر ملکی شخصیات کے نام

اُردو زبان میں غیر ملکی شخصیتوں کے ناموں کے صحیح ہجوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ حالانکہ ثقافتی سطح پر ملکی یا غیر ملکی شخصیات کے ناموں کی صحیح املا معاشرتی آداب میں شامل ہے۔ اُردو میں کسی غیر ملکی شخصیت کے نام کو ہر ادارہ اپنی مرضی کے مطابق ایک نئی شکل میں لکھ دیتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک نام کی کئی شکلیں اُردو تحریروں میں موجود ہیں۔ اس صورتِ حال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں قومی سطح پر کوئی مقتدر ادارہ نہیں جو اس ضمن میں تمام صحافیوں اور ادیبوں کی رہنمائی کرے۔ اس کے مقابلے میں انگلستان میں ایسا ادارہ موجود ہے جو غیر ملکی ناموں کے ہجے مقرر کرتا ہے۔ اور پھر ناموں کی وہی شکل تمام اخباروں اور تصنیفوں میں اختیار کی جاتی ہے۔ روس کے سابق وزیراعظم خروچیف کے نام کو انگریزی میں Khrochev لکھا گیا جو آج تک ایک ہی شکل میں مروج ہے۔ لیکن اُردو میں اس نام کو تیرہ شکلوں میں لکھا گیا جن میں سے دس شکلیں مجھے یاد ہیں جو یہاں درج کی گئی ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں۔ ذرا نیرنگیٔ اشکال ملاحظہ کریں:

Jung (نفسیات دان) ۔ ژونگ ۔ یونگ ۔ ژنگ ۔ جُنگ ۔ ژانگ ۔ ژنگ ۔

Freud (نفسیات دان) ۔ فرائیڈ ۔ فرائڈ ۔

Einstein : آئن سٹائن ۔ آئن شٹائن ۔ آئنسٹین ۔ اسٹائن ۔

Fichte : فِکٹے ۔ فشٹے ۔ فختے ۔ فشتے ۔

Khrochev : خروشچوف ۔ خراشیف ۔ خرشچوف ۔ خواشچف ۔ خروشچف ۔ خروشچیف ۔ خرشچف ۔ خرشچیف ۔ خراشوف ۔ خروشچاف

F. Engels : اینگلس ۔ اینگلز ۔ ایجلس ۔ ایجلز ۔

L. Feurboch : فیورباخ ۔ فیورباش ۔

Rousseau : رُوسو ۔ رُوسیو ۔

Heracleides : ہیراتلیطس ۔ ہراتلیطس ۔ ہراق نطوس ۔ ہیراکلائیڈس ۔

Epicurus : ابیقورس ۔ ابیقورس ۔ ایپی کورس ۔ ایپی کیورس

Spinoza : اسپی نوزا ۔ اسپائنوزا ۔ سپینوزا ۔

Schopenhanar : شوپنہار ۔ شوپنہاور ۔ شوپنہائر ۔ شوپن ہائر ۔

Nietzsche : نیٹشے ۔ نیشٹے ۔ نیتشے ۔ نیطشے ۔ نیٹشے ۔ نطشے ۔

Goethe : گوئٹے ۔ گیٹے ۔

Machiavelli : ماکیاویلی ۔ ماکیاولی ۔ مکیاولی ۔ میکیاولی ۔ میکاولی ۔

Mayakovsky : مایاکووسکی ۔ مایاکوفسکی ۔ ماؤکووسکی ۔ میاکووسکی ۔

Welsa (پولینڈ کا مزدور لیڈر) ۔ والسا ۔ ولسا ۔ ویلسا ۔ ویلزا ۔ ولیزا ۔

۲- اُردو میں مستعمل انگریزی الفاظ :

ذیل میں اُردو میں مستعمل چند انگریزی الفاظ مثال کے طور پر دیئے گئے ہیں جو ایک سے زیادہ شکلوں میں لکھے جاتے ہیں۔ ویسے تو اُردو زبان میں ہزاروں انگریزی الفاظ ایک سے زیادہ شکلوں میں مستعمل ہیں:

Propaganda	: پروپیگنڈہ ۔ پراپاغنڈا ۔ پروپاغنڈا ۔ پراپاگنڈا ۔ پروپاگنڈا ۔ پروپیگنڈا ۔
Reichstag	: ریختاک ۔ ریشتاغ ۔ رائشتاک ۔ رائشتاغ ۔ ریش
People's	: پیپلز ۔ پیپلس ۔ پیوپلس ۔
Madam	: میڈیم ۔ مادام ۔ مدام ۔
Ego	: ایغو ۔ ایجو ۔ اِیگو
Tax	: ٹیکس ۔ ٹکس
Bank	: بینک ۔ بنک
Utopia	: یوٹوپیا ۔ ایوپیا ۔ ٹیوپیا ۔ یطوبیہ ۔
Reformation	: ریفارمیشن ۔ ریفرمیشن ۔
Catholic	: کیتھولک ۔ کیتھلک ۔
Protestant	: پروٹسٹنٹ ، پراٹسٹنٹ ۔
Technique	: تکنیک ۔ ٹکنیک ۔ ٹیکنیک ۔ تیکنیک ۔
Brothers	: برادرس ۔ برادرز ۔
Hamdard's	: ہمدردس (ہمدردز) ۔ یعنی ہمدرد دواخانہ کا ۔
Academy	: اکاڈمی ۔ اکادمی ۔ اکاڈیمی ۔ اکیڈمی ۔ اکیڈیمی ۔
Category	: قاتی غورے ۔ کاتی گوری ۔ کیٹاگری ۔
Technology	: ٹیکنالوجی ۔ تکنالوجی ۔ ٹکنالوجی ۔
Residency	: ریذیڈنسی ۔ ریزیڈنسی ۔ رزیڈنسی ۔ رذیڈنسی ۔
Hospital	: ہسپتال ۔ ہوسپیٹل ۔
Mechanical	: مکانکی ۔ میکانکی ۔ مکانی ۔ میکانی ۔ میکانیکی ۔ میکانیاتی ۔
Classical	: کلاسکی ۔ کلاسیکی ۔
Mechanics	: میکانکس ۔ مکانی ازم ۔ میکانزم ۔ مکانیت ۔ میکانیت ۔ میکانکیت ۔

۳- یائے نسبتی اور یائے مفعولی کا استعمال

سید نذیر نیازی لکھتے ہیں :

"حضرت علامہ کا اصرار تھا کہ غایاتی کی بجائے غائی کہا جائے۔ چنانچہ مترجم نے جب Cosomological کو 'کونیاتی' اور Ontological کو 'وجودیاتی' لکھا تو فرمایا کہ 'یاتی' کا اضافہ کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا 'غایاتی' کو 'غائی' ہی کہیے۔ مترجم کی رائے بھی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو 'یاتی' سے احتراز ہی بہتر ہے۔"
(تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" ترجمہ از سید نذیر نیازی) ۔

یہ ٹھیک ہے کہ 'یاتی' کے غیر ضروری استعمال سے احتراز کیا جائے اور جائز استعمال سے کام لیا جائے جیسے 'ترقیاتی' میں 'یاتی' کا استعمال ضروری ہے۔ ذیل میں 'یاتی' کے ترک و اختیار کی چند مثالیں دی جاتی ہیں:

Biological : علم الحیاتی ۔ علم الحیاتیاتی ۔ حیاتی ۔ حیاتیاتی ['حیاتیات' کو علم حیاتیات کہنا حشو محض ہے کیونکہ 'حیاتیات' تو ایک علم ہی ہے۔ یہاں ہم 'حیاتی' نہیں، بلکہ 'حیاتیاتی' ہی ترجیح کریں گے۔ کیونکہ 'حیاتی' کا لفظ دوسرے مواقع پر استعمال ہوتا ہے اور 'حیاتیات' سے اس کا تعلق ظاہر نہیں ہوتا]

Actual : واقعیاتی ۔ واقعی [واقعی ہی مستعمل ہے]

Economics : اقتصادی ۔ معاشی ۔ معاشیاتی ۔ معیشی ۔ معاشی و اقتصادی ۔ اقتصادیاتی (بابائے اردو کے زمانے میں انجمن ترقی اردو نے Economics کے لیے 'معاشیات' کو اپنایا تھا۔ اس لحاظ سے یہاں صرف لفظ 'معاشی' ہی درست ہے]

Geographical : جغرافیائی ۔ جغرافیاتی ۔ جغرافی ['جغرافیائی' ہی زیادہ مستعمل ہے]

استعاری ۔ استعاراتی : ['استعاری' ہی درست ہے۔ یائے مفعول 'استعارات' یعنی صیغۂ جمع کے ساتھ کیوں لگائی جائے]

Physical : طبیعی ۔ طبعی ۔ طبیعیاتی ۔ طبعیاتی ۔ طبیعاتی [لفظ 'طبیعی' ہی درست ہے۔ "اصطلاحات" کے عنوان کے تحت 'طبیعات' دیکھیے]

جبلی ۔ جبلتی : ['جبلی' جیسا مناسب پہلے سے موجود ہے]

تحقیقی ۔ تحقیقاتی : ['تحقیقی' ہی درست ہے جیسے 'استعاری'، البتہ محکمہ پولیس میں "تحقیقاتی رپورٹ" کہنا درست ہے]

حسی ۔ حسیاتی : ['حسی' ہی درست ہے جیسے 'تحقیقی']

Epistemological : علمی، علمیاتی [یہاں 'علمیاتی' درست ہے کیونکہ Epitemology کا ترجمہ 'علمیات' ہے لفظ 'علمی' عام موقعوں پر استعمال ہوتا ہے]

Dialectical : جدلی، جدلیاتی ۔ ڈائیلکٹکی ['جدلی' درست ہے۔ کیونکہ 'جدلیاتی' میں 'یاتی' کا استعمال غیر ضروری ہے]

اسلوبی ۔ اسلوبیاتی : ['اسلوبی' درست ہے جیسے 'حسی']

Psychological : نفسیاتی ۔ نفسی ۔ نفسانی ['نفسیاتی' درست ہے۔ باقی دونوں الفاظ الگ الگ موقعوں پر استعمال ہوتے ہیں۔ نفسی تو Psychic کا ترجمہ ہے]

۔ معالجۂ نفسیاتی ۔ نفسیاتی معالجہ ۔ نفسیاتی علاج ۔ معالجۂ نفسی ۔ نفسی علاج [صرف 'نفسیاتی معالجہ یا علاج' کہنا درست ہے]

۔ آلاتی ۔ آلیاتی : [صرف 'آلاتی' درست ہے]

۔ قبائلی ۔ قبیلی ۔ قبیلہ جاتی : ['قبائلی' درست ہے۔ کیونکہ یہ لفظ پہلے سے اردو میں کثرت سے مستعمل ہے]

Physiological : عضوی ۔ اعضائی ۔ عضویاتی ['عضویاتی' درست ہے۔ 'اعضائی' مضحکہ خیز ہے جب کہ 'عضوی' عام موقعوں پر استعمال ہوتا ہے]

Teleological : غائی ۔ غایاتی ۔ غائی ['غائی' جیسا فصیح لفظ ہی کافی ہے]

Qualitative : کیفیتی ۔ کیفی ۔ کیفیاتی [یہاں 'کیفیتی' انگریزی اصطلاح کا ایک واضح ترجمہ ہے]

Qualitative : کیتی ۔ کمی ۔ کمیاتی ['کمیتی' ہی واضح ترجمہ ہے جیسے 'کیفیتی']

Material-Materialistic : مادی ۔ مادیتی ۔ مادیاتی ['مادی' ہی موزوں لفظ ہے]

Metaphysical : مابعدالطبیعی ۔ مابعدطبیعی ۔ مابعدالطبیعاتی ['مابعدطبیعی' ہی درست ہے]
بعدطبیعاتی ۔ مابعدطبیعاتی

Dynamic : حرکی ۔ حرکیاتی ['حرکی' ہی درست ہے]

Empirical : تجربی ۔ تجرباتی ۔ تجربیاتی ['تجربی' ہی مناسب لفظ ہے]

Cosmological : کونی ۔ کونیاتی ['کونی' ایک عام لفظ ہے۔ 'کونیاتی' درست ہے کیونکہ یہ کونیات Cosomology سے متعلق ہے]

Cosmogonical : تکوینی ۔ تکوینیاتی ['تکوینی' درست ہے کیونکہ یہ اردو میں پہلے سے ایک اصطلاح کے طور پر مستعمل ہے]

۴ ۔ اصطلاحوں کا ترجمہ اور دوسرے اہم الفاظ :

Renaissance : نشاۃ ثانیہ ۔ نشاتِ ثانیہ ۔ نشاۃ جدیدہ ۔ نشاتِ جدیدہ [ایک انگریزی لفظ کے لیے اردو میں چار الفاظ مروج ہیں ۔ اگرچہ 'نشاۃ ثانیہ' زیادہ مستعمل ہے]

Medieval Ages : قرونِ وسطیٰ ۔ قرونِ متوسط ۔ قرونِ متوسطہ [تین الفاظ مروج ہیں ۔ اگرچہ 'قرونِ وسطیٰ' زیادہ مستعمل ہے]

Pure Reason : عقلِ محض ۔ عقلِ خالص [اردو میں دو الفاظ مروج ہیں ۔ اگرچہ 'عقلِ محض' زیادہ مستعمل ہے]

Historical Materialism : تاریخی مادیت ۔ مادیتِ تاریخیہ ۔ تاریخی مادہ پرستی [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ 'تاریخی مادیت' زیادہ مستعمل ہے ۔ 'مادیتِ تاریخیہ' میں فارسی اور عربی کا رنگ اردو زبان کے رنگ پر غالب ہے جو انجمن ترقی اردو کے اپنائے ہوئے اصولوں کے خلاف ہے، جب کہ تاریخی مادہ پرستی' ایک سوقیانہ اصطلاح ہے]

Scientific Knowldge : سائنسی علم ۔ سائنٹیفک علم ۔ حکمیاتی علم ، [اردو میں تین الفاظ مروج ہیں ۔ اگرچہ 'سائنسی علم' زیادہ مستعمل ہے]

واقعیت پرستی ۔ واقعیت پسندی : [اردو میں لفظ 'پرستی' بے جا طور پر بھی مروج ہے ۔ 'واقعیت پسندی' اور 'رومان پسندی' زیادہ مستعمل ہے]
رومان پرستی ۔ رومان پسندی

جنس پرستی ۔ جنس زدگی : ['جنس زدگی' ہی درست ہے]

ظاہر پرستی ۔ ظواہر پرستی : [یہاں لفظ 'پرستی' اپنے صحیح معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ لیکن 'ظاہر' کو 'ظواہر' اور 'مظہر' کو 'مظاہر' میں یعنی صیغہ جمع میں لانے کی کیا ضرورت ہے ۔ 'ظاہر پرستی' اور 'مظہر پرستی' زیادہ مستعمل ہیں]
مظہر پرستی ۔ مظاہر پرستی

فکری نظام ۔ تفکری نظام : ['فکری نظام' ہی درست ہے]

Vested Interests : مفادِ پیوستہ ۔ ذاتی مفاد ۔ متعینہ مفاد [ایک لفظ کے لئے اردو میں تین لفظ مروج ہیں ۔ اگرچہ 'ذاتی مفاد' زیادہ مستعمل ہے ۔ کیونکہ ذاتی مفاد پیوستہ بھی ہوتا ہے اور متعینہ بھی]

Hedonism : لذت پرستی ۔ مادیاتی مذہب عشرت ۔ مذہب لذتیت [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اردو میں سات

نظریۂ لذتیت، لذتیت، لذت پسندی، لذتیت پسندی اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'لذتیت' اور 'لذتیت پسندی' زیادہ مستعمل ہیں]

Classism : کلاسکیت - کلاسیکیت [اردو میں 'کلاسیکیت' زیادہ مستعمل ہے۔ اس سے اسم صفت 'کلاسکی' کی بجائے کلاسیکی بن سکتا ہے]

Sublimation : ابالہ - تہذیب - تصعید - ارتفاع - ترفع [اردو میں پانچ اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'جمالیات' اور 'نفسیات' میں 'ارتفاع' ہی مستعمل ہے۔ لفظ ابالہ مشرقی طب اور طبیعیات (برق مقناطیس) کی اصطلاح ہے۔ پروفیسر محمود انور (مرحوم) نے اپنی تصنیف 'جدید طبیعیات کا تعارف' (مطبوعہ مجلس ترقی ادب) میں Induction کا ترجمہ ابالہ کیا ہے]

Psycho-Analyses : تشخیص نفسی - تجزیۂ نفسی - نفسیاتی تجزیہ [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اردو میں پانچ اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'تحلیل نفسی' زیادہ مستعمل ہے] تحلیل نفسی - نفسیاتی تحلیل۔

Inferiority Compl : احساس کمتری - واہمہ کمتری - احساس کہتری [اردو میں تین الفاظ ہیں۔ اگرچہ 'احساس کمتری' زیادہ مستعمل ہے]

Privileged Class : مراعات یافتہ طبقہ - امتیازی طبقہ - ممتاز طبقہ [اردو میں تین الفاظ ہیں۔ اگرچہ 'مراعات یافتہ طبقہ' زیادہ مستعمل ہے]

Productivity : پیداوری - پیداآوری - بارآوری - ثمرآوری - زرخیزی [ایک انگریزی لفظ کے لیے اردو میں پانچ الفاظ مروج ہیں۔ اگرچہ معاشیات کی اصطلاح کی حیثیت سے 'پیداآوری' زیادہ مستعمل ہے]

Physiology : علم عضویات - علم العضویات - علم افعال الاعضا [اردو میں سات اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'عضویاتی' عضویات - جسمانیات - خاصیت بدن زیادہ مستعمل ہے] علم اعمال وافعال اعضا۔

Archaeology : اثریات - حفریات - علم آثار قدیمہ [اردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں]

Absoluteness : کلیت - مطلقیت - اطلاق [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اردو میں تین الفاظ مروج ہیں۔ اگرچہ 'مطلقیت' زیادہ مستعمل ہے۔ اردو زبان میں Absolutism کا ترجمہ بھی 'مطلقیت' ہے۔ اس طرح 'مطلقیت' دو معانی میں مستعمل ہے۔ اردو میں 'اطلاق' Application کا ترجمہ ہے۔

'اطلاقی سائنس' - Applied Science

'اطلاقی نفسیات' - Applied Psychology

'اطلاقی سماجیات' - Applied Sociology

جیسی اصطلاحیں اردو میں پہلے ہی مروج ہیں]

Primitive : بدائیت ۔ ابتدائیت [اردو میں دو اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'ابتدائیت' زیادہ مستعمل ہے۔ کیونکہ اس سے اس انگریزی اصطلاح کے تمام معانی ادا ہو جاتے ہیں]

Thesis : تخلیق ۔ دعویٰ ۔ نظریہ ۔ تصدیق ۔ مقالہ ۔ موضوع ۔ بحث ۔ [اردو میں چار اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'دعویٰ' زیادہ مستعمل ہے ۔ یہ فلسفے کی اصطلاح ہے۔ اس لیے یہاں مقالہ، موضوع اور بحث غیر متعلق ہیں]

Antithesis : نفی۔ ضدِ دعویٰ ۔ ردِّ دعویٰ ۔ تردید۔ ضدِ تامیم ۔ تضاد [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اردو میں چھ اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ 'ضدِ دعویٰ' زیادہ مستعمل ہے ۔ یہ ترجمہ جناب باری علیگ (مرحوم) نے کیا ہوا ہے)

Synthesis : تخلیقِ جدید ۔ ترکیب ۔ ائتلاف [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'ائتلاف' زیادہ مستعمل ہے۔ اس انگریزی اصطلاح کی تعریف یہ ہے۔ "مختلف اجزا کو خصوصاً مختلف خیالات ، قضایا حقائق کو اس طرح باہم آمیز کیا جائے کہ ایک نیا نظریہ یا نظام تشکیل پا جائے " اس کے مقابلے میں 'ائتلاف' کی تعریف یہ ہے : "مختلف عناصر کو خصوصاً مختلف خیالات ، قضایا حقائق کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ وہ ایک نئی شکل میں ڈھل جائیں ۔ ' ترکیب ' میں مختلف اجزا باہم مل جاتے ہیں لیکن باہم مل کر بھی الگ الگ رہتے ہیں اور نئی شکل اختیار نہیں کرتے ۔ 'تخلیقِ جدید' اس اصطلاح کا ترجمہ نہیں بلکہ معانی ہیں۔ کیونکہ 'ائتلاف' ایک نئی تخلیق ہوتا ہے جو جدلی آہنگ کے بعد جنم لیتی ہے اس کے ساتھ ہی ' Association ' کا ذکر بھی ضروری ہے جو نفسیات کی ایک اصطلاح ہے اور اردو میں جس کا ترجمہ 'ائتلاف' نہیں بلکہ 'تلازم' ہے ۔ 'تلازم' کی تعریف ، یہ " نفس کے عناصر کے درمیان ایک رابطہ ہے جو کسی عنصر کے نمودار ہونے کا سبب بنتا ہے۔ یہ موضوع اور معروض میں تعامل کے دوران جنم لیتا ہے " 'تلازم' نفسیات کی اصطلاح کی حیثیت سے پہلے سے اردو میں مستعمل ہے ۔ پروفیسر کرامت حسین نے اپنی کتاب "مبادیاتِ نفسیات" میں Association کا ترجمہ 'تلازم' ہی کیا ہے)

علم الکلام ۔ علمِ کلام : (کئی مصنف 'علم الکلام' کو علمِ کلام لکھ دیتے ہیں جو ایک غیر مانوس اور اجنبی لفظ معلوم ہوتا ہے ۔ اردو میں 'علم الکلام' ہی مستعمل ہے)

Physics : علم الطبیعات ۔ طبیعات ۔ علم طبیعات ۔ طبعیات ۔ طبیعیات [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اردو میں پانچ اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ طبعیات ، زیادہ مستعمل ہے ۔ لفظ 'طبی' مشرقی طب میں زیادہ مروج ہے جبکہ 'طبیعی' مظاہر فطرت سے

متعلق ہے۔ 'طبعیات' میں 'طبیعی' کی ی حذف ہو جاتی ہے
اور 'طبعیات' کا تعلق 'طبعی' سے ہے۔ پروفیسر محمود الزور (مرحوم)
نے اپنی تصنیف "جدید طبیعیات کا تعارف" میں Physics
کا ترجمہ "طبیعیات" کیا ہے]

Rationalism : عقلیت۔ عقلیت پسندی۔ عقل پسندی۔ عقلیت پرستی [اُردو میں چھ اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'عقلیت'
عقلیت پرستیت۔ استدلال پسندی۔ اور 'عقلیت پسندی' زیادہ مستعمل ہے]

افلاطونیت جدیدہ۔ نوافلاطونیت : [' نوافلاطونیت' اُردو میں پہلے سے مستعمل ہے]

Dead Capital : مُردہ سرمایہ۔ بے جان سرمایہ [" مُردہ سرمایہ" کہنا زیادہ فصیح ہے]

Living Capital : زندہ سرمایہ۔ جاندار سرمایہ [' زندہ سرمایہ' ہی بہتر ہے جیسے 'مُردہ سرمایہ']

Surplus Value : قدرِ زائد۔ زائد قدر۔ قدرِ فاضل۔ فاضل قدر [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں چار اصطلاحیں مروج ہیں
اگرچہ " قدرِ زائد' زیادہ مستعمل ہے]

Production Relations : پیداواری تعلقات۔ تعلقاتِ پیداوار۔ تعلقاتِ پیدائش [اُردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ' پیداواری تعلقات'
زیادہ مستعمل ہے]

Means of Production : پیداواری ذرائع۔ ذرائعِ پیداوار۔ ذرائعِ پیدائش [اُردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ' ذرائعِ پیداوار' زیادہ
مستعمل ہے۔ انجمن ترقیٔ اُردو کا اپنایا ہوا ایک اصول یہ بھی ہے کہ
جو لفظ یا اصطلاح زیادہ مروج ہو چکا ہے اُسے ویسا ہی اپنایا
جائے]

Supernatural : فوق فطرت۔ فوق الفطرت۔ مافوق الفطرت [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں ایک اصطلاح کی تین
شکلیں مروج ہیں۔ اگرچہ' فوق فطرت' زیادہ مستعمل ہے جس میں
عربی حروف کی ہمزۃ الوسط کا استعمال نہیں]

ماقبل تاریخ۔ قبلِ تاریخ : [' قبلِ تاریخ' زیادہ مستعمل ہے]

Ontology : علم الوجود۔ وجودیت۔ وجودیات [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ' وجودیت'
زیادہ مستعمل ہے۔ یہاں ایک دوسری انگریزی اصطلاح Existentialism
کا ذکر بھی بہت ضروری ہے' جس کا ترجمہ اُردو میں 'وجودیت' ہی ہے اور عام طور پر
مستعمل ہے۔ اس طرح انگریزی کی دو مختلف اصطلاحوں کا ترجمہ اُردو میں ' وجودیت'
ہی ہے اور اس کے نتیجے میں Ontologist اور Existentialist
دونوں کا ترجمہ اُردو میں 'وجودی' ہی ٹھہرتا ہے۔ اس طرح 'وجودیت' اور 'وجودی'
دونوں مغالطہ انگیز ہیں۔ دراصل ' Existentialism ' کا ترجمہ
'موجودیت' ہونا چاہیے' کیونکہ یہ اصطلاح Existent سے بنی ہے جس
کے معنی 'موجود' ہے۔ 'وجود' نہیں۔ اسی بنا پر سید علی عباس جلالپوری نے اپنی تصنیف
" روحِ عصر" میں اس انگریزی اصطلاح کا ترجمہ 'موجودیت' کیا ہے]

Egoism : انائیت۔ انانیت۔ خودیت [اُردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'انائیت' زیادہ مستعمل ہے۔ 'انائیت'

دراصل 'Egotism' کا ترجمہ ہے جس کے معانی Egoism (انائیت) سے بالکل مختلف ہیں۔ اگر 'Egoism' کا ترجمہ 'خودیت' بھی کیا جائے تو اس طرح اردو میں ایک انگریزی اصطلاح کے دو ترجمے ہوں گے یعنی 'انائیت' اور 'خودیت' جو بذاتِ خود ایک قباحت ہے کیونکہ لسانی اصول کے تحت ایک اصطلاح کے کئی معانی تو ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک اصطلاح کے لیے دو الگ الگ لفظ نہیں ہو سکتے۔ پھر 'خودیت' میں اشتقاقی صلاحیت نہیں۔ 'انائیت' سے 'انائی' (اسمِ صفت) بن سکتا ہے۔ جبکہ 'خودیت' سے نہیں بن سکتا]

Psychologist : عالمِ نفسیات۔ اہلِ نفسیات۔ نفسیات دان۔ ماہرِ نفسیات۔ [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اردو میں چار اصطلاحیں مروج ہیں اگرچہ 'نفسیات دان' زیادہ مستعمل ہے۔ اس میں اشتقاقی صلاحیت بھی ہے۔ (اس سے نفسیات دانوں، نفسیات دانی وغیرہ الفاظ بن سکتے ہیں) 'عالم' 'اہل' اور 'ماہر' میں یہ صلاحیت نہیں اور لفظ 'دان' ان الفاظ کے مقابلے میں ایک سادہ اور واضح لفظ بھی ہے]

Teleology / Finalism : غائیت۔ غائیات۔ فلسفۂ غایات۔ غائیتیت [ان دو انگریزی اصطلاحوں کے لیے اردو میں ایک لفظ 'غائیت' سے مشتق چار اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'غائیت' زیادہ مستعمل ہے]

Positivism : اثباتیت۔ ثبوتیت۔ ایجابیت [اردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'ثبوتیت' زیادہ مستعمل ہے]

Apodeictic / Necessity : وجوبیہ۔ وجوبی۔ وجوب [ان دو انگریزی اصطلاحوں کے لیے اردو میں ایک ہی لفظ 'وجوب' مروج ہے۔ اگرچہ لفظ 'وجوب' Necessity کے لیے زیادہ مستعمل ہے]

Anthropomorphism / Personification / Embodiment (ان تین انگریزی لفظوں کے لیے اردو میں ایک لفظ 'تجسیم' مستعمل ہے۔ حالانکہ ان تینوں انگریزی الفاظ کے معانی بہت حد تک الگ ہیں)

Scepticism : حکمتِ شک و شبہ۔ شک پرستی۔ تشکیک پرستی۔ تشکیکیت۔ لاادریت۔ تشکک۔ ارتیابیت۔ تشکیک پسندی۔ فلسفۂ شبہات و شکوک۔ [اردو میں نو اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'تشکیک پسندی' زیادہ مستعمل ہے، اس اصطلاح کے لیے 'لاادریت' بھی مستعمل ہے، حالانکہ 'لاادریت' Agnosticism کا ترجمہ بھی ہے]

Universalism : کلیت پسندی
Totality : کلیت
whole : کل
Universal : کل۔ کلیت
Absolutness : کلیت
(پانچ انگریزی الفاظ کے لیے اردو میں ایک لفظ 'کل' اور اس سے مشتق الفاظ مستعمل ہیں)

Hypothesis : مفروضہ۔ افتراضیہ [اردو میں دو اصطلاحیں مستعمل ہیں۔ البتہ 'مفروضہ' کا استعمال اردو زبان پہلے ہی سے بہت زیادہ ہے]

Economy معیشت۔ اقتصاد [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اردو میں دو اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'معیشت' (کسی قوم کے کاروباری امور اور وسائل کا نظم و نسق) بہت زیادہ مستعمل ہے۔ ان معنوں

میں 'اتقصاد' کا لفظ اُردو زبان کے لیے انتہائی اجنبی اور بے معنی ہے]

Concept : تعقل
Conception : تعقل
Rationality : تعقلیت
Rationalism : تعقلیت
Conceptualism : تعقلیت

[پانچ انگریزی الفاظ کے لیے اُردو میں صرف 'تعقل' اور 'تعقلیت' مستعمل ہیں

Enlightenment : روشن خیالی ۔ اضائت ۔ تنویر [اُردو میں تین الفاظ مروج ہیں]

Expressionism : اظہاریت ۔ انشائیت ۔ باطن نگاری [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'اظہاریت' زیادہ مستعمل ہے]

Fatalism : تقدیر پرستی ۔ تقدیریت ۔ مقدریت ۔ مسئلہ قدر [اُردو میں آٹھ اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'تقدیریت' تقدیریت پسندی ۔ اعتقاد بہ تقدیر ۔ مسئلہ تقدیر زیادہ مستعمل ہے]
عقیدۂ قضا و قدر ۔

Bourgeois : بورژوا [بورژوا اسم صفت ہے یعنی سرمایہ دار طبقہ سے متعلق (جیسے بورژوا ذہنیت)۔ جب کہ
Bourgeoisie : بورژوازی بورژوازی کے معنی ہیں سرمایہ دار طبقہ ۔ لیکن اُردو میں 'بورژوازی' کو 'بورژوائی' لکھ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ 'بورژوائی' 'بورژوا' کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ 'بورژوا' کے ساتھ 'ی' کا اضافہ کر دیا گیا ہے]

Methodology : منہاجیات ۔ طریقیات [اُردو میں دو اصطلاحیں ہیں۔ اگرچہ 'منہاجیات' زیادہ مستعمل ہے]

Morals : اخلاق ۔ اخلاقیات [اخلاقیات' انگریزی اصطلاح 'Ethics' کا ترجمہ ہے۔ اس لیے یہاں 'اخلاق' کہنا درست ہے]

Nihilism : انکاریت ۔ عدمیت [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں دو اصطلاحیں ہیں۔ اگرچہ 'انکاریت' زیادہ مستعمل ہے]

Paradox : مغالطہ ۔ استبعاد ۔ مستبعد ۔ قولِ متناقض [اُردو میں چار اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'مغالطہ' زیادہ مستعمل ہے]

Semantics : علمیات ۔ لفظیات ۔ معنویات [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'لفظیات' زیادہ مستعمل ہے۔ پھر انگریزی اصطلاح **Epistemology** کا ترجمہ بھی 'علمیات' ہے۔ اس طرح دو مختلف انگریزی اصطلاحوں کے لیے اُردو میں ایک ہی اصطلاح ہے]

Stream of Consciousne : سیلِ شعور ۔ شعور کا بہاؤ [اُردو میں دو اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'شعور کا بہاؤ' ہی مستعمل ہے]

Social Animal : معاشرتی حیوان ۔ سماجی حیوان ۔ حیوانِ مجلسی [اُردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں۔ اگرچہ 'سماجی حیوان' زیادہ مستعمل ہے]

Impressionism : ارتسامیت ۔ تاثر نگاری ۔ اثریت [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں پانچ اصطلاحیں مروج ہیں اثر پرستی ۔ تاثریت اگرچہ 'تاثریت' زیادہ مستعمل ہے]

Capitalism : سرمایہ دارنظام ۔ سرمایہ داری نظام [اُردو میں چار اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ 'سرمایہ داری نظام'
سرمایہ دارانہ نظام ۔ سرمایہ داریت زیادہ مستعمل ہیں]

Chauvinism : جارحانہ قوم پرستی ۔ جارحانہ قومیت ۔ جنگ جو وطن پرستی [اُردو میں پانچ اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ
جارحانہ وطنیت ۔ جنگ جویانہ وطن پرستی 'جارحانہ قومیت' زیادہ مستعمل ہے ۔)

Allegory : مجازیہ ۔ تمثیل ۔ مثالیت ۔ مثالیہ نگاری [اُردو میں چھ اصطلاحیں مروج ہیں]
علامت ۔ علامتی بیان

Metaphysics : بعدالطبیعات ۔ مابعدطبیعات ۔ مابعدطبیعیات [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے ایک اُردو اصطلاح کی
مابعدالطبیعات ۔ مابعدطبعیات ۔ مافوق الطبیعات پانچ شکلیں مروج ہیں ۔ اگرچہ 'مابعدطبیعیات' زیادہ
مستعمل ہے ۔)

Mythology : خرافات ۔ دیومالا ۔ علم الاساطیر ۔ علم الاصنام [اُردو میں سات اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ 'دیومالا'
صنمیات ۔ اسطوریات ۔ خرافیات اور 'اسطوریات' زیادہ مستعمل ہیں ۔)

Feudalism : جاگیری نظام ۔ جاگیرداری نظام ۔ جاگیردارانہ نظام [اُردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ
'جاگیرداری نظام' زیادہ مستعمل ہے)

Image : تمثال ۔ خیالی پیکر ۔ مثال ۔ پیکر ۔ شبیہ ۔ ایمیج [ایک انگریزی لفظ کے لیے اُردو میں چھ الفاظ مستعمل ہیں]

Empiricism : عطائیت ۔ تجربیاتیت ۔ انائیت ۔ اختیاریت [اُردو میں چھ اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ 'تجربیت'
تجربیت ۔ حسیت پسندی ۔ زیادہ مستعمل ہے]

Pragmatism : نتائجیت ۔ استنتاجیت ۔ عملیت (اُردو میں پانچ اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ 'عملیت' زیادہ مستعمل ہے)
انتفاعیت ۔ نافعیت ۔

Modernism : جدت پرستی ۔ جدت پسندی ۔ تجدد ۔ تجدد پسندی ۔ جدیدیت [اُردو میں پانچ اصطلاحیں مروج ہیں]

Modernist : تجدد پسند ۔ جدیدیہ ۔ جدت پسند ۔ جدیدیت پسند ۔ [اُردو میں چار اصطلاحیں مروج ہیں)

Ideology : خیال پرستی ۔ علم تصورات ۔ خیالاتی سائنس ۔ حکمیات ۔ فکریات [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو
نظریاتی سائنس ۔ نظام فکروعمل ۔ لائحہ حیات ۔ فکری نظام میں نو اصطلاحیں مستعمل ہیں)

Aesthetics : جمال پرستی ۔ جمال پسندی ۔ جمالیات ۔ حسن شناسیت [اُردو میں چھ اصطلاحیں مروج ہیں ۔ اگرچہ 'جمالیات'
حسن پرستی ۔ جمال شناسی ۔ زیادہ مستعمل ہے]

Formation : ہیئت پرستی ۔ ہیئت پسندی ۔ صوریت [اُردو میں تین اصطلاحیں مروج ہیں]

Signification : علامت دہی ۔ نشان دہی ۔ اعلام دہی [اُردو میں تین الفاظ مروج ہیں]

Symbolism : اشاریت ۔ رمزیت ۔ علامتیت [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں چھ اصطلاحیں مروج ہیں
علامت نگاری ۔ اشارت پسندی اگرچہ 'علامت نگاری' اور 'علامتیت' زیادہ مستعمل ہیں ۔]
اشارت نگاری

یہاں یہ فکر کرنا ضروری ہے کہ اُردو میں 'Sign' کا ترجمہ بھی 'علامت' کیا گیا ہے، گویا 'Symbol' اور 'Sign' دونوں کے لیے اُردو میں 'علامت' ہی ایک اصطلاح ٹھہری، حالانکہ 'Sign' کا صحیح ترجمہ 'اشارہ' اور 'نشان' ہے۔ یہ دونوں

الفاظ اس انگریزی لفظ کے دو مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں)

Classification : درجہ بندی ۔ کلاس بندی ۔ قسم بندی ۔ صنف بندی ۔ اصطفاف [اُردو میں پانچ الفاظ مستعمل ہیں)

Ragimentation : گروہ بندی ۔ جکڑ بندی ۔ گروہ آرائی ۔ جمعیت بندی [اُردو میں چار الفاظ مستعمل ہیں]

Structuralism : ساختیت ۔ ساختیات ۔ تسجیت ۔ تشکیلیت ۔ اسٹرکچرلزم [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں پانچ اصطلاحیں مستعمل ہیں]

Surrealism : ماورائے حقیقت اظہار ۔ سرریلزم ۔ [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں چار اصطلاحیں مستعمل ہیں]
ماورائے حقیقت ۔ ورائیت

Vicious Circle : دوری استدلال ۔ دورِ فاسد [اُردو میں دو اصطلاحیں مستعمل ہیں]

Contents : مندرجات ۔ مشمولات ۔ مافیہ [اُردو میں پانچ الفاظ مستعمل ہیں]
مشتملات ۔ محتویات

Heredity : ارث ۔ وراثت ۔ توارث [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں تین اصطلاحیں مستعمل ہیں]

Behaviourist : بیوہاری ۔ کرداری [اُردو میں دو الفاظ مستعمل ہیں ۔ اگرچہ ،کرداری ، زیادہ مستعمل ہے]

Organism : نامیہ ۔ عضویہ [ایک انگریزی اصطلاح کے لیے اُردو میں دو اصطلاحیں مستعمل ہیں]

مندرجہ بالا مثالوں سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جہاں تک غیر ملکی شخصیات کے ناموں کی املا ، اُردو میں مستعمل انگریزی الفاظ ، یائے نسبتی اور یائے مفعولی کے استعمال اور انگریزی اصطلاحوں کے تراجم کا تعلق ہے ، اُردو میں ایک نراجیت کا دور دورہ ہے ۔ اس نراجیت کو کیسے ختم کیا جائے ؟ یہ ایک بہت اہم اور مشکل سوال ہے جس سے نمٹنا اتنا آسان کام نہیں ۔ لیکن ایک بات حتمی ہے کہ جب تک کوئی ادارہ انگریزی اصطلاحوں کے تراجم کے کارِ خطیر کو انتہائی تحقیق ، جاں فشانی اور بے غرضی کے ایک بہت بڑے آدرش کے طور پر سرانجام نہیں دے گا ، یہ مہم کبھی سر نہیں ہو سکتی ۔ ادارہ جو Sign ، کا ترجمہ ،علامت ، کرتے وقت ، Symbol ، جیسے اہم لفظ کو نہ بھولے ۔

" ہمارے (بعض) سائنس داں انگریزی کے ذریعہ سے سائنس کی تعلیم کے حامی ہیں ۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ انھوں نے انگریزی کے ذریعہ تعلیم حاصل کر کے کونسا تیر مارا ہے ۔ بین الاقوامی شہرت رکھنے والے کتنے سائنس داں ہم نے پیدا کیے اور جو گنے چنے سائنس داں اس حیثیت کے مالک ہیں کیا ان کی یہ ترقی اس لیے ممکن ہوئی کہ انھوں نے انگریزی کے ذریعہ تعلیم حاصل کی ۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنھوں نے انگریزی سے نہیں جرمنی سے فیض پایا ہے ۔ پھر وہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ انگریزی کے بجائے جرمنی میں سائنس کی تعلیم زیادہ مفید ہے "

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
("ادب اور لسانیات" صفحہ ۱۱۱)

مطالعۂ خصوصی

کتاب : قلب
مصنف : ڈاکٹر سید اسلم
ناشر : منشورات ابجد ، کراچی
قیمت : ۳۵ روپے

اردو سائنسی ادب کا شہ پارہ

بہت دنوں کے بعد ایک کتاب سامنے آئی ہے جسے اردو سائنسی ادب کا شہ پارہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ دل باغ باغ ہوگیا۔ دل سے دعا نکلی کہ اللہ لکھنے والے کو خوش رکھے اور پڑھنے والوں کو قلب کی سلامتی عطا فرمائے۔

ڈاکٹر سید اسلم "قلب" کے ماہر ہیں۔ یعنی صرف امراض قلب ہی کے نہیں خود قلب سے بھی ان کا گہرا تعلق ہے۔ انہیں علاج کے ساتھ لوگوں کا دل موہ لینا بھی آتا ہے اور مریض ان کے پاس سے خوش اور پرامید واپس جاتا ہے۔ یہ تو عام باتیں ہیں جو لوگ جانتے ہیں۔ لیکن یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ڈاکٹر سید محمد اسلم کی مہارت صرف قلب ہی تک محدود نہیں ہے ان کو زبان ، بیان بلکہ یوں کہیئے کہ حسن بیان پر بھی ویسی ہی قدرت حاصل ہے۔

دل کا میدان ، جس پر اب تک شاعروں اور عاشقوں کی اجارہ داری تھی ، اس میں ڈاکٹر صاحب کودے اور اس بانکپن سے کودے کہ ہل چل مچ گئی۔

عام سائنسدان جب کوئی کتاب لکھتا ہے تو رسم دنیا کے سبب یا عادتاً مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنے مضمون کے گورکھ دھندوں کی وضاحت کے لیے نپے تلے جملے اور رٹے رٹائے الفاظ استعمال کرے۔ اس سے جو چیز بنتی ہے وہ سائنسدانوں کے لیے قابل فہم ہو تو ہو عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے معمّہ سے کم نہیں ہوتی اور صرف چند لوگوں کے لیے مخصوص اور محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

لیکن جب کوئی سائنسداں ، سائنسداں ہونے کے علاوہ ادیب بھی اور ادب شناس بھی ہو تو پھر وہ جو کچھ لکھتا ہے اس کی کیفیت ایک جڑاؤ زیور کی ہوتی ہے جس میں صحت مضمون کے ڈھانچے پر الفاظ کی حسن کاری نگینوں کا کام کرتی ہے اردو میں قلب پر اور بھی کتابیں لکھی یا ترجمہ کی گئیں ہیں لیکن اب تک ایسی کتاب کسی ماہر قلب نے نہیں لکھی جو مضمون کے ہر گوشے پر مستند اور سیر حاصل بحث ایسی زبان میں کرے کہ افسانہ اور شاعری کا گمان ہونے لگے۔ ڈاکٹر سید اسلم کی کتاب ان سب صفات کی حامل ہے۔ اسے علم و ادب کا خزینہ کہا جائے تو یہ مبالغہ نہیں ہے۔

کتاب شروع ہوتی ہے ایک خوبصورت شعر سے اور ختم بھی ہوتی ہے ایک لطیف شعر پر۔ اس کے درمیان درجنوں اشعار موقع اور محل کی مناسبت سے اس خوبصورتی کے ساتھ سجائے گئے ہیں کہ پڑھنے والے کو شبہ ہونے لگتا ہے کہ شاید صاحب کتاب کی شعر و ادب میں مہارت بلند تر ہے۔ لیکن جب وہ کتاب کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کو اپنے مضمون پر بھی کس درجہ قدرت حاصل ہے اور کیا عمدہ اور کارآمد چیز اردو زبان میں پیش کی گئی ہے اور یہ کیسا احسان پاکستان کے اردو پڑھنے اور جاننے والوں پر ، بلکہ تمام دنیا کے ان لوگوں پر ہے جو اردو جانتے اور سمجھتے ہیں اور الحمدللہ ان کی تعداد پاکستانیوں سے کم نہیں ہے۔

اس کتاب میں فہرست کے لحاظ سے ۱۹ عنوانات ہیں، جن میں قلب، اس کے امراض، گٹھیا کے اثرات، خون کا دباؤ، دواؤں کے نام، عمومی ہدایات، اشاریہ اور ضمیمے نمایاں ہیں۔ لیکن ان سے کتاب کی جامعیت کا اندازہ نہیں ہوتا اس لیے کہ ابواب کی تعداد ۷۲ ہے۔ یعنی کہ ہر عنوان کے لیے باب در باب کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے تاکہ وضاحت کے لیے ہر مضمون کے ٹکڑے الگ الگ زیر بحث آئیں۔ لیکن ابواب کی فہرست بھی ہوتی تو کتاب کے مطالعے میں آسانی ہوتی۔

کوئی باب اٹھائیے، کسی عبارت کو پڑھنا شروع کیجیے، لطف اور حسن بیان سے خالی نظر نہیں آئے گی۔ ابتدا تاریخ سے ہوتی ہے۔ موصوف نے پوری کوشش کی ہے کہ قلب کی تاریخ کو اس کتاب میں مختصراً بیان کر دیا جائے اور چیدہ چیدہ واقعات جو مختلف ابواب سے متعلق ہیں انہیں بھی درج کر دیا جائے اور تاریخی حوالے دیے جائیں۔ سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اردو ادب سے بھی مصنف نے ایسے نادر ٹکڑے منتخب کیے ہیں جو قلب کے احوال پر پوری طرح منطبق ہوتے ہیں اور بیان کو راسخ اور قابل فہم بنانے میں مدد کرتے ہیں۔ پوری کتاب کو دیکھنے کے بعد ہی اندازہ ہوتا ہے کہ ہر باب کو تیار کرنے میں صاحب کتاب کی نظر کہاں کہاں گئی ہے اور کس کس گوشے سے انہوں نے مناسب اور موزوں معلومات جمع کی ہیں۔ مثلاً غذا کے عنوان کو لے لیجیے۔ کتاب میں چھ جگہوں پر اس کا ذکر ہے یہ اطلاعات غذا کے لیے ایک عمدہ اور مکمل اور واضح ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور ہر شخص کے لیے خواہ وہ بیمار ہو یا تندرست نہایت کارآمد ہیں۔

پوری کتاب حسن کاری کا نمونہ ہے۔ ابتدا گلاب کے خوبصورت پھول سے ہوتی ہے اور انتہا پسلی کے ہڈیوں میں مقید قلب اور قلبی نگارشں کی مختلف تصویروں پر۔ مضمون کی وضاحت بے شمار تصویروں سے کی گئی ہے۔ سات سو بیس صفحے کی کتاب میں مشکل سے چند صفحات ہوں گے جن میں کوئی تصویر یا نقشہ نہیں ہے اور پھر کتاب کے ابواب کو سرخ کاغذ سے کچھ اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ یہ عنوانات الگ الگ ایک مکمل کتابچہ بن جاتے ہیں۔ کتاب کی گراں قدری کا اندازہ آخر کے ضمیمے، اشاریے، فرہنگ اصطلاحات اور قلبی دواؤں کی فہرست سے ہوتا ہے۔

فرہنگ میں ڈاکٹر صاحب نے یہ کیا ہے کہ اردو اصطلاحات کے انگریزی مترادفات اور مصطلحات کو اردو رسم الخط میں لکھا ہے اور پھر ان کی وضاحتیں کی ہیں۔ میرے خیال میں ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ آخر جب انگریزی زبان کے لکھنے والے ہمارے علوم کا ذکر کرتے ہیں یا ہماری اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں تو ان کو ہمارے رسم الخط میں نہیں اپنے ہی رسم الخط میں لکھتے ہیں۔ پھر ہم کیوں مجبور ہیں کہ خواہ مخواہ اپنی کتابوں میں انگریزی الفاظ ڈال ڈال کر ان کے حسن کو خراب کریں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کام بھی قابل تقلید ہے۔ ہاں یہ ضرور کرنا ہے کہ جب انگریزی الفاظ کو اردو رسم الخط میں لکھا جائے تو اس میں املا کی قطعیت ہونی چاہیئے اور یہ قاعدہ ہر دخیل لفظ پر استعمال کرنا چاہیئے۔ یہاں پر یہ ذکر ضروری ہے کہ اپنی کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے فنی اصطلاحات میں اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے۔ مثلاً وہ شریان کو لال رگ اور ورید کو نیلی رگ کہتے ہیں۔ جس کا جواز وہ یہ دیتے ہیں کہ وہ اسے عوام الناس تک پہنچانا چاہتے ہیں اس کے علاوہ انہوں نے عربی ترکیبوں کو بھی کثرت سے استعمال کیا ہے۔ جس کا جواز یہ ہے کہ عالم اسلام میں طبی الفاظ کی بڑی حد تک یکسانیت ہونی چاہیئے۔

ضمیمے جو کتاب کے آخر میں درج ہیں نہایت مفید ہیں۔ غذا میں روغن کی مختلف اقسام کا توازن، مختلف غذا کی اشیاء میں کولیسٹرول کی مقدار، قد کے لحاظ سے پسندیدہ وزن — خون کو پتلا کرنے والی دوائیں اور ان کے استعمال میں احتیاط، مصنوعی مستقل قدم ساز یعنی دل کی رفتار استوار رکھنے والا برقی آلہ اور آخری ضمیمے میں خون کے اندر کے مختلف مرکبات کی مقدار بتائی گئی ہے۔ ان میں مندرج معلومات نہ صرف مریضوں بلکہ صحت مند لوگوں کے لیے مفید اور کارآمد ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی کتاب کا پینتیسواں باب "پس چہ باید کرد" ایسا باب ہے جسے نہ صرف مریض بلکہ ہر ایسے شخص کو مطالعہ کرنا چاہیئے جو اپنی صحت کو فوری طور پر نہیں

بلکہ آئندہ کے لیے درست رکھنا چاہتا ہے۔

کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی جسامت کچھ ایسی رکھی گئی ہے کہ ۲۰۷ صفحات کے باوجود اسے آسانی کے ساتھ ہاتھ میں رکھا جا سکتا ہے اور اسی آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی جلد بندی جز بندی کے ساتھ ہوئی ہے اور کتاب پوری طرح کھل جاتی ہے۔

کتاب کے ہر صفحہ میں صحت بیان کا اس درجہ خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی عیب نکالنا مشکل کام ہے لیکن اس میں ہمیں ایک جگہ کامیابی ہوئی۔ دسویں اور گیارہویں صفحے کی تصویریں۔ یہاں ارسطو کی تصویر صحیح ہے۔ اس لیے کہ مجسمے سے لی گئی ہے۔ باقی بقراط، جالینوس، رازی ابن نفیس اور بوعلی سینا کی تصویریں خیالی ہیں ان کی اصلی تصویریں موجود نہیں ہیں۔ اس مستند کتاب میں میرا خیال ہے کہ خیالی تصویروں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے

پروفیسر شوکت علی نے اپنے مقدمے میں کتاب کے بارے میں نہایت عمدہ بات کہی ہے کہ "اختصاص علم اور تجربہ کو عام کرنے کی مستحسن سعی ہے ____ جدید تحقیقات اور مہارت کو یکجا کر دیا گیا ہے ____ عوام میں ترویج علوم کی بہترین کوششوں میں سے ہے۔ قلب کے مریضوں اور اُن کے عزیزوں کو مفید علمی معلومات فراہم کرتی ہے اور جینے کا قرینہ سکھاتی ہے۔

یہی جینے کا قرینہ ہے جس کی ہر کسی کو ضرورت ہے۔

(ر۔ ع۔ ح)

وفیات

جوش ملیح آبادی

موجودہ صدی کے اُردو کے ممتاز اور نامور شاعر جوش ملیح آبادی ۲۲ فروری کی صبح اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی عمر ۸۴ سال سے زیادہ تھی اور کچھ عرصے سے خون کے دباؤ کی کمی میں مبتلا تھے۔ پانچ دن تک اسلام آباد کے ایک شفاخانہ میں موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا رہ کر بالآخر وہ راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ ان کے انتقال سے جدید اُردو شاعری کا ایک دور ختم ہو گیا۔ انھوں نے اپنی شاعری سے اپنے عہد کی بھرپور نمائندگی کی ہے۔ وہ ابتداءً غزل گو شاعر تھے۔ لیکن بدلتے ہوئے حالات اور انقلاب زمانہ نے انھیں بالآخر شاعر انقلاب کے درجے تک پہنچا دیا۔ ان کی غزل میں توانائی، مردانہ احساس اور نظم کا لہجہ بہت نمایاں ہے۔ غزل اچھی کہتے تھے مگر غزل کو ناقص صنفِ سخن سمجھتے تھے۔ مزاج کے لحاظ سے وہ بنیادی طور پر رومانی شاعر تھے اور عشق ان کا خاص موضوع تھا لیکن وہ اپنے عصری مسائل اور حالات و واقعات سے بہت قریب رہے۔ جذبات کو ان کی شاعری میں جزو لازم کی حیثیت حاصل تھی اور فکر ثانوی اور ضمنی حیثیت میں رہی۔ جذبات کے اظہار میں شدت اور لہجہ میں گھن گرج کو انھوں نے خصوصیت کے ساتھ روا رکھا۔ وہ انقلاب کے داعی رہے اور اسی لیے "شاعر انقلاب" کی حیثیت میں مشہور ہوئے۔ منظر نگاری اور جذبات و احساسات کی کیفیت نگاری میں انھیں ملکہ حاصل تھا۔ تشبیہوں کے استعمال میں انفرادیت اور کمال رکھتے تھے۔ ان کی اکثر نظموں میں موضوع اور بیان کا حسن بہت نمایاں ہوا ہے۔ عشق اور انقلاب کو خصوصیت سے اہمیت دینے کی وجہ سے وہ بیک وقت شاعر شباب اور شاعر انقلاب تھے۔ رُباعیات میں بھی انھیں امتیاز حاصل ہوا۔ ان کی رباعیوں میں ذہانت اور شوخی عام طور پر جھلکتی ہیں۔

ان کا نام شبیر احمد خاں تھا جو قدرے تبدیلی کے بعد شبیر حسین خاں ہو گیا۔ اودھ کے شہر ملیح آباد میں ۵ دسمبر ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے۔ لیکن

خیال ہے کہ ان کی پیدائش ۱۸۹۸ء سے قبل کسی اور سال ہوئی۔ ان کے آباؤاجداد کا تعلق آفریدی علی خیل قبیلہ سے تھا۔ جو فرخ آباد سے ترکِ سکونت کر کے ملیح آباد میں آباد ہوئے تھے۔ ان کے پردادا نیئر محمد خاں گویا اپنے زمانے کے معروف اہلِ قلم اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ جوش کے دادا محمد احمد خاں مرزا غالب کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جوش کے والد نواب بشیر احمد خاں بشیر بھی شاعر تھے۔ جوش نے ابتدائی تعلیم سیتا پور ہائی اسکول، حسین آباد، جوبلی ہائی اسکول اور جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ سے حاصل کی۔ عربی مرزا ہادی رسوا سے اور فارسی اور اُردو کی تعلیم مولانا قدرت اللہ بیگ ملیح آبادی مولوی نیاز علی خاں ملیح آبادی وغیرہ سے حاصل کی۔ ۱۹۱۳ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخلہ لیا، ۱۹۱۴ء میں آگرہ گئے اور سینٹ پیٹرس کالج میں سینیئر کیمبرج تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۸ء میں وہ شانتی نکیتن گئے اور تقریباً چھ ماہ مقیم رہے۔ انھوں نے تعلیم ترک کر کے ادب و شعر کے لیے زندگی وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۹۲۵ء میں وہ حیدرآباد دکن گئے اور وہاں دارالترجمہ سے وابستہ ہوئے۔ اور ناظرِ ادب کے عہدہ تک ترقی کی۔ یہ وابستگی ۱۹۳۴ء تک برقرار رہی۔ اس عرصہ میں ان کے روابط مشاہیرِ علم و ادب سے استوار ہوئے۔ بعدازاں وہ حیدرآباد سے ایک اختلاف کے نتیجہ میں بدخل کیے گئے اس کے بعد وہ دہلی چلے گئے۔ یہاں سے انھوں نے اپنا ایک ادبی مجلہ "کلیم" ۱۹۳۸ء میں جاری کیا جو چار سال تک جاری رہا اور پھر ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۱ء میں "نیا ادب" اور "کلیم" نکالتے رہے۔ اس کے بعد دہلی میں انھیں سرکاری علمی و ادبی مجلہ "آج کل" کا مدیر مقرر کیا گیا۔ اس ادارت پر وہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک متمکن رہے۔ ۱۹۵۶ء میں وہ بھارت سے پاکستان چلے آئے اور ترقی اُردو بورڈ کراچی کی "اُردو لغت" کے مدیر نامزد ہوئے۔ پاکستان میں حکومت نے ان کی ادبی حیثیت کے پیشِ نظر انھیں ہر ممکن سہولت اور آسائش فراہم کی۔

جوش کی مطبوعہ تصانیف میں ۱۹ شعری مجموعے اور چار نثری مجموعے شامل ہیں۔ شعری مجموعوں میں "شعلہ و شبنم" اور "سنبل و سلاسل" اور نثر میں "یادوں کی برات" کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

انور حارث

گزشتہ دنوں معروف شاعر انور حارث بھی سکتۂ قلب کے نتیجہ میں رحلت فرما گئے۔

مرحوم نہایت خاموشی کے ساتھ علمی و ادبی کاموں میں معروف رہتے تھے اور ایک عرصہ سے شاعری کر رہے تھے۔ "گلدستۂ عقیدت بحضورِ قائداعظم" ان کی منظومات کا پہلا مجموعہ تھا جو ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد علامہ اقبال کے غیر مدون کلام کا مجموعہ "رختِ سفر" ۱۹۵۲ء میں شائع کیا۔ جو دوسری مرتبہ متعدد اضافوں کے ساتھ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ قائداعظم اور ہمارے خلفاء پر ان کی کتابیں انگریزی زبان میں علی الترتیب ۱۹۷۶ء اور ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئیں۔

انور حارث ۱۹۲۱ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے اور بمبئی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ وہ تقریباً ۳۲ سال سے محکمۂ کسٹمز کراچی سے وابستہ تھے۔ ۱۹۴۰ء سے وہ اُردو انگریزی کے اخبارات و جرائد میں مضامین اور منظومات لکھتے رہے ہیں۔

ذ اور ز کا استعمال

"ذ اور ز کے بارے میں بھی اُردو میں خاصا خلط مبحث ہے۔ آزر کو عام طور پر آذر، زکریا کو ذکریا اور زخار کو ذخار لکھا جاتا ہے۔ مرزا غالب فارسی میں ذال کے وجود کے قائل نہیں تھے۔ اس لیے گزشتن اور پزیرفتن کو صحیح سمجھتے تھے۔ حالانکہ صحیح صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔ یہ غلط نگاری یہاں تک عام ہوئی ہے کہ کئی لوگ گزارش کو گذارش اور گذشتہ کو گزشتہ لکھنے لگے۔"

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

"املا نامہ" صفحہ ۱۹

موجودہ وقت انگریزی سے نجات حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ رسول بخش تالپور

سندھ کے سینیئر صوبائی وزیر جناب میر رسول بخش تالپور نے کہا ہے کہ اب انگریزی زبان سے نجات حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ انھوں نے یہ بات کراچی میں پاک ڈینٹل کالج کے جشن سیمیں کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ انھوں نے اس خیال کی سختی سے تردید کی کہ انگریزی زبان کے بغیر فنی تعلیم حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ انھوں نے اس سلسلہ میں جاپان، روس، چین اور فرانس کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان ممالک کا شمار دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے اور وہاں ان کی اپنی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ جناب تالپور نے کہا کہ برطانوی راج کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب ہمیں اپنی زبان میں تعلیم حاصل کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔ انھوں نے علوم مشرقیہ کو مقبول بنانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ مشرقی ممالک کے عوام کے درمیان افہام و تفہیم کی بہتر فضا قائم کرنے کے لیے یہ اقدام ضروری ہے۔

راولپنڈی تعلیمی بورڈ اُردو میں اسناد جاری کرے گا۔

اُردو کو سرکاری زبان کے طور پر اختیار کرنے کے بارے میں گورنر پنجاب کی ہدایت کے مطابق ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ راولپنڈی آئندہ سے کامیاب ہونے والے طلبہ کو اسناد اردو میں جاری کرے گا۔ معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں اسی ہزار اسناد اُردو میں شائع کرائی گئی ہیں۔ امتحانی فارم وغیرہ بھی اُردو میں فراہم کیے جا رہے ہیں۔ ملازمین کے لیے اُردو میں ٹائپ اور مختصر نویسی کی تربیت کا آغاز بھی ہو گیا ہے۔

اُردو سائنس کالج کراچی میں قومی زبان کے فروغ کے لیے "مجلس تراجم و اصطلاحات" قائم کر دی گئی

اُردو سائنس کالج کراچی کے شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے قومی زبان اُردو کے فروغ اور عملی نفاذ کے سلسلہ میں ایک "مجلس تراجم و اصطلاحات" قائم کر دی ہے۔ یہ مجلس سرکاری و غیر سرکاری اداروں اور تنظیموں میں اُردو کے عملی نفاذ میں حائل مشکلات کو حل کرنے میں مدد دے گی۔ تراجم و اصطلاحات کے سلسلہ میں تعاون کے خواہش مند اداروں اور تنظیموں سے کہا گیا ہے کہ وہ مجلس سے اپنی ضرورتوں کے مطابق رابطہ قائم کریں۔

آزاد جموں و کشمیر میں ہر کام اُردو میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فرمان

پاکستان میں جو لوگ لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں انھیں آزاد کشمیر سے سبق سیکھنا چاہیے

ممتاز ادیب اور دانشور ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی مجلہ "نگار" کے ایک حالیہ شمارہ بابت دسمبر ۱۹۸۱ء میں آزاد جموں و کشمیر کے اپنے ایک سفر کی روداد تحریر کی ہے۔ اس روداد میں ڈاکٹر صاحب نے آزاد کشمیر کی علمی، ادبی اور لسانی صورت حال کے ضمن میں اپنے مشاہدات بھی مختصراً تحریر کیے ہیں۔ اُردو زبان کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہاں ہر کام اُردو میں ہوتا ہے۔ اور جو لوگ یہاں پاکستان میں اُردو کے نفاذ کے راستے میں مختلف حیلے بہانے کر کے رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں انھیں آزاد کشمیر سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ انھوں نے اس ضمن میں اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ:

..... یہاں اگرچہ کئی علاقائی زبانیں، مثلاً کشمیری، پہاڑی، پنجابی، گوجری، کوہستانی اور ہندکو وغیرہ بولی جاتی ہیں۔ لیکن ریاست کی سرکاری زبان صرف اُردو ہے۔ آزاد کشمیر میں پاکستان کی طرح اُردو کی سرکاری اور قومی حیثیت یوں نہیں ہے کہ کاغذ پر تو اُسے ایک مدت سے قومی اور سرکاری ہونے کا فخر حاصل ہے لیکن علاوہ ازیں سرکاری دفاتر میں اب بھی بار نہیں ہے۔ آزاد کشمیر میں اُردو کو علاقائی و واقعی سرکاری و قومی مرتبہ حاصل ہے۔ یہاں ہر کام

اُردو میں ہوتا ہے۔ سکرٹریٹ کا سارا عملہ سیکرٹری سے لے کر معمولی اہل کار تک اپنے چھوٹے بڑے سارے کام اُردو میں کرتے ہیں۔ ہر قسم کے فارم حتیٰ کہ سرکاری ملازموں کی خفیہ رپو۔ نوٹوں کے طویل فارم تک اُردو میں ہیں۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں مقدمات کی سماعت اُردو میں ہوتی ہے اور جج صاحبان اپنے فیصلے اردو میں لکھتے ہیں۔ یہاں اُردو کو عدالت و دفاتر میں عملاً جاری و ساری دیکھ کر یقین ہو گیا کہ اُردو میں انگریزی کی جگہ لینے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ جو لوگ پاکستانی دفاتر میں اُسے رواج دینے میں قیل وقال اور ریت لعل سے کام لے رہے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ ابھی تک غلامانہ ذہنیت سے نجات نہیں پا سکے بلکہ انگریزی کی بنیاد پر عام پاکستانیوں سے الگ ایک مغرب نواز طبقہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ اُردو کو عملاً دفاتر میں جگہ دینے میں مخلص ہیں تو انھیں آزاد کشمیر سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور وہاں سے بعض اعلیٰ افسروں کو مستعار لے کر اُردو کے استعمال کو جلد سے جلد سارے سرکاری و نیم سرکاری دفتروں میں قابلِ عمل بنانا چاہیے۔

سرکاری افسران قومی زبان استعمال کریں

انجمن نفاذِ اُردو کے معتمد عمومی جناب عبدالرحمٰن چودھری نے سرکاری دفاتر میں قومی لباس پہننے کے حکم کا خیر مقدم کیا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک بیان میں سرکاری افسران سے درخواست کی ہے کہ وہ قومی لباس کے ساتھ ساتھ دفتری امور میں قومی زبان کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیں۔

اُردو میں دفتری زبان بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے

تھانوں اور دفاتر میں زیادہ تر دفتری کام قومی زبان میں ہو رہا ہے۔ ڈی آئی جی

ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس راولپنڈی جناب ایم اے ضیاء نے کہا ہے کہ پولیس کو اس بات پر فخر حاصل ہے کہ اس کے تمام تھانوں اور دفاتر میں ابتدا ہی سے زیادہ تر دفتری کام قومی زبان میں کیا جا رہا ہے۔ اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُردو میں صلاحیت ہے کہ اُسے بطور دفتری زبان نافذ کیا جا سکے۔ یہ بات آج انہوں نے مجلس زبان دفتری کے زیرِ اہتمام سرکاری ملازمین کے لیے اُردو ٹائپ کاری کے تربیتی پروگرام کے افتتاح کے موقع پر کہی جو ڈپٹی کمشنر راولپنڈی کے دفتر میں شروع ہوا اس پروگرام کے تحت ابتدا میں ۱۵ سرکاری اہلکاروں کو اُردو ٹائپ کاری میں تربیت دی جائے گی اس موقع پر ڈپٹی کمشنر و صدر مجلس نذیر احمد چوہدری اور مجلس کے اراکین محمد حبیب وہاب الخیری، پروفیسر رحیم بخش شاہین پروفیسر نیاز عرفان پرنسپل گورنمنٹ کمرشل انسٹی ٹیوٹ ایس اے صدیقی ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر توقیر احمد اور ثنا اللہ اختر موجود تھے۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نے کہا کہ پولیس کے تمام تھانوں نیز ضلعی دفاتر میں قانونی کارروائیاں مثلاً رپورٹوں کا اندراج، عدالتوں میں چالان کا پیش کیا جانا کیسوں کی ترتیب، بیانات گواہان وغیرہ سب اُردو میں تحریر کیے جاتے ہیں اور تمام متعلقہ رجسٹروں میں اندراج اُردو میں ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک کی ۸۰ فیصد آبادی انگریزی نہیں سمجھتی محمد رضا ضیاء نے کہا کہ مجلس کی طرف سے اُردو ٹائپ کاروں کی تربیت کا اہتمام ایک خوش آئند قدم ہے اور اس سے مشکلات دور ہو جائیں گی۔

قومی زبان کو ہر سطح پر رائج کیا جائے۔

لاڑکانہ میں مجلس مذاکرہ سے مقررین کا خطاب

زبان قومی تشخص کا ذریعہ ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنی قومی تاریخ کو فروغ دے سکتے ہیں۔ یہ بات سید جمال الدین بخاری نے گزشتہ روز پاکستان نیشنل سنٹر لاڑکانہ میں ایک مجلس مذاکرہ بعنوان "زبان قومی تشخص کا ذریعہ ہے" خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنی ثقافت لباس اور قومی زبان کے ذریعے اپنے دلی احساسات اور جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مجلس مذاکرہ سے چودھری عظمت اللہ رندھاوا نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں نے برصغیر میں ایک لباس، ایک زبان اور تہذیب و تمدن کے تحت متحد ہو کر آزادی حاصل کی تھی اس لیے ہمیں اپنی زبان، تہذیب و ثقافت کے فروغ کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ جناب محمد اسحاق نے کہا کہ تہذیب و ثقافت کو اجاگر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی قومی زبان کو ہر سطح پر اپنائیں تاکہ ہماری قومی زبان انگریزی زبان کی جگہ لے سکے۔

اُردو کا استعمال لازمی کر دیا جائے

کراچی کی ایک معروف سماجی شخصیت جناب عبدالستار ایدھی نے صدر مملکت جنرل

محمد ضیاء الحق سے گزارش کی ہے کہ وہ اُردو کے استعمال کو لازمی قرار دے دیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ صدر صاحب خاص طور سے ہدایات جاری کریں کہ اُردو کو لازمی طور سے استعمال کیا جائے۔ کیونکہ ہر پاکستانی اُردو کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے انگریزی زبان تو ایک فیشن اور دکھاوے کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔ انھوں نے مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ میں دو مرتبہ بذریعہ ریل اور بس کراچی سے لندن گیا تھا۔ اٹلی، جرمنی اور فرانس وغیرہ کی سرحدوں پر لوگ انگریزی سے واقف ہونے کے باوجود اپنی ہی زبان کو استعمال کرتے تھے۔ یہ ان کے محب وطن ہونے کی نشانی تھی جیسا کہ آجکل بات بات پر لوگ انگریزی زبان کو استعمال کر رہے ہیں تو اس کے پیش نظر شاید مجھے بھی انگریزی سیکھنے کے لیے استاد کا انتظام کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ وہ وقت میرے لیے نہ لائے۔

اُردو کو ایک عرصہ بعد اس کا جائز مقام ملنے لگا ہے!

رئیس بلدیہ کا اظہارِ مسرت

رئیس بلدیہ کراچی جناب عبدالستار افغانی نے کہا ہے کہ اُردو کو اس کا جائز مقام دیا جا رہا ہے۔ وہ گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف کمرشل ایجوکیشن کے طلباء کو تقسیم انعامات کی تقریب سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ ایک عرصے کے بعد اُردو کو اس کا جائز مقام ملنے لگا ہے، موجودہ حکومت اس ضمن میں اقدامات کر رہی ہے۔ اور اب صورت حال بدل گئی ہے۔ انہوں نے کہا اب لوگ قومی لباس پہننے لگے ہیں، سرکاری افسروں اور ملازمین کی پتلونیں بھی اُتر گئی ہیں وہ قومی لباس پہننے لگے ہیں۔ میئر نے کہا ہے کہ دراصل تعلیمی ادارے اس تبدیلی کا محور ہیں۔ نئی نسل کو اس بات کی تربیت ملنی چاہیئے کہ قومی تشخص کو اجاگر کریں۔ انہوں نے اس ضمن میں گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف کمرشل ایجوکیشن کی خدمات کو سراہا اور اس بات پر زور دیا کہ دوسرے تعلیمی ادارے کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔

اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے لیے ہنگامی اقدامات کیے جائیں

نیشنل ڈیموکریٹک اسٹوڈنٹس فیڈریشن سندھ کے صدر مہتمم محمد اختر شیخ نے کہا ہے کہ اُردو زبان دورِ حاضر کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور نئی نسل کو سائنسی اور فنی علوم سے متعارف کرانے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ قومی تقاضوں کے مطابق جدید سائنسی تعلیم پر اُردو میں کتابیں لکھی جائیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ سائنسی علوم میں اُردو آزادی سے قبل جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں ذریعہ تعلیم رہ چکی ہے۔ انھوں نے حکومت سے درخواست کی کہ اُردو کے مکمل نفاذ کے لیے جلد ہنگامی اقدامات کیے جائیں۔

کراچی میں انگریزی کے اشتہاری تختے ہماری غیرت کا مذاق اڑا رہے ہیں

کل ہند مسلم لیگ کے سابق رکن اور بزرگ صحافی مولانا محمد اسماعیل ذبیح نے حکومت اور بلدیہ کراچی سے مطالبہ کیا ہے کہ کراچی میں انگریزی کی بجائے اُردو کے اشتہاری تختے لگوانے کا اہتمام کیا جائے۔ آج ایک بیان میں انہوں نے اس بات پر افسوس اور دکھ کا اظہار کیا ہے کہ ۳۴ سال گزر جانے کے باوجود کراچی کے تمام بازاروں اور تجارتی اور مالی مراکز میں ابھی تک انگریزی کے تختے لگے ہوئے ہیں اور کہا ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان کے شخصی اور ملی غیرت کا احساس ابھی مستحکم نہیں ہوا۔ انہوں نے عرب ممالک کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہاں عربی کے سوا اور کسی زبان میں تختے لگانے کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ کراچی تک میں عرب بینکوں نے عربی میں شاندار تختے لگا کر ہماری غیرت کو جگایا ہے۔ مولانا محمد اسماعیل ذبیح نے بلدیہ کراچی پر زور دیا ہے کہ وہ دوکانداروں کو ایک سال کی مدت میں انگریزی کی بجائے اُردو کے تختے لگانے کا نوٹس جاری کرے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں متعدد قومی رہنماؤں، ادیبوں شعرا اور جماعتوں سے بھی جدوجہد کی اپیل کی ہے۔

لسان اور مطالعۂ لسان میں مسلمانوں کی خدمات

بعض ناگزیر وجوہات کے سبب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کے مقالہ کی تیسری قسط زیر نظر شمارہ میں شامل نہیں ہو سکی، اس کے لیے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

افکارِ حاضرہ

(۱)

میں ممنون ہوں کہ آپ ازراہِ کرم اخبارِ اُردو ماہنامہ بھیج رہے ہیں وہ مجھے باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ اس کے واسطے سے ملک میں اور اُس سے باہر اُردو زبان کی ترقی کی خبریں پڑھ کر خوشی ہوتی ہے اور یہ امید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ کبھی نہ کبھی قومی زبان کو ہم اُس مقام پر دیکھیں گے جس کی وہ بجا طور پر حقدار ہے۔ اس ضمن میں آپکی کوشش قابلِ تحسین ہے۔ ماشاء اللہ پرچہ بہت اچھا اور مفید ہے۔ اپنی کوشش جاری رکھیے۔

البتہ میں اتنا عرض کرونگا کہ اظہارِ رائے میں گریز کی صورت نہیں ہونی چاہیئے جو صحیح بات ہے اس کا اظہار بغیر کسی لگی لپٹی کے ہونا چاہیئے۔

میرے ذہن میں دو تین باتیں ہیں اُن پر غور فرمایئے۔ ایک تو یہ اگر صدرِ محترم اور صوبائی حکومتوں کے سربراہ اپنے احکامات صرف قومی زبان میں دیں تو دفتروں کا عملہ بھی نوٹنگ یعنی کیفیت نگاری بھی لامحالہ قومی زبان ہی میں کریگا۔ اور یہ جو پانچ یا سات برس کی مدت اُردو کے نفاذ کے ذریعے مانگی جاتی ہے اُس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ آپ کو شاید علم ہے کہ حیدر آباد دکن میں نظام کے سب احکامات اور وزارت کی طرف سے کیفیت نگاری سب اُردو میں ہوتی تھی اور اگر ایسا وزیر حکومت میں شامل ہو جو اُردو میں اظہارِ خیال نہیں کر سکتا تھا تو اس کے نوٹ کا اُردو ترجمہ پیش ہوتا تھا اور احکام اُسی پر صادر ہوتے تھے۔ یہاں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ گزشتہ ۴۲ برس سے ہم مہلت لیتے آئے ہیں۔ کبھی یہ مہلت ختم بھی ہوگی یا نہیں۔

ایک حوصلہ افزا اطلاع کے عنوان سے جو دسمبر کے پرچہ میں خبر شائع ہوئی ہے۔ وہ ایک حد تک حوصلہ افزا ہے۔ مگر یہ مرحلہ وار منصوبہ کب تک چلتا رہے گا۔ ۱۹۸۷ء تک اس منصوبہ کے مکمل ہونے تک نوید سنائی گئی ہے یعنی ٦ برس کے بعد تو جناب اسطرح مرحلہ وار منصوبے تکمیل نہیں پایا کرتے اور پھر مجھ جیسے لوگ جو زندگی کے آخری دور میں ہیں یہی کہہ سکتے ہیں کہ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

جو کچھ ہونا ہو فوری طور پر ہونا چاہیئے۔ میں نے بھی مختلف محکموں میں کام کیا ہے۔ اپنے ذاتی تجربے سے عرض کرتا ہوں کہ اگر خلوص ہو تو کوئی رکاوٹ مانع نہیں ہے۔ فنی اصطلاحوں کی کمی کا اعتراض اٹھایا جاتا ہے۔ اوّل تو اس اعتراض میں بہت مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے اگر بالفرض کوئی فنی اصطلاح اردو میں نہیں ہے تو فی الوقت انگریزی اصطلاح بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ اسکی وجہ سے قومی زبان کے نفاذ کو روکنا مناسب نہیں ہے۔ ..."

(نواب) مشتاق احمد خاں

لاہور

(۲)

اخبارِ اُردو برابر مل رہا ہے۔ اس توجہ کے لیے شکرگزار ہوں۔ چند پرچوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مجلّے کو آگے جانا ہے۔ اُردو سے متعلق سرگرمیاں اب صرف پاکستان یا ہندوستان تک محدود نہیں رہیں۔ انکا دائرہ کئی ممالک کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے اسلیے امید ہے کہ جلد ہی اخبارِ اُردو اُس وسیع تر حلقے کو اپنے دامن میں لے لے گا جو تیزی سے پھیل رہا ہے اور برابر فعال تر بھی بن رہا ہے۔

"اخبارِ اُردو" ایک متعین مقصد سامنے رکھتا ہے جس سے سب کو ہمدردی ہے لیکن خواہش میری یہ تھی کہ مقتدرہ اس کے ساتھ ایک ایسا ماہنامہ یا مجلّہ بھی نکالے جو وسیع علمی و فکری سطح کا حامل ہو اور اُردو کو جدید تر سوچ سے وابستہ کر سکے۔ اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنائے بغیر آپ ساڑھے آٹھ کروڑ کی اس قوم کو خواندہ اور نیم تعلیم یافتہ بلکہ تعلیم یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن یہ تصویر کا صرف ایک ہی رُخ ہے تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ اس قوم کو ترقی یافتہ اور مہذب بنانے کا عمل اس وقت تک اپنا کوئی مفہوم پیدا نہ کر سکے گا جب تک اس قوم کا ذہین طبقہ اعلیٰ اور جدید تر فکری مباحث سے آگہی اور دلچسپی پیدا نہ کرے گا اور ایسے مجلّے نہ نکلیں گے جو بیسویں صدی کے فکری تقاضے پورے کر سکیں۔ ایک ہفت روزہ لندن اکانومسٹ ہی کو آپ لے لیں جو مختلف علوم کے مباحث پر مشتمل ہوتا ہے اور جس کے ہر کالم کو دُنیا کے صفِ اول کے ماہرین کے مشوروں اور ہدایتوں کی روشنی میں مرتب کیا جاتا ہے۔ لیکن خیر یہ تو بہت لغویات ہے تاہم اس ضمن میں کچھ نہ کچھ پیشقدمی تو ضرور کی جانی چاہیئے۔ مقتدرہ ایک بڑے ادارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیا توقع رکھی جائے کہ وہ اس سلسلے میں رہنمایانہ قدم اٹھانے پر غور کرے گی۔

سید محمد تقی کراچی

(۳)

"..... اخبارِ اردو کے چھ شمارے مل چکے ہیں۔ ایک ایک لفظ پڑھا۔ سرورق کی عبارت پڑھ کر حسنِ انتخاب کی داد دینے کو دل چاہتا ہے۔ اب تک جتنے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ میری دانست میں ان میں سے ایک بھی بھرتی کا نہیں، سب معیاری ہیں۔ اردو کے بارے میں اس میں مندرج خبریں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ اخبار ایک اہم قومی ضرورت کو پورا کر رہا ہے۔

بات ستائیس سال پرانی ہے مگر قارئین کے لیے یہ ایک تازہ خبر ہوگی۔ پاکستان کی قابلِ فخر درس گاہ کیڈٹ کالج حسن ابدال ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے۔ یہ کالج ۱۹۵۴ء میں قائم ہوا ہے۔ پہلے سال آٹھویں، نویں، دسویں اور گیارہویں جماعتوں میں جو داخلہ ہوا تو ہر جماعت میں نصف کے قریب ایسے طالب علم تھے جو اردو اسکولوں سے آئے تھے۔ ان میں سے آٹھویں اور نویں جماعتوں کے لڑکوں کو تو انگریزی میں پڑھانا شروع کر دیا مگر دسویں جماعت کے لیے محسوس کیا گیا کہ اگر انہیں بھی انگریزی میں پڑھایا گیا تو اُن کے پلے کچھ نہ پڑیگا۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ دو فریق بنا دیے جائیں جن میں سے ایک کا ذریعۂ تعلیم اردو ہو۔ ریاضی کی تدریس میرے ذمہ تھی۔ اسلیئے کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا۔ تاریخ اور جغرافیہ کے اساتذہ خود اردو اسکولوں کے پڑھے ہوئے تھے دقت صرف سائنس پڑھانے میں ہوئی وہ بھی کیمیا میں۔ اس کے استاد نے پہلی سے ایم ایس سی تک کبھی اسکول یا کالج میں اردو نہیں پڑھی تھی۔ ان کے لیے اردو اخبار پڑھنا بھی مشکل تھا۔ اُن کے احتجاج کے باوجود اردو سیکشن پڑھانے کے لیے انہیں دیا گیا۔ ابھی دس دن باقی تھے۔ اس عرصے میں انہوں نے تیاری کی اور گیارہویں روز جا کر دسویں جماعت کے ذہین لڑکوں کو اس طرح اردو میں کیمسٹری پڑھائی کہ انہیں احساس ہی نہیں ہوا کہ فاضل معلم اردو واجبی سی جانتے ہیں۔ سال کے بعد جب اس سیکشن کا میٹرک کا نتیجہ نکلا تو تمام طالب کامیاب تھے۔

آج بھی اگر کسی پروفیسر کو یہ علم ہو جائے کہ اسکی ملازمت خطرے میں ہے تو وہ ہفتے عشرے کی تیاری میں کالج کی ہر کلاس کو ہر مضمون اردو میں پڑھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کتاب نصاب اردو میں موجود ہو۔

ایک اور مثال لیجیے۔ دسمبر ۱۹۶۱ء میں اسی کالج میں انٹر سرویز پبلک اسکولز اسپورٹس ٹورنامنٹ منعقد ہوئے۔ اس میں کیڈٹ کالج پٹارو، پی اے ایف اسکول لوئر ٹوپا، ملٹری کالج جہلم اور کیڈٹ کالج حسن ابدال نے حصہ لیا۔ ۲۰ دسمبر کو فی البدیہہ عام مباحثہ ہوا۔ موضوع تھا "اس ایوان کی رائے میں پبلک اسکولوں میں ذریعۂ تعلیم اردو ہونا چاہیئے" ہر کالج کی طرف سے دو مقررین تھے۔ رائے شماری ہوئی تو تقریباً نوے فی صد لڑکوں نے اس تجویز کے حق میں رائے دی۔ یہ بات اب سے پورے بیس سال پہلے کی ہے۔ جب ان میں سے کسی بھی کالج میں اردو انٹر کلاسوں کو لازمی مضمون کے طور پر نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ مباحثہ انگریزی میں تھا۔

اور آخری مثال بھی حسن ابدال کے کالج کی ہے۔ بالعموم دیکھا گیا ہے کہ جن لڑکوں کی مادری زبان اردو ہے وہ اردو مضمون میں کمزور ہوتے ہیں۔ میرے پیشِ نظر ۱۹۵۴ء سے ۱۹۸۱ء تک میٹرک امتحان کے نتائج اور ۱۹۶۶ء (اس سال سے اردو کا لازمی مضمون کے طور پر امتحان لیا گیا) سے ۱۹۸۱ء تک کے اعلیٰ ثانوی جماعتوں کے ۱۵ نتائج ہیں۔ ان ۴۲ امتحانوں میں صرف تین بار ایسا ہوا ہے کہ ایسے لڑکے اردو میں اوّل آئے جن کی مادری زبان اردو ہے..."

منظور الحق صدیقی

راولپنڈی

(۴)

اردو اخبار کے اجراء نے مولانا ظفر علی خان مرحوم کی یاد تازہ کر دی۔ جنہوں نے قریباً نصف صدی قبل یہ تحریک بذریعہ اپنے اخبار زمیندار لاہور شروع کی تھی کہ اردو پڑھو، اردو لکھو اور اردو بولو۔ کیونکہ یہ ہماری قومی زبان ہے اور ہمارا علمی اور دینی سرمایہ اس کے دامن میں محفوظ ہے۔ قوموں کی ترقی اور تنزلی میں زبان کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ روسی ترکستان کی ریاستوں میں مسلمان بستے تھے۔ ان کی زبان ترکی اور رسم الخط عربی تھا۔ اس لسانی رشتہ نے ان ریاستوں کو ایک دوسرے سے منسلک اور متحد کر رکھا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کی لسانی وحدت ختم کرنے اور ان کو اپنے آبائی ملی، علمی اور مذہبی ورثہ سے محروم کرنے کے لیے وہاں کی ہر ری پبلک میں اس کی مقامی اور علاقائی زبان رائج کر کے عالم اسلام سے ان کا رشتہ کاٹ کر ان کو لادینیت کا شکار بنا دیا۔ یہی نسخہ اتاترک نے ترکی میں اور نہرو نے آزادی ملتے ہی ہندوستان میں استعمال کیا۔ ترکی میں لاطینی رسم الخط اور ہندوستان میں سنسکرتی ہندی

رائج کر کے مسلمانوں کو لادین بنانے کی مہم کامیابی کے ساتھ چلائی گئی ....

اُردو کے خلاف صدر ایوب کے دورِ اقتدار میں اس مہم کا آغاز ہوا۔ بھٹو دور میں یہ منصوبہ پروان چڑھا۔ جسے نوکر شاہی کی پشت پناہی حاصل رہی۔ کیونکہ اسکی تعلیم و تربیت ہی انگریزی ماحول میں ہوئی تھی اسی لیے وہ آج تک انگریزی کو حرزِ جان بنائے ہوئے تھے اور اُردو کا نام آتے ہی ناک بھوں چڑھانے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کی ہدایات کے باوجود اُردو تا حال یتیمی کے عالم میں سانس لے رہی ہے۔

علاقائی زبانوں کی اہمیت اپنے اپنے علاقوں میں مسلّم ہے۔ یہ اپنے علاقوں میں اظہارِ خیالات کا بہترین ذریعہ ہیں۔ لیکن ایک علاقہ کی زبان دوسرے علاقہ کے لوگوں کے لیے اظہارِ خیال کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ جیسے ملتانی زبان، سندھی، بلوچ یا پشتون نہیں بول سکتے۔ لیکن اُردو سے ہر جگہ کام چل سکتا ہے۔ جو اب یو، این، او کے ایوانوں تک پہنچ چکی ہے اور عالمگیر حیثیت اختیار کر چکی ہے اکثر دیارِ غیر میں اُردو سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔ علاقائی زبانوں کے مقابلہ میں اُردو ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ پاکستانی ثقافت کی ایک علامت ہے۔ ہر علاقہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور اہل پاکستان کے اتحاد و اتفاق کی مظہر ہے۔ یہ کسی خاص نسل یا فرقہ کی زبان نہیں بلکہ پوری پاکستانی قوم کی مشترکہ میراث ہے۔ جو اب جغرافیائی حدود پار کر کے غیر ممالک کی یونیورسٹیوں میں تمام اعزاز پا چکی ہے اور اسی زبان میں ہمارا علمی اور دینی سرمایہ محفوظ ہے۔ پاکستان کی جنگ صرف احیاءِ اسلام کے لیے ہی نہ لڑی گئی تھی بلکہ اُردو کے تحفظ کے لیے بھی لڑی گئی تھی۔ جسے ہندو ہندوستان میں حرفِ غلط کی طرح مٹانا چاہتا تھا اور آج بھی وہی طبقہ اس کی راہ میں سنگِ گراں بنا ہوا ہے، جو فی الواقعہ پاکستان نہیں چاہتا تھا۔ یہ اسی کی تخریب کاری کا نتیجہ ہے کہ نسلِ نو کو اُردو سے بیگانہ کرنے کے لیے نستعلیق کی بجائے خطِ نسخ میں لکھایا پڑھایا جا رہا ہے۔ جو ان کی صلاحیتوں پر بارِ گراں ثابت ہو رہا ہے۔ خوشخطی یا خوشنویسی کا جنازہ اٹھ رہا ہے۔ اسکولوں کے باہر تمام کاروبار اُردو میں ہوتا ہے۔ دکانوں پر سائن بورڈ تک نستعلیق میں لکھے ہوتے ہیں۔ جن کی عبارت نسخ پڑھنے لکھنے والے بچوں کے لیے پڑھنا دشوار ہوتی ہے۔ خطِ نسخ کی ترویج کے ذریعہ اُردو کشی کے ساتھ ساتھ نسلِ نو میں تعلیم کے خلاف بددلی پھیلانے اور صلاحیت کشی کے لیے نصابی کتب کا اتنا بوجھ لاد دیا گیا ہے کہ بچوں کے لیے بستہ اٹھانا مشکل ہو گیا ہے اور ان میں حصولِ تعلیم کی کشش کم ہوتی جا رہی ہے۔

عہدِ انگلشیہ سے قبل اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک برِ عظیم پاک و ہند میں یہ دستور تھا کہ بچوں کو سب سے پہلے قرآن مجید پڑھایا جاتا تھا اور خوشخطی سکھلائی جاتی تھی۔ جوں جوں مغربی تعلیم و تہذیب عام ہوتی گئی اسلامی تہذیب و ثقافت کے ہر دو مذکورہ بالا آثار مٹتے چلے گئے۔ انگریزی خواں طبقہ میں نہ روحِ قرآن باقی رہی اور نہ کہیں خوشخطی نظر آئی۔ انگریزی تو انگریزی رہی، ان میں صحیح اور خوشخط اُردو لکھنے کی بھی استعداد نہ رہی۔ اسی لیے نوکر شاہی کی اکثریت بدخط ہے۔ ایسی بدخط کہ بسا اوقات ان سے اپنا لکھا تک نہیں پڑھا جاتا۔

حکومت ہدایات کے ذریعہ اُردو کو دفتروں اور عدالتوں میں رواج دینے کی جو کوشش کر رہی ہے، وہ اس وقت تک کامیابی کی منزل کو نہیں چھو سکتی، جب تک کہ اس کے لیے روسی ترکستان، ترکی اور ہندوستان کی طرح حکماً قدم نہ اٹھایا جائے اور کوئی آرڈی نینس جاری نہ کیا جائے۔

زہے نصیب کہ اسلام کے نام پر بننے والے پاکستان میں چونتیس سال بعد احیاءِ اسلام کے ساتھ ساتھ اُردو کی ترویج و ترقی کے لیے بھی سرکاری طور پر کوشش جاری ہے مگر یہ تحریک سست روی کی بجائے اگر ہنگامی صورت میں کی جائے تو کایا پلٹ آج ہی ہو سکتی ہے موجودہ مایوس کن حالات میں اخبارِ اُردو کا منصۂ شہود پر آنا ایک جہاد ہے اور اُس کے لیے ضروری ہے کہ اُردو پڑھو، اُردو لکھو اور اُردو بولو کی تحریک بھی وسیع پیمانے پر چلائی جائے تاکہ تخریبی منصوبے اپنی موت آپ مر جائیں اور قومی زبان کو تحفظ مل سکے۔

منشی عبدالرحمٰن خان
ملتان

"ایک زبان اور ایک لباس محبت اور یگانگت کو فروغ دیتے ہیں"

جسٹس ملک محمد نعمان

مسائل و مباحث

اخبارِ اردو شمارہ جنوری ۱۹۸۲ء موصول ہوا۔ اس میں مسائل و مباحث کے تحت ڈاکٹر ریاض الحسن صاحب نے لکھا ہے اور انہوں نے یہ غلطی کی ہے کہ قمیص کو پرتگالی سے ماخوذ بتایا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ خالص عربی زبان کا لفظ ہے۔ میرے خیال میں نہ وہ غلط ہیں اور نہ ڈاکٹر صاحب غلط ہیں۔

بلا شک قمیص عربی لفظ ہے! اسلامی اُندلس کے زمانے میں یہ لفظ یورپ کے ملکوں میں رائج ہوا۔ پرتگال گیا، فرانس گیا، اہلِ فرانس اس کا تلفظ "کمیز" کرتے ہیں۔ جب اہلِ پرتگال ہندوستان میں آئے تو وہ قمیص کی موجودہ شکل اور یہ لفظ بھی ساتھ لائے۔ اہلِ ہند نے یہ لفظ اہلِ پرتگال سے لیا ہے اہلِ عرب سے نہیں لیا ہے۔ عوام آج تک اس کا تلفظ "کمیز" کرتے ہیں۔ علماء نے اس لفظ کی اصل عربی ڈھونڈ نکالی وہ بلاشبہ اسکو قمیص لکھتے ہیں۔ مگر شاید بولتے وہ بھی قمیض ہیں۔

اِدھر چند سالوں سے طبقۂ نسواں میں ایک اور لفظ رائج ہوا ہے۔ وہ ہے شمیز عورتیں اسکو بطور بنیان کے استعمال کرتی ہیں۔ یہ دراصل قمیص کا فرانسیسی تلفظ ہے۔ وہ اس کو CHEMIZE کہتے ہیں فرانسیسی میں CH ک کے مترادف ہے اس لیے اسکو وہ کمیز ہی کہتے ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی میں CH کا تلفظ ش کے مترادف ہے۔ اس لیے یہاں اس کا تلفظ شمیز ہے۔ وہی آج کل عورتوں میں رائج ہے۔

ایسا ہی طویل سفر LOZENGES نے اختیار کیا۔ لوز عربی زبان میں بادام کو کہتے ہیں۔ قرن اوّل میں ایرانی ایک خاص قسم کا شیرین طعام تیار کرتے تھے۔ وہ اس کو لوزینہ کہتے تھے (الفاظ الکتابیہ عیسیٰ ہمدانی) یہ طعام اور یہ لفظ اسلامی اندلس (اسپین) پہنچا۔ وہاں سے فرانس اور یورپ میں داخل ہوگیا۔ وہ بادام سے مشابہ سے اسے لوزنج کہنے لگے۔ آج کل انگریزی دوا فروشوں کے پاس ایک بڑی گول ہوتی ہے جس کو کلا صاف کرنے کے لیے کھاتے ہیں۔ اس کی شکل بادام سے مشابہ ہے اس لیے اس کا نام —— LOZENGES لوزنجز ہے۔

(پروفیسر) محمد سلیم
سکھی در، شکارپور،

قومی زبان اور علاقائی زبانوں کے ربط و تعلق کی اہمیت اظہر من الشمس ہے۔ بلکہ اُسے اور بھی بڑھاوا دیا جائے۔ تو یہ دونوں قسم کی زبانوں کے لیے بے حد مفید ہوگا۔ کیونکہ ایسے اقدام سے دونوں کی نشو و نما ہوگی، دونوں کا ذخیرہ الفاظ بڑھے گا، دونوں کا لہجہ اور مزاج سنورے گا۔ اور دونوں کا مستقبل زیادہ تابناک ہوگا۔ کم از کم علاقائی زبانوں کی تاریخ، لغت اور قواعد و انشاء سے متعلق اُردو کتابیں ضرور چھاپی جائیں۔ اس سے قومی اور علاقائی زبانوں کو بھی فائدہ پہنچے گا اور ہماری ملکی یکجہتی، یگانگت اور سالمیت کے لیے بھی ایک نیا قدم ثابت ہوگا۔

امید ہے کہ اُردو اکیڈمی یہاں علاقائی زبانوں سے بھی گہرا ربط و تعلق پیدا کریگی قومی لحاظ سے یہ کام بہت اہمیت رکھتا ہے اس سے اُردو زبان کی ترویج و ترقی میں بھی تیز رفتاری آجائیگی۔

دلشاد کلانچوی۔
بہاولپور

اخبارِ اُردو باقاعدگی سے مل رہا ہے شکریہ۔ ان شماروں کو پڑھ کر خوشی محسوس ہوتی ہے کہ اُردو کی ترقی کے لیے کس طرح کوشش کی جارہی ہے۔ ان شماروں میں اچھی خاصی معلومات ہوتی ہیں لیکن ان شماروں میں اُردو کے بارے میں اندرون سندھ کے اندر مختلف ادبی تنظیمیں جو کام کر رہی ہیں اور انہوں نے جتنا بھی کام کیا ہے، اس کا ذکر شائع نہیں ہوتا اور اس میں انہیں نظر انداز کیا ہوا ہے۔ کراچی، حیدرآباد، سکھر یا لاہور کی نسبت شہداد پور، جھڈو یا ان جیسے چھوٹے چھوٹے علاقوں میں جو کام ہو رہا ہے، ان کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ بڑے شہروں کے مقابلہ میں چھوٹے شہروں میں خاص طور پر اندرون سندھ میں اُردو کے لیے کام کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں اس لیے میں اُمید کرتا ہوں کہ اندرون سندھ میں جو بھی ادبی شخصیتیں اور تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان کی حوصلہ افزائی ضرور فرمائیں گے۔

ڈاکٹر رحمان دانش۔ شہداد پور۔

آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر......

"اخبارِ اُردو" کسی علاقہ، طبقہ یا گروہ کے لیے مخصوص نہیں، اُردو زبان اور ادب کی جو جو تنظیمیں اُردو زبان کے فروغ اور ترقی کے کاموں میں مصروف ہیں، "اخبارِ اُردو" کے صفحات ان کے لیے حاضر ہیں۔

مدیر

قارئین کی رائے

"..... اخبارِ اردو ہم تک پہنچتا رہتا ہے اور بلاشبہ اس کے چھ شمارے ہمارے یہاں پہنچ چکے ہیں، میں بہت زیادہ مصروفیات کے باوجود اس کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ تفصیلی رائے دینے کے لیے تو ابھی وقت چاہیے مگر مختصراً یہ کہ آپ کا پرچہ بہت ہی اچھا جارہا ہے اور آپ نے جو اس سلسلے میں محنتیں کی ہیں وہ قابلِ تعریف ہیں۔ تفصیلی رائے کا بعد میں مصروفیت سے وقت نکال کر اظہار کروں گا۔...."

(ڈاکٹر) غلام علی الانہ
پروفیسر انچارج
انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی یونیورسٹی
آف جام شورو۔ ۱۹ر جنوری ۸۲ء

"......آپ کی کرم فرمائی نے "اخبارِ اردو" کے مطالعہ کا موقع عنایت فرمایا۔ صوری و معنوی لحاظ سے یہ نہایت معلومات آفریں اور گراں قدر ہے۔ اردو کمپیوٹر اور اردو ٹائپ رائٹر کے وجود میں آجانے کی خبریں مجھے اخبارِ اردو ہی سے معلوم ہوئیں — اور میں نے یہاں کے ایک روز نامہ کے ایڈیٹر سے درخواست کی کہ اس خبر کو شائع کردیں اور انھوں نے میری درخواست قبول کی اس کے بعد اخبارِ جنگ کے کمپیوٹر پر چھپنے کی اطلاع نے اردو والوں کو بیحد مسرور کیا۔ میرا علم اسی حد تک ہے کہ انگریزی حروف تہجی کے بعد اردو حروف تہجی ہی میں کمپیوٹر ہے اور دوسری کسی زبان میں نہیں۔

میں اس مختصر اور مفید ماہنامے سے آپ کی کرم فرمائی سے استفادہ کر رہا ہوں اور آپ کا کرم جاری رہے تو کرتا رہوں گا۔ اردو کے لیے جو خدمات انجام دی جارہی ہیں وہ لائق صد ستائش ہیں۔..."

پروفیسر محمد اکبر الدین صدیقی
حیدرآباد (بھارت)
۶ر جنوری ۱۹۸۲ء

"..... مقتدرہ قومی زبان کی جانب سے قومی زبان اردو کے فروغ اور اس کے علمی نفاذ کے لیے جو کوششیں کی جارہی ہیں وہ قابلِ تحسین ہیں اور سلسلہ میں "اخبارِ اردو" کا کردار نہایت اہم ہے۔ کیونکہ اس رسالہ کے ذریعے ملک میں اردو زبان و ادب کے بارے میں ممتاز ماہرینِ تعلیم ادیبوں اور دانشوروں کی نگارشات کے مطالعہ کا موقع ملتا ہے اور مختلف ماہرینِ تعلیم اور لسانیات کی قیمتی آرار سامنے آتی ہیں۔ اگر اس رسالہ میں سائنسی مضامین و معلومات کا اضافہ کردیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس اخبار کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگا۔ علاوہ ازیں مختلف سائنسی اصطلاحات کے لیے بھی کم از کم ایک صفحہ اگر مخصوص کردیا جائے تو نہ صرف "اخبارِ اردو" کے عام قارئین بلکہ ہمارے سائنس کے طلبہ بھی اس سے استفادہ کرسکیں گے۔ ہم سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتے جب تک کہ تمام سائنسی اصطلاحات کو قومی زبان اردو میں عام نہ کردیا جائے اور یہ کام ابلاغِ عامہ کے ذریعہ ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اردو اخبار بھی کیونکہ ابلاغ عامہ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ لہٰذا یہ ایک بہترین معاون ثابت ہوگا۔..."

پروفیسر محمد اکرام الرحمٰن
پرنسپل اردو سائنس کالج، کراچی
۱۸ر جنوری ۸۲ء

"..... اخبارِ اردو باقاعدگی کے ساتھ میری نظر سے گزرتا رہا ہے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ قومی زندگی میں اردو کو اس کا جائز مقام دینے اور دلانے کی کوششیں نتیجہ خیز شکل اختیار کررہی ہیں۔ مقتدرہ قومی زبان جیسے ادارے اور اس ادارے کی طرف سے اخبارِ اردو، جیسے ماہنامے کی ضرورت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے مندرجات تمام اربابِ علم و دانش کے لیے دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ ان مندرجات سے اربابِ علم اور اربابِ قلم کا باخبر رہنا ضروری ہے۔ اخبارِ اردو، صوری و معنوی دونوں اعتبار سے جاذبِ توجہ ہے۔..."

(پروفیسر) نظیر صدیقی
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
۱۴ر جنوری ۸۲ء

"...... اخبارِ اردو پابندی سے مل رہا ہے۔ مقتدرہ کے مقاصد کی تکمیل اور نفاذِ اردو کی اشاعت کے لیے ایسے پرچے کا اجرا ضروری تھا۔ پھر اصطلاحات، مترادفات، لغت اور دوسرے موضوعات پر مقتدرہ کی سرکاری رائے اور اس پر علماء کے ردِ عمل کے نتیجے میں ایک بہتر صورت نکل آنے کی توقع ہے اس لیے ایسے مباحث کو زیادہ سے زیادہ جگہ دینے کی ضرورت ہے۔

آپ نے ہندوستان کے لیے ایک صفحہ وقف کرکے بھی اچھا ہی کیا ہے اُدھر جو کچھ کام ہو رہا ہے اس سے باخبر رہنے کے لیے یہ ضروری ہے کیونکہ ہندوستانی کتب اور خصوصاً رسائل تک رسائی ہر شخص کے لیے آسان نہیں۔۔۔۔"

(ڈاکٹر) یونس حسنی
جامعہ کراچی، ۱۵ر جنوری ۸۲ء

❁

"۔۔۔۔ مقتدرہ قومی زبان کی زیرِ سرپرستی شائع ہونے والے "اخبارِ اردو" کے شمارہ جات باقاعدگی سے موصول ہو رہے ہیں۔ اور فروغِ اردو کے لیے مقتدرہ کی کاوشوں اور کامیابیوں کا علم ہوتا رہتا ہے۔ مذکورہ اخبار جہاں ایک طرف عوام و خواص میں اردو زبان کو مقبولِ عام بنانے کے لیے مفید خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ وہاں اس زبان کے تیکنیکی پہلوؤں کو بھی بہت خوبی سے اجاگر کر رہا ہے۔ اخبار کے مطالعہ سے یہ بھی واقفیت حاصل ہو رہی ہے کہ مقتدرہ اردو کو قومی زبان کے ساتھ ساتھ سرکاری زبان کا مقام دلانے کے لیے کیا کیا کاوشیں کر رہا ہے اور اقدام کر رہا ہے۔ اس کے مطالعے سے اردو زبان کا مستقبل روشن نظر آتا ہے۔ اردو زبان کی اس باقاعدہ سرپرستی کے لیے مقتدرہ مبارک باد کا مستحق ہے۔"

(ڈاکٹر) محمد معروف
وائس پرنسپل۔ گورنمنٹ کالج۔
جوہر آباد۔ ۱۸ر جنوری ۸۲ء

❁

"۔۔۔۔ اس اخبار کی وساطت سے ہمیں اردو دُنیا کی سرگرمیوں اور ترقی سے آگاہی ہوتی رہتی ہے۔

میں جناب ڈاکٹر انور سدید صاحب کی اس تجویز کی حمایت کرتا ہوں کہ اخبارِ اردو کے کاغذ کا معیار کم کرکے اسے پندرہ روزہ بنا دیا جائے یا پھر ماہانہ کے صفحات میں اضافہ کر دیا جائے۔ مجھے یہ کہنے میں فخر محسوس ہوتا ہے کہ ماہانہ اخبارِ اردو قومی زبان کے وقار کی بحالی میں ایک اہم ستون ہے۔۔۔۔"

راجہ جہانگیر اختر
سکرٹری بزمِ فکر نو گارڈن کالج
راولپنڈی، ۱۸ر جنوری ۸۲ء

❁

"۔۔۔۔۔ مقتدرہ قومی زبان "اخبارِ اردو" کے ذریعے کئی اہم کام سرانجام دے رہا ہے ایک طرف تو وہ اپنی سرگرمیوں سے عوام و خواص کو روشناس کر رہا ہے۔ دوسری طرف اہلِ علم اور اہل الرائے کے افکار و نظریات سے مستفید ہو رہا ہے اور دُنیا بھر میں اردو کے لیے جو مفید کام ہو رہے ہیں اُن کی اشاعت کر رہا ہے اور اردو کو ایک علمی زبان کی حیثیت دینے کے لیے اب تک جو مفید کام ہو رہے ہیں ان کی اشاعت سے ذہنوں کو اس طرف مائل کر رہا ہے کہ اردو نہ صرف ایشیا ہی کی ایک ممتاز ترین زبان ہے بلکہ یہ بین الاقوامی طور پر بھی عرصۂ دراز سے ایک معزز اور محترم زبان ہے اور اسلامی ثقافت کی بنیادی علامت ہے۔ یہ اس کا حق ہے کہ اسے پاکستان کی قومی زبان کی حیثیت جتنی جلد دی جا سکے بہتر ہے۔ اخبارِ اردو کی اشاعت وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔ کاش یہ کام بہت پہلے شروع ہوتا۔ میں کارکنانِ مقتدرہ قومی زبان کو ان کے اس جذبے اور خلوص پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔۔۔۔"

رحمت فرخ آبادی
سکھر۔ ۱۲ر جنوری ۸۲ء

❁

"۔۔۔۔ "اخبارِ اردو" کا مبارک اجرا بروقت اور اردو زبان کے حق میں ایک نیک فال ہے۔ اردو زبان کی ترقی و ترویج سے متعلق اس اخبار کے مضامین و مندرجات متنوع اور معلوماتی ہوتے ہیں۔ مقتدرہ قومی زبان نے جو عملی اقدامات کیے ہیں وہ بھی مستحسن اور قابلِ قدر ہیں۔ خصوصاً اردو ٹائپ رائٹر اور اردو ٹیلی پرنٹر کی ایجادات مقتدرہ کے قومی و تاریخی کارنامے ہیں۔ جن کے لیے یہ ادارہ اہلِ وطن کی جانب سے مبارک باد کا مستحق ہے۔۔۔۔"

وفا راشدی
جنرل سکرٹری دائرہ ادب کراچی
یکم جنوری ۱۹۸۲ء

❁

AKHBAR-E-URDU

"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"

34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK KARACHI-47

egistration No. S. 3195 — Vol: 2 —NO: 3 — March 1982

مقتدرہ کے زیرِ اہتمام دفترِ معلومات کا قیام

قومی زندگی کے تمام شعبوں میں قومی زبان اُردو کے استعمال میں سہولت کے لیے مقتدرہ قومی زبان نے ایک دفترِ معلومات قائم کیا ہے۔ اس دفتر سے عوام کو انگریزی الفاظ کے اردو مترادفات اور اصطلاحات ٹیلی فون اور ڈاک کے ذریعے فراہم کی جاتی ہیں۔ ٹیلی فون پر مذکورہ معلومات (جمعہ کے علاوہ) صبح ۱۰ بجے سے ایک بجے کے درمیان حاصل کی جاسکتی ہیں

ٹیلی فون : ۴۶۴۱۲۲

ڈاک سے معلومات حاصل کرنے کا پتہ یہ ہے:-

"دفترِ معلومات" مقتدرہ قومی زبان - ۳۴ - ڈی، بلاک نمبر ۷
گلشنِ اقبال، کراچی نمبر ۴۷۔

اخبارِ اردو

کراچی

اپریل ۱۹۸۲ء

"پنجابی، پشتو، سندھی اور بلوچی زبانیں چار ستون ہیں جن پر اُردو کی عمارت کھڑی ہے۔ یہ میرا ایمان ہے کہ مُلک میں جو چار پانچ زبانیں بولی جاتی ہیں اُردو ان کے درمیان ایک رابطہ ہے۔"

جناب جسٹس غوث علی شاہ
وزیرِ تعلیم، صوبہ سندھ

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مُقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل و نفاذ کا ایک عظیمُ الشّان نصبُ العینُ ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ــــــ قوم کے حسّاس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ــــــ

ماہنامہ
اخبارِ اردو
کراچی

فہرست

جلد نمبر ۲ شمارہ ۴
جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ اپریل ۱۹۸۲ء

مقتدرہ قومی زبان

۳۲-ڈی، بلاک ۷، گلشن اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون : ۲۰-۴۶۳۱۲۱
قیمت : ایک روپیہ۔ سالانہ چندہ دس روپے
طابع : المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معروضات

ہماری ذمہ داری

موجودہ حکومت کا عہد اردو زبان کی ترویج اور سرکاری سرپرستی کے لحاظ سے سابقہ حکومتوں کے عہد کے مقابلہ میں یقیناً زیادہ حوصلہ افزا ہے۔ اردو کی اہمیت کو تسلیم کرنے اور اسے سرکاری سطح پر رواج دینے کا جو عمل ایک حد تک، اب نظر آتا ہے ـــــ یا جو عزم اور ارادے اُردو کے تعلق سے موجودہ حکومت کے نظر آتے ہیں. گزشتہ ادوار میں محض زبانی اقرار اور وعدوں پر مشتمل تھے. لیکن اس کے باوجود اُردو کے نفاذ اور سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے رواج کی جو کیفیت ہونی چاہیے تھی وہ بہرحال اس طرح نہیں ہے ـــــ جو اس کا تقاضہ تھی. حکومت کے قومی زبان کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کے کم از کم سرکاری سطح پر رواج اور نفاذ میں وہ پیش رفت نظر نہیں آتی جو فی الواقع ہونی چاہیے تھی اور کچھ عرصہ قبل حکومت کے عزائم کو دیکھتے ہوئے جس کی امید بندھ گئی تھی. ایسے متعدد اعلانات اور ارادے جو حکومت وقتاً فوقتاً قومی زبان کے نفاذ کے تعلق سے ظاہر کرتی رہی ہے، ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے ہیں اور تمام تر منصوبوں اور وسائل کے باوجود بعض نامعلوم اسباب کے تحت قومی زبان کا نفاذ سرکاری اور قومی سطح پر تعطل کا شکار نظر آتا ہے ـــــ اور اس کے لیے جو سمت اور رفتار ہونی چاہیے تھی وہ اختیار نہیں کی گئی. حالانکہ قومی زبان کے نفاذ میں تاخیر تو ہو سکتی ہے، لیکن یہ فی الحقیقت قوم اور ملک کا مقدر بن چکی ہے اور اسے جلد یا بدیر نافذ ضرور ہونا ہے۔ بہرحال قومی زبان کے نفاذ کا مستقبل بہت کچھ خوش گوار امیدوں کا حامل ہے اور حکومت اور ارباب اختیار یقیناً جلد اس کے نفاذ کی صحیح سمت کا تعین کرلیں گے اور قوم قومی زبان کی برکتوں سے کماحقہٗ فائدہ اٹھا سکے گی.

لیکن قومی زبان کے نفاذ اور اس کے عام رواج میں جو تعطل، تاخیر اور سست رفتاری نظر آتی ہے ـــــ کیا یہ محض حکومت اور ارباب اختیار کے سبب ہے؟ یہ سوال بجائے خود قومی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ قومی ترقی اور فلاح و بہبود میں خود قوم کا کس قدر حصہ ہوتا ہے اور قوم اپنی ترقی اور اپنے زوال کی خود کتنی ذمہ دار ہوتی ہے؟ قومی زبان کا نفاذ سرکاری اور قومی سطح پر یقیناً حکومت کی ذمہ داری محسوس ہوتا ہے۔ اور حکومت کے توسط سے اس کے نفاذ میں بڑی تیز رفتاری اور آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن جب تک پوری قوم خود اس کے لیے آمادہ اور تیار نہ ہو کوئی بہتر نتیجہ سامنے نہیں آسکتا. اس اعتبار سے یہ بڑی حد تک خود قوم پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کس معاملہ میں کس حد تک پیش رفت کر سکتی ہے اور اس کی زندگی میں کوئی انقلاب کس طرح آسکتا ہے؟

قومی زبان کا نفاذ اگر سرکاری سطح پر حکومت کی ذمہ داری ہے تو قومی اور عوامی سطح پر اس کے نفاذ اور رواج کی ذمہ داری سے کوئی قوم خود کیوں کر پہلو تہی کر سکتی ہے؟ کیا اب تک سرکاری اور قومی سطح پر قومی زبان کے عدم نفاذ کی ذمہ داری خود ہماری اپنی بھی نہیں ہے؟ یہ عدم نفاذ صرف یک طرفہ نہیں۔ ہم اپنے پیٹ اور اپنے حقوق کے لیے ہزاروں مطالبات مرتب کر سکتے ہیں، لیکن کیا ان

مطالبات کے درمیان اس تواتر کے ساتھ کبھی قومی زبان کے نفاذ کا مطالبہ بھی اپنی جگہ حاصل کر سکا؟ قومی زبان کے نفاذ اور رواج کا وہ مسئلہ جس پر حال کی تعمیر اور مستقبل کی ترقی کی بنیادیں استوار ہیں، کیا ہماری ضروری اور مناسب توجہ حاصل کر سکا؟ کیا وہ ادارے جو اُردو کے لیے اُردو کے نام پر قائم ہیں، اُردو کا حق کس اعتبار سے ادا کر رہے ہیں؟ ہماری چھوٹی بڑی کئی انجمنیں ہیں، جو اکثر ایک دوسرے کی بے عملی پر طعنہ و خندہ زن رہتی ہیں، لیکن ان میں سے کیا کسی نے بھی اپنے فرائض کو اچھی طرح ادا کیا ہے؟ ہم ان انجمنوں کے عہدوں اور کرسیوں کے بل بوتے پر ہزاروں آسائشیں، شہرت، وقار اور سیر و تفریح کے مواقع حاصل کر لیتے ہیں —— لیکن کیا ہم کبھی عمل کے میدان میں بھی آئے ہیں؟

ہمارے شاعر اور ادیب اور دانشور قدیم و جدید اور ترقی پسندی و غیر ترقی پسندی کی بحث میں الجھے رہتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں کہ جب زبان پر زوال طاری ہو جاتا ہے تو سارے موضوعاتِ بحث ختم ہو جاتے ہیں۔ شعر و ادب کا سارا تانا بانا زبان ہی پر بُنتا ہے۔ جب زبان ہی میں فروغ نہیں تو شعر و ادب میں کہاں؟ یہ وقت ہے زبان کی تحریک کا نہ کہ ادب کی تحریکوں کا۔ ادبی تحریکیں تو ذہنی نشو و نما حاصل کرتی ہیں، جب زبان میں تحریک اور تجدد نہ ہو تو ادب میں کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ جب زبان ہے تو "انفرادیت" اور "وجودیت" کی بحث کوئی معنی بھی رکھتی ہے ورنہ سب بے معنی ہے۔ یہ وقت "اظہار" کا نہیں بہتر وسیلۂ اظہار کا ہے۔

ہمارے بیشتر امرائے ادب، جو دانشوروں کی صف میں بھی جگہ پا لیتے ہیں، اُردو کے حق میں نہایت بلند بانگ نعرے لگاتے ہیں۔ مضامین لکھتے ہیں، بیانات دیتے ہیں، اردو کے اداروں اور انجمنوں سے وابستہ ہو کر اُردو سے اپنے فرطِ عشق کا اظہار کرتے نہیں تھکتے، لیکن نہایت دیانت و ذہانت کے ساتھ اپنے بچوں کے لیے ایسے اسکول منتخب کرتے ہیں جہاں اردو کا نام و نشان نہ ہو۔ ان کے مضامین اور بیانات تو اردو میں ہوتے ہیں، لیکن ان کی گفتگو انگریزی کے بغیر آگے نہیں بڑھتی۔ ہم میں سے کتنے ادیب و شاعر اُردو کے نام لیوا ہیں جو صرف اردو میں دستخط کرتے ہیں؟ ہم جس غلامی کی راہ سے گزرتے ہوئے انگریزی میں دستخط کرنے کی منزل تک آئے ہیں —— شاید منتظر ہیں کہ کوئی سرکاری حکم یا قانون ہی ہمیں اُردو میں دستخط کرنے پر مجبور کرے۔

اسی طرح ہماری زندگی کے عام شعبوں سے تعلق رکھنے والوں، بالخصوص تاجروں کا بھی یہی حال ہے۔ اگر ہم چاہیں تو صرف ایک دن میں اپنے جملہ اشتہارات، رسیدیں، دکانوں کے نام، بازاروں اور سڑکوں پر آویزاں اشتہاراتی تختے وغیرہ اُردو میں منتقل کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے کسی سرکاری حکم یا قانون کا انتظار کیا معنی رکھتا ہے؟ ان باتوں کے لیے نامعلوم کیوں ہم پہل کرتے ہوئے جھجکتے ہیں؟ صارفین کو بہرحال اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے —— وہ انگریزی کے اعداد اور حروف خریدنے کبھی بازار کا رخ نہیں کرتا۔ پھر یہ کہ بازار میں کتنے ایسے افراد کا گزر ہوتا ہے جو صرف انگریزی سمجھتے ہیں؟ اُردو ہر صورت میں دائرہ ابلاغ کو وسیع کرتی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اب جو غیر ملکی سفارت کار پاکستان آتے ہیں ان کی ایک اچھی خاصی تعداد اردو سے آشنا ہوتی ہے —— لیکن ہم ہیں کہ انہیں بلکہ ان لوگوں کو بھی جنہیں انگریزی بالکل نہیں آتی، انگریزی ہی پڑھائے جاتے ہیں! دیہات سے شہروں میں آنے والے بالکل معصوم اور ان پڑھ لوگوں کی آنکھیں بھی انگریزی کے انجانے حروف اور اعداد سے ہی دوچار ہوتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج اردو انگریزی کے صحن اور چہار دیواری میں دفن ہے اور ہم اس کی رہائی کے لیے ذرا بھی نہ فکرمند ہیں نہ کوشاں ہیں۔ اگر ہر شخص قوم کے ایک فرد کی حیثیت میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کر لے اور کم از کم اپنے دائرہ اختیار میں انگریزی کا ہر طرح استعمال ترک کر کے اردو کا استعمال شروع کر دے تو ملک کا ہر گوشہ قومی زبان کے رواج سے آراستہ ہو جائے گا۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

قسط ۳

لسان اور مطالعہ لسان میں مسلمانوں کی خدمات

قرارت قرآن کے سلسلہ کی مشہور کتابوں میں الفہرست میں ہی ۲۳ اہم تصانیف اوران کے مصنفین کا ذکر ہے اور یہ کتابیں صرف قرارت کے فن سے متعلق ہیں۔ قرآن کے نقاط واعراب، الامات سے متعلق کتب، قرآن کے وقف اورابتدار کے بارے میں کتابوں کو بھی شامل کرلیں تو یہ فہرست بہت طویل ہوگی اسی طرح وہ مقامات قرآن جہاں لفظ ومعنی ہم آہنگ ہیں ان پرایک ایک موضوع کی حیثیت سے کتابیں موجود ہیں۔ قرارت اوراس کے بعض ذیلی مضامین جن کا ہم نے یہاں ذکر کیاان کا براہ راست تعلق جدید لسانیات کی اصطلاحات میں صوتیات اوراس کے ذیلی شعبہ حرکی صوتیات MOTOR OR ARTICULAGOIG PHONETICS سے ہے۔ مثلاً جہاں وقف کا ذکر ہے وہ صوت ہے جسے ہم آج کی جدید اصطلاح میں JUNCTURE کہتے ہیں۔ مثلاً اردو میں ایک مثال دیکھیے "آپا جی" بہن کو عزت سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ آ اور پاجی کے درمیان وقفہ بڑھا دیجیے تو معنی "آ" "پاجی" کچھ اور ہی ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح لفظ ومعنی کے ہم آہنگی کو جدید اصطلاح میں حکایت الصوت ہے یا ONAMATOPOEA کہتے ہیں۔ ان مسلمان قرار کے سامنے صوتیات کی یہ تمام جزئیات موجود تھیں اورانہوں نے تفصیل سے ان پر پوری پوری کتابیں لکھی ہیں مثلاً محض وقف اورابتدار کے بارے میں بعض تصانیف اوران کے مصنف یہ ہیں۔

(۱) کتاب الوقف والابتدار — از حمزہ
(۲) کتاب الوقف والابتدار — از فرار
(۳) کتاب الوقف والابتدار — از خلف
(۴) کتاب الوقف والابتدار — از ابن سعدان
(۵) کتاب الوقف والابتدار — از ضرار بن صرد
(۶) کتاب الوقف والابتدار — از ابوعمر دورسی
(۷) کتاب الوقف والابتدار — از ہشام بن عبداللہ
(۸) کتاب الوقف والابتدار — از ابوعبدالرحمٰن یزیدی
(۹) کتاب الوقف والابتدار — از ابن انباری
(۱۰) کتاب الوقف والابتدار — از ابن کیعان
(۱۱) کتاب الوقف والابتدار — از جعدی
(۱۲) کتاب الوقف والابتدار — از ابوایوب سلیمان بن یحیی ضمی

یہ فہرست ہم نے ابن ندیم کے حوالے سے مرتب کی ہے۔ جو اس نے الفہرست میں دی ہے۔ یاد رہے کہ الفہرست کا سن تصنیف ۳۷۰ ہے اوراس کی وفات ۲۰ شعبان ۳۸۵ھ کو ہوئی۔ بعض حوالوں میں سنہ وفات ۳۹۰ھ بھی بتایا گیا ہے اور بعض نے چہارشنبہ ۲۰ شعبان ۳۸۵ھ لکھا ہے۔ گویا یہ تو صرف ان کتابوں اور مصنفین تک محدود ہے جو چوتھی ہجری کے اواخر تک مسلمانوں کے ذخیرہ علوم کی محض اس ایک شاخ میں حوالے کی صرف ایک کتاب میں ملتے ہیں ظاہر ہے کہ اگلے ایک ہزار سال میں جب اسلام عرب سے نکل کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے میں پھیل چکا تھا اور سلطنت حدود اسلام میں ایسے ممالک آچکے تھے جن کی زبانیں اور زبانوں کا صوتی نظام عربی سے مختلف تھا اوراس علم نے دیگر ممالک میں اس علم کے مختلف پہلوؤں۔ طریق مطالعہ اور نہج تحقیق سے آشنائی بہم پہنچائی ہوگی تو یہ سلسلہ بھی آگے بڑھا ہوگا اور ہزار سال میں عربی کے علاوہ ترکی، فارسی، اردو اور دنیا کی مختلف زبانوں اور بولیوں میں بڑا ذخیرہ بہم پہنچا ہوگا۔ یہ بجائے خود تحقیق کا ایک اہم موضوع ہے

اور مقالے میں آگے چل کر ہم اس سلسلے میں اختصار سے مزید اضافہ کریں گے۔ قرارت یا قرآن حکیم پڑھنے کے فن کو اصطلاحاً تجوید کہتے ہیں۔ لغت میں اس کے معنی اچھے اور عمدہ کے ہیں۔ اصطلاح قرار میں ہر حرف کو اس کے مخرج مقررہ سے تمام صفات جن میں صفات لازمہ و عارضہ دونوں شامل ہیں بغیر کسی تکلف، تصنع، دقّت اور شک و شبہ کے ادا کیا جائے۔ اس فن کے بارے میں بعض نے یہ بھی بیان کیا ہے تجوید کا موضوع حروف تہجی ہیں اور غایت یہ ہے کہ پڑھنے والا حروف اور صفات میں غلطی نہ کرے اور قرآن حکیم کی تلاوت صحیح نہ کرنے سے اکثر ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس طرح پڑھنا اور سننا دونوں حرام ہیں۔ اصل صورت تو یہ ہے کہ حروف تہجی تو محض آوازوں کے ظاہر کرنے کی مخصوص علامات ہیں اور ان میں بھی عہد بہ عہد مختلف زبانوں میں ہی ایسا تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے کہ حرف و صوت کو ایک دوسرے کا عین نہیں کہہ سکتے مثلاً اہل عرب میں ہی مختلف زمانوں میں رائج رسم الخط عبرانی سے کوفی اور اور کوفی سے نسخ اور فارسی میں کتبات کے نوشتوں کے رسم الخط سے اوستائی اور نسخ و نستعلیق تک اور اردو میں نسخ و نستعلیق کا ارتقا اس کی چند مثالیں۔ کسی بھی زبان میں تحریر جو حروف تہجی پر دبا اس سے پہلے مصوراتی تحریریں مثلاً مصری مصوراتی تحریریں یا نیم مصوراتی مثلاً چینی رسم الخط پر مبنی ہو بہت بعد میں اختیار ہوتی ہے۔ سندھی کے موجودہ رسم الخط کو ابھی دو صدیاں بھی پوری نہیں ہوئیں اور بروہی کے موجودہ رسم الخط کو ایک صدی بھی پوری نہیں گزری حالانکہ ظاہر ہے یہ زبانیں پہلے سے موجود تھیں۔ بولی جاتی تھیں لکھی نہیں جاتی تھیں ہند آریائی زبانوں کے پاک و ہند حلقے کی تاریخ بھی کوئی چار سے پانچ ہزار سال پہلے تک جاتی ہے لیکن قدیم ترین تحریریں جو ہم تک پہنچی ہیں وہ اشوک کے کتبات میں ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حروف تہجی اور اصوات میں خلط مبحث نہیں کرنا چاہیئے اور حرف کو اصوات کی محض علامت کہنا چاہیئے۔ یہ ایک الگ فن ہے اور اس کے بارے میں بھی آگے چل کر مسلمانوں کے کارناموں کا مختصر جائزہ لیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں کسی زبان کی قدیم ترین جو اب تک دستیاب ہوئی ہے وہ پانینی کی تصنیف ہے جو پانچویں صدی قبل مسیح کا ایک مصنف اور موجودہ ٹیکسلا کا رہنے والا تھا جو بدھوں کے دور اقتدار میں اور شاید اس سے بھی پہلے ایک عظیم علمی مرکز رہا تھا۔ پانینی کی اس قواعد کا مقصد بھی یہ تھا کہ صدیوں کی زبانی روایت کی وجہ ویدوں کی تعلیم جو صرف برہمنوں کے لیے مخصوص اور محدود تھی۔ اس میں قرارت اور روایت کا اس قدر فرق پیدا ہو گیا تھا کہ خود برہمنوں کے لیے دشواری کا سامنا تھا۔ شاید یہ کیفیت پانینی سے پہلے ہی پیدا ہو چکی ہوگی کیونکہ پانینی نے اپنے کئی پیشرو قواعد نویسوں کا ذکر کیا ہے جن کی تصانیف ہم تک نہیں پہنچی ہیں۔ لیکن جن کے حوالے پانینی اور دوسرے قواعد نویسوں کے یہاں ملتے ہیں۔ اس کی پوری تاریخ ہمارے موضوع سے خارج ہے سنسکرت[1] ادبیات کے مورخین نے ویدک ادبیات کو چھ موضوعات میں تقسیم کیا ہے جن کو اصطلاحاً ویدانگاس (وید کے انگ یا حصے) کہتے ہیں۔ ان میں پہلا موضوع شکشا ہے۔ جس میں صوتیات سے بحث کی جاتی ہے۔ اس موضوع پر کتابوں میں وید پڑھنے اور صحیح تلفظ کیلئے ہدایات ہیں[2]۔

(1) A HISTORY OF SANSKRIT LITERATURE
A.A MACDONELL. 1917. LONDON, P. 264-65.

(2) PRONOUNCIATION CONTRASTS IN ENGLISH
DON.L.F.NILSEN & ALAN PACE NILSEN SIMON & SCHUSTER NEW YORK, 1971, P. 9

(جاری ہے)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کے مقالہ کی دوسری قسط (مطبوعہ اخبار اردو شمارہ فروری ۱۹۸۲) میں سہواً بعض عبارتیں غلط مقامات پر چسپاں ہو گئیں۔ جس کی وجہ سے قارئین کو زحمت اور الجھن سے دوچار ہونا پڑا۔ ہم اس سہو کے لیے فاضل مقالہ نگار اور قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس قسط میں عبارتوں کا تسلسل ذیل کے مطابق ملالیں۔

۱۔ صفحہ ۸ کالم ۱ سطر ۴ کے بعد
کالم ۲ سطر ۷

۲۔ صفحہ ۸ کالم ۲ سطر ۶ کے بعد
صفحہ ۹ کالم ۱ سطر ۹

۳۔ صفحہ ۹ کالم ۱ سطر ۸ کے بعد
صفحہ ۸ کالم ۱ سطر ۵

افکار معاصرین

قومی زبان کو رائج کرنے کیلئے قانون بنایا جائے

دنیا کے ہر ملک کی اپنی قومی زبان ہوتی ہے اور اس ملک کو اپنی زبان پر اس قدر فخر ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان کو باوجود کم اہم ہونے کے دوسری تمام زبانوں پر فوقیت دیتا ہے زبان کے بارے میں بات کرتے ہوئے ان ممالک کو ضرور داد دینی پڑتی ہے جو باوجود دوسرے ممالک میں رہنے کے اپنے ملک کی زبان کو کس قدر اولیت دیتے ہیں۔ مثلاً ویت نام کی مثال لیجیے ویت نام کا باشندہ دنیا کے کسی بھی حصے میں کاروبار کرے گا تو اس ملک کی زبان کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کو بھی جاری رکھے گا۔ مثلاً اسٹور کا نام اپنے ملک کی زبان میں بھی لکھے گا۔ وہ اپنے ہم وطنوں سے اپنی زبان میں بات کرے گا اور بات کرتے ہوئے اپنی گردن فخر سے بلند رکھے گا۔ چین کے باشندے غیر ممالک میں تجارت کرتے ہیں تو اپنی دوکانوں پر روزگار چینی کی زبان میں نام لکھتے ہیں۔ ہندوستان کی حکومت نے دیوناگری رسم الخط اختیار کر کے مسلمانوں کو اپنے عظیم ورثا سے محروم کر دیا۔ آج ہندوستان کے نوے فیصد افراد آپس میں رابطہ کرتے وقت اردو کے الفاظ بولتے ہیں وہ اپنی فلمیں اُردو زبان میں تیار کرتے ہیں بھارت کے ممتاز گلوکار اُردو زبان میں گاتے ہیں لتا منگیشکر اور محمد رفیع مرحوم کے گانے تمام کے تمام اردو میں ہیں جس فلم میں اردو گانا نہ گایا جائے بھارت میں وہ فلم شہرت اختیار نہیں کر سکتی گزشتہ دنوں چند ہندو ادیبوں کی ایک مجلس ہوئی وہ اس مجلس کو ہندی مجلس کہتے تھے مگر وہ بات چیت اور بحث و مباحثہ اُردو زبان میں کرتے تھے۔ میں نے ایک ہندو رام لعل سے پوچھا حضرت یہ تو آپ سب مباحثہ اور پروگرام اردو زبان میں پیش کر رہے ہیں، کہنے لگے ”دراصل ہندی اور اردو میں کوئی فرق نہیں ہے“۔ میں نے کہا آپ ایسا کیوں نہیں کہتے کہ ہم نے اُردو کو ہندی بنا دیا ہے تو وہ مسکرائے اور پہلی دفعہ ان کی زبان سے یہ الفاظ میں نے سُنے کہ ہندوستان میں ہم نے صرف رسم الخط تبدیل کیا لوگوں کو ہم بولنے سے منع نہیں کر سکتے ان کا کہنا تھا کہ بھارت میں اردو زبان واحد زبان ہے جو مختلف صوبوں میں رابطہ کا کام دیتی ہے۔ آج بھی بھارت کے دیگر کاروباری لوگ ٹھیٹھ ہندی زبان نہیں بول سکتے اور جب وہ اُردو زبان میں بات کرتے ہیں تو اسے ہندی کا نام دیتے ہیں اسی سے اندازہ لگا لیجیے کہ ہندو نے اپنی قومی حیثیت کو بحال رکھنے کے لیے اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت کے سبب اردو زبان کو ہندی بنا دیا مگر ہم اُردو کو آج بھی مملکت خداداد پاکستان میں اس کا صحیح مقام نہیں دے سکے۔

کسی زبان کو پڑھنا قطعاً بُری بات نہیں آپ جتنی بھی زبانیں سیکھ سکتے ہیں سیکھیں کیونکہ زبان رابطہ کا کام دیتی ہے۔ مگر اپنے قومی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی قومی زبان کو نظر انداز کرنا دراصل قوم کے ساتھ بہت ہی بڑی زیادتی ہے چنانچہ پاکستان میں ایک ایسا طبقہ اعلیٰ ملازمتوں پر قابض ہے جس کا ذہن انتہائی غلامانہ ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ غیر ملکی پاکستانی سفارتخانوں میں اگر کسی معمولی کلرک سے بھی مخاطب ہوں تو وہ اُردو زبان میں مخاطب ہونے کی کبھی زحمت نہیں کرے گا الٹا وہ انگریزی زبان کا بیڑہ غرق کرے گا گزشتہ دنوں میں نے سفارتخانہ والوں کو فون کیا ایک صاحب فون پہ حاضر ہوئے میں نے السلام علیکم سے ابتدا کی مگر انہوں نے سلام کا جواب دینے کے بجائے فرمایا ”گڈ مارننگ آئی ایم پاکستان ایمبیسی“۔ میں نے حیرت سے پوچھا حضرت آپ پاکستان ایمبیسی ہیں۔

اس وقت میں نے اندازہ لگایا کہ ہمیں ابھی قومی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے کتنے بڑے انقلاب کی ضرورت ہے جہاں ایک معمولی پڑھا لکھا ملازم اپنی زبان میں بات کرنا گوارہ نہیں کرتا وہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ آفیسر حضرات کتنے فخر سے اپنی زبان کو نظر انداز کر کے خوش ہوتے ہوں گے۔

آیئے۔ ذرا آپ کو ایسے ممالک کی فہرست دکھائی جائے جن کی زبان انگریزی نہیں اور ان میں سے بعض ایسے ممالک بھی ہیں جن کے ملک میں انگریزی اخبار تک شائع نہیں ہوتا مگر انہوں نے ترقی کر لی اور آج وہ انگریزی زبان بولنے والے ملکوں کو بھی چنے چبوا رہے ہیں، روس جہاں پر انگریزی زبان میں کوئی اخبار تک شائع نہیں ہوتا جہاں کسی بھی دفتر اور دوکان پر انگریزی بورڈ نہیں لگا ہوا جہاں کی یونیورسٹی میں دوسری زبانوں کی تعلیم ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بیرونی دنیا میں روسی خدمات سرانجام

دیں اور آج وہی روس ٹیکنالوجی میں امریکہ پر سبقت لے جا رہا ہے کیا اس نے انگریزی زبان کی وجہ سے یہ ترقی کی، ہرگز نہیں۔

چین: چین میں گزشتہ دنوں پہلا انگریزی اخبار شائع ہوا۔ چین میں اس سے قبل انگریزی اخبار بھی کوئی نہیں تھا۔ آج چین اپنی زبان کو پروان چڑھا کر دنیا کی سب سے بڑی آبادی کو روٹی اور کپڑے کی سہولت مہیا کر رہا ہے کیا اس نے انگریزی زبان کی وجہ سے ترقی کی اور اگر ایسا نہیں تو انگریزی زبان کی حمایت میں بولنے والے کیا جواز پیش کرتے ہیں۔

جاپان: جنگ عظیم میں اس کی صنعت و حرفت کی تمام بنیادیں ہل گئیں۔ مگر اس نے اپنی قومی جرأت کا مظاہرہ کیا اور آج وہ ٹیکنالوجی کے میدان میں پوری دنیا کو زیر کر چکا ہے اور اس سال اس نے امریکن آٹو انڈسٹریز پر بھی سبقت حاصل کر لی۔ چنانچہ امریکن حکومت نے مجبور ہو کر جاپان کی کاروں کی درآمد کو کوٹہ سسٹم کے تحت کر لیا۔ ورنہ امریکہ کی آٹو انڈسٹری کو جاپان والوں نے بند کر دیا تھا۔ اور جاپان نے یہ ترقی کسی زبان کی سرپرستی کر کے حاصل نہیں کی۔

مغربی جرمنی: جرمن جو صرف جرمنی میں ہی بولی جاتی ہے۔ یہ زبان اتنی وسعت اختیار نہیں کر سکی۔ مگر پھر بھی جرمن قوم آج اسی زبان کے بل بوتے پر انڈسٹری اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ جرمنی میں تمام سرکاری اداروں اور یونیورسٹیوں میں جرمن زبان کو اولیت حاصل ہے۔ اور ٹیکنالوجی کے میدان میں کسی اور زبان کی سرپرستی قبول نہیں کی گئی

فرانس: فرانس کی زبان فرنچ ہے یہی فرانسیسی زبان جو انگریزی کے بعد دوسری بڑی بین الاقوامی زبان ہے۔ فرانس میں فرانسیسی زبان ہی کو اولیت حاصل رہی ہے۔ اور فرانس میں آج تک انگریزی زبان کو اسی طرح نفرت سے دیکھا جاتا ہے۔ جس طرح کچھ عہد قبل انگریز اور فرانسیسیوں کی آپس میں جنگوں کی وجہ سے ان دو قوموں کے درمیان نفرت ہوئی تھی۔ چنانچہ آج بھی فرانسیسی لوگ انگریزی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان تمام باتوں کی تفصیل میں جانے کے بعد کوئی انتہائی احمق ہی ہوگا جو یہ کہے کہ قوموں کی ترقی غلط زبان کو اپنانے سے ہوتی ہے۔ آیئے اس کے بعد ان ممالک کو دیکھیں جو فرنچ یا انگریزی زبانوں کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دے رہے ہیں۔

(۱) نائجیریا سرکاری زبان انگریزی
(۲) لبنان سرکاری زبان فرانسیسی اور عربی
(۳) الجزائر سرکاری زبان فرانسیسی اور عربی
(۴) مراکو سرکاری زبان فرانسیسی اور عربی
(۵) گھانا سرکاری زبان انگریزی (۶) یوگنڈا سرکاری زبان انگریزی (۷) شام سرکاری زبان عربی (فرانسیسی زبان کو اولیت) (۸) جبوتی سرکاری زبان فرانسیسی (۹) کینیا سرکاری زبان انگریزی (۱۰) زمبابوے سرکاری زبان انگریزی (۱۱) ہندوستان زبانیں ہندی انگریزی (دفتری زبان) (۱۲) پاکستان دفتری زبان انگریزی (قومی زبان اردو) (۱۳) تنزانیہ سرکاری زبان انگریزی

یہ چند ایک ممالک ہیں جن کا ذکر کیا گیا اب کیا ان ممالک سے زیادہ ترقی کی ہے۔ جنہوں نے اپنی قومی زبانوں ہی کو اولیت دی جن میں جاپانی روسی اور چینی شامل ہیں۔ اگر نہیں کی تو پھر انگریزی زبان کا ان ممالک کو کیا فائدہ ہوا۔ گویا اس تمام بحث و مباحثے کا نتیجہ یہی نکلا کہ قوموں کی ترقی دوسرے ملکوں کی زبان اپنانے سے نہیں ہوتی بلکہ قومی اتحاد، اپنی ثقافت کی حفاظت اور اپنی قومی حیثیت پر فخر سے ہوتی ہے۔ اور ان ہی اصولوں کی وجہ سے بے شمار قومیں دنیا کے نقشہ پر مٹ کر بھی دوبارہ ابھر گئیں۔ جن میں یہودی شامل ہیں اور جرمنوں اور جاپانیوں کو بھی اس فہرست سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

آیئے اب دیکھیں کہ قومی زبان کو نافذ کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے جا سکتے ہیں اس سلسلے میں کینیڈا کے صوبہ کیوبک اور لیبیا کے صدر قذافی کو مثال بنایا جا سکتا ہے۔ اس وقت دنیا میں دو جگہیں ایسی ہیں جہاں سرکاری زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کو دفتروں میں استعمال کرنے پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اور جہاں کے کاروباری اداروں کے نام سے لے کر عام اسٹور وغیرہ بھی اس جگہ کی سرکاری زبان کے مطابق ہوتے ہیں۔ پہلے صوبہ کیوبک کی طرف آتے ہیں کینیڈا کے اس صوبے کی نوے فیصد آبادی فرانسیسی نسل سے تعلق رکھتی ہے دوسرے سارے صوبے انگریزی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے اس صوبے کے اکثریت والے علاقے کو ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا رہا اور فرانسیسی نسل کے

بھارت میں اردو زبان واحد زبان ہے جو مختلف صوبوں میں رابطے کا کام کرتی ہے

لوگ انگریزی نسل کے لوگوں کو دیکھتے رہے آخر تنگ آکر انہوں نے ایک علیحدگی پسند کو منتخب کر لیا جو صوبے کو کنیڈا سے الگ کرنے کا حامی تھا۔ اور انتہا پسند فرانسیسی تھا۔ انہوں نے اسے منتخب کر لیا اور منتخب ہونے کے بعد وزیر اعلیٰ نے صوبے میں سرکاری زبان کو مکمل طور پر فرانسیسی کر دیا۔ اس نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

(۱) تمام صوبے میں کاروباری اداروں کے ناموں کو انگریزی سے تبدیل کر کے فرنچ زبان میں کرنے کا حکم جاری کر دیا چنانچہ کوئی بھی دوکاندار یا کمپنی کا اہل کار انگریزی نام نہیں رکھ سکتا۔

(۲) صوبے میں ہر جگہ کمپنی کے ریکارڈ کو فرانسیسی زبان میں منتقل کرنے کا حکم دے دیا گیا اور باقاعدہ پارٹیاں تشکیل دی گئی جو دفتروں کا ریکارڈ لکھیں گی اور تحقیقات کر کے رپورٹ دیں گی۔

۳۔ کسی فرانسیسی زبان بولنے والے اور اس نسل سے تعلق رکھنے والے بچے کو انگریزی اسکول میں داخل کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ (ثابت ہونے پر اس کے تمام گریڈ غیر قانونی قرار دیئے جاتے ہیں جو شخص بچوں کو غیر قانونی داخلہ کروائے۔

۴۔ تمام باہر سے آنے والوں کی نسل کو آئندہ اس صوبہ میں فرانسیسی اسکولوں میں پڑھنا ہوگا۔ انگریزی اسکولوں میں داخلہ صرف ان لوگوں کے بچوں کو مل سکے گا۔ جو یہ ثابت کریں کہ ان کے خاندان میں کسی نے انگریزی اسکول میں پڑھا ہے۔

چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سال کے اندر اندر سڑکوں کے نام تبدیل ہو گئے اشتہارات کے بورڈ تبدیل ہو گئے۔ اور انگریزی بولنے والے لوگ بھی مجبور ہو کر فرانسیسی زبان سیکھنے لگے کیونکہ ان کے پاس سوائے اس کے اور کیا چارہ تھا۔ یہ اقدامات ایک صوبہ کے وزیر اعلیٰ نے کیے جو مرکز کے ماتحت تھا۔ جس کے اقدام سے نو دوسرے صوبے مخالف تھے۔ مگر اس نے جرأت کا مظاہرہ کیا اور آج اس صوبہ میں انگریزی انگریزوں کی زبان ہے۔ اس سے ملتا جلتا کام صدر معمر قذافی نے

آج سے چار سال قبل کیا تھا جو موصوف نے ایک حکم کے تحت تمام اداروں اور کمپنیوں میں عربی کو سرکاری حیثیت دے دی تھی۔ یہاں تک کہ پاسپورٹ پر کسی دوسری زبان کو بھی ممنوع قرار دے دیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے لیبیا میں تمام کے تمام اداروں میں عربی زبان کی حاکمیت قائم ہو گئی تھی۔

اگر حکومت پاکستان کنیڈا کے ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ کی طرح مندرجہ ذیل اقدامات کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اردو کو اس کا مقام نہ مل سکے۔

۱۔ مارشل لاء کا ایک حکم جاری کیا جائے کہ آج سے پاکستان کے چاروں صوبوں اور ملحقہ علاقوں میں دفتری زبان اردو ہوگی۔

۲۔ تمام اداروں کے نام آئندہ اردو میں ہوں گے اور غیر ملکی کمپنیاں دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں بھی کمپنی کا نام اور کارکردگی لکھیں۔

۳۔ تمام اداروں میں اردو کو اولیت دی جائے اور یونیورسٹیوں میں اردو زبان کو اولیت دی جائے اور تمام کتابوں کا ترجمہ اردو زبان میں کرنے کے اقدامات کیے جائیں۔

۴۔ دفتری زبان کو اردو کے سوا کسی دوسری زبان میں لکھنے والے کو سزا دی جائے۔ تو میرا خیال ہے کہ کوئی بھی ایسی جرأت نہیں کر سکے گا کہ وہ اردو زبان کو نظر انداز کر سکے اس لیے ضروری ہے کہ اگر موجودہ حکومت قومی زبان کو اولیت دینے میں مخلص ہے تو اسے سابقہ حکومتوں کی طرح کاغذی منصوبے بنانے کے بجائے عملی اقدام کرنے چاہئیں تاکہ بیرونی ممالک میں رہنے والے پاکستانی لوگوں کے بچے بھی اردو زبان کی طرف توجہ دے سکیں۔ بیرونی ممالک میں اس وقت پاکستانیوں کی اولاد اردو زبان سے بالکل نابلد ہو چکی ہے کیونکہ پاکستان میں جب انگریزی کو اہمیت حاصل ہے تو انہیں اردو زبان پڑھنے کی کیا ضرورت ہے اس لیے اگر پاکستانی حکمران اور سیاستدان پاکستان میں قومی تشخص ابھارنے میں مخلص ہیں تو انہیں بھانت بھانت کی بولیوں کے بجائے ایک بولی پر اکتفا کرنا ہوگا۔

تحریر

راجہ محمد حبیب جالب

روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی

۲۰، نومبر ۱۹۸۱ء

اس وقت دو ملک ایسے ہیں جہاں سرکاری زبان کے علاوہ دوسری زبان استعمال کرنے پر جرمانہ کیا جاتا ہے

ذکر اُردو کا —— سکہ رواں انگریزی کا!

قومی زبان اُردو کو سرکاری اور دفتری زبان کے طور پر نافذ کرنے کے لیے صوبائی سطح پر جو کوششیں ہو رہی ہیں وفاقی حکومت کی ہدایت پر انہیں مربوط بنانے کے لیے متعلقہ سرکاری ادارے "مقتدرہ قومی زبان" کا ایک وفد ان دنوں پنجاب کا دورہ کر رہا ہے۔ اخباری اطلاع کے مطابق ایسے ہی وفود دوسرے صوبوں کے بھی دورے کریں گے، اور ان میں اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے نافذ کرنے کی مساعی کا برسرِ موقع جائزہ لیں گے —— یہ ادارہ دو اڑھائی سال ہوئے، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کی سربراہی میں قائم کیا گیا تھا، اور اس نے کافی عرصہ پہلے سرکاری زبان کے طور پر اُردو کے نفاذ اور ترویج کا ایک مرحلہ وار پروگرام بھی مرتب کر کے وفاقی حکومت کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ جس پر عملدرآمد کی سو فیصد تکمیل ۸۷-۱۹۸۶ء تک ہو جانی تھی۔

قومی زبان کے متعلق موجودہ اربابِ حکومت کا عام رویہ بلاشبہ خاصا ہمدردانہ ہے، لیکن ابھی تک مقتدرہ قومی زبان کے مُرتبہ پروگرام کو سرکاری منظوری حاصل ہونے کا کوئی باضابطہ اعلان سامنے نہیں آیا۔ اس سلسلے میں کوئی واضح پروگرام نہ ہونے کے باعث کوئی خاص عملی پیش رفت بھی نہیں ہو رہی، چنانچہ نہ صرف سنگ ہائے بنیاد پر اردو سے زیادہ انگریزی کا اسی طرح دور دورہ ہے، بلکہ شجر کاری کی حالیہ مہم کے سلسلے میں مقتدرہ اصحاب کے ہاتھوں پودے لگوانے کی جو تقریبات ہوئی تھیں۔ ان کے سلسلے میں تختیوں پر بھی زیادہ تر عبارتیں انگریزی میں تھیں۔ یہی حالت و کیفیت سرکاری شعبے میں عام کام کی ہے۔ ان حالات میں مقتدرہ قومی زبان کی طرف سے اُردو کے نفاذ کے لیے تمام صوبوں میں مربوط کوشش کا اہتمام اسی وقت نتیجہ خیز ثابت ہوگا جب اس ادارے کے مُرتبہ تدریجی پروگرام کو حکومت کی باضابطہ پالیسی اور مثبت فیصلے کی حیثیت بھی حاصل ہوگی، ورنہ موجودہ صورت حال ہی جاری رہے گی کہ قومی زبان کے طور پر ذکر اردو کا ہوگا اور سکہ انگریزی کا ہی رواں رہے گا۔

روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی
۱۱ مارچ ۱۹۸۲ء

اسکولوں میں قومی لباس کی یونیفارم

صوبائی وزیر تعلیم، ثقافت، کھیل و قانون جسٹس سید غوث علی شاہ نے طلبہ پر زور دیا ہے کہ وہ قومی لباس اور قومی زبان اختیار کریں ایک مقامی اسکول کے جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے جناب غوث علی شاہ نے کہا کہ قومی زبان کی طاقت چاروں صوبے ہیں اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ان چاروں ستونوں کو قومی زبان کے ذریعہ مزید مستحکم کیا جائے انہوں نے بجا کہا کہ قومی لباس زبردستی نہیں پہنایا جاسکتا جسے اپنی قوم، ملک، لباس اور زبان سے محبت ہے اور اس کی عظمت و اہمیت سے واقف ہے وہ خود اسے اپنائے گا انہوں نے کہا کہ جن اسکولوں میں قومی لباس کو یونیفارم نہیں بنایا گیا ہے ان میں بھی آہستہ آہستہ نئی یونیفارم نافذ کر دی جائے گی۔ وزیر تعلیم کی یہ یقین دہانی بروقت ہے اور امید ہے کہ تمام تعلیمی اداروں میں قومی لباس کو یونیفارم بنایا جائے گا۔

روزنامہ "جنگ کراچی" ۲ مارچ ۱۹۸۲ء

مقتدرہ کا دفترِ معلومات

قومی زندگی کے تمام شعبوں میں قومی زبان اُردو کے استعمال میں سہولت کے لیے مقتدرہ قومی زبان نے ایک دفترِ معلومات قائم کیا ہے۔ اس دفتر سے عوام کو انگریزی الفاظ کے اردو مترادفات اور اصطلاحات ٹیلی فون اور ڈاک کے ذریعے فراہم کی جاتی ہیں۔ ٹیلی فون پر مذکورہ معلومات (جمعہ کے علاوہ) صبح ۱۰ بجے سے ایک بجے کے درمیان حاصل کی جاسکتی ہیں

ٹیلی فون: ۴۶۴۱۲۲

ڈاک سے معلومات حاصل کرنے کا پتہ یہ ہے:-

" دفترِ معلومات " مقتدرہ قومی زبان ۳۴۰ - ڈی، بلاک نمبر ۷ گلشنِ اقبال، کراچی نمبر ۴۷۔

افکار حاضرہ

(۱)

اُردو زبان کو سرکاری سطح پر لانے کے کام کو قیام پاکستان سے التوا میں ڈالا جا رہا ہے حالانکہ ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں تقسیم کے بعد ہی یکدم ہندی کو سرکاری زبان قرار دے کر سرکاری سطح پر نافذ بھی کر دیا گیا تھا۔ تین چار سو مقامی زبانوں کے اس ملک میں ہندی کی کامیابی ایک معجزہ ہے۔ جبکہ اردو اس سے کئی گنا زیادہ صلاحیت اور فوقیت رکھتی تھی، لیکن شروع دن سے ہر نئی آنے والی حکومت دس دس بارہ بارہ سالوں تک ٹالنے کے احکام جاری کرتی رہی۔ اور آج چونتیس پینتیس سال گزر جانے پر بھی ہنوز روز اول والا معاملہ ہے۔ اس کام کے لیے اب ہنگامی اقدامات کے بغیر چارہ کار نہیں حکومت پاکستان نے منظوری دے دی ہے۔ اس پر عملدرآمد کرانا ہمارے لیڈروں، اردو اداروں اور اخبار و رسائل کا کام ہے۔ اس سلسلے میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔

(۱) سرکاری سطح پر افسران جب عوام کے سامنے تقاریر کرتے ہیں یا احکام سناتے ہیں تو خواہ مخواہ اور بے تحاشہ انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں، جو عوام کے سروں کے اوپر سے گزر جاتے ہیں، ایسے افسروں سے باز پرس کی جائے۔

(۲) ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں، اشتہاروں اور پوسٹروں میں بھی انگریزی کو زور و شور سے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ قومی تشخص کو بگاڑنے کا عمل ہے، انہیں اس سے روکا جائے۔

(۳) عوام کی معلومات یا رہنمائی کے لیے جہاں سرکاری یا نجی طور پر بورڈ یا پوسٹر استعمال کیے جائیں وہ بھی اردو میں لکھے جائیں کیونکہ ہماری ۹۰ فیصد آبادی انگریزی حروف سے ناآشنا ہے۔

(۴) محکموں، اداروں، کارخانوں، دکانوں اور اسٹیشنوں وغیرہ کے نام بھی ہر جگہ اُردو میں لکھے جائیں۔ اگر ان کے نام انگریزی طرز کے ہوں تب بھی انہیں اردو رسم الخط میں لکھا جائے۔ بلکہ ایسا نہ کرنے والوں کے لیے کوئی سزا یا جرمانہ ہونا چاہیے یا اردو کے خیرخواہ ادارے اخلاقی طور پر انہیں سمجھائیں بجھائیں!

(۵) اُردو زبان ہر قسم کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ ہم احساس کمتری سے نکل کر تعلیمی اور علمی و ادبی میدان میں بھی اُردو کے شہسوار دوڑائیں، اساتذہ اپنی تساہل پسندی یا پرانی عادت کو چھوڑ دیں اور اردو کو ہر لحاظ سے اپنائیں، طلبا اپنے اساتذہ سے ایسے مطالبہ پیش کیا کریں!

کوئی بھی زبان قومی تشخص کا اہم ستون ہے۔ اُردو اداروں، اردو کے خیر خواہوں اور اردو کے ادیبوں کو سو فیصد اردو کی ترویج و توسیع کے لیے کام کرنا چاہیے، ورنہ اردو کبھی قومی سرکاری اور علمی سطح پر نہیں لائی جاسکے گی! یہ ہماری قومی غیرت کے لیے کھلا چیلنج ہے۔ ایسے موقع کے لیے ڈاکٹر سید عبداللہ نے خوب کہا ہے کہ

"انگریزی کا بے جا غلبہ ہماری ملی حمیت کی توہین ہے۔ اور علمی لحاظ سے تضیع اوقات اور قومی مصلحتوں کے لیے بے حد خطرناک اور افسوسناک ہے"!

دلشاد کلانچوی
بہاول پور۔

(۲)

"..... گزشتہ کئی ماہ سے اخبار اُردو موصول ہو رہا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک گراں قدر کوشش ہے۔ اسکے اجراء سے نہ صرف سرکاری سطح پر قومی زبان کی نمائندگی ہوئی ہے بلکہ ایسے افراد جو تہہ دل سے قومی زبان کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں، انکو بھی اپنے خیالات کی ترسیل میں زیادہ آسانی ہو گئی ہے۔

یہ امر کس حد تک درست ہے کہ متعدد ایسے کام جو قیام پاکستان کے وقت یا اسکے قیام کے فوراً بعد پایۂ تکمیل تک پہنچ جانے چاہیئے تھے تادم تحریر نامکمل ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ ہر آنے والی حکومت نے عوامی مسائل کو ظاہری طور پر حل کرنے میں گہری دلچسپی ظاہر کی لیکن جب پردہ اٹھا تو معلوم ہوا کہ وہ سب ایک ڈھونگ تھا۔ مثلاً پاکستان میں ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو جو آئین نافذ العمل ہوا اسکی رو سے اُردو اور بنگالی دونوں کو سرکاری زبانیں قرار دیا گیا۔ اسکے بعد ۱۹۶۲ء اور خاص کر ۱۹۷۳ء کے آئین کی رو سے (جو ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء سے نافذ العمل ہوا) بھی اُردو کو ۱۵ سال کے اندر بالکلیہ سرکاری زبان کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اور اب ایک بار پھر موجودہ حکومت اُردو کے سرکاری زبان مقرر کیے جانے کے لیے مہلت مانگ رہی ہے۔

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ اگر گزشتہ ۴۴ برسوں میں اردو کی ترقی و ترویج کے لیے کوشش کی جاتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ آج اردو کو اُسکا جائز مقام نہ مل گیا ہوتا لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا اور آج بھی حالات اتنے تسلی بخش نہیں ہیں جسکو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکے کہ جلد ہی اُردو کو اسکا جائز مقام مل جائیگا۔

یہ قومی زبان کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے کہ ۴۴ برس سے زائد عرصہ آزادی گزر جانے کے باوجود بھی سرکاری اور عوامی سطح پر انگریزی کو ہی علم و قابلیت کی معراج تصوّر کیا جارہا ہے۔ لوگ عام طور پر اُردو اور انگریزی کو اسطرح بولتے ہیں جیسے وہ غالب اور شیکسپیئر دونوں پر بھرپور مطالعہ کرتے ہیں۔ خاص کر اعلیٰ سرکاری افسران کے سامنے اُردو بولنا اپنے کو جاہلوں کے قافلے کا فرد شمار کرانا ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وقتاً فوقتاً سرکار کی جانب سے اُردو کے مکمل نفاذ کے لیے لمبی مدت کا درکار ہونا ہی اُسکے فروغ میں رکاوٹ پیدا کررہا ہے۔ اسکے علاوہ آج نہ معلوم ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں میں احساسِ ذمہ داری تقریباً ختم ہوچکا ہے۔ ان میں قومی تشخص کے فروغ کا جذبہ نہ معلوم کیوں آہستہ آہستہ ختم ہوتا جارہا ہے۔ اخبارات رسائل اور سرکاری رپورٹیں تو نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں لیکن آجکل سرکاری احکامات کا جو حشر ہو رہا ہے وہ یہاں مکمل طور پر تو بیان نہیں کیا جاسکتا البتہ چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں تاکہ کسی قاری کو شکایت نہ ہو کہ صاحب بلاوجہ اتنا بڑا الزام قوم پر لگایا جارہا ہے۔

۱۔ سرکار کے اس واضح اعلان کے باوجود کہ سرکاری ملازمین بشمول اعلیٰ سرکاری افسران قومی لباس کا دفاتر میں آزادانہ استعمال کریں۔ دفاتر میں اس حکم پر کتنی تعمیل ہورہی ہے اُسکا اندازہ بخوبی سب کو ہے اور جس کو اس حقیقت پر یقین نہیں آتا کہ سرکاری ملازمین کی جانب سے سرکار کے اس اعلامیہ کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جو دی جانی چاہیے تھی، بذاتِ خود کسی بھی سرکاری ادارہ میں جاکر حالات کا جائزہ لے سکتا ہے۔

۲۔ صدرِ مملکت اور دیگر معززین کے اصرار کے باوجود عوامی نمائندوں کی جانب سے اردو کی ترقی کے لیے یہ تک نہیں کیا گیا کہ اشتہارات اور سائن بورڈز وغیرہ کو انگریزی سے اُردو میں تبدیل کردیا جائے۔

۳۔ دفتری اُردو کے سلسلے میں جو مشکلات ملازمین کو پیدا ہوسکتی ہیں مثلاً دفتری کاروبار میں استعمال ہونے والی اصطلاحات وغیرہ کے لیے ایسی کوئی کتاب سرکاری اداروں کو ارسال نہیں کی گئی جس کا مطالعہ انکے لیے مستقبل میں فائدہ مند ثابت ہو اور وقت آنے پر انکو مزید مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے بصورتِ دیگر یہ ہوگا کہ انگریزی حروف کو اُردو میں لکھا جایا کریگا جو یقیناً ایک مضحکہ خیز بات ہوگی۔

۴۔ اُردو ٹائپ کاروں کی تربیت کا سرکاری سطح پر کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔

دراصل ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اُردو اور قومی لباس کے فروغ کے سلسلے میں کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اور وہ اس لیے کہ اسکی مخالفت کسی بھی شخص کو قومی مجرم ٹھہرا سکتی ہے۔ اب پالیسی بنانے والے جب پالیسی مرتب کرتے ہیں تو عام طور پر انکو عوامی مسائل سے زیادہ اپنے افسرانِ بالا کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال ذہن میں گردش کرتا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی پالیسی مرتب ہو جائے جس پر صاحب بہادر کو اعتراض ہو اور انکی قدر و قیمت میں کمی واقع ہونا شروع ہوجائے۔ ہوسکتا ہے کہ میرا یہ خیال غلط ہو لیکن مجھے اُمید ہے کہ اگر حقائق کا غیر جانبدار ہو کر جائزہ لیا جائے تو حالات اس سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہونگے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں کے اکثر منصوبے ناقص منصوبہ بندی کی نذر ہوجاتے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی خاص کر قابلِ ذکر ہے کہ جب تک سرکاری سطح پر جاری ہونے والے احکامات کی سختی سے تعمیل نہیں ہوگی ہم یونہی مسائل سے دوچار رہیں گے اور کسی بھی ملک کے اعلیٰ سرکاری افسران کے قول و فعل میں تضاد قوم کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے مترادف تصور کیا جاتا ہے اور یہ مسئلہ یقینی طور پر ہمارے یہاں موجود ہے۔ مثال کے طور پر یہ حقیقت پیش کی جاتی ہے کہ گزشتہ دنوں اخبارات میں یہ خبر نمایاں طور پر شائع ہوئی کہ "مقتدرہ قومی زبان نے اُردو کی ترقی اور ترویج کے لیے جو سفارشات تیار کی ہیں وہ انگریزی میں ہیں"۔

حرفِ آخر یہ ہے کہ اُردو کی ترویج کے

سلسلے میں میری نظر میں سب سے اہم رکاوٹ اردو ٹائپ کاری اور تربیت یافتہ دفتری مددگاروں کی کمی کا ہے۔ اردو ٹائپ رائٹر تو جیسا کہ خبر آئی ہے بن چکا ہے اور اب فوری طور پر ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو ٹائپ کاروں کی سرکاری سطح پر تربیت کا معقول انتظام کیا جائے ایسے ٹائپ کار جو اردو اور انگریزی سے واقف ہوں انکو اضافی مراعات دینے کا اعلان دفتری کام میں انکے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ لوگوں میں اردو ٹائپ کاری کو سیکھنے کا جذبہ فروغ پائے اور ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب کسی کام کے سیکھنے والے کو مذکورہ کام کا مستقبل روشن نظر آئے۔۔۔۔"

خواجہ تجمل حسین
کراچی

؎ یہ اطلاع قطعی درست نہیں، یہ سفارشات اردو زبان ہی میں ہیں۔ انہیں "اخبار اردو" کے شمارہ جولائی ۱۹۸۱ء میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔
(مدیر)

(۳)

"...... سب سے پہلے تو اخبار اردو کے اجراء پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ دوسرے یہ عرض کرنا ہے کہ ماشاءاللہ پرچے کا معیار اور ظاہری رکھ رکھاؤ بڑا اچھا ہے۔ حالیہ شمارے میں جناب ڈاکٹر نسیم صاحب کا مضمون بسلسلہ انٹرمیڈیٹ کا نصاب خوب ہے مگر اس میں خاصی تشنگی پائی جاتی ہے۔ موصوف نے صرف اردو اور انگریزی کے نمبروں کا موازنہ کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر پورے نصاب کا تجزیہ ہو سکتا۔ میری رائے یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم سے لیکر درجہ بدرجہ ایم اے تک کے نصابہائے تعلیم کا خصوصی جائزہ لیا جائے اور ان میں موجود خامیوں کو منظر عام تک لانے کے ساتھ ساتھ ان کے حل کی تجاویز بھی پیش کی جائیں۔ مگر اس کام میں بنیادی اہمیت ابتدائی تعلیم کے نصاب اور اساتذہ کو حاصل ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اگر بنیاد میں استواری ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں آئندہ درجوں میں بچے کی تعلیمی پسماندگی کا شکوہ نہ کرنا پڑے۔ یہ میرے ذاتی مشاہدے کی بات ہے کہ بدقسمتی سے ابتدائی تعلیم کے اساتذہ کے معیار تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ محض میٹرک کے بعد ایک سال کا پی ٹی سی کورس کر لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کراچی اور سندھ کے متعلق تو کچھ کہہ نہیں سکتا مگر پنجاب میں بالخصوص دیہاتی پرائمری و مڈل اسکولوں میں اساتذہ کی کثیر تعداد ایسی ہے جن کا اردو تلفظ بھی صحیح نہیں۔ اب آپ اور ماہرین تعلیم خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسے اساتذہ سے ہم کیا توقع کر سکتے ہیں اور ان کے زیر تعلیم بچوں کی تعلیمی استعداد کا کیا حال ہوگا۔ میں نے مختلف ماہرین تعلیم سے بھی گفتگو میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ابتدائی تعلیم کے لیے اساتذہ کم از کم ایم۔ایڈ) نہیں تو (بی ایڈ) کی سطح کے ہونے چاہیئں۔ میری اس تجویز سے مقتدرہ کے سابق صدر نشین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم و مغفور (یہ ۱۹۷۸ء کی بات ہے میں ایک انٹرویو کے سلسلے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ حوالہ کے لیے دیکھیے عزم نو۔ لاہور "اسلامی نظام تعلیم نمبر") اور چند ایک دوسرے اہل علم نے بھی اتفاق کیا تھا۔ مگر نتیجہ .... وہی ڈھاک کے تین پات۔ جہاں تک بیچاری اردو کا تعلق ہے۔ اس پر تفصیلی اظہار خیال کسی آئندہ نشست میں کرونگا۔ فی الحال ڈاکٹر قریشی مرحوم کے الفاظ میں صرف یہی کہونگا کہ "اردو کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری بیوروکریسی ہے۔"

ایک تجویز ہے کہ ہر ماہ کے "اخبار اردو" کے شمارے میں عام بول چال اور دفتری انگریزی کے اردو مترادفات کا سلسلہ شروع کیا جائے تو ہم جیسے مبتدیوں کے لیے کافی فائدہ مند ثابت ہوگا۔

منظور الحق جاوید
کراچی

"وہ لوگ جو اس سلسلے میں یہ جواز دیتے ہیں کہ پہلے اپنی زبان کو اس لائق تو بناؤ کہ وہ تعلیم کے اظہار کا وسیلہ بنائی جاسکے، وہ یہ بتانا ہمیشہ بھول جاتے ہیں کہ آخر چلتی گاڑی میں پہیہ کیسے بدلا جا سکتا ہے؟ جب تک ہم اپنی زبان کو قبول نہیں کریں گے، اسے نہیں برتیں گے اس میں اپنی صلاحیتوں کا خون شامل نہیں کریں گے، اسے معاش کا وسیلہ نہیں بنائیں گے آخر وہ زبان کس طرح پروان چڑھے گی"؟

ڈاکٹر جمیل جالبی
(پاکستانی کلچر صفحہ ۲۰۰)

مسائل و مباحث

اخبارِ اُردو، فی الواقع اخبارِ اُردو بنتا جارہا ہے۔ اس کے اجرار کی یہی غرض و غایت تھی بحمداللہ پوری ہورہی ہے جیساکہ میں نے اپنی کتاب "اُردو اِملا اور رسم الخط" میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے جب تک اِملا کے اصول متعین نہ کیے جائیں گے اور ان کی پابندی کو لازم قرار نہ دیا جائے گا۔ "اردو زبان میں نراجیت" جس کی طرف ثاقب رزمی صاحب نے اشارہ کیا ہے جاری رہے گی، آپ اچھا کرتے ہیں کہ قارئین کی توجہ اس اہم مسئلے کی طرف مبذول کراتے رہتے ہیں

صفحہ ۲۲ پر ذ اور ز کی بحث کے اقتباس سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے جیسے "آزر" غلط ہے اسے ہمیشہ "آذر" ہی لکھنا چاہیے، آزر اور آذر دو الگ الگ لفظ ہیں، آذر متعدد معانی رکھتا ہے اور بیشتر فارسی ہے، اس کے برعکس آزر عربی ہے ثبوت یہ ہے کہ قرآن پاک میں حضرت ابراھیم کے سلسلے میں اسی طور پر آیا یعنی "ذ" نہیں "ز" سے لکھا گیا ہے۔ چونکہ اقتباس مغالطہ آمیز تھا اس لیے وضاحت ضروری معلوم ہوئی

ڈاکٹر فرمان فتح پوری
کراچی

آپ کے ماہنامہ کے دو پرچے بابت اگست و ستمبر کا دلی شکریہ، میں نے مذکورہ نمبر آپ کے رسالے کے بہت دلچسپی اور غور سے پڑھے حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس مفید رسالہ کا بہت مناسب وقت پر اجرا کیا۔ ہمارے صدرِ محترم ضیاء الحق صاحب نے حکومتی سطح پر نفاذ اردو کے مسئلہ کو بہت سنجیدگی سے حل کرنے کی کوشش کا آغاز کر دیا ہے۔ آپ کے رسالہ کے اجرا سے اس مہم کو بہت تقویت حاصل ہو سکے گی اور نفاذِ اُردو کی رفتار تیز ہو سکے گی۔ اب امید ہو گئی ہے کہ اردو کو وہ مقام میسر آجائے گا جس کی وہ مستحق ہے۔ آپ نے اپنی مجلس مشاورت میں جن ادبی حضرات کو شامل کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انشاء اللہ یہ رسالہ نہ صرف ایک معیاری رسالہ رہے گا بلکہ نفاذِ اُردو کے معاملے میں بہت معین ثابت ہوگا۔ اب جی چاہتا ہے کہ اس رسالہ سے متعلق اپنے ذاتی تاثرات مختصراً ہی سہی پیش کروں۔ اُردو میں نئے تراکیب الفاظ کی یقیناً اب بھی گنجائش ہے لیکن اُردو کی صوتی اور معنوی خوبیوں کو مجروح نہ ہونے دیا جائے۔ آپ کے رسالہ کی اس عبارت سے کلیتہً متفق ہوں کہ "زبان کو فطری نشوونما اور بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے لیے الفاظ کی تلاش اور اخذ و قبول کا سلسلہ رہنا چاہیے۔ لیکن اس طرح کے الفاظ یوں مدغم ہونا چاہییں کہ وہ زبان کے بنیادی مزاج سے الگ نہ ہوں۔ لیکن اس بات کا کوئی منطقی جواز نہیں ہو سکتا کہ محض سہل پسندی اور رسمی نقالی کے تحت اپنی زبان کو غیر فطری آلودگی سے ناگوار بنالیا جائے" اسی سلسلہ میں ایک اور ضروری مسئلہ سے متعلق کچھ عرض کر دینا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب کا مضمون پڑھا یہ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف ریاضی میں ایک سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر بھی ایک عام انسان کی حیثیت سے یہ بات کہنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ اُردو کے بعض اعداد و شمار میرے نزدیک ترمیم و تنسیخ کے طالب ہیں۔ مثلاً انگریزی زیرو (٥) کی جگہ اردو میں محض ایک خفیف نقطہ لگایا جاتا ہے۔ جو واضح نہ ہونے کی وجہ سے مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ۲ (دو) اور تین (۳) میں محض ایک شوشے کا فرق ہے جس سے غلطی کا امکان ہو جاتا ہے۔ یہ میرا ذاتی خیال ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرا یہ خیال غلط ہو بہر حال میری نظر میں توجہ طلب ہے۔

آپ کے رسالہ کا ایک اور روشن افادی پہلو ہے۔ اس سے تصنیفی اور تالیفی سرگرمیوں سے باخبر ہونے میں بہت مدد ملے گی۔ اگرچہ اخبارات میں بھی ایسی خبریں جستہ جستہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اشتہارات اور خبروں کے ہجوم میں اکثر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔

نواب سید شمس الحسن، کراچی

جب تک ذرائع ابلاغ، ادارہ نشر و اشاعت (ریڈیو، ٹی وی میں صحیح اردو بولنے والے اور پڑھانے والے شامل نہ ہوں گے یہ زبان ترقی نہیں کر سکتی۔ آج کل اکثر گھروں میں ٹی وی موجود ہے ریڈیو تو چرواہے بھی ساتھ لیے پھرتے ہیں آپ حضرات دمقتدرہ کے

بارد/. فاز) ت : یاد : کون واقف ہو گا خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔ حساب کے سوالوں میں ہندسے انگریزی کے ہوتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے۔ پڑھاتے اُردو میں اور لکھتے انگریزی ہیں؟ اس کے علاوہ بلا ناغہ جو خبریں پڑھی جاتی ہیں اس میں کہا جاتا ہے دو ملین روپیہ خرچ ہو گا میرا خیال ہے کہ ایک فیصدی بھی نہیں جانتے کہ یہ ملین کیا بلا ہوتی ہے اگر سیدھا سیدھا بیس لاکھ روپیہ خرچ ہو گا کہا جائے تو کیا مصیبت آجائے گی، بات وہ کرو جو سب سمجھ لیں یا ہمارے یہاں اس کا بدل نہ ہو اردو پر ۳۵ سال سے کام ہو رہا ہے مگر ابھی تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ اسکول صحیح ہے یا سکول اسٹیشن ٹھیک ہے یا سٹیشن چودھری صحیح ہے یا چوہدری صرف عوام ہی نہیں بلکہ سرکاری کاغذات اور سائن بورڈوں پر بھی کہیں سٹیشن ہے تو کہیں اسٹیشن یہ تمام الفاظ قرآن تو نہیں ہیں کہ اس میں ایک حرف زائد یا گھٹ جائے تو معنی بدل جائیں اور گناہ لازم ہو جائے گا۔ اگر فیصلہ کرنا چاہیں تو پانچ منٹ کا کام ہے۔

بی بی سی لندن سے جو اردو یا ہندی بولی جاتی ہے۔ وہ ہمارے یہاں کی اُردو سے بدرجہا مستند اور صحیح ہوتی ہے کیونکہ وہاں ہر زبان کے بولنے والے کا سخت امتحان ہوتا ہے اور تلفظ پر بہت زور دیا جاتا ہے -۲. فروری کو ریڈیو پاکستان سے جناب پروفیسر امتیاز احمد صدیقی پڑوسی کے حقوق پر تقریر کر رہے تھے۔ تقریر میں قرآن وسنت کی روشنی میں نہایت عمدہ دلائل کے ساتھ بتایا گیا تھا کہ پڑوسی کے شریعت میں کیا کیا حقوق ہیں لیکن پوری تقریر میں تلفظ کی اتنی غلطیاں تھیں جنکو سن کر ہر پڑھا لکھا شخص یہ محسوس کرے گا کہ یہ پاکستان نہیں بلکہ کوئی انگریز بول رہا ہے، اس کے چند منٹ بعد پاکستان ہمارا ہے فیچر پاکستانی لباس اور زبان پر شروع ہوا اس کی زبان بہت صاف اور تلفظ بالکل صحیح اور جملے نہایت آراستہ طریقہ پر ادا ہو رہے تھے قومی زبان کے الفاظ کو جب بگاڑا جاتا ہے تو بڑی کوفت ہوتی ہے۔

حکیم شمس الدین خاں
نواب شاہ

صفحہ ۲۳، کالم نمبر ۳ میں طبع کی بجائے شائع کا استعمال غلط ہے۔ اسی ہزار اسناد شائع نہیں ہوئیں بلکہ طبع کرائی گئی ہیں یعنی چھپوائی گئی ہیں۔ اسی صفحہ پر جو آزاد جموں لکھا ہے وہ محل نظر ہے۔ جموں اگر آزاد ہے تو پھر سری نگر بھی آزاد ہے، لیکن ہمارے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ بھارت کے لیے جموں شہر کا بھی نام ہے، لہذا ذہن اسی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ صفحہ ۴۲ کے کالم ۲، ۳ میں "ٹائپ کاری" کی بجائے "ٹائپ نویسی" موزوں تر ہے اور ٹائپ کرنے والے کو ٹائپ نویس کہنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے بجائے ٹائپ کار کے۔ وضع اصطلاحات کے معاملہ میں جو افراتفری ہے اور ہر ادارہ من مانی کر رہا ہے اس کا تدارک فوری لازم ہے۔ ایڈمنسٹریٹو ٹریننگ کالج کے سہ ماہی "نظم ونسق" میں دفتری اصطلاحات کی فہرست جو ہر دفعہ ہوتی ہے ان پر غور فرمائیں بعض جگہ تو پہلے سے مروجہ ومعروف اصطلاحات کو بھی بدل کر نئی ہی اختراع کی گئی ہے۔ ایک الجھن مجھے مدت سے ہے اب تک مجھے انگریزی لفظ CROSS کے لیے کوئی اُردو مترادف نہیں ملا۔ یہ "وہ کراس" ہے جو مراسلت کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ مثلاً میں نے جس تاریخ کو آپ کے نام خط لکھا اسی تاریخ کو آپ نے مجھے بھیجا تو وہ دونوں خطوط CROSS کر کے دونوں کو ملے۔ اس کراس کرنے کو اُردو میں کیسے کہیں گے؟

خسروی
کراچی

اخبار اردو کا تیسرا شمارہ (بابت ماہ ستمبر) کل دوپہر واصل دست اشتیاق ہوا جس میں ص ۲۱ پر ایک 'لطیف نکتہ' کے زیر عنوان آپ نے جناب شمس الاطباء شمس الدین خان بریلوی (نواب شاہ) کی جانب سے معروف فارسی ضرب المثل خطائے بزرگان گرفتن خطاست کے مأخذ کی بابت استفسار، اور اس کی ایک اچھوتی تعبیر شایع کی ہے اور قارئین کو اظہار رائے کی دعوت دی ہے۔ میں اس فرصت سے استفادہ کرتے ہوئے۔ درج ذیل معروضات پیش کرنا چاہوں گا۔

یہ ضرب المثل اسی حالت میں اُردو خطوط غالب (مرتبہ مالک رام علیگڑھ، ۱۹۶۲، ص ۱۶-۱۵) میں استعمال ہوئی ہے رہا اس کا فکری سرچشمہ تو وہ زمانہ ماقبل

٭یہ مکتوب ڈاک کی بدنظمی کے سبب نہایت تاخیر سے موصول ہوا ہے، اس لیئے اب شائع کیا جا رہا ہے۔

اسلام کے عظیم ایرانی، یونانی، مصری، عبرانی ادب لٹریچر سے لے کر اسلامی اخلاقی تعلیمات میں کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال فارسی زبان میں سب سے پہلے ہم اسے گلستان سعدی کے باب پنجم (در عشق و جوانی) کی بیسویں حکایت میں، جو، "قاضی همدان را حکایت کنند کہ با نعلبند پسری سر خوش بود" سے شروع ہوتی ہے، مندرجہ ذیل شعر کے مصراع ثانی کی صورت میں دیکھتے ہیں

نہ در هر سخن بحث کردن رواست
خطا بر بزرگان گرفتن خطاست

صد ہا برس سے جس طرح گلستان سعدی کو برصغیر پاکستان و ہند کے مدارس میں تداول کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اس کے پیش نظر قیاس چاہتا ہے کہ ہمارے یہاں یہ مثل اُسی کے اثر سے وارد ہوئی ہے۔ بہر حال معلوم نہیں حکیم صاحب کے پیش نظر سعدی کے کون سے آثار رہے ہیں۔ میرے سامنے اِس وقت ان کی گلستان کی تین اشاعتیں ہیں ان سب میں یہ شعر موجود ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

۱۔ گلستان شمولۂ متن کامل دیوان شیخ اجل سعدی شیرازی، بکوشش مظاہر مصفا، تہران، ۱۳۴۰ شمسی، ص ۹۹ (مضمون ہذا میں بعد ازیں سب حوالے اسی اشاعت سے ہیں)

۲۔ گلستان شمولۂ کلیات سعدی، انتشارات جاویدان علمی، تہران، ص ۱۷۱

۳۔ گلستان سعدی با ترجمۂ مولانا قاضی سجاد حسین، دہلی، ۱۹۷۰، ص ۱۹۶

شمس الاطبا صاحب کا خیال ہے کہ مذکورۃ الصدر فارسی ضرب المثل میں لفظ گرفتن بمعنی 'اختیار کردن' استعمال ہوا ہے اور اپنے موقف کے اثبات میں انہوں نے بطور سند یہ شعر نقل کیا ہے۔

'سگ اصحاب کہف روزی چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد' (کذا)

یہ شعر بھی گلستان (ص ۱۴) ہی سے ہے۔ اس سے قبل کا شعر، اور دوسرا مصرع درست صورت میں یوں ہیں۔

با بدان یار گشت همسر لوط
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کهف روزی چند
پی نیکان گرفت و مردم شد

رہا یہ مسئلہ کہ کیا ضرب المثل میں مستعمل لفظ گرفتن کے معنی اختیار کردن ہو سکتے ہیں یا نہیں' یا حکیم صاحب نے اپنی تائید میں سعدی کے جس شعر کا سہارا لیا ہے، وہ درست ہے یا نہیں؟ تو میں بڑے ادب سے گذارش کروں گا کہ ان دونوں سوالوں کا جواب منفی میں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

فارسی زبان میں بعض دوسرے مصادر کی طرح گرفتن کے بھی بسیط اور مرکب دونوں مصدری حالتوں میں مختلف اور متعدد معانی ہیں جن کی صحیح و دقیق تعیین سیاق و سباق عبارت، اور گرفتن سے پہلے آنے والے حروف و اسما کے پیش نظر ہی ہو سکتی ہے، چونکہ ان سب کے ذکر اور توضیح کی یہاں نہ ضرورت ہے نہ گنجائش، میں اپنے بیان کو صرف دو معنوں تک ہی محدود رکھوں گا۔

سعدی کے معروف مصرع۔ خطا بر بزرگان گرفتن خطاست۔ میں فعل خطا گرفتن ہے، اور سند کے طور پر حکیم صاحب نے جو شعر نقل کیا ہے، اس میں فعل 'پی گرفتن' ہے۔ خطا گرفتن کے معنی اعتراض کرنے کے ہیں اور اِس کے مترادفات 'گرفتن' کے ساتھ، جو فوری طور پر میرے ذہن میں آرہے ہیں، وہ عبارت ہیں ایراد گرفتن، عیب گرفتن اور خردہ گرفتن سے ان سب کو خطا گرفتن سمیت اساتذہ نے اعتراض کرنے اور نکتہ چینی کرنے ہی کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ اور ان موارد استعمال کی مثالیں فارسی ادب کے امہات متون میں بکثرت ملتی ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

الف۔ ایراد گرفتن

سنجر کاشی

اگر طفل نگاہم دید گستاخانہ بر رویت
کرم فرما کہ بر نادان کسی ایراد کم گیرد

(فرہنگ آنندراج باہتمام محمد دبیر سیاقی، تہران، ۱۳۳۵-۳۶ شمسی جلد ۱، ص ۵۱۸)

ب۔ عیب گرفتن:

میر حسن دہلوی

ترک خطای آفت جان شد خطاست آنکہ
بر دیدہ عیب گیرم و بر دل خطا نہم

(فرہنگ آنندراج، جلد ۲، ص ۱۴۷۲)

سعدی

متکلم را تا کسی عیب نگیرد سخنش اصلاح نپذیرد

(گلستان، ص ۱۲۸)

ج: خُردہ گرفتن:

مولانا جلال الدین رومی

حرف درویشان بدزدیدہ بسی
تا گمان آید کہ ہست او کسی
خردہ گیرد در سخن بر بایزید
ننگ دارد از درون او یزید

(کلیات مثنوی، کتابفروشی اسلامیہ، تہران، دفتر اول، ص ۶۰)

(د) خطا گرفتن:

افضل الدین بدیل خاقانی

... و برامیر شمس المعالی قابوس بن وشمگیر خطا گرفتند کہ خطبہ ای انشا کرد و بہ خطیب فرستاد، تا بر منبر جرجان فرو خواندند۔

(منشآت خاقانی بہ تصحیح و تحشیۂ محمد روشن تہران، ۱۳۴۹ ہجری شمسی، ص ۱۷)

اب آئیے یہ کھوج لگائیں کہ 'پی گرفتن' کا کیا مفہوم ہے۔ انگریزی زبان میں جب کسی فعل کے بعد حرف جار کو بدل دیا جاتا ہے تو اُس کا اپنا مفہوم بھی یکسر بدل جاتا ہے مثل LOOK کے معنی دیکھنا ہیں لیکن LOOK ON، LOOK IN TO، LOOK ONTO، LOOK THROUGH، LOOK TO، LOOK UP، LOOK OVER، LOOK FOR، LOOK ROUND میں سے ہر ایک کا معنی و مفہوم ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز ہے۔ اسی طرح فارسی زبان میں بھی افعال سے ماقبل کے حروف اُن کے معانی کی تعیین میں ایک اہم اور موثر کردار ادا کرتے ہیں۔ پی بھی اسی قسم کا ایک 'حرف' ہے جو 'گرفتن' سے پہلے آیا ہے۔ فارسی کتبِ لغت میں اس کے معانی تعاقب، دنبال اور پس کے ہیں، اور عجیب اتفاق ہے کہ فرہنگ جہانگیری (باہتمام دکتر رحیم عفیفی، مشہد، ۱۳۵۱-۵۴ شمسی، جلد دوم، ص ۲۲۳۶) میں میر جمال الدین انجو شیرازی نے اِس معنی کی تائید میں سند کے طور پر جو شعر نقل کیا ہے، وہ یہی ہے کہ 'سگِ اصحاب کہف ... ... الخ اور اِس سے شمس الاطبا صاحب کے موقف کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے۔ بہر حال تحقیق مزید کے طور پر یہ عرض کر دیا جائے کہ فردوسی نے بھی اِس لفظ کو اِسی مفہوم میں استعمال کیا ہے:

کنون من شوم بر پیِ این سپاه
بگرم برایشان زهر گونہ راه

(دوازدہ نامک تالیف عبدالحسین نوشین، تہران، ۱۳۵۱ شمسی، ص ۱۱۸)

حافظ کے ہاں بھی اس کی یہی صورت ملتی ہے:

ہشیار شو کہ مرغِ چمن مست گشت ہان
بیدار شو کہ خوابِ عدم در پی است ہی

(دیوان باہتمام محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی، تہران، ص ۲۹۸)

اور سنجر کاشی نے گرفتن کے ساتھ اِس سے یوں استفادہ کیا ہے:

فتادم صبح در فکر سیہ چشمی زجا رفتم
پیِ آہوی مشکینی گرفتم تا ختا رفتم

(فرہنگ آنند راج، جلد دوم، ص ۹۶۲)

اِن امثلہ و نظایر کے سامنے آجانے کے بعد یہ بات مسلّم ہو جاتی ہے کہ خطائے بزرگان گرفتن خطاست کا مفہوم وہی درست ہے جو بالعموم سمجھا جاتا ہے اور یہ کہ فاضل محترم شمس الاطبا الحاج شمس الدین خاں صاحب بریلوی نے اِس میں جس لطیف نکتہ کی نشاندہی کی ہے اس کی حیثیت ان کے حسنِ خیال سے زیادہ نہیں۔ بہر حال اِس سے ان کے علمی مقام یا ذوقِ شعری پر کوئی حرف نہیں آتا چونکہ ادب میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں قارئین نے اساتذہ کے اشعار کی من مانی تعبیریں کی ہیں، اور اپنی ہی کی ہوئی تعبیروں سے ان کے ذوقِ سلیم کی تسکین ہوئی ہے۔

جہاں تک سگِ اصحاب کہف کا ان بزرگوں کے پیچھے جانے کا تعلق ہے۔ وہ لغوی طور پر ہم اوپر مثالوں سے واضح کر چکے ہیں، قرآن مجید کی تفاسیر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی اٹھارہویں سورت انہی راہ روانِ راہِ توحید کے نام موسوم ہے اور اس میں ان کے بارے میں بعض موجز لیکن بلیغ اشارے موجود ہیں، جن کی شرح و بسط کی داد اکابر مفسرین نے اپنے آثار (ترجمہ تفسیر طبری، جلد ۴، ص ۹۳۹؛ تفسیر ابوالفتوح رازی، جلد ۳، ص ۴۰۲، قصص الانبیاء ابواسحاق نیشاپوری، ص ۳۴۳) میں بخوبی دی ہے۔ یونان کے شہر افسوس کے اِن نفوسِ قدسیہ کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ آفریدگار واحد و یکتا وبی ہمتا پر ایمان رکھتے تھے اِس جرم کی پاداش میں جب بادشاہِ وقت کے عتاب سے خائف ہو کر وہ شہر سے فرار کر رہے تھے تو راستے میں ان کی مڈبھیڑ ایک چرواہے سے ہو گئی جو اپنے کتے کے سمیت اُن کے ساتھ ہو لیا۔ مفرورین نے چرواہے سے کہا کہ کتے کو واپس بھیج دو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کہیں چھپے ہوئے ہوں تو یہ اپنی آواز سے یہ راز آشکار کر دے۔ چنانچہ مقدور بھر کوشش کے باوجود اور سنگ و خشت کی بوچھاڑ کے باوصف بھی جب کتا ان کے تعاقب پر مصر رہا تو وہ لوگ اسے اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے (دیکھیے: تعلیقات حدیقۃ الحقیقۂ سنائی غزنوی، تالیفِ مدرس رضوی، تہران ص ۲۲-۱۱۹) یہ کتے کی ثابت قدمی کا فیضان تھا کہ کتا اِن صاحب عزیمت بزرگوں کے قافلے کا جزو لاینفک ہو گیا۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ (بعض) کہتے ہیں کہ وہ تین (لوگ) تھے، اور چوتھا ان کا کتا تھا، کچھ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد پانچ تھی اور چھٹا ان کا کتا تھا،... بعض کہتے

باقی صفحہ ۳۱ پر



غلامانہ ذہنیت رکھنے والے لوگ اردو کو ملکی زبان بنانے سے گریز کر رہے ہیں

قیام پاکستان کے مطالبہ میں اسلام کے ساتھ اردو بھی شامل تھی

سرگودھا میں نفاذ اردو سے متعلق تقریب سے مقررین کا خطاب

یوم پاکستان کے موقع پر انجمن ترقی اردو سرگودھا کے زیر اہتمام تقریب نفاذ اردو کا اہتمام کیا گیا پروفیسر ہارون الرشید نے کہا کہ قیام پاکستان کے مطالبہ میں اسلام کے ساتھ اردو بھی شامل تھی لیکن بدقسمتی سے اب تک اردو پاکستان کی تعلیمی، دفتری اور عدالتی زبان نہ ہو سکی۔ قومی زبان قومی اتحاد کی ضمانت ہے۔ قومی تشخص کے احیا کیلئے اردو کا نفاذ بہت ضروری ہو گا۔ کامرس کالجوں میں بھی اردو نظام تعلیم نافذ ہونا چاہیئے ہمارے ملک کی تعلیمی پستی میں انگریزی زبان کی بالادستی کا ہاتھ ہے۔ ڈاکٹر ایم محی الدین قاضی نے کہا کہ ایک ہی ملک میں دو قومی زبانوں کو رواج دینے اور نافذ کرنے سے قومی تشخص، یک جہتی اور ملکی سالمیت کو کتنا عظیم نقصان پہنچا اس کا اندازہ ہمیں ہو چکا ہے۔ اس لیے وقت کا اہم تقاضا ہے کہ فی الفور اردو کو ملک میں مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے۔ پروفیسر عبدالرسول نے کہا کہ اردو پاکستان کے چاروں صوبوں کے لیے رابطہ کی زبان اور اتحاد ملت کی ضمانت ہے۔ اس لیے اردو کا نفاذ بہت ضروری ہے۔ بزرگ صحافی ادیب اور شاعر جناب میر عبدالرشید اشک نے کہا کہ قومی زبان کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی غیر ملکی زبان کی ضرورت نہیں جو لوگ آج بھی قومی زبان کی مخالفت کر رہے ہیں وہ درحقیقت پاکستان کے بھی مخلص نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اردو کا دامن بہت وسیع ہے۔ یہ زندگی کے تمام تر شعبہ جات میں بخوبی نافذ کی جا سکتی ہے۔ صدر پاکستان ذاتی طور پر اردو کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ لیکن غلامانہ ذہنیت رکھنے والے لوگ اردو کو ملکی زبان بنانے سے گریز کر رہے ہیں۔ انجمن ترقی اردو کے صدر مولانا اصغر سرحدی نے ایک قرارداد میں صدر پاکستان سے اپیل کی ہے کہ وہ پاکستان میں اردو کے نفاذ کا اعلان فرما کر قائداعظم کے فرمان کی تکمیل کریں جس میں انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان صرف اردو ہو گی انجمن شہریان کے معتمد عمومی ملک عبدالحمید آزاد نے کہا کہ عوام کو چاہیئے کہ وہ اپنی دکانوں کے بورڈ اردو میں تحریر کریں کیونکہ انگریزی اب فیشن بن چکی ہے جسے اب ختم کرنا ضروری ہے۔ پروفیسر غلام جیلانی نے کہا کہ پاکستان اور اردو لازم و ملزوم ہیں اردو ترقی کا ایک زینہ ہے۔ پروفیسر مصطفیٰ حسین بخاری نے کہا کہ تحریک پاکستان میں تمام ہندو لیڈر اردو میں تقاریر کیا کرتے تھے لیکن پاکستان کی قرارداد کے بعد انہوں نے ہندی شروع کر کے اردو کی مخالفت شروع کر دی اسی طرح آج جو افسران بالا انگریزی کی بالادستی قائم رکھے ہوئے ہیں وہ ہندوانہ ذہنیت رکھتے ہیں انگریزی اسکولوں کی بھرمار نے طبقاتی تقسیم کو جنم دیا اس لیے اردو ہمارے بہت سے قومی مسائل کا حل ہے۔ تقریب کے صدر حافظ محمد یونس نے اردو زبان کے نفاذ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ صدر مملکت کو چاہیئے کہ وہ زبان کا آرڈیننس جاری کریں تاکہ قومی زبان کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہو سکیں۔

ملک میں اردو کے نفاذ سے علاقائی زبانیں متاثر نہیں ہوں گی۔ اسد بھٹو

عربی کے بعد اردو ہی ہماری تہذیبی اور تمدنی روایات کی امین ہے، نیشنل سینٹر کے مذاکرہ سے خطاب

مقتدرہ قومی زبان کے رکن پروفیسر اسداللہ بھٹو نے کہا ہے کہ ملک میں اردو زبان کے قومی زبان کی حیثیت سے نفاذ سے علاقائی زبانوں کی حق تلفی نہیں ہو گی اور یہ تاثر قطعی بے بنیاد اور متعصب ذہن کی پیداوار ہے کہ اردو کے نفاذ سے علاقائی زبانیں روبہ زوال ہو جائیں گی۔ وہ نیشنل سینٹر سکھر میں "قومی زبان قومی تشخص کی علامت" کے موضوع پر ایک مذاکرہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اردو زبان عربی کے بعد ہماری تہذیبی اور تمدنی روایات کی امین، اور مشرق وسطیٰ میں رابطہ کی زبان ہے۔ اب تک اردو کو صحیح مقام دینے میں غفلت برتی گئی ہے۔ جس سے بڑا قومی نقصان ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ذریعہ تعلیم انگریزی ہونے کی وجہ سے ہمارے نوجوان کسی ایک مضمون یا شعبے کے بھی ماہر نہ بن سکے اور تعلیمی ادارے تعلیم کی چوری کے ادارے بن گئے پروفیسر صاحب نے کہا کہ سامراجیت کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے ان کی زبان کو یہاں سے نکالنا بے حد ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ نوکر شاہی اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے

نافذ کرنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ کیوں کہ اردو کے نفاذ سے اس کا ملک و قوم پر چھایا ہوا سحر ختم ہو جائے گا۔ پروفیسر ظفر عابدی نے کہا کہ اردو قومی یکجہتی کی علامت ہے اس لیے اسے فوری نافذ کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ریاست حیدرآباد دکن میں سارا کاروبار حکومت اردو میں ہوتا تھا اور عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو ذریعہ تعلیم تھی لیکن آج اردو کو سرکاری زبان بنانے میں لیت ولعل، ناقابل فہم ہے مذاکرہ سے پروفیسر سردار احمد نے بھی خطاب کیا

اردو ادیب کو سندھی میں اور سندھی ادیب کو اردو میں بہترین کتاب لکھنے پر انعام دیا جائے گا

سندھ کے سینئر وزیر میر رسول بخش تالپور نے گزشتہ دنوں یہاں شیخ عبدالمجید اکیڈمی کے زیر اہتمام تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما جناب حاتم علی علوی کی چھٹی برسی کے موقع پر ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اردو ادیب کو سندھی میں اور سندھی ادیب کو اردو میں بہترین کتاب لکھنے پر دس دس ہزار روپے کا انعام دیں گے۔ بہترین تصنیف کا انتخاب ڈاکٹر ارجیین کی نگرانی میں مصنفین کی مجلس کرے گی۔

مقتدرہ قومی زبان نے دو ہزار انگریزی اصطلاحات کے مترادفات فراہم کر دیئے

دفتری اور علمی ضروریات کے لیے لغت کی فہرست بھی جاری کر دی گئی

مقتدرہ قومی زبان نے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کو گزشتہ ایک ماہ کے دوران بذریعہ ٹیلی فون و ڈاک دو ہزار انگریزی اصطلاحات کے اردو مترادفات فراہم کیے ہیں اور اس سہولت سے تقریباً ڈیڑھ سو سرکاری و غیر سرکاری اداروں نے فائدہ اٹھایا۔ واضح رہے کہ مقتدرہ نے عوام اور خواص کو انگریزی اصطلاحات کے اردو مترادفات ٹیلی فون پر فراہم کرنے کی سہولت کا اعلان کیا تھا جس کے بعد گزشتہ ایک ماہ کے دوران مقتدرہ کے دفتر معلومات کو اس مقصد کے لیے چھ سو سے زیادہ ٹیلی فون کیے گئے۔ اس کے علاوہ مقتدرہ کو مختلف اداروں کی جانب سے ڈاک سے بھی بڑی مقدار میں انگریزی اصطلاحات وصول ہوئیں اور ڈاک کے ذریعہ سات سو سے زیادہ اردو مترادفات مختلف اداروں کو فراہم کیے گئے۔

اردو قومی زبان ہے اسے موضوع بحث نہ بنایا جائے

حکومت قومی لباس کی طرح قومی زبان کے نفاذ کا اعلان کرے، دانشوروں کا اعلان

ضلعی مجلس زبان دفتری راولپنڈی کے رکن محمد حبیب وہاب الخیری نے کہا کہ پاکستان کا قیام درحقیقت تحریک آزادی کی پہلی منزل تھی اور یہ جدوجہد اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک آزادی کے تمام تقاضوں کی تکمیل نہیں ہو جاتی۔ وہ پاکستان نیشنل سینٹر اسلام آباد میں "قومی زبان قومی تشخص کا ذریعہ" کے موضوع پر منعقد ہونے والی ایک تقریب سے خطاب کر رہے تھے۔ جس کی صدارت پروفیسر محمد ملک نے کی۔ پروفیسر نیاز عرفان اور بڑی تعداد میں سرکاری ملازمین اور شہریوں نے اس تقریب میں شرکت کی۔ حبیب وہاب الخیری نے کہا کہ اردو زبان سے ہماری تشخص کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہ ہماری تحریک آزادی کی بنیاد تھی۔ اس میں ہمارا مذہبی ورثہ ہے۔ یہ تمام صوبوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اور اس کو اپنا کر ہم قومی یکجہتی کو فروغ دے سکتے ہیں۔ حبیب وہاب الخیری نے کہا کہ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی ہدایات پر گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان نے

فنکار قومی زبان کی ترقی و ترویج کے لیے کام کریں

فنکاروں کو صوبائی وزیر ثقافت غوث علی شاہ کی تلقین

ملک بھر کے فنکاروں کو چاہیئے کہ وہ اپنی محفلوں میں اردو کو استعمال کریں۔ یہ بات صوبائی وزیر ثقافت جناب جسٹس غوث علی شاہ نے ہونے والی تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہی صوبائی وزیر ثقافت نے کہا کہ فن کاروں کو چاہیئے کہ اپنی علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ قومی زبان کی ترقی و ترویج کے لیے بھی کام کریں۔

اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں، پانڈے

بھارت کے وزیر آبپاشی جناب کیدار پانڈے نے کہا ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کی زبان ہے اور اس سے سب ہی پیار کرتے ہیں۔

دفاتر میں ترویج اردو کے لیے ٹھوس اقدامات کر کے حقیقت میں ایک بہت بڑے چیلنج کو قبول کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انگریز کی لوگوں کو ذہنی طور پر غلام بنانے کی تدبیروں میں ایک تدبیر انگریزی زبان کا نفاذ اور تہذیب کی ترویج تھی اور ہمیں مکمل آزادی کے لیے ایسی چیزوں کو اپنانا ہوگا جن سے ہماری انفرادیت اور تشخص کا اظہار ہوتا ہے پروفیسر رحیم بخش شاہین نے کہا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے قیام کے لیے جدوجہد اور تحریک کو انگریزی شاعری اور ادب نے نہیں بلکہ اردو شاعروں اور ادیبوں نے متاثر کیا۔ انہوں نے کہا کہ غیر ملکی زبان کو اپنانا دراصل اپنے قومی تشخص کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ پروفیسر رحیم بخش شاہین نے کہا کہ اردو شمال مغربی ہندوستان کی زبانوں کے تعاون اور اشتراک سے وجود میں آئی ہے بلکہ ان کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس لیے یہ سب کی مشترکہ زبان ہے اور اس کا نفاذ علاقائی زبانوں کی بجائے انگریزی کی جگہ کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر فتح محمد ملک نے اپنی تقریر میں کہا کہ بانئ پاکستان اردو کو قومی زبان قرار دے چکے ہیں اور اب یہ موضوع زیر بحث نہیں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو کو جلد سے جلد دفاتر میں نافذ کیا جائے اور زندگی کے دیگر شعبوں میں اپنایا جائے۔ جس کے لیے عملی کام کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ قومی زبان کے نفاذ میں بہت تاخیر کی گئی ہے۔ اور اب جبکہ موجودہ حکومت اس کی ترویج کے لیے عملی اقدامات کر رہی بعض انگریزی پرست عناصر مختلف بیانوں سے ان کوششوں میں مصروف ہیں کہ قومی زبان کے نفاذ کے پروگرام میں مزید التوا ہو۔ پروفیسر فتح محمد ملک نے کہا کہ قومی زبان کے نفاذ کا حکومت اعلان کرے تو بغیر کسی دقت کے یہ دفاتر میں جاری ہو جائے گی۔ قبل ازیں پاکستان نیشنل سینٹر کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر جاوید صدیقی نے اور پروفیسر جمیل قلندر نے بھی قومی زبان کے نفاذ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

صدر مملکت اور عوام کی خواہش کے باوجود آج بھی اردو کو صحیح مقام نہ مل سکا۔ پروفیسر رمز

تنظیم دعوت حق حلقۂ غربی، کراچی کے ناظم اعلیٰ پروفیسر عثمان رمز نے اس بات پر سخت افسوس کا اظہار کیا ہے کہ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق، وزراء، وفاقی و صوبائی وزارت تعلیم کے مسلسل اعلانات و بیانات کے باوجود اردو کو وہ مقام آج تک حاصل نہ ہو سکا جو پاکستان کے عوام اور صدر مملکت چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آج بھی انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اسکول اسی طرح چل رہے ہیں جس طرح آج سے ۵ سال پہلے تھے، بلکہ روزانہ ان میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے قومی تشخص اجاگر کرنے کے لیے اسکولوں کے لیے ایک لباس تجویز کیا گیا اور اس سلسلہ میں احکامات بھی متعدد مرتبہ جاری ہوئے لیکن انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اسکولوں نے جن میں مشنری اسکول سرفہرست ہیں ان احکامات کی نہ پہلے پابندی کی اور نہ آج کر رہے ہیں۔ جناب عثمان رمز نے کہا کہ مشنری اسکول پوری ڈھٹائی کے ساتھ ان احکامات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

مقتدرہ قومی زبان کی مجلس رابطہ کا دورہ

لاہور اور پشاور کے علماء دانشور اور اعلیٰ افسران سے ملاقاتیں

مقتدرہ قومی زبان کی ذیلی مجلس "رابطہ صوبہ جاتی مسائل" کے داعی پروفیسر اسد اللہ بھٹو اور پروفیسر عبدالخالق بلوچ پر مشتمل وفد نے اپنا ایک دورہ شروع کیا ہے۔ جس کے پہلے مرحلے پر لاہور میں ایڈیشنل چیف سیکریٹری پنجاب و صدر مجلس زبان دفتری پنجاب جناب سجاد الحسن، معتمد جناب منصور عاقل جامعہ پنجاب کے پرو وائس چانسلر ڈاکٹر منیر الدین چغتائی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، اقبال اکیڈمی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر معز الدین اور ان کے علاوہ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر محمد اسماعیل بھٹی، ماہنامہ سیارہ کے مدیر جناب نعیم صدیقی، نوائے وقت کے مدیر جناب مجید نظامی، ڈاکٹر افتخار احسن، تنظیم اساتذہ پاکستان کے معتمد عمومی جناب نصیر الدین ہمایوں اور دیگر دانشوروں، اساتذہ اور محققین سے ملاقاتیں کیں۔ وفد نے ملاقاتوں میں قومی زبان کے تعلیمی اداروں، سرکاری دفتروں اور ہر شعبۂ زندگی میں موثر اثر و نفوذ کے بارے میں تبادلہ خیال کیا اور قومی زبان کے سلسلے میں مختلف مقامات پر ہونے والے تحقیقی و علمی کام کو مربوط بنانے، بین الصوبائی رابطہ قائم کرنے اور قومی زبان کے نفاذ میں حائل رکاوٹوں اور مشکلات کے سدباب پر ان ملاقاتوں میں غور و فکر کیا گیا وفد نے اس بات کا بھی اعادہ کیا کہ قومی زبان کی ترویج اور نفاذ سے مختلف صوبہ جات کی

منقالی زبانوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ کیونکہ مقتدرہ قومی زبان کا مقصد ملک میں انگریزی زبان کی بجائے قومی زبان کو رائج کرنا ہے۔ علاقائی زبانوں کو پھلنے پھولنے اور ترقی کے لیے مناسب حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ وفد کے اعزاز میں ڈاکٹر سید عبید اللہ نے ظہرانہ اور جناب منصور عاقل نے عصرانہ دیا۔ وفد نے اپنے دورے کے دوسرے مرحلہ پر صوبہ سرحد کے چیف سیکرٹری جناب عثمان علی عیسانی سے ملاقات کی جس میں اردو کے تعلیمی اداروں اور سرکاری دفتروں میں اثر و نفوذ اور اردو کو انگریزی کی جگہ لانے کے بارے میں موجود مشکلات پر تبادلہ خیال کیا گیا وفد نے پشتو اکیڈمی کے جناب پریشان خٹک اور مرکزی اردو بورڈ پشاور شاخ کے ڈائریکٹر مولانا فضل معبود سے صوبہ سرحد میں قومی زبان کے مؤثر فروغ کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور موجودہ مسائل پر بھی اظہار خیال کیا۔ جناب پریشان خٹک نے پشتو زبان کے مقام اور اہمیت سے وفد کو آگاہ کیا اور قومی زبان کی ترقی کے بارے میں اہم تجاویز پیش کیں۔ پروفیسر اسد اللہ بھٹو نے جامعہ پشاور کے شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر طاہر خیلی سے بھی ملاقات کی اور پشاور یونیورسٹی میں اردو کو عام مضامین اور خصوصاً سائنسی مضامین میں بتدریج ذریعہ تعلیم بنانے اور پاکستان کی مختلف جامعات میں اس سلسلہ میں ہونے والے کام کو مربوط بنانے کی اہمیت پر زور دیا۔ جناب طاہر خیلی نے موجود مشکلات بیان کیں اور اپنی طرف سے تجاویز پیش کیں پروفیسر اسد اللہ نے شعبہ عربی و اسلامیات کے سربراہوں اور اساتذہ سے بھی تعلیمی امور پر تبادلہ خیال کیا۔

محکمہ تعلیم راولپنڈی کے دفاتر میں اردو کی ترویج کیلئے ٹھوس اقدامات

قومی زبان کے موضوع پر تقریری مقابلے میں امتیازی حیثیت پر طلبہ و طالبات کو انعامات دیئے جائینگے

محکمہ تعلیم قسمت راولپنڈی کے اعلیٰ حکام نے مجلس زبان دفتری کو یقین دلایا ہے کہ گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان کی ہدایات کے مطابق دفاتر میں اردو کی ترویج کیلئے ٹھوس اقدامات شروع کر دیے گئے ہیں اور ان ہدایات پر عملدرآمد کی راہ میں درپیش مشکلات کے ازالہ کے لیے مؤثر لائحہ عمل مرتب کیا جا رہا ہے۔ ضلعی مجلس کے فیصلے کے مطابق مختلف دفاتر سے ذاتی رابطے کے سلسلے میں ایک وفد بریگیڈیئر (سبکدوش) گلزار احمد کی قیادت میں ناظم تعلیمات برائے کالج منیر احمد چوہدری و ناظم تعلیمات برائے اسکول آئی ایچ عثمانی سے ملنے گیا تھا۔ منیر احمد چوہدری نے وفد کو بتایا کہ عنقریب تمام ماتحت دفاتر اور تعلیمی اداروں کو تفصیلی ہدایات جاری کی جا رہی ہیں کہ وہ اپنی تمام خط و کتابت اور دفتری کارروائی اردو میں کریں۔ نیز سرکاری امور کی انجام دہی میں سہولت کے لیے ٹائپ مشینوں کے حصول کے لیے بجٹ میں رقم مختص کی جا رہی ہے۔ ناظم تعلیمات برائے اسکول آئی ایچ عثمان نے کہا کہ اردو کے بطور دفتری زبان کے نفاذ کے سلسلے میں وہ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ گورنر کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ دونوں منتظمین نے قومی زبان کے موضوع پر تعلیمی اداروں میں تقریری مقابلوں کا اہتمام کرنے کی یقین دہانی کرائی اس سے قبل مجلس کا اجلاس ڈپٹی کمشنر و صدر مجلس چوہدری نذیر احمد کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں اردو کی ترویج کے ضمن میں پیش رفت کا جائزہ لیا گیا۔ بریگیڈیئر گلزار احمد (سبکدوش)، پروفیسر نیاز عرفان، پروفیسر رحیم بخش شاہین انور مسعود محمد حبیب، وہاب الجزی۔ ملک محمد شفیع شمس الحق خان۔ ایس اے صدیقی اور ثناء اللہ نے شرکت کی۔ صدر مجلس نے اعلان کیا کہ ضلعی انتظامیہ قومی زبان کے موضوع

اردو کی عمارت چار ستونوں پر کھڑی ہے

گزشتہ دنوں سندھ کی صوبائی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں وزیر ٹرانسپورٹ دوست محمد فیضی اپنے زور خطابت، برمحل اشعار اور موقع کی مناسبت سے فقرے چست کرنے کی صلاحیت کی بدولت چھائے رہے لیکن اہل زبان نہ ہونے کے باوجود وزیر تعلیم جسٹس غوث علی شاہ نے اپنی سادہ تقریر اور دلپذیر فقروں سے حاضرین کو خوب خوب محظوظ کیا صوبائی کونسل کے اجلاس میں زمینداروں کی حالت زار کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

کس زمانے کی بات کرتے ہو، دل جلانے کی بات کرتے ہو

جناب غوث علی شاہ نے ایک موقع پر پنجابی پشتو، سندھی اور بلوچی زبانوں کو ایسے چار ستون قرار دیا جن پر اردو کی عمارت کھڑی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ میرا ایمان ہے کہ ملک میں جو چار پانچ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اردو ان کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ وزیر تعلیم نے جب یہ اعلان کیا کہ ۲۰۱۰ء تک ملک میں ایک بھی فرد ناخواندہ نہیں رہے گا تو اراکین کونسل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ سیاہ شیروانی میں ملبوس جناب غوث علی شاہ نے اردو میں تقریر کی۔ اور سوالات کے جوابات بھی اردو میں دیئے۔

وفیات

احسان دانش

اُردو کے ممتاز شاعر جناب احسان دانش ۲۱ر مارچ کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ جدید اُردو شاعری بالخصوص نظم نگاری میں اُن کا ایک خاص اور بلند مقام تھا ان کے انتقال سے اردو زبان ایک خوش فکر اور قادر الکلام شاعر سے محروم ہو گئی وہ بحیثیت انسان بھی بہت بلند مرتبے کے حامل تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی نہایت سادگی، منکسر المزاجی اور شائستگی کے ساتھ گزاری۔ ایک معمولی مزدور کی حیثیت سے انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا اور زندگی کا ایک بڑا عرصہ محنت شاقہ اور جانفشانی میں گزار دیا۔ وہ محنت اور مشقت کے ساتھ ساتھ علم و ادب میں بھی دلچسپی لیتے رہے۔ اور اپنی خداداد شاعرانہ اور ذہنی صلاحیتوں کے سبب شعر و ادب میں اپنا ایک منفرد اور ممتاز مقام پیدا کیا۔ وہ زندگی کا واضح تصور رکھتے تھے اور ان کی فکر راست اور عقیدہ راسخ تھا۔ ان کی یہ صفات ان کی شاعری میں بھی بہت نمایاں طور پر جھلکتی ہیں۔ بلکہ اس حد تک نمایاں ہیں کہ ان کے معاصر شاعروں میں قال قال ہی نظر آتی ہیں۔ ان کی شاعری میں زندگی کے تلخ تجربات و مشاہدات نے واضح صورت اختیار کی تھی اور مزدور طبقے کی زندگی ان کا خاص موضوع سخن بن گیا تھا۔ اس طبقے کی ترجمانی میں فن کے ساتھ ساتھ چونکہ ذاتی تجربہ بھی شامل تھا۔ اس لیے ان کے کلام کو مقبولیت اور امتیاز حاصل ہوا۔ انہوں نے عصری تقاضوں اور سیاسی بیداری کے تحت انقلابی موضوعات کو بھی موضوع سخن بنایا تھا اور اس میں بھی بہت کامیاب ہے وہ رومانی موضوعات کو بھی بڑے والہانہ انداز میں اپنی شاعری میں پیش کرتے تھے۔ اس نوعیت کے اشعار میں ان کی شدتِ جذبات بڑی لطیف اور نرم صورت اختیار کرتی ہے۔ زبان میں مٹھاس اور حلاوت اور اسلوب میں دھیما پن ان کی شاعری کی مخصوص صفات ہیں۔ نظم میں زیادہ تواتر کے ساتھ شاعری کرتے رہے، لیکن غزلیں بھی لکھتے تھے۔ ان کے کلام کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور کئی ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ "حدیث ادب" پہلا مجموعہ تھا۔ بعد میں "درد زندگی" "فطرت"، "نوائے کارگر"، "آتش خاموش" "جادۂ نو" "شیرازہ" "زخم و مرہم" وغیرہ شائع ہوئے۔

نثر میں لغت عروض اور قواعد نویسی ان کی خصوصی دلچسپی کے موضوعات تھے۔ "خضر عروض"، "دستور اردو"، "لغات الاصلاح" "تذکیر و تانیث"، "اردو مرادفات" اور ان کے علاوہ ان کی یادداشتوں پر مشتمل "جہان دانش" ان کی معروف تصانیف ہیں۔

ان کا اصل نام احسان الحق تھا۔ ۱۹۱۳ء میں کاندھلہ ضلع مظفر نگر (بھارت) میں پیدا ہوئے حافظ سید مصطفیٰ سے عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کی اور پھر لاہور منتقل ہو کر مستقل آباد ہو گئے۔ یہاں مزدوری، نامہ نویسی اور کتب فروشی کی پھر "مکتبہ دانش" قائم کیا۔ انہیں حکومت پاکستان نے صدارتی اعزاز "ستارۂ امتیاز" عطا کیا۔

"ایک بار ایک پبلک سروس کمیشن کے صدر نے میرے ساتھ کی بات چیت میں اُردو رسم الخط پر اعتراض کیا کہ اُردو سب لکھاوٹیں بائیں طرف سے دائیں طرف کو لکھی جاتی ہیں لیکن اُردو خط اُلٹی گنگا بہاتا ہے۔ جب میں نے انھیں بتایا کہ اُردو اور انگریزی خط ایک ہی نسل سے ہیں تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اُردو رسم الخط بھی سامی سے ماخوذ ہے اور یونانی رسم الخط بھی۔ یونانی کے ابتدائی حروف تہجی، ایلفا، بیٹا، گاما، ڈیلٹا، عبرانی ابجد کے الف، بیت، جمل اور دالتھ کی ترمیم شدہ شکلیں ہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ بعض انگریزی حروف کی ترتیب آج بھی عربی ابجد سے مماثلت کا اعلان کر رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

کلمن، یعنی

K	L	M	N
ک	ل	م	ن

قرشت، یعنی:

Q	R	S	T
ق	ر	ش	ت

ڈاکٹر گیان چند
(لسانی مطالعے"، صفحہ ۱۴-۱۵)

پر تقریری مقابلوں میں امتیازی حیثیت حاصل کرنے والے طلبہ اور طالبات کو نشانِ ظفر اور خصوصی انعامات دے گی۔ تمام ضلعی دفاتر نے اپنے ناموں کی تختیاں اردو میں تبدیل کرنے اور خط و کتابت قومی زبان میں کرنے کا آغاز کر دیا ہے پروفیسر نیاز عرفان اور پروفیسر انور مسعود نے سرکاری محکموں کے فارموں کے اردو ترجمے کرنے کی پیشکش کی۔ شمس الحق خان نے بتایا کہ سماجی بہبود کی تنظیموں کی جائزہ رپورٹوں کے فارم اردو میں منتقل کر دیئے گئے ہیں۔

پاکستان بینکنگ کونسل کے ترجمان کے بیان پر مقتدرہ قومی زبان کا اظہار افسوس

مقتدرہ قومی زبان نے پاکستان بینکنگ کونسل کے ترجمان کے اس بیان پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ بینکوں کے سالانہ حسابات قومی زبان میں شائع کرنا ان کے بس کی بات نہیں مقتدرہ نے اپنے اعلامیہ میں کہا ہے کہ اس ضمن میں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی واضح ہدایات موجود ہیں اور مقتدرہ قومی زبان کا قیام بھی اسی مقصد کے لیے عمل میں لایا گیا ہے کہ وہ سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں اردو کے نفاذ اور ترویج کی مشکلات اور مسائل کو حل کرے۔ اس مقصد کے لیے مقتدرہ میں ایک دفتر معلومات قائم ہے جو ہر قسم کی انگریزی اصطلاحات کے اردو متبادل فراہم کرتا ہے اور گزشتہ ایک ماہ میں ڈیڑھ سو سے زائد سرکاری و غیر سرکاری اداروں نے اس سہولت سے فائدہ اٹھایا جنہیں دو ہزار سے زیادہ اصطلاحات فراہم کی گئیں بیان میں کہا گیا ہے کہ مقتدرہ کے زیر اہتمام صرف اصطلاحات ہی نہیں فنی اور تکنیکی الفاظ پر مشتمل مواد کے ترجمہ کی سہولت بھی موجود ہے اور بشمول پاکستان بینکنگ کونسل تمام سرکاری و غیر سرکاری ادارے مقتدرہ قومی زبان کی فراہم کردہ اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ہر ملک کی زبان اس کی قوم کے تشخص کی علامت اور ہم آہنگی کا باعث ہوتی ہے

پاکستان نیشنل سینٹر میں مجلس مذاکرہ سے پروفیسر محمد خلیل اللہ کا خطاب

وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کے پرنسپل پروفیسر محمد خلیل اللہ نے کہا کہ کسی بھی ملک کی قومی زبان اس ملک کے تشخص کی علامت کے ساتھ ساتھ قومی یکجہتی، اخوت اور ہم آہنگی کا باعث ہوتی ہے۔ گزشتہ دنوں پاکستان نیشنل سنٹر کراچی میں زبان قومی تشخص کا ذریعہ کے موضوع پر مجلس مذاکرہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اردو زبان کو بحیثیت قومی زبان اپنا کر علاقائیت کے مضر اثرات کا خاتمہ ممکن ہے اس مجلس مذاکرہ میں پروفیسر سید ضیغم یزدانی اور ڈاکٹر بشارت علی نے بھی موضوع پر اظہار خیال کیا پروفیسر خلیل اللہ نے کہا کہ قومی اور ملی جدوجہد میں زبان اہم کردار ادا کرتی ہے اس کا مشاہدہ ہم تحریک پاکستان کے دوران کر چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اردو زبان اختلافی نہیں بلکہ اتحاد کی علامت ہے جس کو اپنا کر ہم پاکستانی قوم کی حیثیت سے نہ صرف اپنا قومی تشخص برقرار رکھ سکتے ہیں بلکہ ملک کے مختلف علاقوں اور صوبوں میں رہنے والے اس زبان کے ذریعے ایک دوسرے کے اور زیادہ قریب آ کر متحد ہو سکتے ہیں جس کی موجودہ دور میں اتنی ضرورت ہے جو پہلے کبھی نہ تھی انہوں نے کہا کہ باوقار قوم کی حیثیت سے اگر ہمیں اپنا وجود منوانا ہے تو اردو زبان کو اتحاد کی علامت کے طور پر اختیار کرنا ہوگا انہوں نے اس بات کی سختی سے تردید کی اور ان الزامات سے اختلاف کیا کہ اردو زبان میں تعلیم و تدریس کی صلاحیت نہیں ہے اس سلسلہ میں انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی اور وفاقی اردو کالج اور سائنس کالج کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ان اداروں میں علوم و فنون، قانون تجارت، انجینئرنگ اور سائنس کی تعلیم کا سلسلہ قومی زبان ہی میں انتہائی کامیابی سے جاری ہے۔

عمان جامعہ میں اردو نشست قائم ہوگی

عمان کی جامعہ میں اردو کی چیئر قائم کی جا رہی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس نشست کے لیے یہ تجویز پیش کی گئی ہے پاکستان کی جامعات اور کالجوں کے اساتذہ میں سے اردو کے اس استاد کا انتخاب کیا جائے جنہوں نے ایم اے اردو اوّل درجہ میں کامیاب کیا ہو اور اسے تدریس کا ۱۸ سال کا تجربہ ہو اور کم از کم آٹھ مقالے بین الاقوامی جرائد میں شائع ہو چکے ہوں۔ واضح رہے کہ برادر عرب ممالک میں اردو کی تعلیم کا شوق زیادہ پیدا ہو رہا ہے اور کئی جامعات میں اردو کی نشست بھی قائم کی گئی ہیں۔

تازہ مطبوعات

عورت اور اُردو زبان

محترمہ دحید نسیم اُردو کی ایک ممتاز ناول نگار، افسانہ نویس، شاعرہ اور ایک دانشور خاتون کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہیں۔ اُردو زبان و ادب کے تعلق سے ان کی تخلیقی کاوشیں ایک خاص اہمیت کی حامل ہیں، لیکن زیرِ نظر تصنیف میں وہ ایک محقق اور وسیع المطالعہ مصنفہ کی حیثیت میں بھی سامنے آئی ہیں۔ اس کتاب کو غضنفر اکیڈمی پاکستان (ماڈرن کالونی منگھوپیر روڈ کراچی) نے شائع کیا ہے۔ سوا تین سو صفحات کی اس کتاب کی قیمت بیس روپے ہے۔

اس کتاب میں مصنفہ نے نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اُردو زبان سے خواتین کے تعلق کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے یہ کتاب اس اعتبار سے بہت اہم موضوعات اور مباحث پر مشتمل ہے کہ اس

میں زبان کے ارتقاء اور اس کے پس منظر میں خواتین کی خدمات اور اُن کے کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں جو موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں ان کا اندازہ ان ابواب کے عنوانات سے ہو سکتا ہے، جو یہ ہیں:

زبان مادری کیوں کہلاتی ہے۔ عورت اور اُردو کی ابتدا۔ عورتوں کی زبان مغلیہ عہد میں اور مغلیہ عہد کے بعد۔ عورتوں کے ایجاد کردہ الفاظ۔ الفاظ کی تراش خراش۔ عورتوں کی زبان پر معاشرت کا اثر۔ عورتوں کی زبان میں طنز و مزاح۔ عورتوں کی زبان میں اظہارِ جذبات۔ عورتوں کی زبان میں زورِ بیان۔ عورتوں کا حساب کتاب۔ سنگھار، زیورات، لباس۔

یہ تصنیف بجا طور پر اپنے موضوع پر پہلی جامع اور مفصل کتاب ہے جو اپنے موضوع کا نہ صرف مکمل احاطہ کرتی ہے بلکہ مصنفہ کی دیدہ ریزی اور جانفشانی کا ثبوت بھی فراہم کرتی ہے۔ مصنفہ کی تاریخی اور لسانی بصیرت اس کتاب کے ہر ہر صفحہ سے نمایاں ہوتی ہے۔ ان کی جانفشانی اور وسعتِ مطالعہ کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے تمام استناد اور ماخذ عصری حوالوں سے اخذ کیے ہیں۔ اپنی تحقیقی اور تجزیاتی خصوصیات کے لحاظ سے یہ ایک اعلیٰ درجہ کا علمی و تصنیفی کارنامہ ہے جس کی خاطر خواہ پذیرائی ہونی چاہیئے۔

آخر میں مصنفہ نے ایک اور بڑا کارنامہ یہ انجام دیا ہے کہ ایک ایسی لُغت بھی ترتیب دے دی ہے جو عورتوں کے مخصوص الفاظ اور محاورات و ضرب الامثال پر مشتمل ہے۔ اس کی افادیت یہ بھی ہے کہ اس میں وہ تمام الفاظ، محاورات اور ضرب الامثال یکجا ہو گئے ہیں، جو عورتوں کی زبان میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ پھر ان الفاظ وغیرہ کی تشریح ضروری مثالوں اور عصری حوالوں سے کی گئی ہے۔

"الفاظ" افسانہ نمبر (جلد دوم)

علی گڑھ (بھارت) سے شائع ہونے والے دوماہی "الفاظ" کے افسانہ نمبر کی جلد دوم بابت مئی تا اگست ۱۹۸۱ء ایجوکیشنل بک ہاؤس نے شائع کی ہے پونے تین سو سے زائد صفحات کی اس خصوصی اشاعت کی قیمت آٹھ روپے ہے۔ دوماہی "الفاظ" بھارت کے اُردو ادبی جرائد میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے قریبی عرصہ میں اس نے کئی خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کر کے عام ادبی دُنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ اس کا سابقہ خصوصی شمارہ، افسانہ نمبر، جلد اول کے طور پر شائع ہوا تھا، جو اپنے تنوع اور معیار کے لحاظ سے بہت مشہور ہوا۔ اب اس سلسلہ کا دوسرا شمارہ شائع ہوا ہے۔ جو اپنے مندرجات اور ان کے معیار کے لحاظ سے خوب سے خوب تر ہے۔

اس خصوصی اشاعت میں پاکستان کے ممتاز افسانہ نگار انتظار حسین کے لیے ایک گوشہ مخصوص کیا گیا ہے، جس میں انتظار حسین کے نئے اور منتخب افسانے اور انتظار حسین کے فن پر

مشاہیر نقادانِ فن کے مطالعے شامل کیے گئے ہیں۔ اس گوشہ میں انتظار حسین نے اپنے فن پر خود اپنی رائے بھی تحریر کی ہے۔ دوسرا گوشہ افسانہ کے فن اور جدید اُردو افسانہ کے رجحانات اور جائزوں پر مشتمل ہے۔ تیسرا گوشہ بھارت

اور پاکستان کے منتخب افسانہ نگاروں
کے تازہ افسانوں پر مشتمل ہے۔ جس
میں بیس سے زائد افسانے شامل ہیں
اس افسانہ نمبر کو جدید اردو
افسانہ کے مسائل اور رجحانات پر مبنی
ایک منتخب اور نمائندہ خصوصی اشاعت
قرار دیا جا سکتا ہے۔

دولتِ احساس

خلیق ملتانی کا شعری مجموعہ ہے،
جسے مکتبۂ یارانِ خلیق، رحیم یار خاں نے
شائع کیا ہے۔ یہ چھوٹی تقطیع کے
۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس
کی قیمت ۷ روپے ہے۔ اس مجموعہ میں
متنوع موضوعات پر نظمیں اور قطعات
شامل کیے گئے ہیں۔ منظومات اور قطعات
کا ایک حصہ طنز و مزاح پر بھی مشتمل ہے۔
ان کے علاوہ اس مجموعہ میں غزلیات
بھی شامل ہیں۔ خلیق ملتانی ایک عرصہ
سے شاعری کر رہے ہیں۔ فکر و احساس
کے ساتھ ساتھ ان کے فن میں بھی پختگی
نظر آتی ہے۔

تذکرہ شاہ صدر دیوان و اجداد و اولاد

محمد عباس اثر کی یہ تصنیف احمد پورہ
سیالکوٹ سے شائع ہوئی ہے۔ مصنف
نے اس میں اپنے اسلاف کا شجرۂ طریقت
سید شرافت نوشاہی کی ضخیم تصنیف
"شریف التواریخ" سے نقل کیا ہے اس
طرح شاہ صدر دیوان اور ان کے اجداد
اولاد کا ایک ضروری معلوماتی خاکہ اس
کتاب میں یکجا ہوگیا ہے۔ مصنف
نے خود بھی اپنے حالات اس میں شامل
کردیے ہیں۔

یہ کتاب ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے
اور اس کی قیمت ۴ روپے ہے۔

دانائے راز

زیرِ نظر تصنیف سید نذیر نیازی مرحوم
کی کاوش و تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اسے اقبال
اکیڈمی لاہور نے شائع کیا ہے۔ ساڑھے
چار سو صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۵۶
روپے ہے۔ سید نذیر نیازی اقبالیات
کے زمرے سے تعلق رکھنے والے ممتاز
اور اکابر مصنفین میں سے ہیں۔ انھیں
ایک طویل عرصہ تک علامہ اقبال سے قرب و
نیاز بھی حاصل رہا ہے۔ علامہ اقبال
کی حیات اور فکر و شاعری گزشتہ نصف
صدی سے ان کا محبوب موضوع رہے
ہیں۔ "دانائے راز" ان کی آخری دور
کی تحریر کردہ ایک وقیع اور جامع کاوش
ہے، جس میں انھوں نے علامہ اقبال کے
احوال و آثار کا مفصل اور مستند جائزہ
لینے کی کوشش کی ہے۔ یہ ان کے منصوبہ
کی پہلی جلد ہے۔ جو دو فصلوں پر مشتمل ہے
اس میں فصل اول، علامہ اقبال کی ولادت
سے ۱۸۹۵ء تک کے احوال پر اور
دوسری فصل ۱۹۰۵ء تک کے واقعات
کا احاطہ کرتی ہے۔

مصنف نے کمال محنت اور عرق
ریزی سے اس تصنیف میں وہ تمام مواد
یکجا کردیا ہے جو منتشر اور غیر مربوط انداز
میں بکھرا ہوا تھا۔ اس اعتبار سے یہ تصنیف
اپنے دور کے احوال و آثار پر اب تک شائع
ہونے والی تمام تصانیف کے مقابلہ میں
زیادہ جامع، مستند اور معلوماتی ہے۔
اکیڈمی ان کی اشاعت پر مبارکباد کی
مستحق ہے۔

"تاریخ کا کون طالبِ علم ایسا ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ
جب تک یورپ میں علوم لاطینی اور یونانی زبانوں
کی جکڑ بند میں رہے وہاں کا دورِ تاریکی ختم نہیں
ہوا۔ حالانکہ یورپین زبانیں لاطینی سے وہ بُعد نہیں
رکھتی تھیں جو انگریزی کو اردو سے ہے اگر فرانس،
اطالیہ، روس، جرمنی، جاپان یا مصریوں کو حق
ہے کہ تعلیم انگریزی اور صرف انگریزی کی وساطت
سے ممکن ہے تو اسے وہاں کے عوام و خواص معمولی فراست
سے بھی بے بہرہ سمجھیں گے۔ لیکن اس ملک میں اس
قسم کے دعوے پر سب آمنا صدقنا کہتے ہیں۔ خود انگلستان
میں ترقی کی ابتدا اس دن سے ہوئی جس دن سے انجیل
کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
"افکار و اذکار" صفحہ ۶۰

گردوپیش

یوگوسلاویہ میں اُردو

تحریر: پروفیسر محمد معین الدین دردائی مرحوم

یوگوسلاویہ میں آج اشتراکی حکومت ہے، لیکن ایک صدی سے کم ہی دنوں کی بات ہے کہ وہ اسلامی مملکت کا ایک حصّہ تھا۔ سلاطین روم کے ماتحت اس نے اسلامی رِوایات اور تہذیب و تمدن سے جس قدر فائدہ اٹھایا وہ آج بھی پوشیدہ نہیں لیکن سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہاں کے عوام کی سب سے مستند زبان "سرب وکروٹ" (SERB - CROAT) ہماری اُردو زبان سے بہت زیادہ متاثر ہے وہاں کی زبان وادب کا سرسری مطالعہ کرنے سے ہمیں اس میں اُردو الفاظ کی کثرت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بات صاف جھلکتی ہے کہ "سربُ کروٹ" اُردو الفاظ کے خزانہ سے مالا مال ہے۔ حیرت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ صدیوں ترک سلاطین کے زیرِ نگیں رہنے کے بعد بھی اس کی زبان میں اُردو الفاظ ترکی الفاظ سے بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ اس سے بڑھ کر اُردو زبان کی ہمہ گیری اور کیا ہوگی کہ ایک سو سال سے اسلامی مملکت سے جُدا ہو نیکے بعد بھی یوگوسلاویہ کی حکومت اپنی مستند زبان "سرب وکروٹ" سے اُردو الفاظ کو نہیں نکال سکی۔ "سرب وکروٹ" پر اُردو زبان کا کسی حد تک اثر پڑا ہے۔ اُسے ہم مثال دے کر تفصیل سے پیش کریں گے۔

اُردو الفاظ۔ "سرب وکروٹ" میں اس طرح استعمال کیے جاتے ہیں۔

کیسہ (تھیلی)	KESA
جیب	DZEP
بازار	PAZAR

بہت سے معدنیات، پودے، جانور اور غذا کے لیے "سرب وکروٹ" نے اُردو زبان سے جو الفاظ مستعار لیے ہیں، ان کی فہرست ملاحظہ ہو:

افیون	OFION
بادام	BADEM
شوربہ	SHORBA
دھواں	PUNAN
حلوہ	HALVA
خاگینہ انڈا	KAJGAM
میموں (بندر)	MAYMUN
نعنا (پودینہ)	NAMA
انار	NAR
بطخ	PATAK
پلاؤ	PLAV
برنج	PIRINACH
صابون	SARUN
صدف	SADEF
سنبل (پھول)	ZUMBUL
شمشاد	SHIMSHR
قرنفل	KARANFIL
معجون (دوا)	MADJUN
علاج	ILADJ
مرہم	MALEM
سُرمہ	SURMA
حنا	HINA
حکیم	EKIM

یوگوسلاویہ میں عوام کی مقبول زبان "سربُ کروٹ" چونکہ روسی زبان سے بہت قریبی تعلق رکھتی ہے اس لیے سیلوونک SALVONIC الفاظ اور جملے مستعار الفاظ کے ساتھ بہت کثرت سے ملتے ہیں۔ اُردو کے مستعار الفاظ کو "سرب وکروٹ" زبان نے سیلوونک قواعد وگرامر کے تحت جس خوبصورتی اور چابکی سے تراش خراش کر اپنا لیا ہے وہ قابل دید ہے۔ اسی سے جہاں "سیلوونک قواعد وگرامر کی فراخی اور وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں اُردو زبان کی لچک اور ہر زبان میں اپنے کو مدغم کرنیکی اس کی صلاحیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً حمالی بوجھ اٹھانے والا اُردو لفظ ہے۔ "سرب وکروٹ" نے اسے AMALIN بنا کر اپنے یہاں لے لیا۔

وہاں کی زبان میں اردو الفاظ ترکی الفاظ سے کہیں زیادہ ہیں

حبس بمعنی قید اردو لفظ ہے۔ سرب وکرورٹ نے اسے APS بناکر اپنے یہاں لے لیا اور پھر اس سے فعل APSITE یعنی قید بھی بنا لیا۔ اردو میں بولا جاتا ہے "کوئی فائدہ نہیں ہے۔" سرب وکروٹ نے پورے اس جملے کو NEMA FAYDE کی شکل میں لے لیا۔ پاپوش بمعنی جوتا۔ اس کے لیے سرب وکروٹ میں PAPUCA آتا ہے اور اسی سے اردو ضرب المثل بیوی کی جوتی اٹھانے والا (زن مرید) کے بالکل ہم معنی POOPAPUCAEM بنا لیا گیا۔ اسی طرح،

پژمردہ	کیلئے	PASMURAN
کرایہ دار	”	KIRAJOZJA
امانت	”	AMANET
عاشق	”	ASIK

تا ہے۔

بہت سے اردو کے الفاظ "سرب کروٹ" ان میں بالکل اپنی اصل شکل میں بغیر کسی قسم کی دیلی کے ملتے ہیں۔ مثلاً

تازہ	TAZE
ناشتہ	NASTE
حلال	HALAL
مفت	MUFTE
عناد	INATT
تمام	TAMAM
...رے	BAREM

بہت سے اردو الفاظ "سرب وکروٹ" میں اس طرح استعمال کیے گئے ہیں کہ لفظ تو بغیر کسی تبدیلی کے اپنے اصلی ہی شکل میں ہے لیکن "سرب وکروٹ" علم الاصوات کے مطابق مخرج آواز کے دباؤ، لہجہ، سرا اور تلفظ میں فرق پیدا ہو گیا ہے مثلاً

دھواں	DUHAV DUVAN
برکت	BARIKAT
کور (اندھا)	CCNQV
چشمہ (جھرنا)	CHESMA
فنجان	FEUZAN
توشک	DUSHEK
بستان	BASHTA
توبڑا (گھوڑے کو دانہ کھلانے کا تھیلا)	TOBRA
مژدہ	MUSHLA
محلہ	MALA
قفس	KAVEZ
بارود	BARUT
قادر	KADER
ساعت	SAHET
گردن	DZERDAN
پارچہ (کپڑا)	PARCHE
مہمیز	MALMMEZ
حیوان	HAYVAN
ملبہ	MARWA
مال	MAL
چوپان (بمعنی چرواہا)	COBAN
مغز	MOZAK
بطخ	PATAK
لاش	LESH

بہت سے اردو الفاظ ایسے ہیں جو رسم و رواج اور روایات کے اظہار کے لیے مستعمل ہیں وہ بھی سرب وکروٹ میں لیے گئے اور بلا تفریق مذہب ہر فرقہ کے لوگوں میں بولے جاتے ہیں۔ جیسے:۔

دیور (شوہر کا چھوٹا بھائی)	DEVR
جیٹھ (شوہر کا بڑا بھائی)	ZET
میراث (جہیز کے معنی ہیں)	MERAZ

اردو زبان کی بہت سی اصطلاحات جو پیشہ وروں کے سلسلے میں بولی جاتی ہیں یا کاروبار اور تجارت کے لیے مخصوص ہیں۔ سرب وکروٹ نے انہیں قبول کر کے بہت خوبی سے اپنا لیا ہے۔ مثلاً

آلات	ALAT
صندوق	SANDUK
اسباب	ESBAP
میخانہ (سرائے کے معنی میں مستعمل ہے)	MEHANA
دفتر (بہی کھاتہ کیلئے مستعمل ہے)	TEFTR
معدن	MEYDAK
صنعت	ZANAT
ترازو	TERAZIJE
قلعی	KALAdisoT
فتیلہ	FITELJ
مشتری۔ خریدار	MUSTERIJA
نشان	NISHAN
دشمن	DUSHMAN
ظلم	ZULUM
دلبر (معشوق)	DLBER
ابلق (گھوڑے کا ایک رنگ)	JABLAN
حب (محبت)	HUBAV

سرلیہے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سرب وکروٹ کی موجودہ ادبی زبان سب سے زیادہ بوسینا ہرزیگووینا (BOSINA HEREEGOVNA) کی مستند مانی جاتی ہے جو مسلم آبادی کا مخصوص صوبہ ہے اور جہاں کی خاک سے بڑے بڑے نامی ترکی زعما، مدبرین اور سپہ سالار پیدا ہوئے۔ "سرب وکروٹ" زبان کی مستند لغت ____ (VUKKARAOZICH) بھی اوائل انیسویں صدی میں شائع ہوئی ہے۔ اس لغت کو ہم "سرب وکروٹ" زبان و ادب کا سنگِ بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ اس میں ترکی اور اردو الفاظ بکثرت ملتے ہیں اور اسی کی مدد سے یہ مضمون مرتب کیا گیا ہے۔

موجودہ دور کا شہرۂ آفاق ناول نویس GVO ANDRITCH جس پر یوگوسلاویہ کو بجا طور پر فخر ہو سکتا ہے، اپنے ناول میں ترکی اور اردو کے الفاظ کا فی استعمال کرتا ہے۔ اس کے اکثر قصوں کے کردار بوسینا BOSINA کے شریف مسلم خاندانوں سے لیے گئے ہیں۔ اس نے اپنی کتابوں میں ترکی مسلمانوں کے محاورات، ضرب المثال، روایات، اور رسم و رواج کو بہت نمایاں طور پر پیش کیا ہے اور اس کے ان قصوں پر عرصہ تک یوگوسلاویہ کو فخر رہے گا۔

ماخوذ "لسانی مطالعے"

(مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء)

صفحہ ۱۸ سے آگے

ہیں کہ وہ سات (آدمی) تھے اور آٹھواں اُن کا کتا تھا (سورۂ کہف ۱۸: ۲۲)۔ راہِ وفا میں ایسی ہی مستقل مزاجی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے غالب نے کہا تھا۔

وفاداری بشرطِ استواری شرطِ ایماں ہے
مرے بتخانہ میں، تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

ڈاکٹر محمد سلیم اختر
کینبرا (آسٹریلیا)

"۔۔۔۔۔ سیاسی تسلط اور اقتدار نے انگریزی کو دفتروں، درباروں، کاروبار اور تعلیم میں تو داخل کر دیا لیکن یہ اردو بولنے والوں کے دلوں میں گھر نہ کر سکی۔ وہ ان کے جذبات اور احساسات کی ترجمان نہ بن سکی۔ اس میں ان کی محبت کے گیت نہ گائے جا سکے اور نہ یہ زبان ان کی مسرتوں اور شادمانیوں، کامرانیوں اور ناکامیوں کے اظہار کا وسیلہ بن سکی۔ اس کی مثال اس کائی کی طرح تھی جو صاف شفاف پانی کی سطح کو تو پوری طرح ڈھک لیتی ہے لیکن اس کی جڑیں زیادہ دور تک نہیں پہنچتی اگر ایسا ہوا ہوتا تو انگریزی شاعری، انگریزی ادب، انگریزی زبان کی تاریخ میں کوئی تو نام ایسا ملتا جو فارسی کے خسرو، بیدل، غالب اور اقبال کی طرح اہل زبان میں مقبول ہوتا۔ یہاں کی اکثریت کی انگریزی اس فارسی کی طرح تھی جس میں چوپ کلی کو پوشیدہ غنچی اور گرڈگری کو قند قندی کہتے ہیں۔ بچارے انگریز جب اس انگریزی کو سُنتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ کیا یہ وہی زبان ہے جو ہم بھی بولتے ہیں اور لکھتے ہیں۔"

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی
("ادب اور لسانیات" صفحہ ۷۸)

قارئین کی رائے

❖

آپ کا ارسال کردہ "اخبار اردو" پابندی سے مل رہا ہے۔ اب تک اس کے چھ شمارے پہنچ چکے ہیں۔ اس عنایت کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ پاکستان سے دور مشرق بعید کے ایک شہر میں رہ کر اُردو پڑھنے والے ہم غیر ملکیوں کے لیے "اخبار اُردو" بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ہم "اخبار اُردو" کے ذریعے اُردو کے بارے میں کئی تازہ ترین معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔

توقع ہے کہ تازہ مطبوعات کی فہرست بھی وقتاً فوقتاً شائع کی جائے۔ اس سے نئی کتابیں منگوانے میں ہماری موجودہ دشواریاں کئی حد تک دور ہو جائیں گی۔

پروفیسر سوزوکی تاکیشی
شعبۂ اردو جامعہ ٹوکیو برائے
زبانہائے خارجی جاپان، ۲ فروری ۱۹۸۲ء

❖

آپ کا فرستادہ ماہنامہ اخبار اُردو بنام الحاج محمد عباس خاں عباسی، موصول ہوا، بہت بہت شکریہ۔

پاکستان میں قومی زبان کے احیاء و ترویج کے لیے "مقتدرہ قومی زبان" کا یہ کام بلاشبہ ایک قومی فریضہ ہے، جس کے لیے وزیر محترم شکرگزار ہیں۔

سیف ناصر الدین
پرائیویٹ سکریٹری وزیر مذہبی امور و اقلیتی امور

❖

اخبار اُردو کے دو شمارے بابت ماہ جنوری، فروری ۱۹۸۲ء موصول ہوئے۔ دونوں شماروں کے مطالعہ سے دلی مسرت ہوئی اور پتہ چلا کہ مقتدرہ پاکستان میں اردو کی بالادستی کے سلسلے میں عوامی رائے سے حکومت پاکستان کو بروقت مطلع کر رہی ہے۔ بلاشبہ ہمارے دوسرے ادارے بھی اپنی قومی زبان کی ترویج و تنقید کے لیے پہلے دن سے برابر کوشاں ہیں۔ لیکن مقتدرہ جس انداز سے اثر انداز ہو رہی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ خدائے بزرگ و برتر آپ کی کوششوں کو مزید اثر و نفوذ عطا فرمائے۔ تاکہ ہم لوگ اپنی زندگیوں میں اپنی قومی زبان، اُردو کو پاکستان کے ہر شعبۂ حیات میں رائج ہوتا دیکھ سکیں۔

محمد شریعت اللہ سرحدی
صدر انجمن ترقی اُردو، سرگودھا، ۴ مارچ ۸۲ء

❖

اخبار اردو ملا۔ شکریہ۔
مقتدرہ قومی زبان کی کوششیں قابل ستائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں اور برکت اور استحکام دے۔ آمین

عثمان علی گلگت

❖

"..... اخبار اردو کی کتابت و طباعت کی نفاست اور اس کے گیٹ اپ کی خوبیوں سے قطع نظر اس کے قابل قدر مواد کے ہم ہی معترف نہیں ہیں، ہر شخص نے اس کی تعریف کی ہے، جس نے اسے دیکھا ہے۔ اس کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ پاکستان کی ادبی خبروں کے لیے اس کی حیثیت ایک "کار آمد" دریچے کی ہے..."

شاہد علی خاں
مکتبہ جامعہ دہلی، بھارت،
۱۳، جنوری ۱۹۸۲ء

❖

ماہنامہ اخبار اردو باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ آپ کی کاوشیں اور جہاد قابل ستائش ہے خدا اس قوم کا سینہ ان مسائل کے لیے کھول دے جن کی جانب آپ اشارہ کر رہے ہیں۔ آثار کچھ ایسے طلوع کر رہے ہیں جن سے صبح سعادت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ کریم مقتدرہ کی مساعی کو بارآور کرے اور قوم کو خلوص دل سے ملی مسائل کو سمجھنے اور صحیح جہت میں قدم اٹھانے کی توفیق دے۔ آمین

غلام محمد
گورنمنٹ کالج اٹک ۱۸، جنوری ۸۲ء

❖

"..... اُردو کی ترویج کے سلسلہ میں مقتدرہ کی مساعی کی اطلاعات پڑھ کر دلی مسرت ہوتی ہے۔ البتہ عوامی مہم کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ عام بول چال میں بے ضرورت انگریزی کے الفاظ کے بے محابا استعمال کے خلاف عوامی مہم ناگزیر ہے....."

حکیم محمود احمد برکاتی
کراچی

"..... آپ کی اس عنایت کے لیے بہت بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے 'اخبار اُردو' سے مجھے نوازا۔ ابھی تک اس کے تین شمارے مجھے موصول ہو چکے ہیں۔ پاکستان سے جس معیاری طباعت اور کتابت کی توقع کی جاتی تھی وہ آپ کے جریدے کے معیار پر پوری اُترتی ہیں۔ اس بات کی بھی خوشی ہوئی کہ ہندوستان میں اُردو کے سلسلہ میں جو کام کیا جا رہا ہے اس کے بارے میں بھی آپ قارئین کو مطلع کرتے رہتے ہیں جس سے بہت سی غلط فہمیوں کا سدِباب ہوتا رہے گا....."

پروفیسر ظہیر راہی
شعبۂ اُردو وکرم یونیورسٹی
اجین (بھارت)

"..... مقتدرہ قومی زبان اُردو کے احیاء و نفاذ کے سلسلے میں جو کوشش کر رہی ہے اخبار اردو کا اجراء یقیناً اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے یہ اخبار بلاشبہ اہلِ قلم، حکومت، مقتدرہ اور عوام کے درمیان رابطے کا فریضہ بطریق احسن ادا کرے گا۔ آپ اور آپ کے ادارے کے دیگر اراکین اس کی اشاعت پر ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں....."

(پروفیسر) آفتاب احمد نقوی
سیالکوٹ

فروری کا اخبار اُردو ملا۔ کرم فرمائی کا شکریہ۔ اتنا خوبصورت اور سجیلا رسالہ نکالنا آپ ہی کے لیے ممکن تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اُردو دنیا میں اسے قبول عام حاصل ہوگا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب محترم کے مرتب کردہ "اُردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ" پر جسارت

کے کالم نگار "غریب شہر" نے جو تنقید برائے تنقید فرمائی ہے اس کا کوئی خاص پس منظر معلوم ہوتا ہے۔ قاضی عارف حسین
واہ کینٹ

"..... 'اخبار اُردو' نظروں سے گزرا۔ بے حد خوشی ہوئی۔ اُردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے باقاعدہ کام کا آغاز ہوا....."

قمر حجازی
اوکاڑہ۔

"..... چند یوم قبل مجھے اخبار اُردو کراچی کے پہلے شمارہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اُردو زبان کے سلسلہ میں پاکستان میں ہونے والی پیش رفت کا یہ بھرپور جائزہ ہے اور اُردو کے طالب علموں کے لیے نہایت اہم معلومات کا ایک بیش قیمت ذریعہ....."

شہاب الدین انصاری
لائبریرین۔ ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری
جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ نئی دہلی (بھارت)

"..... 'اخبار اُردو' پہنچ رہا ہے..... ماشاء اللہ بہت خوب ہے۔ اُردو زبان کی ترویج کو اشاعت سے متعلق خبروں کا اچھا احاطہ کیا ہے۔ جزاک اللہ....."

(پروفیسر) محمد سلیم
شکار پور

"..... اس اخبار کے ذریعہ اُردو زبان کے سلسلہ میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جو کام ہو رہا ہے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ ہماری قومی زبان کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے آپ یہ کوشش کر رہے ہیں....."

میر فاروق علی عثمانی
ریجنل ڈائریکٹر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کراچی

"..... 'اخبار اُردو' مجھے پہلی بار موصول ہوا ہے۔ بے حد خوشی ہوئی کہ 'مقتدرہ قومی زبان' ایک نہایت مفید کام انجام دے رہا ہے۔ اس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اُردو زبان کی خدمت ہو رہی ہے بلکہ کئی ایک موضوعات پر معلومات بھی اہلِ ذوق تک پہنچ رہی ہیں۔ اپنے اس مفید کام کو جاری رکھیے....."

(پروفیسر) اے۔ بی اشرف
صدر شعبۂ اُردو
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

"..... 'اخبار اُردو' مجھے بڑی باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ اگر کسی مہینے محکمہ ڈاک کی کوتاہی کی وجہ سے رسالہ پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تو مجھے بڑی شدت سے اس کا انتظار شروع ہو جاتا ہے۔

آپ نے محدود صفحات کے باوجود رسالے کے لیے جو پالیسی مرتب کی ہے وہ قارئین کے لیے باعث دلچسپی بھی ہے اور قابلِ تعریف بھی۔ مضامین سے لے کر ادبی سرگرمیوں تک ہر چیز رسالے میں موجود پا کر کئی اخبارات اور رسالے نہ پڑھ سکنے کی کمی محسوس نہیں ہوتی....."

طارق عزیز
لاہور، یکم جنوری ۱۹۸۲ء

AKHBAR-E-URDU

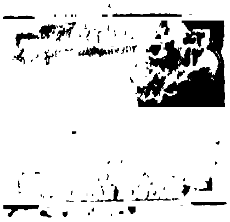
"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"

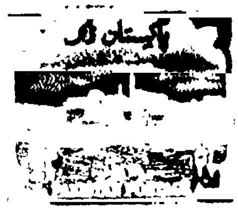
34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK—4, KARACHI-47.

Registration No. S. 3195 —— Vol : 2 —NO: 4 —— April 198

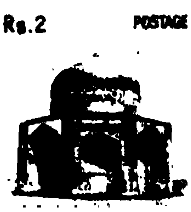
بلا تبصرہ

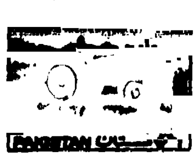
چند سال پہلے ——

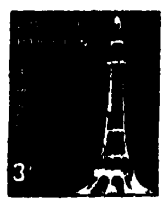



——لیکن اب





ماہنامہ

اخبارِ اردو

کراچی

مئی ۱۹۸۲ء

"سائنس اور فلسفہ کی ان دشوار گزار حسین منزلوں
تک رسائی، جہاں تخلیق و تکوین کے اُجالے آنکھوں
کو چکاچوند کر دیں ـــــ ان برخورداروں کے بس کا
روگ نہیں جن کا اپنے ادب اور اپنی تہذیب سے
کوئی سروکار نہ ہو اور جن کی تعلیم کا وسیلہ ایک
مجرّد و غیر متعلق زبان ہو۔"

ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی

"سائنٹفک سوسائٹی پاکستان" کی چوتھی
سالانہ کانفرنس سے خطاب

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل ونفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ـــــ قوم کے حساس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ـــــ

ماہنامہ اخبارِ اُردو کراچی

فہرست

جلد ۲ شمارہ ۵

رجب ۱۴۰۲ھ مئی ۱۹۸۲ء

مقتدرہ قومی زبان

۳۴-ڈی، بلاک ۷، گلشن اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون : ۲۲-۴۶۳۱۲۱

قیمت : ایک روپیہ، سالانہ چندہ دس روپے

طابع : المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معروضات

زبان کا مزاج
ہماری بے احتیاطی

قیام پاکستان سے بعد سے اُردو زبان، جو برعظیم پاک و ہند کی مخلوط تہذیبوں کا ایک مشترکہ سرمایہ ہے، سیاسی اور تہذیبی تبدیلیوں اور سماجی رویوں کے سبب بھارت اور پاکستان میں ایک متوازی ارتقائی سفر طے کر رہی ہے۔ یہ مختلف محرکات کے نتیجہ ہیں، جن میں تہذیبی اور سماجی رویوں کا زیادہ دخل ہے، ان دونوں ممالک کے معاشروں میں زبان اور بیان کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ گو اس کا تہذیبی پس منظر ایک ہے لیکن اب یہ دو مختلف معاشروں میں اپنے ارتقائی مراحل سے گزر رہی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے مزاج اور اس کے آہنگ میں تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ اس کے توسط سے جو تخلیقی اظہار ہو رہا ہے اس کے موضوعات و مضامین، افکار، میلانات، تجربات اور رجحانات و اسالیب میں مجموعی طور پر رنگ و آہنگ کے لحاظ سے وہی فرق محسوس ہوتا ہے جو خود بھارت اور پاکستان کے معاشروں میں تبدیلیوں اور نشیب و فراز کی صورت میں سامنے آتا رہا ہے۔ پاکستان میں جو ادب تخلیق ہو رہا ہے۔ اگر تمام پہلوؤں سے بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس میں پاکستانی معاشرہ کے تمام خط و خال کہیں نمایاں اور کہیں ڈھکے چھپے انداز میں نظر آجائیں گے۔ اسی لحاظ سے اگر پاکستان میں لکھے جانے والے ادب کا بھارت میں لکھے جانے والے ادب سے اس کے مزاج کے اعتبار سے مقابلہ کیا جائے تو دونوں میں فرق بہرحال محسوس ہوگا اور یہ فرق دونوں ممالک کے معاشروں کے فرق کے لحاظ سے سامنے آئے گا۔ یہی صورت زبان کے مزاج اور اس کے آہنگ کے تعلق سے بھی محسوس ہوتی ہے۔

موجودہ بھارت میں اُردو زبان اپنے اسی معاشرہ میں ارتقائی عمل سے گزر رہی ہے جو اس کی روحِ ماضی سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے ارتقائی سفر میں کوئی بہت بڑا انقلاب رونما نہیں ہوا۔ اُردو کا سارا علاقہ اور اس کا مولد و مصدر اسی معاشرہ کا ایک حصہ ہے جس میں اُردو مسلسل اپنا سفر طے کر رہی ہے۔ لیکن پاکستان میں اُردو کے ساتھ یہ صورت نہیں ہے۔ یہاں کا معاشرہ اپنے مخصوص تہذیبی اور نظریاتی ماحول کی وجہ سے بھارتی معاشرہ سے تہذیبی اعتبار سے ایک بڑی حد تک اور نظریاتی اعتبار سے یکسر ——— دوسری سمت میں سفر کر رہا ہے۔ یہاں اردو اثر اندازی اور اثر پذیری کے لحاظ سے علاقائی زبانوں کے ساتھ زیادہ گہرے رشتہ میں پیوست ہے۔ پھر سماجی آویزش اور رسم الخط کی یکسانیت اس رشتہ کو مزید استحکام اور تازہ خون پہنچا رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب سے قریبی رابطہ اور روزافزوں اثر پذیری کے سبب ہماری تہذیب اور ہماری زبان پر مغربی اثرات بھی

بہت واضح صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ بھارت کے مقابلہ میں ہمارا معاشرہ مغربی تہذیب کے لوازمات سے زیادہ آلودہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا اثر ہماری زبان پر بھی بہت گہرا پڑ رہا ہے۔ چنانچہ ان مختلف اسباب کے نتیجہ میں پاکستان کی اُردو میں اُردو کا مخصوص مزاج اور آہنگ اور کھڑی بولی کا اثر روز بروز کم تر ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ امریکہ اور برطانیہ کی انگریزی میں فرق ہے اور آسٹریلیا اور برطانیہ کی انگریزی میں بھی فرق ہے اور افغانستان اور ایران اور وسطی ایشیا کے علاقوں کی فارسی میں فرق ہے، لیکن اس کے باوجود ان ملکوں میں یہ فرق چند الفاظ کی تبدیلیوں اور تلفظ کے اختلاف میں نظر آتا ہے۔ —— زبان اپنے مزاج اور اپنی بنیادوں سے دور نہیں ہوئی ہے موجودہ تہذیبی ماحول میں اپنی بنیادوں اور اپنے مخصوص آہنگ سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ یہ صورت حال پاکستان میں زیادہ اور بھارت میں کم ہے یہاں انگریزی ذریعہ تعلیم کے اسکولوں کی طرف زیادہ جھکاؤ ہے اور اپنی زبان کو حقیر اور ناقص سمجھنے کا جذبہ عام ہے۔ صرف کالجوں اور جامعات ہی میں نہیں عام معاشرہ میں بھی ایک متوازی اُردو پیدا ہو رہی ہے۔ اس کا اثر تحریر اور ادب پر بھی پڑا ہے۔ اب جو اردو استعمال میں آتی ہے۔ اس میں روزمرّہ اور محاورہ کم ہے۔ متعدد الفاظ اور فقرے انگریزی کے ہیں۔ انگریزی الفاظ کی وجہ سے اُردو کا آہنگ اور حسن مجروح ہو رہا ہے اور روزمرّہ اور محاورہ کے عدم استعمال سے اس کی چاشنی ختم ہو رہی ہے۔

یہ صورت حال بظاہر تو اپنے محرکات اور عوامل کا تقاضہ ہے لیکن اس میں دراصل ہماری اپنی لاپرواہی کا بڑا دخل ہے۔ مغربی معاشرہ سے قریب اور مغربیت کا شکار ہو کر ہم اپنی تہذیب سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک طرف ہم انگریزی الفاظ کے غیر ضروری استعمال اور انگریزی زبان کے اثرات کو اپنے مزاج میں داخل کر رہے ہیں اور دوسری طرف ہم اپنے روزمرہ اور محاورے فراموش کر رہے ہیں۔ اور لاپرواہیاں بھی ہم سے سرزد ہو رہی ہیں۔ ہم "اسٹیشن" کے بجائے "سٹیشن" اور "مجھے جانا ہے" کے بجائے "میں نے جانا ہے" کو درست منوانے کی کوشش کر کے زبان کے مسلمہ اصول و قواعد سے انحراف کر رہے ہیں اور اس طرح اُردو کے مزاج اور اس کی بنیادوں کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ ہم اپنے سماجی ورثہ، نئے الفاظ کے خون اور تازہ خیالات سے تو اپنی زبان کو توانائی دے سکتے ہیں لیکن زبان کی بنیادوں سے انحراف کر کے اور اسے حالات کے دھارے پر ڈال کر فروغ نہیں دے سکتے چنانچہ ہمیں یہ طے کر لینا چاہیئے کہ اس معاملہ میں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیئے؟

"انگریزی زبان کے ذریعہ تعلیم حاصل کر کے ہم نے لفظوں کا استعمال تو اَزبر کر لیا ہے لیکن ان کے تخلیقی معنی سمجھنے سے معذور ہیں۔ کیا آپ کسی ایسے مصنف کی مثال دے سکتے ہیں جس نے زندگی بھر اس زبان کو اپنی تخلیقی قوتوں کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہو اور اسے انگریزی زبان و ادب کی تاریخ نے وہ درجہ دیا ہو جو دوسرے درجے کے انگریز مصنفین کو دیا جاتا ہے۔

..... اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ انگریزی زبان کو اس طرح اوڑھنا بچھونا بنا کر ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔ ایک طرف ہم نے 'معنی' کے تصور کو گم کر دیا ہے اور دوسری طرف 'تخیل' کو شدید طور پر مجروح کیا ہے' اسی لیے ہمارا تخلیقی جذبہ افسردہ، ذہنی قوتیں ضعیف اور تخیل کمزور ہے"

ڈاکٹر جمیل جالبی

(پاکستانی کلچر صفحہ ۱۹۹)

اشتہارات کا ترجمہ — رہنما اصول

تحریر: عرفان علی یوسف

اشتہارات اخباری صنعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کوئی ادارہ اشتہارات کے بغیر کسی اخبار یا رسالہ کو منافع بخش بنیاد پر شائع کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ بعض حالات میں تو اخبارات کے ادارتی عملے سے زیادہ اہمیت شعبہ اشتہارات کو حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ اخبار کسی لمبے چوڑے ادارتی عملے کے بجائے چند ماتحت مدیروں کی مدد سے بھی شائع کیا جاسکتا ہے لیکن اشتہارات کے بغیر اخبار کی اشاعت سراسر خسارے کا سودا متصور کی جاتی ہے۔ عام طور پر کسی بھی اخبار کی کل لاگت اس کے نسخہ پر چھپی ہوئی قیمت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

اُردو اخبارات میں جو اشتہار شائع ہونے کے لیے آتے ہیں وہ عام طور پر انگریزی زبان میں ہوتے ہیں۔ خاص طور پر سرکاری شعبہ کے اشتہارات تو آتے ہی انگریزی میں ہیں۔ اس لیے اخبارات کو ان اشتہارات کے اردو ترجمے کے لیے مترجم یا ماتحت مدیر ملازم رکھنے پڑتے ہیں۔

اشتہار کا ترجمہ کرنے والے فرد کے لیے خبروں کے مترجم اور عام ماتحت مدیر سے کہیں زیادہ باصلاحیت ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اشتہار کی زبان عام خبروں کی نسبت کہیں زیادہ پیچیدہ، مشکل اور تکنیکی ہوتی ہے۔ لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر اخبارات میں اس اہم شعبہ کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو اشتہارات کی تعداد اور اہمیت کے سبب دی جانی چاہیے۔ اخبارات میں اشتہارات کے ترجمہ کا کام جس عملے سے لیا جاتا ہے وہ ترجمے کے کام میں زیادہ مہارت نہیں رکھتا اور اگر مناسب قابلیت بھی رکھتا ہو تو وقت کی کمی اور لغات کی عدم دستیابی کے سبب ترجمہ کی صحت کی جانب توجہ نہیں کی جاتی۔

وقت کی کمی اور ترجمے کے معیار سے مترجم کی عدم دلچسپی کے سبب عام طور پر ان انگریزی الفاظ کو اردو املا میں لکھ دیا جاتا ہے جن کے اردو مترادفات معلوم نہیں ہوتے۔ اس طرح ایسی عجیب و غریب جناتی زبان وجود میں آتی ہے جسے نہ اُردو کہا جاسکتا ہے نہ انگریزی۔ اشتہارات کا اصل مقصد تو قاری کی توجہ اشتہار کی طرف مبذول کرانا ہوتا ہے لیکن ادھورے ترجمے اور ناقص زبان کے استعمال کے سبب اشتہار کا مقصد ہی پورا نہیں ہوتا۔

اس مضمون کے ابتدائی حصہ میں ذرائع ابلاغ خصوصاً اخبارات کے شعبہ اشتہارات سے وابستہ مترجموں کے لیے کچھ رہنما اصول بیان کیے گیے ہیں۔ ترجمہ کی دقتوں اور مشکلات کا حل دیا گیا ہے اور آخر میں اشتہارات میں عمومی طور پر استعمال ہونے والے کچھ انگریزی الفاظ کے اُردو مترادفات کی فہرست دی گئی ہے

ترجمے کے اصول

اشتہارات کا ترجمہ کرتے ہوئے ایک بنیادی بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ترجمہ ایسی زبان میں کیا جائے جس سے اشتہار کا پیغام کا مفہوم قاری پر پوری طرح واضح ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اشتہار کا ترجمہ سلیس اور آسان زبان میں ہو اور انگریزی اصطلاحات کے خواہ مخواہ استعمال سے گریز کیا جائے۔

۱۔ پہلا اصول یہ ہے کہ انگریزی کے کسی لفظ یا اصطلاح کا اُردو متبادل مشہور ہے تو انگریزی لفظ کے بجائے وہ اصطلاح یا اردو متبادل لکھا جائے۔ انگریزی لفظ صرف اس صورت میں استعمال [illegible]

کیا جائے جب اس کا کوئی متبادل اُردو میں موجود نہ ہو۔ عام طور پر ترجمہ کرنے والے لغت کی زحمت سے بچنے کے لیے انگریزی الفاظ ہی لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان انگریزی الفاظ کے متبادل اُردو میں موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً کلیمز (CLAIMS) کے لیے دعوے/دعاوی۔ آرڈر (ORDER) کے لیے حکم، ریگولیشن (REGULATION) کے لیے ضابطہ، قاعدہ، لیڈر (LEADER) کے لیے رہنما یا قائد، لوکل باڈیز (LOCAL BODIES) کے لیے بلدیاتی ادارے وغیرہ وغیرہ

بعض لوگ انگریزی الفاظ کے استعمال کے حق میں نہایت بودی اور کمزور دلیل دیتے ہیں کہ یہ انگریزی الفاظ اُردو میں رائج ہو چکے ہیں۔ اس لیے انہیں استعمال کرنا چاہیے۔ یہ بات ترجمے کے اصول اور قاعدے کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ وہ انگریزی الفاظ عام بولے اور سمجھے جاتے ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے متبادل اُردو الفاظ بھی تو بولے اور سمجھے جاتے ہیں۔ آخر قومی زبان کا کیا تصور ہے کہ اس پر بدیسی زبان کے لفظ کو ترجیح دی جائے۔ دراصل انگریزی الفاظ کا اردو میں استعمال محض سہل نگاری ہے یا پھر بقول پروفیسر سکین علی حجازی زبان کو خواہ مخواہ مضحکہ خیز بنانے کی کوشش جس کے نتیجے میں لوگ اپنی زبان بھولتے چلے جا رہے ہیں۔

(۲) دوسری بات جو ترجمے کے دوران ذہن میں رہنی چاہیے یہ ہے کہ اگر انگریزی زبان کا کوئی لفظ اُردو میں استعمال کرنا ضروری ہے تو اس سے اردو کے قواعد کے مطابق مزید تراکیب بنانی چاہئیں۔ بعض صورتوں میں صرف واحد کا صیغہ ہی جمع کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفافہ پر پانچ ٹکٹ لگے ہوئے ہیں۔ کراچی سے روہڑی تک سات بڑے اسٹیشن پڑتے ہیں۔ وغیرہ۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ انگریزی کے طویل جملے کا اُردو میں بھی اتنا ہی طویل ترجمہ کیا جائے۔ اُردو میں ایسے جملے کو دو ٹکڑوں میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس سے ترجمہ زیادہ سلیس ہو جائے گا۔

اصطلاحات کا استعمال

غیر فنی مضامین کے ترجمے میں عام انگریزی لغات کافی مددگار ثابت ہوتی ہیں لیکن فنی زبان اور اصطلاحات وغیرہ کے ترجمے میں یہ کوئی مدد نہیں دے سکتیں۔ اسی وجہ سے مترجم حضرات انگریزی اصطلاحات کے اُردو مترادفات سے گھبراتے ہیں۔ اُردو مترادفات کے صحیح اور درست استعمال کے لیے ضروری ہے کہ اصطلاحات کی فرہنگیں اور لغات استعمال کی جائیں۔

اردو میں تجارت، اقتصادیات، بنکاری، فنون اور سائنس کے مختلف شعبوں میں اصطلاحات کی اب کوئی کمی نہیں ہے۔ اصطلاحات کا کام بھی کوئی نیا نہیں ہے۔ اُردو میں یہ کام ۱۸۳۶ء سے ہو رہا ہے۔ ہندوستان میں مختلف اداروں کے علاوہ پاکستان میں جامعہ کراچی، جامعہ پنجاب، مرکزی اُردو بورڈ، انجمن ترقی اُردو اور ایسے ہی دوسرے اداروں نے اصطلاحات کی درجنوں لغات شائع کی ہیں جو ترجمے کی تمام فنی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔

(۳) انگریزی الفاظ و اصطلاحات کے غلط ترجمہ کی ایک اور مثال یہ ہے کہ بعض اوقات مرکب الفاظ کے ایک حصے کا ترجمہ کر لیا جاتا ہے لیکن دوسرا حصہ جوں کا توں انگریزی سے لیا جاتا ہے جو ترجمے کے قواعد کے اعتبار سے غلط ہے۔ مثلاً سرکلر لیٹر (CRICULAR LETTER) کو گشتی لیٹر لکھ دیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ درست لفظ گشتی مراسلہ ہے۔ سرپلس بجٹ (SURPLUS BUDGET) کو فاضل بجٹ لکھا جاتا ہے۔ صحیح ترجمہ فاضل میزانیہ ہے۔ کیمسٹری ڈپارٹمنٹ (CHEMISTRY DEPARTMENT) کو شعبہ کیمسٹری لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ صحیح ترجمہ شعبہ کیمیا ہے۔ اُردو لٹریچر (URDU LITERATURE) کو اُردو لٹریچر لکھا جاتا ہے، حالانکہ صحیح ترجمہ اُردو ادب ہے۔

(۴) غیر ملکی پیمانوں، اوزان اور اعداد و شمار کا ترجمہ بھی غلط کیا جاتا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے خبرناموں وغیرہ میں اعداد و شمار اکثر غلط انداز میں نشر کیے جاتے ہیں۔ مثلاً چھ سو لاکھ یا ساٹھ ملین۔ ایسی ہی غلطیاں اخبارات میں بھی عام ہیں۔ چھ سو لاکھ یا ساٹھ ملین کو ایک آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن چھ کروڑ ہر شخص کی سمجھ میں آتا ہے اور زیادہ آسان اور عام فہم ہے۔ ملین اور بلین کو چند انگریزی پڑھے ہوئے افراد کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ پاکستانی معاشرے میں انگریزی خواندہ افراد کی تعداد ڈھائی فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔

(۵) اشتہارات عام طور پر فنی مواد پر مشتمل ہوتے ہیں جنہیں انگریزی سے اُردو میں منتقل کرنا یقیناً مشکل کام ہے۔ یہ کام صرف

وہی شخص کر سکتا ہے جسے اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں پر بیک وقت عبور اور قدرت ہو۔ کامیاب ترجمہ صرف وہ ہوتا ہے جو ترجمہ محسوس نہ ہو بلکہ ایسا محسوس ہو جیسے یہ مضمون اسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اشتہارات کا ترجمہ کرنے میں لغت کا استعمال بہت ضروری ہے۔ جو مترجم مفہوم شناسی کی مہارت نہیں رکھتا وہ اچھا ترجمہ نہیں کر سکتا۔

(۶) یہ درست ہے کہ مترجموں کو مقررہ وقت میں کام مکمل کرنا ہوتا ہے اور انہیں ترجمہ کرنے میں مستعدی دکھانی پڑتی ہے۔ لیکن مستعدی اور مقررہ وقت میں کام کی تکمیل کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ترجمہ غلط کیا جائے یا ترجمہ کرنے کے بجائے انگریزی الفاظ ہی کو اُردو املا میں لکھ دیا جائے۔ ایسا ترجمہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ اس اشتہار کو اُردو کے بجائے انگریزی ہی میں شائع کر دیا جائے۔ تاکہ آدھا تیتر آدھا بٹیر ہو کر نہ رہ جائے۔ بعض لوگوں کو اُردو میں اصطلاحات کی منتقلی کا کام ہی عجیب لگتا ہے اور ان لوگوں کا اصرار ہے کہ انگریزی الفاظ و اصطلاحات کو جوں کا توں اُردو میں قبول کیا جائے۔ یہ سوچ احساس کمتری، مغرب زدگی اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اصطلاحات کا کام صرف اردو میں نہیں دنیا کی تمام ترقی یافتہ اور ترقی پذیر زبانوں میں ہو رہا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں تو اس مقصد کے لیے بڑے بڑے ادارے قائم ہیں جنہیں حکومت سے امداد ملتی ہے۔ فرانس سے لے کر جاپان تک اور چین سے لے کر ارجنٹائن تک کوئی بھی ملک اپنی قومی زبان میں غیر ملکی زبانوں کی اصطلاحات کو بغیر ترجمہ کیے قبول نہیں کرتا۔ اس لیے اگر پاکستان میں یہ کام ہو رہا ہے تو اس پر اعتراض بے معنی ہے۔

(الف) اداروں کے ناموں کا ترجمہ مت کیجئے مثلاً "کراچی گیس کمپنی" کے نام کا اُردو ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ نام جہاں بھی آئے گا اسی طرح لکھا جائے گا۔ لیکن بعض ادارے ایسے ہیں جن کے نام انگریزی کے ساتھ اُردو میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً کے۔ ڈی۔ اے کے لیے "ادارہ ترقیات کراچی"۔ "کے ایم سی" کے لیے "بلدیہ کراچی"۔ "پاکستان نیوی" کے لیے "پاکستان بحریہ" وغیرہ۔ انگریزی اصطلاحوں کے اُردو مترادفات استعمال کرتے ہوئے ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے

عہدوں کے ناموں کے ترجمے میں بھی بہت احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض عہدے ایسے ہیں جن کو ترجمہ کر کے لکھنے سے انتظامی اور قانونی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً جنرل مینیجر کے لیے اُردو میں منتظم عمومی کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ متعلقہ ادارے میں عہدے کا باضابطہ نام جنرل مینیجر ہے اس لیے اُردو میں بھی یہی استعمال کرنا پڑے گا۔ البتہ اس کے شعبے کے نام کا ترجمہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً اگر وہ جنرل مینیجر (ایڈمنسٹریشن) ہے تو اسے جنرل مینیجر (انتظامی) لکھا جا سکتا ہے۔

مختلف اسامیوں کے لیے جو اشتہارات شائع ہوتے ہیں ان میں اسامی کے نام کا عام طور پر ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن ان کا ترجمہ ضرور کیا جانا چاہیئے۔ مثلاً کلرک انگریزی زبان کا لفظ ہے اس لیے اہلکار یا محرر کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔ ٹائپسٹ کیلئے ٹائپ کار اسٹینوگرافر کے لیے مختصر نویس، ڈائریکٹر کے لیۓ ناظم وغیرہ وغیرہ...... بہر حال ان عہدوں اور اسامیوں کے نام کا ترجمہ متعلقہ ادارے کی صوابدید پر منحصر ہے جو ان اشتہارات کو شائع کروا رہا ہے۔

مختلف پیشوں کے لیے بھی اُردو مترادفات موجود ہیں اور ان ہی کو شائع کرنا چاہیئے مثلاً کارپینٹر کے لیے بڑھئی، مشین مین (MACHINEMAN) یا مشینسٹ (MACHINIST) کے لیے مشین کار، لیبرر کے لیے مزدور یا محنت کار، ٹرنر کے لیے خرادی وغیرہ یہ تمام مترادفات اصطلاحات کی فرہنگوں میں مل جاتے ہیں۔

ھندسے

ٹیلی وژن اور پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے بعد اُردو متن میں انگریزی ہندسوں کے استعمال کی روایت اب آہستہ آہستہ اخبارون کے اشتہارات میں بھی رائج ہونے لگی ہے۔ جو لوگ بڑے فخر سے انگریزی ہندسے استعمال کرتے ہیں انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ ہندسوں میں صفر کا استعمال اور ہندسوں کا موجودہ طریقہ مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ انگریزی اس اعتبار سے تہی دامن ہے کہ اس زبان میں مختلف مقداروں کو ناپنے کے لیے مناسب اشارات تک موجود نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر انگریزی گنتی بلین پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد کسی مقدار کو بتلانے کے لیے انگریزی میں کئی مرتبہ بلین استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض خاص مقداروں کے لیۓ انگریزی میں الفاظ موجود ہیں مثلاً ٹریلین لیکن امریکی اور برطانوی نظام میں ٹریلین سے علیحدہ علیحدہ مقداریں مراد لی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک ٹریلین امریکہ میں ملین ملین کے برابر ہے۔ اور برطانوی نظام میں ملین، ملین، ملین کے مساوی۔

اس طویل بحث سے اصل مقصد یہ تھا کہ انگریزی کی تہی دامانی کی نشاندہی کی جائے۔ اس کے مقابلے میں اُردو میں بڑی سے بڑی مقدار کے لیے بھی الفاظ مقرر ہیں۔ مثلاً ارب، دس ارب، کھرب، دس کھرب، نیل، دس نیل، پدم، دس پدم سنکھ، دس سنکھ۔ انگریزی میں اگر سنکھ کو لکھنا ہو تو پوری ایک سطر میں یہ مقدار لکھی جائے گی۔

اُردو اشتہارات میں انگریزی ہندسوں اور مقداروں کا استعمال کسی بھی اعتبار سے مناسب نہیں ہے۔ اول تو اردو اخبارات عکسی طریق طباعت (OFFSET PROCESS) سے شائع ہوتے ہیں اور اشتہار کی کتابت جو خوشنویس کرتا ہے وہ اُردو ہندسے بھی ساتھ ساتھ کتابت کر سکتا ہے۔ علیحدہ سے انگریزی ہندسے اشتہار کے مسودے میں شامل کرنے سے مسائل بڑھتے ہیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر اُردو مواد میں انگریزی ہندسوں کا استعمال ایک جانب قومی تشخص کی نفی کرتا ہے اور دوسری جانب مغرب زدگی اور احساس کمتری کو ظاہر کرتا ہے۔

چونکہ اشتہارات کے معیاری ترجمے کے لیے اصطلاحات کی لغت کا استعمال ضروری ہے۔ اس لیے اخبارات، ریڈیو، ٹیلیوژن اور دیگر ذرائع ابلاغ کو درج ذیل لغات سے ضرور استفادہ کرنا چاہیئے۔

فہرست لغات

۱۔ "فرہنگ اصطلاحات معاشیات تجارت و بنکاری"
شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی
قیمت (مجلد)۔/۲۱ روپے

۲۔ "فرہنگ اصطلاحات حیاتیات" (دو حصے)
شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی
قیمت (غیر مجلد)۔ ۴۵۔ روپے

۳۔ "فرہنگ اصطلاحات کیمیا"
شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی
قیمت (مجلد)۔/۲۰ روپے

۴۔ "فرہنگ اصطلاحات عمرانیات
شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی
قیمت (مجلد)۔/۱۱ روپے

۵۔ "فرہنگ اصطلاحات فلسفہ"
شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی
قیمت (مجلد)۔/۸ روپے

۶۔ "فرہنگ اصطلاحات طبیعیات، فلکیات و ریاضیات"
شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی
قیمت (مجلد)۔ ۳۲ روپے

۷۔ "لغات طب" (حکیم غلام نبی ایم اے)
اُردو اکیڈمی بہاول پور
قیمت (مجلد)۔/۳۰ روپے

۸۔ قانونی لغت (ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن)
فیڈرل لاء پبلیکیشنز ۳۹۔ چیمبرلین روڈ لاہور
قیمت (مجلد)۔/۴۰ روپے۔

۹۔ "اصطلاحات زراعت"
مرکزی اُردو بورڈ گلبرگ لاہور
قیمت (مجلد)۔ ۲۵ روپے

۱۰۔ "قاموس الاصطلاحات
مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور
قیمت مجلد۔/۶۰ روپے

۱۱۔ "دفتری اصطلاحات و محاورات کی لغت"
مجلس زبان دفتری حکومت پنجاب
قیمت ۱۸/۵۰ روپے

۲۔ "فرہنگ اصطلاحات" آٹھ جلدیں
(حرف اے سے این تک)
مرکزی اُردو بورڈ گلبرگ لاہور
قیمت درج نہیں

اشتہارات میں استعمال ہونے والی منتخب انگریزی اصطلاحات کے اُردو مترادفات کی ایک فہرست حسب ذیل ہے

ACCOUNTS	حسابات
AERODROME	ہوائی اڈا، طیارہ گاہ، فضائی مستقر
AGENCY	کارندگی۔ وسیلہ
AGENT	کارندہ، مختار

AIRPORT	ہوائی اڈا
AIR TERMINAL	مقام پرواز
ACKNOWLEDGEMENT	تصدیق رسید
ALLOWANCE	بھتہ۔ الاؤنس
ATTENDENT	خدمت گار
AUDITOR	تنقیح کار۔ محاسب
AUTHORITY	ادارہ۔ اختیار، ہیئت مجاز، حاکم مجاز۔ مقتدرہ
BALCONY	بالاخانہ
BANK GUARANTEE	بینک ضمانت
BATH ROOMS (ATTACHED)	ملحقہ غسلخانے
BEAUTY PARLOUR	دارالآرائش
BED ROOM	خوابگاہ
BLACK LIST	سیاہ برنامہ، سیاہ ورنامہ، سیاہ فہرس، سیاہ فہرست
BORING	برمانا۔ برمائی
BUSINESS	تجارت۔ کاروبار
CABLE	طناب۔ بحری تار
CALL DEPOSIT	طلبی امانت، طلبی رقم
CARGO	بار جہاز۔ لداmال
CASE	مقدمہ۔ معاملہ۔ مسل
CENTRE	مرکز
CERTIFICATE	سند
CHARGE SHEET	فرد جرم۔ فرد الزام
CIVIL WORKS	دیوانی کام۔ دیوانی تعمیرات
CLAIM/S	دعویٰ۔ مطالبہ حق۔ دعاوی
CONCRETING	پختہ کاری۔ سنگ کاری، سیمنٹ کاری
CONSORTIUM	کنسورشیم
CONSTRUCTION	بناوٹ۔ تعمیر (تعمیرات کیلئے)، تفسیر تاویل۔ عبارت۔ کلام
CONTRACT	معاہدہ۔ ٹھیکہ
CONTRACTOR	ٹھیکیدار
DEL. CHALAN	چالان وصول
DELIVERY	حوالگی۔ تقسیم
DEMAND	عندالطلب۔ مطالبہ۔ طلب
DENT	چوٹ۔ جھری۔ سلوٹ
DENTING	سلوٹ نکالنا
DEPARTMENT	شعبہ۔ محکمہ
DISTRIBUTION	تقسیم
DOMECILE	سکونت۔ سکونت نامہ
DOUBLE STORY	دومنزلہ
DRAFT	ہنڈی
DRAIN	بدرو۔ سیم نالی
DRAM	ڈرام
DRAWING ROOM	کمرہ نشست
DRESSING	مرہم پٹی۔ کلف کاری (پارچہ بافی) ڈریس کرنا (تعمیرات)
DRUM	ڈھول۔ ڈھولک۔ نقل۔ طبل
DUPLICATES	نقل۔ مثنیٰ
DUTY	فرض۔ خدمت، محصول
ELECTRICAL	برق
ELECTRIFICATION	برق رسانی۔ برقاؤ (طبیعات)
ENQUIRY OFFICER	تفتیشی افسر۔ افسر تفتیش
ERECTION	استادگی۔ عمارت۔ تنصیب (تعمیرات)
EQUIPMENT	ساز و سامان
EXPORT	برآمد
EXPORTER	برآمد کنندہ
FACTORY	کارخانہ
FARM	[illegible]

MATERIAL	سامان۔ مال۔ مواد، مادی (صفت)
MECHANICAL	میکانی
MEMO NUMBER	یادداشتی نشان۔ یادداشت نمبر
MEMORANDUM OF ASSOCIATION	روئداد مجلس
MODERN	جدید
MOSAIC FLOORING	پچ رنگا فرش
NON-JUDICIAL STAMP	غیر عدالتی ٹکٹ
NOTICE / NOTICES	اطلاع۔ اطلاع نامہ
NOTICE OF ENQUIRY	اطلاع نامہ تفتیش
NUMBER	نشان۔ نمبر
OPERATE	کل چلانا۔ مشین چلانا
OPERATOR	عامل۔ کل کار۔ عمل کار۔ کاریگر
OVERHAULING	کلی مرمت
PACKAGE	بندش۔ اجزت۔ بستہ۔ پلندا
PARK	باغ
PARTNERSHIP DEED	شراکت نامہ
PARTS	اجزا۔ حصے
PARTY	جماعت۔ فریق
PAY ORDER	حکم نامہ ادائیگی۔ حکم نامہ ادائی
PHOTOGRAPH	تصویر
PLAN	منصوبہ
PLANT	تنصیب۔ نصب کاری
PLOT	قطعہ زمین۔ پلاٹ۔
PLOTTING OFFICER	افسر نشان کاری
POSITION	حیثیت۔ مقام۔ صورت حال۔ وضع۔ نقطہ نظر
POSTAL ORDER	برید نامہ
POSTAL STAMPS	ڈاک ٹکٹ
POWER STATION	بجلی گھر
FIELD	کھیت۔ میدان۔
FINANCIAL STATEMENT	مالیاتی کیفیت نامہ
FIRM	ادارہ (فرم)
FIT	موزوں۔ مناسب
FITNESS	موزونیت۔ مناسبت
FRIEGHT	باربرداری۔ مال گزاری
GUARANTEE LETTER/ BOND	ضمانت نامہ
GUARANTEE STOCK	ضمانتی تمسکات
GUARANTED COMPANY	ضمانت شدہ شرکت/ ادارہ
GUARANTOR	ضامن
HEAD OFFICE	صدر دفتر
IMPORT	درآمد
ITEM	مد۔ شق۔ چیز
ITEMS	مدات
KITCHEN	باورچی خانہ۔ مطبخ
LABOURER	مزدور
LEASE	پٹہ۔ اجارہ۔ کرایہ
LEASED RESIDENCE	زیر کرایہ۔ مکان
LEVEL	سطح۔ سطح۔ ہموار
LEVELLING	ہموار کرنا
LEVY	محصول۔ تحصیل۔ محصول لگانا
LIGHTING	روشنی
LIGHTNING	بجلی
LOT	کھیپ
MACHINERY	مشینیں
MAIN	اصل
MAINTENANCE	دیکھ بھال۔ نگہداشت، گزارا
MANUFACTURER	[illegible]کار

PRE-CONDITIONS	پیش حالات۔ پیش شرائط
PRE-QUALIFICATION NOTICE	اطلاع نامہ پیش اہلیت
PRE-QUALIFIED	پیش سند یافتہ
PRE-PAYMENT	پیش ادائی
PRIVATE	نجی۔ ذاتی
PROCUREMENT	فراہمی، دلالی۔ نیابت
PROJECT	منصوبہ
PUBLIC	عام۔ عوام
PUBLIC NOTICE	عام اطلاع۔ اطلاع نامہ
QUALITY	خوبی۔ وصف۔ کیفیت
QUOTATION	نرخ۔ تجارت
REGISTRATION	رجسٹری کرنا
RESEARCH TECHNIQUE	تحقیقی فن۔ تحقیقی تکنیک
RING	دائرہ۔ انگشتری۔ حلقہ
ROAD	شارع۔ سڑک
ROD	سلاخ۔ ڈنڈی۔ چھڑی۔ جریب
RULE	قاعدہ۔ ضابطہ۔ حکم
SALES	فروخت
SCHEDULE BANK	جدولی بینک
SCHEME	منصوبہ۔ تجویز
SCIENTIFIC STORES	سائنسی ذخیرہ گاہیں
SCRAP	ردی۔ کباڑ
SEAT COMMERCIAL	مقام تجارت، تجارتی نشست، مرکز تجارت
SECURITY DEPOSIT	رقم ضمانت
SECURITY GUARD	محافظ
SELF HANDLING	خود گزاشت۔ خود نمٹانا
SERVICE	خدمت۔ ملازمت
SEWERAGE	گندآب ریزی
SEWERAGE SYSTEM	نظام گندآب نکاسی
SHADE	سایہ۔ درجہ۔ جھلک۔ رنگ
SHARES	حصص
SHORTHAND	مختصر نویسی
SHOW CAUSE NOTICE	اطلاع نامہ اظہار وجوہ
SITE	زمین۔ جگہ۔ محل وقوع
SITE OF THE WORK	محل تعمیر
SIZE	جسامت/ناپ۔ تقطیع
SMART	چاق و چوبند
SPEED	رفتار
STAFF	عملہ
STATIONERY	سامان تحریر۔ (اسٹیشنری)
STEEL	فولاد
STOCK	ذخیرہ
STORAGE	ذخیرہ کاری۔ ترخیز
STORE	مال گھر/گودام۔ ذخیرہ کرنا
STRUCTURE	ساخت (عام) تعمیر (تعمیرات)
SUPERVISOR	نگراں
SUPPLIER	فراہم کنندہ
SWITCH GEAR	سامان بٹن کاری
TANGA STAND	تانگوں کا اڈا
TELEGRAM	برقیہ۔ تار
TENDER	پیش نہاد
TENDER NOTICE	پیش نہاد نامہ۔
TESTING	آزمائش۔ جانچ
TOOLS	اوزار
TOLL TAX	چنگی گزارنہ
TONIC	مقوی۔ تقویت بخش
TRADE	تجارت۔ پیشہ

باقی صفحہ ۳۰ پر

یارانِ نکتہ داں کے لیے:

اُردو زبان میں نراجیت

"اخبار اُردو" بابت مارچ ۱۹۸۲ء میں جناب ثاقب رزمی صاحب کا ایک فکر انگیز مقالہ "اُردو میں نراجیت" شائع ہوا تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ "یارانِ نکتہ داں" نے اس مقالہ میں پیش کردہ نکات میں دلچسپی لی ہے۔ اس سلسلہ میں ادارہ کو جو تحریریں حاصل ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک نذرِ قارئین ہے۔ ہم اس موضوع پر آئندہ بھی قارئین کی توجہ کے خواہاں ہیں۔

تحریر: بلال احمد زبیری

اخبارِ اُردو کی گزشتہ سے پیوستہ اشاعت میں جناب ثاقب رزمی صاحب کا جو مضمون "اُردو زبان میں نراجیت" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس نے اُردو زبان کے بعض اہم مسائل بالخصوص انگریزی اصطلاحات اور اہم الفاظ کے تراجم کے متعلق موثر طور پر توجہ منعطف کرائی ہے۔ فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون کو چند حصوں میں تقسیم کر کے مختلف موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ "غیر ملکی شخصیات کے نام، اُردو میں مستعمل انگریزی الفاظ، یائے نسبتی اور یائے مفعولی اور اصطلاحات و دیگر اہم الفاظ کے تراجم" اُن کے بڑے موضوعات ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ناچیز رائے کے مطابق ان موضوعات کے تحت چند وضاحتیں پیش کروں:

اصطلاحات اور دیگر اہم الفاظ کے تراجم

فاضل مضمون نگار کو شکایت یہ ہے کہ "ہر جدید اسکالر اور ادیب انگریزی زبان کی مطلوبہ اصطلاحوں کا ترجمہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے"۔ اس طرح ایک ایک اصطلاح کے لیے متعدد الفاظ رائج ہو گئے ہیں اور اس سے اُردو زبان میں ایک نراجیت سی پھیل گئی ہے۔ ایک ہی اصطلاح کے گوناگوں تراجم سے پیدا ہونے والی صورتحال کا یہ جائزہ تو بالکل صحیح ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس صورت حال کو وجود میں لانے کی ذمہ داری اُس "اسکالر" یا "ادیب" کی نہیں ہے جو کسی علمی کتاب یا مضمون کا ترجمہ کرتا ہے۔ اِس کے ذمہ دار وہ ادارے ہیں جنھوں نے اصطلاحات کا ترجمہ کرتے وقت ایک ایک اصطلاح کے لیے متعدد الفاظ تو وضع کر دیئے ہیں اور انہیں مختلف مجموعوں میں شائع بھی کر دیا ہے مگر اب تک اس امر کی کوشش نہیں کی ہے کہ ہر اصطلاح کے لیے جو متعدد الفاظ تجویز کئے گئے ہیں ان میں سے ایک لفظ کو قطعیت کے ساتھ اس اصطلاح کا مترادف قرار دے دیا جائے اور پھر اس اصطلاح کے لیے وہی لفظ اصطلاحات کے لغات میں شائع کیا جائے تاکہ ہر "اسکالر" یا "اُدیب" جو جدید علوم و فنون کو اُردو کا جامہ پہنانا چاہتا ہے اپنا مطلوبہ لفظ حاصل کر سکے۔

اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے ہمیں اُردو زبان میں اصطلاح سازی کی ڈیڑھ سو سالہ طویل تاریخ کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ جن حضرات نے اس تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ یہ جانتے ہیں کہ انگریزوں کے عہد حکومت کے ابتدائی دور میں جب انگریزی زبان

کو سرکاری مقاصد کے لیے ایک خاص حکمت عملی کے تحت مدارس میں جاری کیا گیا اور کچھ عرصہ کے بعد ایک اچھا خاصا انگریزی داں طبقہ پیدا ہو گیا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل ہی پہلے چند نمایاں ہستیوں کو اس ضرورت کا احساس ہوا کہ انگریزی زبان میں جو جدید علوم و فنون منضبط ہیں انہیں اُردو زبان میں منتقل کر کے اپنے عوام تک پہنچانے کے لیے شائع کیا جائے۔ ان کی یہ کوششیں انفرادی تھیں۔ مگر انہوں نے آگے چل کر ایک اجتماعی شکل اختیار کر لی اور "دہلی کالج" میں سائنسی علوم کی باقاعدہ تعلیم اُردو میں دی جانے لگی ۔ ابتداً اساتذہ کے سامنے انگریزی کتابیں ہوتی تھیں اور ان کے مطالب وہ اُردو میں بیان کرتے تھے۔

پھر کالج کی ایک مجلس ترجمہ قائم ہوئی جس نے جغرافیہ، فلسفہ، فطرت، ریاضیات، معاشیات، قانون، طبیعیات، کیمیا وغیرہ کی تقریباً ڈیڑھ کتابیں ترجمہ کرائیں اور انہیں طلبہ کے لیے نصاب تعلیم میں داخل کیا، اسی زمانے میں اس مجلس کے ماتحت اصطلاح سازی کا کام بھی شروع ہو گیا اور اس کے ابتدائی بنیادی اصول وضع کیے گئے۔ اگر ۱۸۵۷ء کی تباہ کاریوں نے امن امان کو بالکل برباد نہ کر دیا ہوتا تو یہ کالج ترقی کر کے پہلی اُردو یونیورسٹی بن جاتا اور اصطلاح سازی کا کام اسی مرکز میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا۔ دہلی میں انگریزوں کی طرف سے جو انتقامی کاروائیاں کی گئیں ان میں اس کالج کے خصوصی امتیاز کی تباہی بھی شامل تھی۔

۱۸۵۷ء کے بعد جب امن قائم ہوا اور مسلمانوں کو مکمل بربادی سے بچانے کے لیے سرسید کی علی گڑھ تحریک شروع ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم کو انگریزی تعلیم سے بہرہ اندوز کرنے کے لیے "اینگلو محمڈن کالج" کی بنیاد ڈالی اور انگریزی کی تعلیم رائج کرنے کے ساتھ ساتھ ایک "سائنٹیفک سوسائٹی" بھی قائم کی جس نے تاریخ، جغرافیہ، زراعت، معاشیات، علم الآلات، طبیعیات، ریاضیات کی تقریباً چالیس کتابیں ترجمہ کر کے شائع کرائیں۔ اس زمانے میں یہ ترجمے ایسے حضرات کے سپرد کیے جاتے تھے جو اُردو زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان سے بھی کافی واقفیت رکھتے ہوں۔ اور اہم الفاظ کے تراجم اپنی صوابدید کے مطابق کر سکیں اصطلاح سازی کا کوئی باقاعدہ انتظام اس سوسائٹی کے ماتحت نہیں ہوا اور اُردو یونیورسٹی کا جو تصور سرسید کے ذہن میں تھا وہ بھی بروئے کار نہ آسکا اور ان کی تمام تر توجہ "اینگلو محمڈن کالج" ہی پر صرف ہوتی رہی۔

اصطلاح سازی کا اصل کام اس وقت شروع ہوا جب ۱۹۱۵ء میں ریاست حیدرآباد کی خصوصی توجہ سے عثمانیہ یونیورسٹی وجود میں آئی اور ۱۹۱۶ء میں ایک مجلس ترجمہ قائم کی گئی۔ یہ ایسا زمانہ تھا کہ شمالی ہند میں جہاں اُردو زبان بولنے والوں کی اکثریت تھی اُردو کو جدید علوم سے مالامال کرنے کی کوئی تحریک موجود نہیں تھی اور نہ اس خدمت کو انجام دینے کی اہلیت یا وسائل کسی ادارے کو حاصل تھے۔ جب عثمانیہ یونیورسٹی نے اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا بیڑا اٹھایا اور جملہ علوم و فنون کی انگریزی کتابیں اُردو میں منتقل کرنے کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی ضرورت کا اعلان کیا گیا تو شمالی ہند سے اہل علم کی ایک کافی تعداد حیدرآباد چلی گئی اور انگریزی سے اُردو میں تراجم کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا۔ رفتہ رفتہ خود اس یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ طلبہ اُردو زبان میں علوم جدیدہ کی درس و تدریس اور نصابی کتابوں کے تراجم کی خدمات انجام دینے لگے۔ آج بھی اس یونیورسٹی کی مجلس ترجمہ کے زیر اہتمام شائع شدہ چار سو کتابیں موجود ہیں جو مختلف علوم سے تعلق رکھتی ہیں۔

عثمانیہ یونیورسٹی نے اپنے دارالترجمہ کے ساتھ ساتھ وضع اصطلاحات کے لیے بھی ایک مجلس قائم کی تھی اُس مجلس نے جب اپنا باقاعدہ کام شروع کیا تو اصطلاح سازی کے جدید اصول وضع کیے گئے جن میں ان اصولوں کو بھی پیش نظر رکھا گیا تھا جو "دہلی کالج" میں وضع ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا کارنامہ مولوی وحیدالدین سلیم مرحوم کا تھا جو عثمانیہ کالج کے پروفیسر تھے۔ انہوں نے "وضع اصطلاحات" کے عنوان سے ایک نہایت جامع اور واضح کتاب تصنیف کر دی جو ۳۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اور جس سے وہ تمام ادارے مستفیض ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اصطلاح سازی کا کام انجام دیا ہے۔ اس کتاب میں اس فن کے بنیادی اصول بڑی تفصیل سے منطقی اور لسانی دلائل کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ ان اصولوں کی اشاعت کے بعد اصطلاح سازی کے کام میں بہت مدد ملی ہے اور اس وقت جو اصطلاحات دستیاب ہیں وہ زیادہ تر ان ہی اصولوں پر مبنی ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں یہ کام تقریباً تیس سال تک

جاری رہا۔ انجمن ترقی اُردو جس کا صدر دفتر حیدر آباد ہی میں تھا عثمانیہ یونیورسٹی کے ساتھ تراجم اور اصطلاح سازی دونوں کاموں میں برابر تعاون کرتی رہی۔

تشکیلِ پاکستان کے بعد بجا طور پر یہ توقع کی جاتی تھی کہ یہاں اُردو زبان کے فروغ و ترقی کو اعلیٰ درجہ کا مقام حاصل ہوگا اور حیدر آباد کی عثمانیہ یونیورسٹی نے اپنا کام جہاں پر چھوڑا ہے وہاں سے اس کام کو پاکستان کی مرکزی حکومت سنبھال لے گی اور اس سرمایۂ ادب سے پورا فائدہ حاصل کیا جائے گا جو اسے ورثہ میں ملا ہے۔ مگر ابتدائے کار ہی سے جو صورت حال ابھری وہ توقعات کے بالکل خلاف تھی پہلے تو اُردو زبان کو پاکستان کی قومی زبان ہی تسلیم کرنے میں مختلف اطراف سے ہزار حجتیں پیش کی گئیں۔ پھر قومی زبان کے اعلیٰ منصب میں اُردو اور بنگالی دونوں زبانوں کو برابر کا شریک بنا کر علاقائی الجھنیں پیدا کر دی گئیں ایسی حالت میں اُردو کو پاکستان کی متفقہ سرکاری زبان بننے اور مرکزی حکومت کے زیر احکام تمام یونیورسٹیوں میں ذریعہ تعلیم قرار پانے کے امکانات تو ختم ہی ہو گئے۔ صرف انفرادی یونیورسٹیوں کے لیے اپنے اپنے جداگانہ فیصلے کر کے کوئی اقدام کرنے کا امکان باقی رہ گیا۔ اس طرح اُردو ذریعہ تعلیم اور اصطلاح سازی دونوں کا کام لامرکزیت کا شکار ہو گیا۔

سب سے پہلے کراچی یونیورسٹی نے اس سلسلے میں عملی قدم اٹھایا۔ یہاں ابتدا ہی سے طلبہ کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اُردو کو ذریعۂ تعلیم اور امتحانات کے لیے متبادل زبان کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے کراچی یونیورسٹی نے ایک شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ قائم کیا جس نے انگریزی سے اُردو میں تراجم کے علاوہ اصطلاح سازی کا کام بھی اپنے ذمہ لیا اور یونیورسٹی کے اساتذہ پر مشتمل مختلف علوم کی اصطلاحوں کے لیے ذیلی مجالس قائم کیں اور ہر مضمون کی فرہنگ اصطلاحات الگ الگ شائع کی۔ جب کراچی یونیورسٹی میں یہ کام آگے بڑھا اور مقبول ہوا تو پنجاب یونیورسٹی نے بھی ایک اسی قسم کی مجلس قائم کی اور اصطلاحات وضع کرنے کا کام اس کے سپرد کیا۔ اس طرح کراچی یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی میں الگ الگ اصطلاحات وضع کی جانے لگیں۔ بعض حضرات نے اپنی ذاتی حیثیت میں بھی اصطلاحات کو جمع کرنے یا وضع کرنے کا کام کیا اور اپنے مجموعے شائع کئے۔ اور بعض اداروں نے بھی یہ کام کیا۔

ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں متذکرہ بالا اداروں اور افراد نے اصطلاحات کے جو مجموعے مرتب کئے ہیں اور وہ مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں ان کی فہرست، میرے محدود علم کے مطابق حسب ذیل ہے:۔

عثمانیہ یونیورسٹی کی وضع کردہ اصطلاحات زیادہ تر ان نصابی کتابوں کے آخر میں درج ہیں جو دارالترجمہ نے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرا کے شائع کی تھیں۔ ان کے جو مجموعے الگ الگ شائع ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

اصطلاحاتِ ریاضیات
اصطلاحاتِ فنِ محرا
اصطلاحاتِ علمِ ہئیت
اصطلاحاتِ علمِ طب
مجموعۂ اصطلاحات
مجموعۂ اصطلاحات تدریسیات
ترقیمات ریاضی و سائنسی

انجمن ترقی اُردو کے حسب ذیل مجموعے میری نظر سے گزرے ہیں۔

فرہنگِ اصطلاحاتِ کیمیا
فرہنگِ اصطلاحاتِ جغرافیہ
فرہنگ اصطلاحاتِ علمِ ہئیت

کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے حسب ذیل مجموعے شائع کئے ہیں۔

فرہنگِ اصطلاحاتِ شماریات

فرہنگِ اصطلاحاتِ حیاتیات (دو جلدیں)

فرہنگِ اصطلاحاتِ عمرانیات

فرہنگِ اصطلاحاتِ فلسفہ

فرہنگِ اصطلاحاتِ معاشیات، تجارت، بنکاری

فرہنگِ اصطلاحاتِ طبیعیات، ریاضیات، فلکیات

فرہنگِ اصطلاحاتِ کیمیا

پنجاب یونیورسٹی کا صرف ایک مجموعہ میں نے دیکھا ہے:۔

"اصطلاحاتِ معاشیات"

مرکزی اردو بورڈ، لاہور کے شائع کردہ مجموعے حسب ذیل ہیں:

"طبی لغت"

"اصطلاحاتِ زراعت"

"فرہنگ اصطلاحات (جامع) ۸ جلدیں حرف N تک

"فرہنگ بیطاری" (بہ تعاون زرعی یونیورسٹی)

اردو اکیڈمی، بہاولپور کی صرف ایک لغت نظر سے گزری ہے:

"لغات طب"

فیڈرل لا پبلیکیشنز کا مجموعہ مرتب کردہ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب حسب ذیل ہے:

"قانونی لغت"

مجلسِ زبانِ دفتری حکومتِ پنجاب کا شائع کردہ مجموعہ:

"دفتری اصطلاحات و محاورات کی لغت"

مجلس اصطلاحاتِ بنک دولتِ پاکستان کی واحد لغت:۔

"فرہنگ اصطلاحاتِ بنکاری"

پروفیسر شیخ منہاج الدین صاحب کی جامع لغت:

"قاموس الاصطلاحات"

میں نے ان مجموعوں کا مطالعہ کیا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ ان سب میں ایک شے مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر اصطلاحات کے ترجمے متعدد الفاظ سے کئے گئے ہیں۔ صرف کراچی یونیورسٹی کی فرہنگ اصطلاحاتِ فلسفہ میں ایک اصطلاح کے لیے زیادہ تر ایک ہی لفظ درج ہے۔ تعدد کی مثالیں کم ہیں۔

مندرجہ بالا مجموعوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ فاضل مضمون نگار نے جس صورت حال کو زراجیت سے تعبیر کیا ہے وہ اصطلاح سازی کی تاریخ میں شروع سے اب تک مسلسل جاری ہے اور قیام پاکستان کے بعد سے جہاں مختلف اداروں نے اپنی انفرادی حیثیتوں میں اصطلاح سازی کا کام جاری رکھا ہے وہاں ایک ایسے مرکزی ادارے کی ضرورت کو بھی محسوس کیا جاتا رہا ہے جو اس بکھرے ہوئے مواد میں یکسانیت و قطعیت پیدا کر سکے۔ مگر یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکا ہے۔

آج سے تقریباً سترہ سال قبل ۱۹۶۵ء میں میجر آفتاب حسن صاحب نے جو اس وقت کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے ناظم تھے اور اصطلاح سازی کا اہتمام بڑے انہماک کے ساتھ کر رہے تھے اپنے ایک رسالہ "اُردو ذریعۂ تعلیم" میں اس پورے مسئلہ پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد آخر میں بالکل وہی بات کہی تھی جس پر آج جناب ثاقب رزمی صاحب نے توجہ منعطف کرائی ہے، حسب ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

> "ضرورت اس بات کی ہے کہ اصطلاحوں میں یکسانیت ہو اور بحیثیت مجموعی ان پر اتفاق ہو اور یہی اصطلاحیں ہر جگہ استعمال ہوں۔ اس خیال پر عمل کا صرف ایک طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرکزی ادارہ ہو، سرکاری یا غیر سرکاری جس کے ذمے یہ کام رہے کہ تمام اداروں کی تیار کردہ اصطلاحوں کو جمع کرے اور ماہرین کے مشورے سے یہ طے کرے کہ کون سی اصطلاحیں قابل قبول ہیں۔ اگر یہ ہو گیا تو میں سمجھتا ہوں کہ ہماری بہت بڑی مشکل حل ہو جائے گی۔

کسی غیر سرکاری ادارے کے لیے تو اس اہم ترین کام کا بیڑا اٹھانا ممکن ہی نہیں تھا کیوں کہ اس میں گراں بہا مالی وسائل کے علاوہ وسیع اختیارات اور قوت نافذہ کی ضرورت بھی تھی اور اس وقت کی حکومت اپنے پیش رووں کی طرح قومی زبان کے فروغ و ترقی کی طرف مائل نہیں تھی اس لیے اس سترہ سال کے طویل عرصے میں بھی وہی طریقہ جاری رہا جو پہلے سے رائج تھا۔ ایک ایک اصطلاح کے لیے جو متعدد الفاظ پہلے سے موجود تھے ان میں مزید اضافے ہوتے رہے۔ اب اس وقت تو حالت یہ ہے کہ جو ادارہ یا فرد اصطلاح سازی کا کام کر رہا ہے وہ اس الجھن کو اور زیادہ الجھا رہا ہے۔ یعنی آئے دن کسی نہ کسی اصطلاح کے ترجمے میں کوئی نہ کوئی نیا لفظ شامل ہو جاتا ہے۔

اس کی چند مثالیں بہت مختصراً پیش خدمت ہیں۔ یہ مثالیں میں نے بغیر کسی اہتمام کے یوں ہی اٹکل پچو اخذ کر لی ہیں:

AVALANCHE

کا ترجمہ انجمن ترقی اُردو کی شائع کردہ اصطلاحات جغرافیہ میں "سمت الراس" کیا گیا تھا کراچی یونیورسٹی میں اس کا ترجمہ "بہمن" کیا گیا۔ شیخ منہاج الدین صاحب نے اپنی قاموس الاصطلاحات میں، بہمن کو نقل کیا اور اس کے ساتھ "برفشار" اور "برفانی کراڑہ" کے دو الفاظ کا اضافہ کر دیا (یہ الفاظ بھی انہوں نے شاید کسی مجموعے ہی سے لیے ہوں گے)، جب مرکزی اُردو بورڈ نے اپنی جامع فرہنگ اصطلاحات شائع کی تو اس میں بہمن، برفشار اور برفانی کراڑہ کے تینوں الفاظ انگریزی اصطلاح کے سامنے لکھ دیئے مجلس زبانِ دفتری، حکومتِ پنجاب نے جب اپنی دفتری اصطلاحات و محاورات کی لغت شائع کی تو اس اصطلاح کے لیے دو نئے الفاظ لکھے "سیل یخ" اور "برف کا کراڑہ" اس طرح ایک ہی اصطلاح کے لیے مختلف اداروں کی کوششوں سے چھ الفاظ پیش کر دیئے گئے۔

AROMATIC

یہ ایک طبی اصطلاح ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی نے اپنے مجموعۂ "طبی اصطلاحات" میں اس کا ترجمہ تین الفاظ سے کیا تھا: "ابزاری"، "اَبازیری" اور "رائحی"، اُردو مرکزی بورڈ نے اپنی لغتِ طبی میں "ابازیری" کے ساتھ "ارومائی" اور "خوشبوئی" کا اضافہ کیا۔ اُردو اکیڈمی بھاولپور نے جو "لغاتِ طب" شائع کی ہے اس میں اس اصطلاح کے لیے "معطر"، "رائحی"، "خوشبودار" اور "ابازیری" کے الفاظ درج ہیں۔ اس طرح ایک معمولی اصطلاح کے لیے سات الفاظ جمع ہو گئے ہیں۔ ترجمہ کرنے والوں کو اختیار ہے کہ وہ جس لفظ کو چاہیں استعمال کریں۔

CRYSCOPIC METHOD

انجمن ترقی اُردو نے اپنی اصطلاحات کیمیا میں اس اصطلاح کا ترجمہ "برف نمائی طریقہ" کیا تھا۔ کراچی یونیورسٹی نے اس لفظ کو اپنا لیا مگر شیخ منہاج الدین صاحب نے اپنی "قاموس الاصطلاحات" میں ایک نیا لفظ "برد نمائی طریقہ" لکھا اور "برف نمائی طریقہ" کو ترک کر دیا۔ انتخاب کا مسئلہ ان دو لفظوں کے درمیان پھر

بھی باقی رہا۔

HABEAS CORPUS یہ ایک قانونی اصطلاح ہے۔ انجمن ترقی اُردو کی شائع کردہ انگریزی اُردو لغت میں اس کا ترجمہ "پروانۂ حاضریٔ ملزم" درج ہے۔ شیخ منہاج الدین صاحب نے اپنی "قاموس الاصطلاحات" میں یہ ترجمہ نقل کیا ہے مگر "فیڈرل لا پبلیکیشنز" نے ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کی مرتب کردہ "قانونی لغت" جو شائع کی ہے اس میں اس اصطلاح کا ترجمہ جس لفظ سے کیا گیا ہے وہ "حاضر لاؤ" ہے انگریزی اصطلاح کے لغوی معنی سے اُردو کا یہ دو لفظی مرکب مناسبت رکھتا ہو تو اسے بطور اصطلاح استعمال نہیں کیا جا سکتا ہم HABEAS CORPUS ACT کے لیے "قانونِ حاضر لاؤ" کس طرح لکھیں گے "پروانہ حاضریٔ ملزم" تو اب اس قدر عام ہو گیا ہے کہ خالص اُردو لغات میں بھی "ہیبیس کارپس" کے سامنے "پروانہ حاضری" ملزم لکھا ہوا ہے۔

مجلس زبانِ دفتری، حکومتِ پنجاب کی "دفتری اصطلاحات و محاورات کی لغت" میں اس اصطلاح کے لیے ذرا ذرا سی تبدیلی کے ساتھ دو نئی ترکیبیں دی گئی ہیں "پروانۂ استحضارِ شخصی" اور حکم نامۂ حاضری ملزم" اس طرح چار اُردو اصطلاحیں مہیا ہو گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ پروانہ کی جگہ حکم نامہ زیادہ مناسب ہو۔ بہرحال اس کا فیصلہ کبھی تو ہونا چاہیے۔ کوئی بھی لفظ اختیار کر لیا جائے۔ وہ اصطلاح کا جزو بن جائے گا۔

ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "کثرت تعبیرا" کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اصطلاح سازی کا کام شروع کرنے والوں نے اصطلاح کے لیے جو چند الفاظ لکھے ان پر بعد میں کام کرنے والے کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے رہے اب اس آزمائشی دور کو ختم ہونا چاہیے اور کوئی نہ کوئی مرکزی مجلس ایسی تشکیل پانی چاہیے جو پوری قطعیت کے ساتھ اصطلاحات کے موجودہ ترجموں میں سے انتخاب کرے اور اس کو شائع کر دیا جائے۔ ایسی مجلس صرف وفاقی حکومت ہی قائم کر سکتی ہے۔ چوں کہ آج کل صدر مملکتِ پاکستان کی توجہات خصوصی کے باعث قومی زبان کے فروغ و ترقی کے لیے عملی اقدامات کی فضا پیدا ہو گئی ہے اور وہ ماحول باقی نہیں رہا ہے جو گزشتہ حکومتوں کے دور میں تھا اس لیے اس کا امکان موجود ہے کہ حکومت ملک کے ماہرین علوم جدیدہ اور مستند اُردو ادیبوں پر مشتمل کوئی ایسی مجلس بھی قائم کر دے جو یہ کام اپنے ذمہ لے لے اور ایک سال کے اندر اسے مکمل کر دے۔ کسی نئے مواد کی غالباً ضرورت نہیں ہو گی۔ جو اصطلاحات اب تک وضع کی جا چکی ہیں ان ہی کو سامنے رکھ کر قطعیت کے ساتھ فیصلے کیے جا سکتے ہیں۔ آئندہ نئی اصطلاحوں کیلئے جو الفاظ وضع کیے جاتے رہیں ان کے فیصلے بعد میں ہوتے رہیں۔ چوں کہ علوم و فنون کی ترقی کسی ایک مرحلہ پر ختم نہیں ہو سکتی اس لیے یہ سلسلہ تو برابر جاری رہے گا اور مجلس استناداً اپنا کام کرتی رہے گی۔

مروج الفاظ کے رد و قبول کی مثالیں

فاضل مضمون نگار نے اپنا مرکزی خیال پیش کرنے کے بعد ایسی انگریزی اصطلاحات درج کی ہیں جن کا ترجمہ متعدد الفاظ سے کیا جاتا ہے اور ان الفاظ کے متعلق بعض صورتوں میں اپنے رد و قبول کا اظہار کیا ہے اور بعض صورتوں میں انہیں تشنہ چھوڑ دیا ہے۔ جن اصطلاحات کے بارے میں فاضل مضمون نگار کی رائے سے کوئی اختلاف نہیں۔ انھیں چھوڑ کر باقی اصطلاحوں کے متعلق میری گزارشات حسب ذیل ہیں:۔

ECONOMICS اس اصطلاح کے لیے مروج الفاظ یہ بتائے گئے ہیں۔ "اقتصادی، معاشی، معاشیاتی، معیشی، معاشی و اقتصادی، اقتصادیاتی"۔ مگر آگے چل کر لکھا ہے کہ "انجمن ترقی اردو نے ECONOMICS کے لیے "معاشیات" کو اپنا لیا تھا۔ اس لحاظ سے یہاں صرف معاشی ہی درست ہے"۔ حاشیہ کی اصطلاح کے املا میں کچھ سہو ہوا ہے۔ وہاں لفظ ECONOMIC ہو گا۔ بہرحال اگر ECONOMICS کے لیے

"معاشیات" کو تسلیم کر لیا گیا ہے تو ECONOMIC کے لیے "معاشی" اور "معاشیاتی" دونوں اصطلاحیں صحیح ہوں گی۔ ان دونوں الفاظ کا محل استعمال الگ الگ "معاشی" عام طور پر استعمال ہوگا اور "معاشیاتی"، "علم معاشیات" کے ساتھ نسبت کے موقع پر استعمال کیا جائے گا۔ مثلاً معاشیاتی قدر برائے ECONOMIC VALUE بحوالہ قاموس الاصطلاحات

PHYSICAL اس اصطلاح کے لیے طبیعی، طبعی، طبیعاتی، طبیعیاتی، کے الفاظ نقل کئے گئے اور لکھا ہے کہ ان میں سے صرف "طبیعی" ہی صحیح ہے حالانکہ "طبیعیاتی" بھی صحیح ہونا چاہیئے جیسا کہ اگلی اصطلاح کے متعلق تسلیم کیا گیا ہے۔

EPISTEMOLOGICAL کے متعلق فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ اس کا ترجمہ علمی کے علاوہ "علمیاتی" بھی درست ہے کیوں کہ EPISTEMOLOGY کا ترجمہ "علمیات" کیا جاتا ہے تو پھر یہی اصول دوسرے علوم کے سلسلے میں کیوں روا نہیں رکھا جا سکتا۔ جیسا Teleological کے ترجمہ میں صرف "غائی" لفظ پر کیوں انحصار کیا ہے جب کہ TELELOGY کا ترجمہ "غائیات" کیا جاتا ہے اور اس میں یائے نسبتی بڑھا کر "غائیاتی" بنایا جا سکتا ہے۔ اس طرح METAPHYSICAL کا ترجمہ "مابعد الطبیعی" کے علاوہ "مابعد الطبیعیاتی" کیوں نہیں ہو سکتا جب کہ METAPHYSICS کا ترجمہ "مابعد الطبیعات" کیا گیا ہے اور DYNAMIC کا ترجمہ حرکی کے علاوہ "حرکیاتی" کیوں نہیں ہو سکتا جب کہ Dynamic کا ترجمہ "حرکیات" کیا جاتا ہے اور Cosmogonical کا ترجمہ "تکوینی" کے علاوہ "تکوینیاتی" کیوں نہیں ہو سکتا جب کہ COSMOGENY کا ترجمہ "تکوینیات" کیا جاتا ہے۔

METAPHYSICAL

DYNAMIC

COSMOGONICAL

CLASSISM ایسا کوئی لفظ تو لغت میں ہے نہیں۔ غالباً یہ CLASSICISM یا CLASSICALISM ہوگا کیوں کہ اس کے لیے مروج الفاظ "کلاسکیت اور کلاسیکیت" دیئے گئے ہیں۔ اگر پہلے لفظ کے لیے "کلاسکیت" اور دوسرے لفظ کے لیے "کلاسیکیت" رکھیں تو دونوں لفظوں کے لیے ایک ایک لفظ ہو سکتا ہے۔

SUBLIMATION اصل میں دو الفاظ ایسے ہیں جن سے اس اصطلاح کا ترجمہ زیادہ تر کیا گیا ہے۔ "امالہ" اور "تصعید" یہ صحیح ہے کہ طبیعیات اور کیمیا دونوں میں INDUCTION کا ترجمہ بھی امالہ سے ہی کیا گیا ہے۔ کراچی یونیورسٹی کی مجلس فلسفہ نے SUBLIMATION کا ترجمہ امالہ کیا ہے۔ اور پروفیسر شیخ منہاج الدین صاحب نے اپنی قاموس الاصطلاحات میں علم نفسیات کے لیے بھی اس کا ترجمہ امالہ ہی پیش کیا ہے۔ اس طرح یہ لفظ مختلف علوم میں Sublimation اور Induction دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے مگر معناً ان دونوں اصطلاحوں کے لیے "تصعید" قریب ترین معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح انگریزی زبان کی اصطلاحوں میں ایک ہی لفظ مختلف علوم میں مختلف مفہوموں کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح مخصوص صورتوں میں اگر ہم بھی مختلف معانی پر محیط کسی لفظ کو مختلف مواقع کے لیے استعمال کریں تو کیا مضائقہ ہے بہرحال "امالہ" اور "تصعید" کے استعمال پر حتمی فیصلہ کوئی مجلس علمائے سائنس ہی کر سکتی ہے اور ان دونوں الفاظ سے کام لیا جا سکتا ہے۔

PRODUCTIVITY پانچ مروج الفاظ میں سے جس لفظ کو ترجیح دی گئی ہے۔ اسے "پیدا آوری" لکھا ہے۔ حالانکہ صحیح اصطلاح "پیداوری" ہے۔ جب ہم "پیدا" اور "آوری" کو ملا کر ایک مرکب لفظ بناتے ہیں تو یہ

کے دو الفوں میں سے ایک کو گرا دیتے ہیں۔ اصطلاح سازی کے سلسلے میں یہ ایک مسلمہ اصول ہے جسے مولوی وحیدالدین سلیم کی معرکۃ الآرا بنیادی تصنیف " وضع اصطلاحات " میں بیان کردہ اصولوں سے اخذ کیا گیا ہے۔

ARCHAEOLOGY مروج الفاظ میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی گئی ہے "اثریات" اس لیے زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے لفظ "اثری" مشتق کیا جا سکتا ہے۔ علم آثار قدیمہ تو ایک عام تشریح ہے۔

ABSOLUTENESS یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ ABSOLUTENESS اور ABSOLUTISM دونوں کیلئے ایک ہی لفظ "مطلقیت" ہے۔ اس لیے بعض اداروں نے ABSOLUTENESS کے لیے "اطلاق" کا لفظ تجویز کیا ہے حالانکہ اطلاق پہلے سے ایک اور لفظ APPLICATION کے لیے مخصوص ہو چکا ہے اور اس کا استعمال اپنے مشتقات کے ساتھ عام ہے اس لیے اسے ABSOLUTENESS کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا ایک حل یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ABSOLUTE کا ترجمہ ایک اور لفظ "قطعی" سے بھی عام لغات میں کیا جاتا ہے تو کیوں نہ ABSOLUTENESS کیلئے ہم "قطعیت" کا لفظ استعمال کریں اور ABSOLUTISM کیلئے "مطلقیت" اور APPLICATION کے لیے "اطلاق" رہنے دیں۔ یا اگر ABSOLUTENESS کے لیے مطلقیت ہی رکھنا ہے تو ABSOLUTISM کے لیے مطلقیت پرستی (یا پسندی) کی اصطلاح اختیار کرلیں۔ سیاسیات میں ABSOLUTENESS کے لیے "مطلق العنانی" یا مطلق العنانیت بھی استعمال ہوتا ہے۔

PRIMITIVE اس لفظ کے لیے تو "بدائیت" یا ابتدائیت کے الفاظ استعمال نہیں ہو سکتے یقیناً PRIMITIVENESS مقصود ہوگا۔

THESIS
ANTI-THESIS
SYNTHESIS
ASSOCIATION

کراچی یونیورسٹی کی مجلس فلسفہ نے THESIS کی اصطلاح کے لیے تین الفاظ پیش کئے ہیں "مقالہ موضوع مبحث" جب کہ ANTI-THESIS کی اصطلاح کے لیے "ضد دعویٰ" تجویز کیا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہی صحیح معلوم ہوتا ہے Thesis کے لیے "دعویٰ" اور Antithesis کے لیے "ضد دعویٰ" ہونا چاہیے۔ "مقالہ" موضوع اور مبحث کا استعمال دیگر عام ادبی ضروریات کے لیے ہونا چاہیے۔ Synthesis کے لیے "ائتلاف" اور Association کے لیے "تلازم" پسند کیا گیا ہے۔ مگر نفسیات میں ایک اور اصطلاح CONCOMITANCE کے لیے بھی تلازم استعمال کیا گیا ہے اور وہاں یہ زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس رد و بدل پر مزید غور کیا جائے اور ائتلاف کے ساتھ "تالیف" کا لفظ بھی پیش نظر رہے۔

علم الکلام، علم کلام: فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ "علم الکلام" کو کوئی مصنف "علم کلام" لکھ دیتے ہیں جو ایک غیر مانوس اور اجنبی لفظ معلوم ہوتا ہے، اردو میں "علم الکلام" ہی مستعمل ہے"۔ یہ بات اس لیے درست نہیں کہی جا سکتی کہ یہ دونوں مرکب الفاظ اردو میں برابر استعمال ہوتے رہے ہیں "علم الکلام" عربی کی ترکیب ہے اور "علم کلام" فارسی کی۔ مذہبی مباحث میں زیادہ تر "علم الکلام" استعمال ہوتا ہے۔ مگر عام مباحث میں "علم کلام" بھی بولا اور لکھا جاتا ہے۔

ماقبل تاریخ، قبل تاریخ اہل علم "ماقبل تاریخ" زیادہ استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس سے مفہوم بہتر طور پر ادا ہوتا ہے۔

ONTOLOGY

اس اصطلاح کے لیے تین مروج الفاظ دیئے گئے ہیں "علم الوجود، وجودیت، وجودیات" اور ان میں سے "وجودیت" کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہاں کچھ سہو ہو گیا ہے۔ اصل میں ONTOLOGY تو ایک علم ہے اس لیے اس کا اصولی ترجمہ "وجودیات" ہی ہو سکتا ہے۔ "وجودیت" اس کی ایک مشتق شکل دوسرے معنی میں ہوگی Ontologism کو وجودیت پسندی (پرستی) کہیں گے۔ EXISTENTIALISM کے لیے "موجودیت" یا "موجودیت پسندی" صحیح ہے

EGOISM

کے لیے تین مروج الفاظ دیئے گئے ہیں "انانیت، انائیت، خودیت" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتابت کی غلطی سے دوسرا لفظ "انانیت" کے بجائے "انائیت" لکھا گیا ہے۔ اس تصحیح کے بغیر آگے کی عبارت سمجھ میں نہیں آسکتی جہاں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ "انائیت" اور "انانیت" دونوں Egoism کا ترجمہ نہیں ہو سکتے۔ "انانیت" دراصل Egotism کا ترجمہ ہے جو بالکل دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ "انائیت" کے ساتھ "خودیت" کے استعمال کو بجا طور پر رد کیا گیا ہے۔

TELEOLOGY
FINALISM

ان دو اصطلاحوں کے لیے صرف "غائیت" کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے Teleology تو ایک علم ہے اس کا ترجمہ اصولاً "غائیتیات" ہی ہوگا۔ البتہ Teleologism اور Finalism میں مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے اس پر غور کر لیا جائے کہ ہم Teleologism کو "غائیتیت" کہیں اور Finalism کو "غائیت" (علم فلسفہ کے مخصوص مفہوم میں) کہیں تو کام چل سکتا ہے۔

POSITIVISM

کے لیے "اثباتیت" یا "ایجابیت" ہونا چاہیے "ثبوتیت" تو شاید کسی نے بھی نہیں کہا اور نہ یہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

Apodeictic
NECESSITY

اگر Necessity کے لیے "وجوب" کو موزوں سمجھ لیا گیا ہے تو Apodeictic کے لیے دو لفظ اور موجود ہیں "مسلّم" اور "بدیہی" ان میں سے غالباً "بدیہی" زیادہ موزوں ہوگا۔

ANTHROPOMORPHISM
PERSONIFICATION
EMBODIMENT

فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ "ان تین انگریزی لفظوں کے لیے اردو میں ایک لفظ تجسیم مستعمل ہے حالانکہ ان تینوں انگریزی الفاظ کے معانی بہت حد تک الگ ہیں" اگر مناسب سمجھا جائے تو اس مسئلہ کو اس طرح حل کر لیا جائے کہ ANTHROPOMORPHISM کے لیے "آدم پیکریت" Personification کے لیے "تشخص" اور EMBODIMENT کے لیے "تجسیم" کے الفاظ اختیار کر لیے جائیں۔

SCEPTICISM

کے لیے عربی کا صحیح لفظ تو "ارتیابیت" ہے اگر اس سے غیر مانوسیت کی بنا پر گریز کیا جاتا ہے تو اردو کا سادہ لفظ "شکی" ہے۔ اس بنا پر SCEPTIC کے لیے ہم شکی کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں اور اس سے SCEPTICISM کے لیے "شکیت" وضع کر سکتے ہیں۔ بعض حضرات نے شک سے "شکاکی" اور "شکاکیت" وضع کیے ہیں تاکہ ان میں ایک قسم کا زور اور اصطلاحیت پیدا ہو جائے

CONCEPT
CONCEPTION
Rationality
Rationalism
CONCEPTUALISM

ان پانچوں الفاظ کے لیے اردو میں صرف "تعقل" اور "تعقلیت" کو مستعمل بتایا گیا ہے: مگر ان کے علاوہ بھی الفاظ موجود ہیں ہم Concept کو تصور Conception کو تعقل Rationality کو معقولیت Rationalism کو عقلیت اور CONCEPTUALISM کو "تعقلیت" کہہ سکتے ہیں

UNIVERSALISM / TOTALITY / WHOLE / UNIVERSAL / ABSOLUTENESS

۔ یہ کہا گیا ہے کہ ان پانچ الفاظ کے لیے صرف ایک کُل اور اس کے مشتقات مستعمل ہیں، یہ کوتاہی اس طرح دور کی جاسکتی ہے UNIVERSAL کے لیے "جامع" Universalism کے لیے "جامعیت پسندی" (یا پرستی)، TOTALITY کے لیے "کُلیت" whole کے لیے "کل" اور ABSOLUTENESS کے لیے "قطعیت" کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ غور کرلیا جائے۔ "سیاسیات" میں "مطلق العنان" کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ENLIGHTEMENT

کے لیے اُردو میں جو تین الفاظ مروج لکھے ہیں ان میں "روشن خیالی" ہی قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے۔

EPISTEMOLOGY

اگر "علمیات" کا لفظ ہم دوسری اصطلاح کے لیے مخصوص کر چکے ہیں تو اسے "معرفیات" کہہ سکتے ہیں (یا معارفیات)

ALLEGORY

اس کے لیے جو چھ الفاظ دیئے ہیں ان میں سے "مجازیہ" قابل ترجیح ہے۔ مگر ان الفاظ کے علاوہ ایک اور لفظ "رمزیہ" ہے جو زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

SEMANTICS

کے لیے "لفظیات" کے علاوہ "معنیات" یا "معنویات" بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

MYTHOLOGY

"دیومالا" کے مقابلے میں "اسطوریات" قابل ترجیح ہے۔

IMAGE

۔ کے لیے "تمثال" فلسفہ اور نفسیات میں قابل ترجیح ہے البتہ علم "بصریات" اور فنون لطیفہ کے لیے الگ الگ ترجمے ہوں گے۔ مثلاً شبیہہ، پیکر، تصویر، مجسمہ

MODERNISM

۔ کے لیے "تجدد پسندی" موزوں معلوم ہوتا ہے۔

IDEOLOGY

۔ کے لیے "نظریۂ حیات" عام طور پر مقبول ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ جو الفاظ مستعمل ہیں وہ "کثرت تعبیرہا" کے ضمن میں آتے ہیں۔

FORMATION

کے لیے تشکیل اور تکوین کے الفاظ علی الترتیب "حیاتیات" اور "نباتیات" میں آتے ہیں۔ ہیئت پرستی، ہیئت پسندی، صوریت کے لیے تو کوئی دوسرا ہی انگریزی لفظ ہوگا۔ غالباً FORMALISM مراد ہے جس کے لیے فلسفہ میں "صوریت" اور مذہب میں "شعائر پرستی" کے الفاظ زیادہ موزوں سمجھے گئے ہیں۔

SIGNIFICATION / SYMBOLISM

اُردو میں تین الفاظ ایسے ہیں جنہوں نے بڑی الجھن پیدا کر دی ہے۔ "علامت" "اشارہ" "نشان" بعض علما "SIGN" کو علامت اور SYMBOL کو اشارہ کہتے ہیں اور بعض اس کے بالکل برعکس SIGN کا ترجمہ "اشارہ" اور اس کے مقابل SYMBOL کا ترجمہ "علامت" کرتے ہیں۔ SIGN کے لیے "نشان" کا لفظ بھی ساتھ دیا جاتا ہے۔ ان الفاظ کی تخصیص کے بعد ان کے مشتقات بھی پھر اسی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ عربی کی لغات بھی ان دونوں انگریزی الفاظ کے لیے علامت اور اشارہ کے الفاظ مشترکاً اور فرداً فرداً لکھتی ہیں۔ بعض لغات Symbol کے لیے "رمز" کے لفظ کا اضافہ کرتی ہیں بعض صرف "رمز" ہی لکھتی ہیں مگر یہ لفظ ایسا ہے کہ وہ اس سے اور بہت سے موقعوں پر کام لیتی ہیں۔ اس لیے تیقن کی شکل پیدا نہیں ہوتی سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ چند مسلّم الثبوت علما اس کا فیصلہ قطعی طور پر کر دیں اور اسے اختیار کرلیا جائے۔ اصطلاح جب بن جاتی ہے تو وہ کسی اور زبان کی اصطلاح کا بدل ہو جاتی ہے اور لغوی معنی کے ساتھ اس کا کلی رابطہ لازم نہیں ہوتا۔

CLASSIFICATION ۔ کے لیے درجہ بندی، کلاس بندی، قسم بندی، صف بندی، اصطفاف" کے رائج الفاظ دیئے ہیں۔ کوئی ترجیح نہیں دی۔ قسم بندی زیادہ موزوں ہیں۔

REGIMENTATION کے لیے گروہ بندی، جکڑ بندی، گروہ آرائی، جمعیت بندی کے الفاظ دیئے ہیں۔ کوئی ترجیح نہیں دی "گروہ آرائی" زیادہ موزوں ہے۔

SURREALISM کے لیے "ماورائے حقیقت اظہار"، سرریلزم"، "ماورائے حقیقت"، "ورائیت" کے الفاظ دیئے ہیں۔ "ورائیت" قابل ترجیح ہے۔

Vicious Circle کے لیے "دوری استدلال"، دورِ فاسد" کے الفاظ دیئے ہیں۔ "دورِ فاسد" زیادہ رائج اور قابل ترجیح ہے۔

CONTENTS کے لیے "مندرجات"، مشمولات"، مافیہ، مشتملات، محتویات" کے الفاظ دیئے ہیں۔ مافیہ زیادہ قریب المعنی ہے۔

HEREDITY کے لیے "ارث، وراثت، توارث" کے الفاظ دیئے ہیں۔ وراثت کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔

ORGANISM کے لیے دو الفاظ "عضویہ اور نامیہ دیئے ہیں"۔ نامیہ" میں "عضویہ" کا مفہوم بھی شامل معلوم ہوتا ہے

مندرجہ بالا انگریزی اصطلاحات کے جو مرادفات اب تک جمع ہوئے ہیں ان میں ترجیحات میں نے اپنی حقیر رائے کے مطابق پیش کی ہیں۔ قطعیت کا فیصلہ تو ظاہر ہے کوئی مرکزی مجلس استناد کرے گی۔

غیر ملکی شخصیات و مقامات کے نام

دنیا کی مشہور و معروف شخصیات اور اہم مقامات کو اردو زبان میں یکسانیت کے ساتھ لکھنے کا مسئلہ اصطلاحات کے مسئلہ ے مختلف ہے۔ اس کے لیے حکومت کی طرف سے کسی ادارہ یا جماعت کا قیام ضروری نہیں ہے۔ وہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی طرف مارے ملک کے نجی نشری صنعتی اداروں کو توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ انگریزی زبان کی لغات میں اہم شخصیات و مقامات کے ہوں اور تلفظ کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعض بڑی لغات میں تو دیگر عام الفاظ کی مسلسل ترتیب ہی میں اس قسم کے اسمائے معرفہ امل ہوتے ہیں اور ان کا تلفظ مقررہ علامات سے واضح کیا جاتا ہے اور بعض لغات کے آخر میں شخصیات و مقامات کی طویل فہرستیں روف تہجی کی ترتیب میں تلفظ کی تعیین کے ساتھ درج ہوتی ہے۔ یہ کام نشر و اشاعت کے تجارتی ادارے ہی انجام دیتے ہیں۔ سی حکومت کا مقرر کردہ کوئی ادارہ انہیں اس قسم کی لغات مرتب کرکے پیش نہیں کرتا۔ اگر اردو زبان کے لیے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے ۔ اس میں بھی اہم ناموں کا تلفظ و املا باقاعدگی کے ساتھ موجود ہو تو اس مقصد کے لیے ہمیں اپنے نشری تجارتی اداروں کو اس آمادہ کرنا ہوگا کہ وہ یہ کام ایسے علما کو سپرد کریں جو اس کی اہلیت رکھتے ہوں اور انہیں معقول معاوضہ ادا کریں۔ یا پھر باصلاحیت ں علم حضرات خود اپنے طور پر یہ کارنامہ انجام دیں اور اپنی محنت کا نتیجہ کسی اردو لغت چھاپنے والے تجارتی ادارے کے سپرد ردیں تاکہ وہ اسے اپنی لغت کے ساتھ "اسمار الرجال" اور "اسمار البلاد" کے عنوانات سے شائع کردے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے ، ہم اپنی زبان کے بعض پہلوؤں کا مقابلہ دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے کرکے اپنی کوتاہیوں کی تشخیص تو بآسانی کرسکتے ہیں مگر ان کا الہ اس قدر آسانی سے نہیں ہوسکتا۔ جس طرح دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے بے شمار ادیبوں نے بڑی محنت اور نفشانی کے ساتھ اپنے لکھے پڑھے لوگوں کے لیے اعلیٰ درجے کی معیاری کتبِ حوالہ مہیا کی ہیں اسی طرح ہمیں یہ کام شروع ں بہت بڑے پیمانے پر نہ سہی چھوٹے پیمانے ہی پر سہی، کرنا ضرور پڑے گا۔ ہماری زبان نے اپنی زندگی کے مختصر عرصے ں بڑی نمایاں ترقی کی ہے اور دنیا کی زبانوں میں بہت جلد ایک ایسا مقام حاصل کرلیا ہے جو عدیم المثال ہے جس پر ہم ِر کرسکتے ہیں۔ جو کمی باقی رہ گئی ہے اسے پورا کرنے کے لیے جدوجہد کی ضرورت ہے۔ پریشانی کی کوئی وجہ نہیں۔

اس سلسلے میں ایک بات اور عرض کرنی ہے۔ ناموں کی یکسانیت پر غور کرتے ہوئے ہم اس حقیقت کو نظرانداز نہیں

کر سکتے کہ ناموں کا ایک تلفظ تو وہ ہوتا ہے جو اس ملک کی زبان میں ادا کیا جاتا ہے۔ جہاں کے وہ نام ہوتے ہیں اور دوسرا تلفظ وہ ہوتا ہے جو دوسری زبانوں کے بولنے والے اپنی سہولت یا مزاج کے مطابق اختیار کر لیتے ہیں انگریزی زبان میں غیر ممالک کے بہت سے ناموں کو "انگریزیا" لیا گیا ہے۔ اُن کا ایک مخصوص تلفظ اور املا متعین کر دیا ہے اور اسی کے مطابق انگریزی داں لوگ بولتے اور لکھتے ہیں۔ اسی طرح عربی اور فارسی میں بہت سے نام (تقریباً تمام غیر ملکی نام)، "معرب" و "مفرس" کر لیے گیے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دوسری زبانوں کی بعض آوازوں کو ظاہر کرنے والے حروف ان زبانوں میں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ اس لیے وہ ان آوازوں کو اپنی قریب ترین آوازوں میں تبدیل کر کے نئے الفاظ بنا لیتے ہیں اور ان کو اپنی زبان کی ٹکسال میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس مجبوری سے ہٹ کر ایک اور وجہ بھی ہے۔ مذکورہ بالا ممالک کے تاجر یا سپاہی ماضی میں جب کبھی کسی غیر ممالک میں کامیابی و فتح مندی کے ساتھ داخل ہوئے ہیں تو ان کے ہراول دستوں کی زبان پر پہلے پہل جو اجنبی نام جس طرح چڑھ گئے وہی ان کی زبان میں رواج پا گئے اور ادب میں داخل ہو گئے۔ اس قسم کے ناموں کی مثالیں جن کی ہیئت ان زبانوں میں آکر کم و بیش بدل گئی ہے بکثرت دی جاسکتی ہیں اور وہ اکثر اہل علم کی نظر میں ضرور ہوں گی اس لیے میں ان مثالوں کو پیش کر کے اس مختصر مضمون کو طویل بنانا نہیں چاہتا۔

میں نے جن تین زبانوں (انگریزی، عربی، فارسی) کا ابھی ذکر کیا ہے۔ ان کا ہماری زبانوں سے گہرا تعلق ہے۔ اسی لیے ناموں کے معاملے میں جو تنوع فاضل مضمون نگار نے دریافت کیا ہے وہ چار ماخذوں کی بنا پر ہے ایک مقامی زبان کا تلفظ اور پھر ان تین زبانوں کے تلفظات اور بعض صورتوں میں ایجادِ بندہ کو بھی دخل ہے۔ ان حالات میں اگر ہماری خواہش یہ ہو کہ ہم ہر نام کے لیے ایک ہی تلفظ اور املا اختیار کریں تو ہمیں لامحالہ یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم تمام ناموں کو ان کے مقامی تلفظات کے مطابق اپنی زبان میں منتقل کریں۔ خوش قسمتی سے ہمارے حروفِ تہجی اس قدر جامع ہیں کہ تقریباً تمام مروجہ زبانوں کی مختلف اصوات ان کے ذریعہ ادا کی جاسکتی ہیں اور اس طرح ہم مقامی زبانوں کے ناموں کو ان کے تلفظ کے ساتھ بہ آسانی املا کر سکتے ہیں۔ مغربی ممالک کی زبانوں کے ناموں کے متعلق اگر اہل الرائے حضرات مناسب سمجھیں تو ہر نام کی دو شکلیں ایک مقامی اور دوسری انگریزی درج فہرست کی جاسکتی ہیں اور صرف ان ناموں کو جو عربی یا فارسی کے ذریعہ ہماری زبان میں اس طرح داخل ہو چکے ہیں کہ ان کا استعمال عوام و خواص سب ہی کرتے ہیں۔ بحالہ رہنے دیا جاسکتا ہے۔

مقامات کے ناموں کے سلسلے میں ایک بات اور قابلِ توجہ ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں جب مسلمان تمام دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ یورپ کے ایک بڑے حصہ پر بھی ان کا تسلط قائم ہو گیا تھا۔ انہوں نے مختلف ممالک اور شہروں کے نام اپنی زبان میں رکھے تھے جو آج تک مسلمانوں کے تاریخی ادب میں محفوظ چلے آئے ہیں، حالانکہ حکومتوں اور معاشروں کی تبدیلی کے بعد وہ نام یکسر تبدیل ہو چکے ہیں اور جدید جغرافیوں اور اٹیلسوں میں ان کے رائج الوقت نام ہی درج ہیں۔ اس بارے میں ہمارے لیے یہ طرزِ عمل زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک اردو زبان میں اسلامی عہد کی تاریخ نویسی کا تعلق ہے ہم اس عہد کے ناموں کو بھی استعمال کرتے رہیں مگر جب اخبارات میں جدید حالات و کوائف درج کرنے ہوں تو جدید نام ہی استعمال کیے جائیں۔ اُردو لغات کے ساتھ جو "اسماء الرجال" اور "اسماء البلاد" کی فہرستیں شائع ہوں جن میں مغربی ممالک کے ناموں کے لیے انگریزی املا بھی شامل ہو۔ البتہ انگریزی کے بعض مقامات کے نام جو ہم نے اپنا لیے ہیں مثلاً انگلستان، برطانیہ، برطانوی وغیرہ انہیں اسی طرح رکھنا چاہیئے۔

اردو میں مستعمل انگریزی الفاظ

اس سلسلے میں جو مثالیں زیرِ نظر مضمون میں پیش کی گئی ہیں انہیں دیکھ کر بظاہر یہ حل آسان معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی

کی مستند لغات میں جس لفظ کا جو تلفظ درج ہے اسی کے مطابق اس لفظ کا املا اردو میں کیا جائے مگر اس سلسلے میں چند امور ایسے ہیں جنھیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اُردو عبارت میں ادائے مفہوم کے لیے جا بجا انگریزی الفاظ (خواہ وہ اردو املا ہی میں کیوں نہ ہوں) استعمال نہیں ہونے چاہئیں اُن کے بجائے اُن کے متبادل اُردو مترادفات استعمال ہونے چاہئیں جو تمام "انگریزی اردو لغات" میں موجود ہیں اور اب عام طور پر بولے جاتے ہیں۔ جس طرح "انگلش میڈیم اسکولوں کے" چھوٹے چھوٹے بچے یہ کہتے ہیں کہ مجھے "پین چاہیئے" یا "مجھے انک چاہیئے" اسی طرح بڑی عمر کے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک طبقہ اپنی گفتگو میں بہت سے انگریزی الفاظ استعمال کرتا ہے اور اپنی تحریروں میں بھی انھیں نگینوں کی طرح جڑتا ہے حالانکہ ان کے مترادف اردو الفاظ وہ بغیر کسی دقت کے استعمال کر سکتا ہے۔ وہ "ریفارمیشن" لکھتا ہے، "اصلاح" نہیں لکھتا "ایگو" لکھتا ہے "انا" نہیں لکھتا یہ مترادفات اپنی کثرت استعمال سے عام ہو چکے ہیں۔ ایسے طبقہ کے لیے ہمیں انگریزی کا املا اُردو میں دینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ نہ ایسے لوگوں کی ہمت افزائی ہونی چاہیئے کہ وہ انگریزی الفاظ "اُردو حروف" میں لکھ کر استعمال کریں اور اپنے مضامین کو آدھا تیتر آدھا بٹیر بنائیں۔ البتہ ایسے الفاظ کا املا جو کسی نام کا جزو بن کر اسم معرفہ کی حیثیت اختیار کر گئے ہوں ضرور حسب قاعدہ اردو میں املا ہونے چاہئیں۔ اس کیلئے اصول یہی ہے کہ صحیح انگریزی تلفظ کو اُردو حروف کے ذریعہ ادا کیا جائے۔ اس میں تبدیلی نہ کی جائے۔ انگریزی الفاظ کے اُردو میں منتقل ہونے کی ایک اور باقاعدہ صورت بھی ہے یعنی وہ الفاظ جو اصلاً انگریزی زبان کے ہیں مگر انہیں اُردو نے جزوی تبدیلی کے ساتھ اپنا لیا ہے، مثلاً اسکول، اسٹیشن، اسٹامپ، اسٹام، اسٹیڈیم، اسپتال یا ہسپتال، رجسٹر، ریل، بینڈ، جرنیل، کرنیل یہ اور اس قسم کے دوسرے بہت سے الفاظ اب انگریزی سے اُردو میں اپنی خاص ہیئت کے ساتھ منتقل ہو چکے ہیں اور ان پر رواج عامہ نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اور اب وہ اردو زبان ہی کے الفاظ ہیں انگریزی کے نہیں ہیں۔ انہیں اپنی بدلی ہوئی اُردو شکل ہی میں لکھنا چاہیئے۔

انگریزی کے حرف S سے شروع ہونے والے الفاظ جنہیں اُردو زبان میں اپنایا گیا ہے کچھ عرصے سے ایک تنازعہ کا موضوع بن گئے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ ابتدا ہی سے الف کے ساتھ لکھے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً اسکول، اسٹیشن وغیرہ۔ کچھ لوگ انہیں بغیر الف کے لکھنے لگے ہیں۔ مثلاً سکول، سٹیشن۔ بعض درسی کتابوں میں بھی اس قسم کا املا اختیار کیا گیا ہے حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ ان الفاظ کو الف سے شروع کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اردو زبان میں کوئی لفظ کسی ساکن حرف سے شروع نہیں ہوتا۔ اس لیے جب انہیں اپنایا گیا ہے تو "س" سے پہلے الف لکھ کر ان کا تلفظ متعین کیا گیا تھا۔ یہ اصول اُردو زبان کے ایک مشہور و معروف ادیب جناب وارث سرہندی صاحب نے بھی اپنی علمی اردو لغت (جامع) کے دیباچہ میں نقل کیا ہے اور تمام ایسے الفاظ جو انگریزی میں حرف S سے شروع ہوتے ہیں اور اُردو میں اپنا لیے گئے ہیں الف کی ردیف میں درج کئے ہیں یہ لغت علمی کتاب خانہ لاہور نے شائع کی ہے۔ یہ حوالہ تو اس لیے دیا گیا کہ یہ ایک جدید لغت ہے ورنہ تمام اردو لغات میں فرہنگ آصفیہ "اور فیلن" سے لے کر اب تک کی لغات میں اس قسم کے الفاظ کا صحیح املا ایک ہی ہے اور وہ الف سے ہے۔ ترقی اُردو بورڈ کی" اردو لغت" میں اس نوع کے الفاظ کے استعمال کی مثالیں بھی دی گئی ہیں جو اردو زبان کے چوٹی کے مسلم الثبوت ادیبوں کی تحریروں سے اخذ کی گئیں ہیں۔

اردو املا اور قواعد کے بعض مسائل

فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے "اردو زبان کی موزونیت کو برقرار رکھنے سے تغافل کا یہ عالم ہے کہ ہائے ہوز اور ہائے دوچشمی (ہندی) کا امتیاز ختم کر دیا جاتا ہے۔ دہی کو دھی، آہی کو آگھی، ڈھول کو دہول، یا دھندا کو دہندا لکھ دیا جاتا ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ صدی کے اوائل میں خاصے قریبی عرصے تک ہائے دوچشمی (جسے ہائے مخلوط بھی کہتے ہیں) کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ آج بھی نولکشور پریس لکھنؤ، مطبع نظامی کانپور، رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور وغیرہ کی چھپی ہوئی ایسی کتابیں موجود ہیں اُن میں آنکھ کو آنکہ، پچھلی کو پچہلی، جھلی کو جہلی، گھڑی کو گہڑی، چھالیہ کو چہالیہ وغیرہ چھپا ہوا ہے۔ شمس العلماء نواب عزیز جنگ بہادر کی کتاب

خزینۂ فنانس و حساب میں تقریباً ہر جگہ ہائے دوچشمی کے بجائے ہائے ہوز سے کام لیا گیا ہے۔ پرانی کتابوں میں ہائے دوچشمی کا استعمال شاذ ہی ملتا ہے۔

ہندی زبان کے مخلوط آوازوں والے حروف کو اردو میں بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، کھ اور گھ لکھنے کا طریقہ بعد میں اپنایا گیا ہے۔ بعض اور ایسی ہی آوازیں جن کے لیے ہندی میں بھی کوئی ایک حرف نہیں ہے اب اردو میں ہائے دوچشمی سے لکھی جاتی ہیں۔ مگر اب بھی بعض لوگ غلطی سے وہی پرانا انداز اختیار کر کے ہائے دوچشمی کی جگہ ہائے ہوز لکھ جاتے ہیں۔ املا کے بعض اصول اور بھی ہیں جنھیں جدید ادیبوں نے پرانی روش کے خلاف اپنایا ہے۔ مگر ان کی خلاف ورزی ہائے دوچشمی والے معاملے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً املا کے جدید اصولوں میں یہ اصول بھی شامل ہے کہ "لئے" کو "لیے" لکھنا چاہیئے یعنی اوپر ہمزہ لکھنے کے بجائے حرف لام کے بعد حرفِ یا کے دو نقطے لگانے چاہئیں۔ اردو املا میں یکسانیت کا فقدان بڑے پیمانے پر محض اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے پرانی روش کو بدل کر نئی روش جاری کرنے کے لیے بعض اصول وضع کئے ہیں ان سب کی تحریروں کو یکجا کرنے اور املا کے متفقہ جدید اصولوں کو مرتب کر کے ان کی عام اشاعت کا بندوبست کرنے کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکا ہے یہ ایک مختصر کام ہے اور اسے کسی ادارہ کو ذمہ داری کے ساتھ انجام دینا چاہیئے۔

اسی سلسلے میں فاضل مضمون نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ "بعض غلط الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کراہت کو کراہیت اور وحدانیت کو بمعنی وحدت (جیسے فکر کی وحدت کی جگہ وحدانیت) استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں سے پہلی مثال یعنی کراہت کی جگہ کراہیت تو میرے خیال میں اس عامیانہ زبان کا نمونہ پیش کرتی ہے جسے انگریزی میں "سلینگ" کہتے ہیں۔ یہ عامیانہ زبان ہر ترقی یافتہ زبان کے ساتھ ساتھ چلتی ہے جیسا کہ ہم انگریزی ناولوں کے مکالموں میں اکثر پڑھتے ہیں۔ بعض اوقات سنجیدہ عبارتوں میں بھی اس قسم کے الفاظ راہ پا جاتے ہیں۔ رہی دوسری مثال یعنی وحدت اور وحدانیت کا جداگانہ محل استعمال تو اس قسم کی مثالوں کو "اردو زبان میں تراجیت" کے زیر عنوان شاید پیش نہیں کیا جا سکتا۔

"یائے نسبتی اور یائے مفعولی" کے ذیلی عنوان کے تحت فاضل مضمون نگار نے سید نذیر نیازی کی تحریر کا ایک اقتباس درج کیا ہے۔ جس میں علامہ اقبال کا ایک قول بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس اقتباس میں کہا گیا ہے کہ "جہاں تک ممکن ہو "یاتی" کا استعمال نہ کیا جائے"۔ مثلاً غایاتی نہ کہا جائے غائی کہا جائے۔ اس بحث پر مزید اظہار خیال کی ضرورت اس لیے نہیں رہی کہ فاضل مضمون نگار نے خود آگے چل کر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "یاتی" کا صحیح استعمال ہو سکتا ہے اور مناسب موقع پر اسے استعمال کرنا چاہیئے۔ اصل بات یہ ہے کہ "یاتی" کو خواہ مخواہ ایک مستقل کلمہ بنا لیا گیا ہے۔ سوال صرف یائے نسبتی کا ہے۔ جہاں کہیں کسی لفظ کے آخر میں "یات" آئے گا مثلاً طبیعیات، الٰہیات، معاشیات وغیرہ جو علوم کے نام ہیں یا ترقیات جو DEVELOPMENT کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں یائے نسبتی بڑھا کر طبیعیاتی، الٰہیاتی، معاشیاتی، ترقیاتی کے الفاظ بنائے جا سکتے ہیں اور حسب ضرورت ان کا صحیح استعمال کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

آخر میں مجھے پھر یہی عرض کرنا ہے کہ اردو زبان اپنے بل بوتے پر ترقی کر کے دنیا کی مقبول ترین زبانوں میں شامل ہو چکی ہے۔ اب اگر دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے مقابلہ کر کے اس کے املا و انشا کو اعلیٰ معیاری اصولوں کا پابند بنانا ہے تو اس کے صرف و نحو اشتقاقیات، علم بیان اور علم لغت کے بنیادی قواعد کو وسیع پیمانے پر منضبط کرنا پڑے گا۔ انگریزی سے اردو میں سائنسی علوم کے تراجم کے متعلق نہ صرف اصطلاحات اور اہم الفاظ کے قطعی بدل مہیا کرنے ہوں گے بلکہ مختلف علوم و فنون کے دقیق مسائل کی تشریحات بھی مجملاً مرتب کرنی ہوں گی۔ خالص ادبی میدان میں بھی بہت کچھ کام کرنا ہے۔ مرادفات، اضداد، محاورات، تلمیحات الفاظ کے قدیم و جدید معانی وغیرہ یہ سب ایسے موضوعات ہیں جو بھرپور توجہ چاہتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ مہیا ہو جائے گا تو زبان پوری طرح گرفت میں آسکے گی اور اہل علم حضرات کی تحریروں پر سختی سے تنقید کی جا سکے گی۔ مگر یہ تمام وسائل اسی وقت حاصل ہو سکیں گے

باقی صفحہ ۳۱ پر

وفیات

پیر سید حسام الدین راشدی

یکم اپریل کو معروف اور ممتاز محقق اور مصنف پیر حسام الدین راشدی عارضۂ قلب اور سرطان کے امراض میں مبتلا رہ کر اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ مرحوم کے انتقال سے خصوصاً سندھ کی علمی و تہذیبی دنیا میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے فارسی، سندھی اور اردو زبانوں میں ان کی بلند پایہ تحقیقی و تصنیفی کاوشیں انہیں ہمیشہ ایک یادگار حیثیت عطا کرتی رہیں گی۔ پاکستان میں جن محققین نے فارسی زبان و ادب میں تحقیقی سرگرمیاں انجام دیں ان میں پیر صاحب کا نام سرِفہرست ہے۔ اسی طرح سندھ کی تاریخ، تہذیب اور زبان و ادب پر جس قدر انہوں نے خصوصیت اور وارفتگی کے ساتھ کام کیا ہے۔ وہ آج تک ایک منفرد مثال ہے۔ سندھ کی تاریخ و تہذیب اور زبان و ادب سے انہیں والہانہ لگاؤ اور دلچسپی تھی اور وہ ان موضوعات پر ایک قاموسی شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ ہمیشہ ان کا اوڑھنا بچھونا علم و ادب ہی رہا اپنی اوائل عمر ہی سے وہ علمی و ادبی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے تھے۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء کو لاڑکانہ کا ایک قصبہ بہمن میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق سندھ کے ایک برگزیدہ خاندان راشدیہ سے ہے۔ گھر کا ماحول علمی تھا جس سے انہیں اکتساب علم میں مدد ملی ابتدائے عمر ہی میں فارسی اور تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ پندرہ برس کی عمر میں لکھنے کی ابتدا کی۔ ۱۹۲۶ء میں شکارپور سے شائع ہونے والے جریدہ "جاگن" سے وابستہ ہوئے۔ یہاں ان کی صلاحیتوں کو جلا ملی۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں سکھر سے شائع ہونے والے جریدہ "المنار" کے مدیر بنائے گئے۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۴ء کے دوران ایوب کھوڑو مرحوم کے اخبار "سندھ زمیندار" کی ادارت بھی کی۔ لیکن پھر اپنے بھائی پیر علی محمد راشدی کے ساتھ مل کر سکھر سے "صبح سندھ" جاری کیا۔ یہ ۱۹۳۵ء تک نکلتا رہا۔ اس کے بعد "ستارہ سندھ" نکالا جو ۱۹۳۹ء تک جاری رہا۔

بنیادی طور پر پیر صاحب ایک محقق اور مورخ تھے۔ خود صاحب علم اور اہل علم کے بڑے قدر داں تھے۔ علم رجال اور انساب پر بھی بڑی گہری نظر تھی۔ اردو زبان و ادب کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق سے ان کے تعلقات نہایت عقیدت مندانہ اور مخلصانہ تھے۔ وہ انجمن ترقی اُردو پاکستان اور اُردو کالج کراچی کے بانیوں میں تھے اور تا دم حیات انجمن کی مجلس عاملہ اور اس کے مجلہ سہ ماہی "اردو" کی مجلس ادارت کے رکن رہے۔ اس طرح وہ ترقی اُردو بورڈ کراچی اور مرکزی اُردو بورڈ لاہور کے بھی اساسی رکن تھے۔ اُردو میں "مولانا محب علی سندھی" "ہفت مقالہ" "دود چراغ محفل" اور "مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب" ان کی تصانیف ہیں۔

فارسی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ جدید فارسی سے خوب واقف تھے۔ اور روانی سے گفتگو کر لیتے تھے۔ فارسی زبان و ادب کی خدمات کے صلہ میں حکومت ایران نے انہیں "نشانِ سپاس" کا اعزاز عطا کیا تھا۔

سندھی زبان و ادب کے فروغ کے لیے جب ۱۹۵۰ء میں سندھی ادبی بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی تو پیر صاحب اس کے سب سے سرگرم اور مستعد کارکن کی حیثیت سے ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اس بورڈ نے عربی، فارسی اور سندھی کی نہایت وقیع اور اہم کتابیں سلیقہ کے ساتھ شائع کیں۔ پیر صاحب کو آثار قدیمہ سے بھی خاصہ لگاؤ تھا۔ سندھ کے تمام اہم آثار ان کے پیش نظر رہے۔ ان کی بازیافت اور تحقیقی جائزہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

اپنی زندگی انہوں نے جس قدر بھرپور علمی سرگرمیوں اور علم کی سرپرستی میں گزاری وہ ہمیشہ ان کی یاد دلاتی رہے گی۔

قلب

ڈاکٹر سید اسلم کی کتاب "قلب" پر مارچ کے شمارے میں تبصرہ شائع ہوا تھا۔ اس میں طابع کا مکمل پتہ شائع ہونے سے رہ گیا تھا۔ براہ کرم قارئین مکمل پتہ نوٹ فرمالیں۔

منشورات ابجد، ۴۰۸ ڈاکٹر پلازہ
پنوراما سینٹر۔ سمرسٹ اسٹریٹ کراچی

نفاذِ اردو

حکومت نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میٹرک تک ذریعۂ تعلیم اردو ہوگا

راجہ سکندر زمان

مشنری اداروں نے ذریعۂ تعلیم کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ بھوپالی

راجہ سکندر زماں نے تعلیمی پالیسی پر تقریر کرتے ہوئے ارکان شوریٰ کو ایک اجلاس کے دوران تحریک التوا پر گفتگو کرتے ہوئے یقین دلایا کہ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور اسکولوں میں قومی لباس سے متعلق پالیسی میں تبدیلی کرنے کا حکومت کا کوئی ارادہ نہیں۔ میٹرک تک امتحانات انگریزی میں نہیں ہوں گے اور انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے والے اسکول اپنی ذمہ داری پر کام کر رہے ہیں۔ ایسے اسکولوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے طلبار کو امتحانات کے لیے لندن بھیج دیں کیونکہ پاکستان میں تو تمام امتحانات قومی زبان میں ہی لیے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی یونیورسٹیوں اور بورڈ سے وابستہ کانونٹ اسکولوں نے اردو کو ذریعہ تعلیم بنا لیا ہے۔ اسی ضمن میں جناب ظہور الحسن بھوپالی نے اپنی تحریک التوا میں کہا کہ کراچی کا گرامر اسکول، سینٹ پیٹرک اسکول اور اس طرح کے دوسرے مشنری اسکولوں نے قومی زبان اور قومی لباس کے بارے میں قومی تعلیمی پالیسی کے تحت وفاقی حکومت کی ہدایت ماننے سے انکار کر دیا ہے جس پر صدر نشین نے کہا کہ پالیسی وفاقی حکومت وضع کرتی ہے اور اس پر عملدرآمد کی ذمہ داری صوبائی حکومتوں پر عائد ہوتی ہے اس لحاظ سے یہ صوبائی مسئلہ ہے

لیکن بھوپالی صاحب کا اصرار تھا یہ وفاقی مسئلہ ہے۔ جس پر صدر نشین نے وفاقی وزیر راجہ سکندر زماں سے اس معاملہ پر کچھ کہنے کے لیے کہا۔ راجہ صاحب نے بتایا کہ حکومت نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میٹرک تک ذریعہ تعلیم اردو ہوگا اور اس طرح حکومت نے اپنی جانب سے پوری پابندی عائد کر دی ہے کہ اگر کوئی پاکستانی اردو نہیں پڑھنا چاہتا۔ تو کیا اس کے لیے الگ قانون بنایا جائے جہاں تک لباس کا تعلق ہے جن اداروں کا ہمارے ساتھ الحاق ہے۔ ان پر ہمارا دست راست ہے۔ سرکاری اداروں میں قومی لباس کے بغیر کوئی نہیں آسکتا۔

ترقی اردو بورڈ کراچی کو اردو لغت بورڈ بنا دیا گیا

وفاقی حکومت نے ترقی اردو بورڈ کا نام بدل کر اردو لغت بورڈ رکھ دیا ہے۔ ایک سرکاری اعلامیہ کے مطابق بورڈ کے قیام کا مقصد آکسفورڈ ڈکشنری کی طرز پر ایک اردو لغت تیار کرنا ہے اور اردو لغت کی تیاری تیاری کے لیے اب تک کیا جانے والا کام طے شدہ خطوط پر جاری رہے گا۔ بورڈ میں ایک صدر اور ایک مدیر ہوں گے، جن کا تقرر وزیر تعلیم کریں گے بورڈ کے دیگر معاملات ایک مجلس میں طے ہوں گے جس کی صدارت صدر نشین کی حیثیت سے وزیر تعلیم کریں گے اور نائب صدر نشین اردو لغت بورڈ کے صدر ہوں گے۔ بورڈ کے ارکان میں وزارت تعلیم، مقتدرہ قومی زبان ادارۂ ترقی سائنس اردو کے ناظم اور اردو لغت بورڈ کے مدیر ہوں گے۔ جبکہ اردو لغت بورڈ کے معتمد اس کے معتمد ہوں گے۔

اردو دنیا کی دوسری سب سے بڑی زبان ہے: ڈاکٹر نارنگ

بھارت میں اردو رسم الخط بدلنے کی تحریک مارکسی نظریات کے تحت ہے

برصغیر کے ممتاز ادیب اور نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کہا ہے کہ اردو رابطہ کی زبان کی حیثیت سے دنیا کی دوسری سب سے بڑی زبان ہے۔ کیونکہ برصغیر ہند و پاکستان اور دنیا کے دوسرے خطوں میں اسی کروڑ سے زیادہ افراد اسے رابطہ کی زبان کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ مقتدرہ قومی زبان کے صدر دفاتر میں مقتدرہ کے کارکنوں اور افسران سے خطاب کر رہے تھے۔ بھارت میں اردو کے مقام کے بارے میں انہوں نے کہا کہ تہذیبی طور پر اردو کو مسلمانوں سے وابستہ کر دیا ہے لیکن یہ پورے ہندوستان میں عوام کی زبان کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ شمالی ہندوستان کے بعد ہند کے دور دراز جنوبی اور مشرقی خطوں میں جہاں سرکاری

زبان ہندی رابطہ کے فرائض انجام دینے میں ناکام رہتی ہے وہاں اُردو ہی گفتگو کا واحد ذریعہ ہے۔ انہوں نے کہاکہ اُردو کے عوام کی زبان ہونے کے حق میں سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اب بھی ہند میں سب سے زیادہ فلمیں اُردو ہی میں بنائی جاتی ہیں۔ بھارت میں اُردو رسم الخط بدلنے کی تحریک کے ضمن میں انہوں نے بتایا کہ یہ تحریک خاص مارکسی نظریات کے تحت شروع کی گئی ہے۔ کیونکہ اُردو کو طبقۂ اشراف کی زبان تصور کیا جاتا ہے اور کیونکہ تمام مقامی زبانوں کا رسم الخط گورمکھی یا اس سے ملتا جلتا ہے اس لیے اُردو رسم الخط بھی بدلنے کی کوشش کی جا [illegible]

سمجھاکہ رسم الخط کا زبان سے وہی رشتہ ہوتا ہے جو جسم کا کھال سے۔ اس لیے اُردو رسم الخط عربی سے گورمکھی میں تبدیل کرنے کی کوششیں کسی بھی اعتبار سے مستحسن تصور نہیں کی جاسکتیں، اور میں ذاتی طور پر اردو کے لیے عربی رسم الخط کو مناسب تصور کرتا ہوں۔ انہوں نے پاکستان میں اُردو کی ترقی و ترویج اور اس سلسلے میں مقتدرہ قومی زبان کی کوششوں پر اطمینان کا اظہار کیا اور کہاکہ سرکاری سطح پر دونوں ملکوں کے مابین اُردو زبان کے ماہرین اور ادیبوں کے دوروں کا اہتمام ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ دونوں ملکوں کے درمیان اُردو کتابوں کی ترسیل اور آمد و رفت کو سہل کیا جانا چاہیئے۔

نیوکلیئر انسٹی ٹیوٹ آف ایگریکلچر اینڈ بیالوجی کی دس سالہ تقریبات کا افتتاح کرتے ہوئے کہاکہ قومیت اور پاکستانیت قوم میں بتدریج جڑ پکڑتی جارہی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ سائنسدانوں نے آج اپنی تقریریں قومی زبان میں کیں۔ ان کی تقاریر اس قدر ادبی اور ٹھیک ٹھاک تھیں کہ سائنسداں مقتدرہ قومی زبان کے افسر معلوم ہوتے تھے۔

مقتدرہ قومی زبان کے زیر اہتمام

مقتدرہ کے زیر اہتمام پشاور میں اصطلاحات انجینیری کی ذیلی مجلس قائم کر دی گئی

پشاور انجینیرنگ یونیورسٹی میں ایک ذیلی مجلس اصطلاحات انجینیری کا قیام عمل میں آیا ہے یہ ذیلی مجلس جو انجینیرنگ یونیورسٹی کے پروفیسروں اور اساتذہ پر مشتمل ہے علوم انجینیری کے مختلف شعبوں میں ضروری اصطلاحات قومی زبان میں وضع کرے گی جو مقتدرہ قومی زبان کے زیر اہتمام شائع کی جائیں گی انجینیرنگ کالج پشاور کے سابق پرنسپل پروفیسر عبداللہ درانی اس مجلس کے صدر اور انجینیرنگ یونیورسٹی پشاور کے رئیس کلیہ انجینیری جناب ڈاکٹر محمد عطاء اللہ اس مجلس کے معتمد ہیں۔

فراق گورکھپوری چاہتے تھے کہ اُردو کو بھارت میں قومی زبان کا درجہ دیا جائے

اسلام آباد میں پاکستان نیشنل سینٹر کے زیر اہتمام ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے کہاکہ بھارت میں اردو زبان کا مستقبل نہایت روشن ہے۔ وہاں کے نامور شاعر فراق گورکھپوری کی تو یہ تمنا تھی کہ اردو کو قومی زبان کا درجہ دیا جائے کیونکہ اس کا حسن اور دلکشی مسلمہ ہے اور اس زبان میں عربی اور فارسی دونوں کے حسین الفاظ نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا ہے۔

نستعلیق طرز تحریر میں اُردو کا ٹائپ رائٹر ایک سال میں تیار ہو جائے گا

اردو طرز تحریر نستعلیق میں اُردو کا ٹائپ رائٹر ایک سال کے اندر اندر تیار کرلیا جائے گا۔ جس سے بغیر پیوندکاری کے مکمل الفاظ میں نستعلیق طرز میں ٹائپ کیا جاسکے گا۔ اس بات کا اعلان گذشتہ دنوں لاہور میں مجلس فروغ نستعلیق کے داعی اعجاز احمد محمود نے ایک پریس کانفرنس میں کیا۔ انہوں نے اخبار نویسوں کو نستعلیق کتابت کے بورڈ کا وہ نمونہ بھی دکھایا جو انہوں نے ایک سال کی مسلسل تحقیق کے بعد تیار کیا ہے۔ اعجاز احمد محمود ٹائپ اور مختصر نویسی کے استاد ہیں اور ملک کے ایک بڑے اشاعتی ادارے میں ملازم ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ جو ٹائپ رائٹر تیار کر رہے ہیں۔ اس سے عربی رسم الخط کی بجائے مکمل الفاظ میں نستعلیق تحریر ٹائپ کی جاسکے گی۔ مجلس کے داعی نے بتایا کہ سابق صدر ایوب خان مرحوم ایسا ٹائپ رائٹر تیار کرنے کے بہت خواہش مند تھے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے لسانیات کی بین الاقوامی مجلس سے بھی رابطہ قائم کیا تھا جس نے کافی تحقیق اور مطالعے کے بعد ایسے ٹائپ رائٹر کی تیاری کو ناممکن قرار دیا تھا اور سفارش کی تھی کہ اُردو

سائنس دان مقتدرہ کے افسر معلوم ہوتے ہیں

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے گزشتہ دنوں

ٹائپ رائٹر کی تیاری کے لیے عربی رسم الخط کا سہارا لیا جائے۔ جناب اعجاز احمد نے بتایا کہ اس سے قبل نظام حیدر آباد دکن کی دلچسپی سے اُردو کا ایک ٹائپ رائٹر ایجاد ہو چکا ہے لیکن یہ اس لیے استعمال نہیں ہو سکا تھا کہ اس سے نکلے ہوئے الفاظ مکمل شکل میں ٹائپ نہیں ہوتے تھے اور اس میں ایک ایک لفظ پیچیدہ کارِ سے مکمل ہوتا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اس بڑی خامی کو دور کرنے کے علاوہ مجوزہ ٹائپ رائٹر کی تیاری میں ٹائپ کے جدید اصولوں کے مطابق تمام فنی پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھا جا رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس ٹائپ رائٹر کو فنی اعتبار سے اس قابل بنایا جا سکے گا کہ اس سے ٹائپ ہوئی تحریر کو چھاپا جا سکے۔ اس طرح اُردو چھپائی کے لیے کتابت کے طریقہ کار کی ضرورت نہیں رہے گی۔

مرکزی اُردو بورڈ لاہور کا دائرہ کار تبدیل کر دیا گیا

وفاقی حکومت نے مرکزی اردو بورڈ لاہور کے دائرہ کار میں تبدیلی کر کے اسے "ادارہ فروغ سائنس بزبان اردو" کا نام دے دیا ہے ایک حالیہ فیصلہ کے مطابق اس ادارہ کا کام اب اردو میں سائنس کی ترقی کے لیے مشکلات اور موانع کو دور کرنا اور اسے اعلیٰ سطحی تعلیم میں ذریعہ کی حیثیت دینے کے لیے مناسب ذرائع اختیار کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے ضروری لغات اور اصطلاحات کی تیاری اور مناسب کتابوں کی تیاری اور طباعت بھی اس کے دائرہ کار میں شامل کی گئی ہیں۔

قارئین کی رائے

نراجیت نہیں نِراج

تازہ اخبار اردو، مع اپنی تمام تابانیوں کے ملا۔ دو خوفناک غلطیوں کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ایک نراجیت کے لفظ کے بارے میں جو ثاقب رزمی صاحب کے بعد ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب نے برتا ہے۔ یاد رہے کہ ANARCHY کا یہ ترجمہ ۱۹۵۱ء میں کیفی دہلوی نے کیفیہ میں کیا تھا اور اس سے بہتر ترجمہ ممکن بھی نہیں۔ عربی کا لاحقہ "یت" لانے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ پھر ہندی لفظ کے بعد!

دوسرے یہ جو ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے اصحاب کہف کو یونانی بتایا ہے جو غلط ہے وہ رومی موحدین تھے۔ ترجمان القرآن از ابوالکلام آزاد یا CATACOMBS OF ROME دیکھ لینا کافی ہوگا۔

جابر علی سید
گورنمنٹ کالج سول لائنز، ملتان

آپ کے رسالہ اخبار اردو کا مطالعہ نہایت پابندی سے کر رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے۔ یہ رسالہ اب دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہے۔ آج کل اُردو کے نفاذ کے سلسلے میں اکثر اصحاب کتب کی کمیابی کا ذکر کرتے ہیں۔ میری رائے میں اگر اخبار کے ہر شمارے میں ایک دو صفحات اُردو میں مختلف علوم و فنون پر کالج اور یونیورسٹیوں کے لیے تدریس کتب یا تحقیقاتی مقالات کی نشاندہی کی جائے تو اس سے ایک عام قاری کی معلومات میں اضافہ ہوگا★ اس لیے کہ اس ضمن میں اوّل تو اشاعت کتابی شکل میں کمیاب ہیں اور جو شائع بھی ہوئے ہیں وہ مختلف اصناف کی کتب و مطبوعات پر احاطہ کئے ہونے کے باعث کالج اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلبار کے لیے زیادہ فائدہ مند نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں اس قسم کی کتب تک ہر شخص کی رسائی بھی مشکل ہے۔ تبصرہ کے ضمن میں میری ناچیز رائے ہے کہ آپ کے اخبار میں صرف ان اُردو زبان کی مطبوعات پر تبصرہ کیا جائے جن کا راست تعلق علوم و فنون کی تدریسی کتب یا تحقیقاتی مقالہ جات یا رسالہ جات سے ہو۔ دیگر قبیل کی مطبوعات پر تبصرہ کے لیے بہت سے رسائل و جرائد اور روزنامے کافی ہیں

پروفیسر حامد محمود
جامعہ کراچی

★ یہ تجویز ہمارے پیشِ نظر ہے۔ لیکن اس ضمن میں ہم متعلقہ قارئین سے بھی تعاون کے طلب گار ہیں۔ — مدیر

ماہنامہ اخبار اردو۔ باقاعدگی سے نظر نواز ہو رہا ہے۔ میں زندگی کے عام معمولات سے دامن کش ہو کر گوشۂ مطالعہ میں بیٹھتا ہوں تو میرے ارد گرد سینکڑوں کتابیں اور درجنوں رسالے دعوتِ مطالعہ دیتے رہتے ہیں۔ مگر اخبار اردو کا مطالعہ حاصل مطالعہ ہوتا ہے۔ آپ جس انداز سے اُردو کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ قابلِ ستائش ہے۔ صفحہ

سے اُردو کی فوقیت مترشح ہوتی ہے اور اُردو کے اساتذہ کے خیالات سے حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ مگر ایک گزارش جسے پیش کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ وہ خطی انداز ہے۔ نستعلیق کا ایک اپنا مقام ہے۔ اور اس اندازِ کتابت نے اُردو کی ترقی اور حسن و جمال میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ شبلی کا دور۔ ابوالکلام کے مضامین، اور ندوہ و دارالمصنفین کے شہ پارے اگر اُردو کی تاریخ کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔ تو اس وقت کی خطاطی اور خصوصیت سے نستعلیق طرزِ نگارش نے ایک درخشاں باب کا اضافہ کیا ہے۔ آپ کا مجلہ اس حسین تحریر سے تاہنوز محروم ہے۔ خوشنویسوں کا مسئلہ اس دور کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ تاہم اس واحد اور مقتدرہ جریدہ کے لیے قلم کی رعنائی کا اہتمام نہ ہونا بڑی محرومی ہے۔ ذرا نگاہِ التفات کی ضرورت ہے۔ اخبارِ اردو اپنے مثبت اثرات مرتب کیے بغیر نہیں رہا۔

اقبال احمد فاروقی

اسسٹنٹ ڈائریکٹر لیبر حکومت پنجاب، لاہور

❋

اخبارِ اردو ہر ماہ باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ شکریہ۔ قومی زبان کے فروغ کے لیے اخبارِ اردو کا اجرا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اردو زبان کی ترقی کے لیے اس کے مضامین انتہائی معلوماتی ہوتے ہیں۔ قومی مسئلہ صحت کو حل کرنے کے لیے طب کی جدید اور قدیم کتب بھی اردو میں ترجمہ کرانے کا بھی انتظام ہونا چاہیے تاکہ طب کے طالب علم بہتر طور پر علم طب حاصل کر سکیں۔ روزنامہ جنگ کا اردو کمپیوٹر اور اردو ٹائپ رائٹر کا اجرا یہ سب مقتدرہ کے عملی اقدامات سے ہوا ہے اس سلسلے میں تمام ارکان کو دلی مبارکباد

پیش کرتا ہوں۔

حکیم عبدالباسط

طبیہ کالج۔ لاہور

❋

"۔۔۔۔ ماہنامہ اخبارِ اردو کے شمارے مسلسل مل رہے ہیں جن کو دیکھ کر بے حد خوشی حاصل ہوتی ہے مختصر سا پرچہ اُردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی سے متعلق مفید ترین معلومات فراہم کر رہا ہے۔۔۔۔"

ڈاکٹر احمد حسین قریشی

گجرات

❋

"۔۔۔۔ میں انتہائی شکرگزار ہوں کہ آپ کی زیرِ نگرانی شائع ہونے والا ماہنامہ اخبارِ اردو بہت باقاعدگی کے ساتھ مل رہا ہے یہ ماہنامہ اپنی خاص اہمیت رکھتا ہے ایسے اردو کو باقاعدہ سرکاری طور پر نافذ کرنے کے سلسلے میں جو کاوشیں کر رہا ہے وہ نہایت ہی ستائش کا باعث ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ماہنامہ اخبارِ اردو مقتدرہ قومی زبان کا ایک نمائندہ ماہنامہ جریدہ ہے۔ مزید یہ کہ جس خوبصورت انداز میں آپ یہ ماہنامہ شائع کر رہے ہیں۔ وہ ایک قابلِ فخر کوشش ہے۔۔۔۔"

پروفیسر ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی

بقیہ: "اُردو زبان میں نراجیت"

صفحہ ۱۲ سے آگے

اور تجارتی و صنعتی ادارے اسی وقت اس طرف توجہ منعطف کریں گے جب اُردو زبان اپنے ملک میں صحیح طور پر قومی زبان کا درجہ حاصل کرے گی۔ اُردو ذریعہ تعلیم ہوگی، اُردو کو اعلیٰ سرکاری اداروں میں دفتری زبان قرار دے دیا جائیگا اور جو لوگ اعلیٰ تعلیم کو حصولِ روزگار کا ذریعہ سمجھتے ہیں انھیں اس کا یقین ہو جائے گا وہ اُردو زبان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ہی مدارجِ عالیہ پر فائز ہو سکتے ہیں۔

TRANSPORTATION	حمل و نقل
TYPIST	ٹائپ کار
UNIFORM	یکساں
UNIVERSITY	جامعہ
VEHICLE TAX	محصول گاڑی
VOLUME	جلد۔ ضخامت۔ حجم
VOUCHER	سند خرچ۔ واوچر خرچ
WELDING	ٹانکا جڑائی۔ ٹانکا جوڑنا (فعل)، ویلڈنگ (اسم)
WATER PROOFING	آب رو سازی۔ آب رو بنانا
WATER SUPPLY	آب رسانی

AKHBAR-E-URDU
"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"
34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK—7 KARACHI-47.
Registration No. S. 3195 — Vol : 2 —NO: 5 — May 198

اخبارِ اردو

کراچی

جون ۱۹۸۲ء

قائدِ اعظم کا فرمان

"اردو ہماری قومی زبان ہے۔ ہمیں اس کو ہر قسم کے نقصان سے محفوظ، آلودگیوں سے پاک اور مخالفین کے جارحانہ اور معاندانہ عزائم سے بچائے رکھنے کے لیے اپنی پوری توانائی اور زور لگا دینا چاہیے"

دوسری کل پنجاب اردو کانفرنس کے نام
قائدِ اعظم کا پیغام مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۴۱ء

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مُقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل و نفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ـــــ قوم کے حسّاس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ـــــ

اخبارِ اردو
کراچی

فہرست

شعبان ۱۴۰۲ھ جون ۱۹۸۲ء
جلد ۲ شمارہ ۶
مقتدرہ قومی زبان
۳۴-ڈی، بلاک ۷، گلشن اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون : ۲۳ - ۴۶۳۱۲۱
قیمت : ایک روپیہ، سالانہ چندہ دس روپے
طابع : المعزز پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معروضات

ذرائع ابلاغ کا منفی کردار

موجودہ حکومت نے قومی تشخص کے فروغ کے لیے بعض ایسے اہم اور دُور رس اقدام کیے ہیں ـــــ جن کی اہمیت کو تسلیم تو سب ہی کرتے آئے ہیں لیکن ان پر عمل کسی نے نہیں کیا۔ یہ اقدام خلوصِ نیت پر مبنی ہیں اور ان سے قومی یکجہتی اور تعمیر و ترقی کی راہ میں مفید نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان سے اب تک وہ نتائج حاصل نہیں ہو سکے ـــــ جو متوقع تھے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہ اقدام ابھی تحریک اور تکمیل کے مرحلہ تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ملک کا باشعور اور دیدہ ور طبقہ سمجھتا ہے کہ غلامانہ ذہنیت کا قلع قمع کیے بغیر قومی تشخص کے فروغ کی کوششیں بارآور ثابت نہیں ہو سکتیں۔ احساس کمتری ہماری قوم میں ہر سطح پر نظر آتا ہے۔ مملکت کی ترقی و استحکام اور قومی و ملی اہمیت کے اداروں میں بھی اسے ہمیشہ عروج اور اثر و نفوذ حاصل رہا ہے قومی تشخص کے فروغ کی راہ میں جو دیواریں نظر آتی ہیں ـــــ وہ اسی ذہنیت کی کھڑی کی ہوئی ہیں۔

یہی صورت ذرائع ابلاغ میں بھی نظر آتی ہے ـــــ جو قومی تشخص اور ترقی و اصلاح کے کام میں بہت موثر تعمیری کردار ادا کر سکتے ہیں۔ آج کی دنیا میں انھیں اس حد تک موثر قوت حاصل ہے کہ یہ اگر چاہیں تو قوم کی تعمیر بھی کر سکتے ہیں اور تخریب بھی۔ اس اہمیت اور قوت کے پیش نظر اگر یہ راہ راست پر ہوں تو قومی تعمیر میں ایک اہم عامل ثابت ہو سکتے ہیں۔ قومی تشخص کے فروغ اور قومی زبان کے نفاذ میں بھی ان سے نہایت مفید کام لیے جا سکتے ہیں۔ لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ قومی ذرائع ابلاغ مملکت کے نظریہ اور اس کے مفاد کے خلاف بھی روش اختیار کر لیتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھیں اپنی من مانی کرنے کی آزادی حاصل رہتی ہے۔ کبھی کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ قومی مفاد کے کام یہ اس لیے نہیں کرتے کہ ان کے بقول انھیں حکومت کی طرف سے بروقت اجازت حاصل نہیں ہوتی، لیکن منفی کام یہ بالعموم حکومت کی رضامندی کے بغیر ہی کرنا شروع کر دیتے ہیں ـــــ اور انھیں کسی کا نہ خوف ہوتا ہے اور نہ ان سے کوئی باز پرس ہی کرتا ہے۔

یہ صورتِ حال قومی نشریاتی اداروں میں عموماً نظر آتی ہے۔ عام طور پر ملک دانش ور یہ شکایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ دُور نمائی (ٹیلیویژن) کے مختلف پروگراموں میں پاکستانی ثقافت اور اسلامی تہذیب کو نہ صرف نظر انداز کیا جاتا ہے بلکہ ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے ـــــ اور انگریزی

ذریعۂ تعلیم اور انگریزی ہندسوں کی برتری کو ثابت کرنے کی نامعقول کوششیں کی جاتی ہیں۔ قومی تشخص کا احساس دلانے کے لیے جو صورتیں اختیار کی جاتی ہیں وہ اس حد تک نامناسب ہوتی ہیں کہ ان کا اثر مثبت کے بجائے منفی محسوس ہوتا ہے۔ قومی زبان کے رواج کے لیے چند سطری اعلان کر کے یہ ادارے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فرض ادا ہوگیا۔ حالانکہ ان کی ذمہ داری کہیں زیادہ ہے آج کل سرکاری اور قومی سطح پر اردو زبان کے رواج کی صورتِ حال عام ہوتی جارہی ہے لیکن یہ ادارے اپنی سابقہ روش ہی پر نہ صرف قائم ہیں بلکہ اب تو بعض ناروا پہلو بھی سامنے آرہے ہیں۔ مثلاً انگریزی زبان کے غیر ضروری الفاظ کا استعمال اب بھی نہ صرف جاری ہے بلکہ اس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ جو اعلانات ریڈیو اور دورنمائی پر سننے اور دیکھنے میں آتے ہیں ان میں انگریزی زبان کے خاصے غیر ضروری الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ وہ زبان بھی جو تقاریر، گفتگو اور مکالموں میں استعمال ہوتی ہے، انگریزی الفاظ کے بے جا استعمال سے بوجھل ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں اظہارِ مدعا کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ احساسِ کمتری کا ایسا شدید غلبہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ جو کچھ کہا جاتا ہے —— اس کا تو لحاظ رکھا جاتا ہے اور اس پر قدغن لگائی جاتی ہے لیکن جس طرح کہا جاتا ہے اس کا خیال مطلق نہیں کیا جاتا! جن اداروں کو محافظِ زبان ہونا چاہیے تھا —— انھوں نے اپنے اس فریضہ کا بالکل اہتمام نہیں کیا ہے۔

جس طرح موضوع اور متن کا احتساب کیا جا سکتا ہے اسی طرح زبان کی عدمِ صحت، انگریزی الفاظ کی بھرمار اور اپنے ہندسوں سے گریز کا سدِباب بھی کیا جا سکتا ہے۔ مقررین اور مصنفین کو بھی پابند کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی زبان کو انگریزی الفاظ سے پاک رکھیں۔ یہی صورت اشتہارات کے لیے بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔ بعض اوقات تجارتی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر جب انھیں اخلاقیات کا پابند رکھا جا سکتا ہے تو اُن پر انگریزی سے پاک زبان کی پابندی بھی عائد کی جا سکتی ہے۔

انگریزی ہندسوں کے استعمال کا بھی کوئی قانونی اور منطقی جواز نہیں۔ دورنمائی پر صرف انگریزی ہندسے اس اہتمام کے ساتھ دکھائے جاتے ہیں کہ جیسے کسی نے ان کے استعمال پر پابند کر رکھا ہے، حالانکہ ہماری اطلاع کے مطابق حکومت کا کوئی ایسا حکم موجود نہیں جس میں اردو ہندسوں کو اردو زبان سے نکال دینے کا فیصلہ ہوا ہو اور انگریزی ہندسوں کا استعمال لازمی قرار دیا گیا ہو۔ کس قدر نادانی بلکہ افسوس کی بات ہے کہ اردو ہندسوں کے بجائے ایک غیر زبان کے ہندسے ہماری ثقافت کا جزو اور ہمارے رسم الخط کا حصہ ہیں۔ رسم الخط زبان کا لباس ہے۔ اس پر کوئی پیوند لگتا ہے تو ہر حال میں بدنما ہی نظر آتا ہے۔

یہی صورتِ حال کسی قدر کمی بیشی کے ساتھ آج کل صحافت میں بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ متعدد اخبارات اور صحافی اپنی تحریروں میں انگریزی کے غیر ضروری الفاظ بکثرت استعمال کرنے کی روش عام کر رہے ہیں۔ عام کرنا ان معنوں میں کہ اخبارات ابلاغِ عامہ کا ایک نہایت اہم ذریعہ ہیں۔ وہ اپنی صوری اور معنوی حیثیت میں اپنے قارئین پر بڑی حد تک اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اگر وہ صحیح نہج پر ہوں تو قوم کی تعمیر اور فلاح کا ایک مؤثر وسیلہ ہوتے ہیں۔ اگر زبان کے معاملہ میں وہ محتاط رویہ اختیار کریں تو زبان کی وسعت اور اس کے مناسب استعمال کو بہت زیادہ فروغ دے سکتے ہیں۔ انگریزی الفاظ کا استعمال فقط تن آسانی کا مظہر ہے —— خلوص اور جانفشانی کا نہیں۔

پروفیسر جابر علی سیّد

تحقیق لفظی

اس مقالے میں مندرجہ ذیل الفاظ کی تحقیق مقصود ہے۔ یہ الفاظ سب کے سب اب تک اشتقاقی لحاظ سے متنازعہ فیہ ہیں۔ قیاسی اشتقاق غلط یا صحیح سمت میں ہو سکتا ہے لیکن اس کی صحت کا دارومدار تاریخ اور صوتی تغیرات کا قرینِ قیاس ہونا ہے۔ صوتیاتی گرامر میں اہم حصہ قلب، اختصار، ترخیم، تفرس اور تعریب کے اصولوں کا ہے۔ ان سے الفاظ کا ایک زبان سے دوسری زبان میں دخیل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نیز کسی زبان میں ان کی بدولت تغیرات پیدا ہو کر الفاظ کو اس کی اصل سے دور یا دُور تر لے جاتے ہیں لیکن صحتِ قیاس صحیح فیصلہ کرنے میں ہماری معاون ہوتی ہے۔ روایت اور تداول، اس طرح اضافی امور ہیں اور کسی بھی لفظ کی اصل دریافت کرنے میں عقلیت کے جملہ اصول ہی ہمارے رہبر ہو سکتے ہیں نہ کہ گزشتہ ازمنہ میں کیے گئے فیصلے۔ آج جن الفاظ کی تحقیق پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ اباسین

۲۔ انجیل

۳۔ جبی

۴۔ امیر البحر

۵۔ خشتین

۶۔ امالہ

۷۔ تصعید

ان الفاظ کا باری باری جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ اباسین: ہمارے صوبۂ سرحد میں اباسین کے نام سے کئی قسم کی کونسلیں یا ادارے موجود ہیں۔ اور پشتو زبان کے اساتذہ اور ادباء بلا استثناء اس کی اصل ابا سندھ قرار دیتے ہیں۔ دریاؤں کو باپ کے روپ میں دیکھنا ہمارے یہاں کبھی متصور نہیں رہا اس لیے اس اصل کے خلاف اولیں دلیل یہی ہے۔ اباسین کی اصل آبِ سند (ھ) ہے بمعنی دریائے سند(ھ)۔ غور کریں تو یہ لفظ مندرجہ ذیل مراحل سے گزر کر موجودہ حالت تک پہنچا ہے۔

۱۔ آبِ سندھ

۲۔ ترخیم کے عمل سے آبِ سند (اس میں دھ کا فارسی دسے بدلنا بھی ہے)

۳۔ دوسری ترخیم سے آبِ سن

۴۔ اشباعِ کسرۂ 'س' سے آبِ سین

۵۔ آب کے عِلّتی قلب سے اباسین

آبِ سند فارسی شکل ہے دریائے سندھ کی۔ شروع ۱۳ویں صدی میں منگول دربار کے مورخین نے تواریخِ منگول میں آبِ سند ہی لکھا ہے۔ ان میں عطا ملک جوینی مورخ دربارِ مغل نے بھی گرانمایہ تاریخ تاریخِ جہاں کشا (چنگیز خاں) میں آبِ سند کا ذکر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے تذکرے میں کیا ہے۔ (تاریخِ جہاں کشا از عطا ملک جوینی طبع اوقاف گیب لندن مرتبہ حواشی از علامہ محمد قزوینی) جوینی نے سلطان مذکور کی گزرگاہوں میں اکثر یعنی سکھر اور بھکر کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور قرائن و بیانات سے مترشح ہوتا ہے کہ سلطان موصوف نے جس مقام پر گھوڑا سندھ میں ڈالا وہ غالباً اٹک کے آس پاس ہوگا۔ اساتذۂ پشتو کو اس تحقیق پر توجہ کرنی چاہیے اور متداول توضیح ترک کر دینی چاہیے۔

۲۔ انجیل: صاحب نور اللغات نے اس کی اصل فارسی انگلیون بتائی ہے۔ گویا انگلیون ایک مخصوص الہامی صحیفہ کا نام ہے جبکہ مرزا حبیب قاآنی شیرازی انگلیون ایک ایرانی مصور کا نام بتاتا ہے۔

...... از دستِ انگلیون رقم قصیدہ بر مطلع دوشینہ
کاین نیلی صدف گشت از کواکب پر دُرر۔

میری نظر میں اس کی اصل یونانی EVANGELAC یا EVANGELICAL بمعنی عیسوی یا مسیحی ہے۔ اس لفظ میں فرشتہ کنگر و لفظ کے طور پر واقع ہے اور EV یونانی سابقہ بمعنی متعلق ہے۔ اس طرح اصل لفظ بمعنی آوردۂ فرشتہ یا الہامی کتاب ہونا چاہیے۔ عیسوی مذہب اول اول یہود نے اور پھر اہلِ یونان نے اختیار کیا اس لیے لامحالہ یونانی عیسویت سے درآمدہ الفاظ میں انجیل کا صورت پذیر ہونا فطری امر ہے۔ اس کے مقابلے میں ایران کی زبانوں سے لفظ انجیل کا متشکل ہونا محالات سے ہے اور معرّب ہونا قرینِ قیاس ہے۔

۳۔ بمبئی: اصلاً مراٹھی (مرہٹی) زبان کا لفظ ہے۔ اس کے آخر میں لاحقہ ئی بمعنی ستان ہے جیسے سلہئی کے آخر میں ہے۔ صحیح مراٹھی لفظ بمبئی نہیں بلکہ مُ۔م۔ب۔ا۔ی یا م۔و۔م۔ب۔ا۔ی ہے۔ چونکہ م اور ب تبادلہ پذیر اصوات ہیں اور عالمگیر حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لیے اولاً انگریزوں نے اس کی مقلوب شکل ب۔و۔م۔ب۔ا۔ی اور اسے بدل کر BOMBAY بنالیا۔ پھر مقامیوں نے اسے بدل کر موجودہ شکل یعنی بمبئی میں بدل لیا۔ بمبئی کا علاقہ چارلس اول کی ملکہ کے جہیز میں آیا تھا اور غالباً اسی زمانہ یعنی سترھویں صدی ہی سے اس کی انگریزی شکل BOMBAY بن گئی ہوگی۔ علامہ شبلی نعمانی نے ایک فارسی شعر میں اسے فاعلن کے وزن پر باندھا ہے۔ ع

نثارِ بمبئی کن ہر متاعِ کہنہ و نو را

اصل مراٹھے (مرہٹے غلط العام فصیح ہو گیا ہے) کبھی بمبئی نہیں بولتے بلکہ صحیح طریق پر مومبئی بولتے ہیں یا ممبئی۔

۴۔ ADMIRAL مولانا حالی مقدمۂ شعر و شاعری میں اسے عربی کے امیر البحر کی انگریزی شکل بتاتے ہیں لیکن یہ نیم صداقت ہے۔ اصل میں انگریزی لفظ ADMIRAL امیر البحر کے مخفف امیرل یا امیرل سے ماخوذ ہے۔ عرب جہازراں اور افواج پورا لفظ نہیں بولتے تھے بلکہ مخفف صورت استعمال کرتے تھے۔ انگریزی لفظ میں D کا حرف خاموش ہونا چاہیے پھر دیکھیے تو امیرل ہی دونوں زبانوں کا لفظ ہو گیا۔ حالی کے مُربی کرنل ہالرائیڈ ماہرِ لسانیات و صوتیات نہ تھے۔ حالی نے ان کی بات بغیر تحقیق و تفحص قبول کر لی۔

۵۔ حشیشیین: حالی نے یہاں بھی ہالرائیڈ کی بتائی ہوئی بات قبول کر لی۔ کچھ عرصے تک اسے ASSASSIN کا اصل بتایا گیا اور یہ صورت مقبول ہو گئی لیکن ASSASSIN کی اصل حشاشین ہے۔ حشّاش بروزن فعّال بہت بھنگ پینے والا کے معنی میں ہے۔ اشارہ اسماعیلی فرقہ کے کارکن بھنگ نوش کے گروہ کی طرف ہے جو سیاسی قاتل تھے۔ آج یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے اور اس سے مختلف مشتقات وضع کر لیے گئے ہیں۔ ASSASSINATE وغیرہ۔ یہ لفظ صلیبی جنگوں کے زمانے میں یورپی زبانوں میں داخل ہوا۔ غالباً سب سے پہلے فرانس میں اور پھر اطالیہ اور جرمن و انگلستان میں۔

۶۔ امالہ: لغوی معنی جھکانا یا مائل کرنا ہیں۔ راقم اسے صرف علم الصرف اور شاعری کی اصطلاح جانتا تھا مگر معلوم ہوا کہ کیمسٹری اور طبیعات کے علاوہ اس کو نفسیات کی اصطلاح SUBLIMATION کا اردو بدل بھی تجویز کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ اس کی بجائے ترفع کی اصطلاح پروفیسر نعیم الرحمٰن کی وضع کردہ ہی درست ہے۔

تصعید، بمعنی بلند ہونا زبیری صاحب کی نظر میں کیمسٹری اور مقناطیسیات و برقیات کے لیے تصعید صحیح ہے لیکن ایک تو یہ کہ علم طبقات الارض میں بھی تصعید کا عمل ہوتا ہے۔ دوسرے تصعید کی اصطلاح اشیاء مادی کی بلند پروازی کے لیے موزوں ہے۔ تیسرے یہ کہ نفسیات میں جنسی جذبے کی ارفع صورت فنونِ لطیفہ، سماجی کام وغیرہ کے لیے تصعید کی بجائے ترفع میں جمالیاتی اور عمرانی مفہوم ہے۔ امالہ گرامر میں [illegible]

فروغِ اردو کے ادارے

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور

کی پچیس سالہ رودادِ کارکردگی

ڈاکٹر سید عبداللہ

ڈاکٹر سید عبداللہ، معتمد عمومی مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، نے اکیڈمی کی پچیس سالہ تقریب کے موقع پر ۲۵، ۲۶ دسمبر ۱۹۸۰ء کو مجلسِ عامہ و اعلیٰ، نیز رفقاء کی خدمت میں اکیڈمی کی ۱۹۵۵ء تا ۱۹۸۰ء کی سرگرمیوں کی روداد پیش کی تھی۔ اس روداد کے ضروری حصے ہم ذیل میں قارئین کی معلومات کے لیے پیش کر رہے ہیں ــــ ادارہ

اردو اکیڈمی کا تخیل پہلی بار ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو پنجاب یونیورسٹی میں منعقد ہونے والی ایک اردو کانفرنس میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے ایک قرارداد کی صورت میں پیش کیا۔ یہ کانفرنس ڈاکٹر عمر حیات ملک (وائس چانسلر) کی ایما پر منعقد ہوئی تھی، افتتاح سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے کیا تھا۔ صدارت ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم نے کی اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے بطور معتمد کام کیا۔

اس اردو کانفرنس کی قرارداد کے مطابق ۱۹۵۰ء میں پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ نے ایک سب کمیٹی نامزد کی، تاکہ اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کا تعین کر کے، اس کے لیے دستور العمل بنایا جائے۔ اس کمیٹی کے چیئرمین ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین مرحوم مقرر کیے گئے، اور ڈاکٹر سید عبداللہ کو کنوینر بنایا گیا۔ ارکان میں ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، پروفیسر تاج محمد خیال، پروفیسر ایس۔ اے ہاشمی، آغا بیدار بخت خاں اور علامہ علاء الدین صدیقی شامل تھے۔ اس کمیٹی نے اردو میں علمی اور فنی کتابوں کی تالیف و تراجم کے علاوہ ایک جامع اردو لغات اور اردو گرامر مرتب کرنے کا ہمہ گیر منصوبہ بھی بنایا، جسے یونیورسٹی سنڈیکیٹ نے منظور کر لیا۔ اکیڈمی کے لیے جزوی طور پر عملے کا انتخاب بھی کر لیا گیا، لیکن بعض موانع کے باعث، جن میں مالیات کا پہلو بھی شامل تھا، یہ منصوبہ تشنۂ عمل ہی رہا۔ سنڈیکیٹ کے فیصلے الماری میں بند کر دیے گئے اور اس طرح تقریباً ایک سال کی تگ و دو کے باوجود اردو اکیڈمی کا یہ

ابتدائی تصور فضا میں تحلیل ہو کر رہ گیا۔

۱۹۵۵ء میں ڈاکٹر بشیر احمد سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کے ایما پر یہ تصور از سرِ نو زندہ کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب جب ایک سائنس کانفرنس میں شرکت کے لیے چین گئے تو وہاں پہنچ کر انھیں اس امر کا احساس بڑی شدت کے ساتھ ہوا کہ سائنسی علوم کی ترویج و تدریس اپنی زبان میں انتہائی ضروری ہے۔ واپسی پر انھوں نے عملی طور پر یونیورسٹی کے دائرۂ اختیار سے باہر اردو اکیڈمی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

افتتاح

۲۹ دسمبر ۱۹۵۵ء کو اس وقت کے صوبائی وزیرِ تعلیم سردار عبدالحمید دستی نے اردو اکیڈمی کا رسمی افتتاح کیا۔ اس تقریب میں ڈاکٹر بشیر احمد صاحب نے اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کی جو وضاحت کی، وہ یہ ہے؛

۱۔ اردو میں اعلیٰ درجے کی سائنسی کتابوں کی تصنیف و تالیف۔

۲۔ عوام تک سائنس کو پہنچانا اور انھیں ذہنی طور پر سائنس سے وابستہ کرنا۔

۳۔ اردو ادب کے سرمائے میں اضافہ کرنا اور اسے زندگی کے تمام شعبوں میں ذریعۂ اظہار بنانا خصوصاً تعلیم، تجارت اور انتظامی امور کے شعبوں میں۔

اردو اکیڈمی کے قیام کا اخبارات نے خیر مقدم کیا اور اسے ایک اہم واقعہ قرار دیتے ہوئے اس کی تائید میں اداریے لکھے۔

اکیڈمی نے جو علمی منصوبے بنائے تھے، ان کی تکمیل کے لیے کثیر مقدار میں سرمائے کی ضرورت تھی۔ اکیڈمی کے پہلے خزانہ دار مولانا عبدالمجید سالک نے ابتدائی کام چلانے کے لیے جناب نصیر اے شیخ صاحب سے پانچ ہزار روپے کا عطیہ وصول کیا۔

دسمبر ۱۹۵۷ء میں کل پاکستان سائنس کانفرنس پشاور کے موقعہ پر ڈاکٹر بشیر احمد داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اکیڈمی کے لیے یہ ایک حادثۂ جانکاہ تھا، ابھی اس کے خاکے میں کوئی رنگ بھرنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی کہ اس سانحہ نے سارے پروگرام درہم برہم کر دیا۔ یہ اب محض امانت تھی جو اردو اکیڈمی کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر سید عبداللہ کے سپرد کر دی گئی۔

ڈاکٹر بشیر احمد کے بعد مشہور سائنس دان ڈاکٹر رضی الدین صدیقی اردو اکیڈمی کے ڈائریکٹر بنے۔ کاغذی کارروائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ تا آنکہ ۱۹۶۰ء میں حکومت مغربی پاکستان نے اردو اکیڈمی کو ۲۵ ہزار روپے کی گرانٹ دینا شروع کی جو تین سال بعد (۶۳ء میں) اکیڈمی کے عظیم علمی منصوبوں کے پیشِ نظر دُگنی کر دی گئی لیکن اس میں سے ساڑھے بارہ ہزار روپے کی رقم اردو اکیڈمی بہاولپور کے لیے بھی مختص کر دی گئی۔ گویا عملاً اکیڈمی کی گرانٹ صرف ساڑھے سینتیس ہزار رہ گئی ـــ اور جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء کے موقعہ پر اس میں بھی پانچ فی صد کی مزید تخفیف ہو گئی۔

موجودہ مقاصد کی فہرست

حکومت کی طرف سے گرانٹ کے ملتے ہی اکیڈمی نے اپنے علمی منصوبوں پر عمل درآمد شروع کر دیا جو چند در چند مشکلات کے باوجود تا حال جاری ہے۔ مقاصد یہ ہیں؛

۱۔ اردو میں اعلیٰ درجے کی سائنسی کتابوں اور حوالے کی کتابوں کی تالیف و اشاعت۔

۲۔ سائنس کو جمہور تک پہنچانے کے لیے سائنس کی مقبولِ عام معلومات افزا کتابوں کی تالیف و اشاعت۔

۳۔ اردو ذریعۂ تدریس و امتحان کی مہم۔

۴۔ اردو دفتری زبان کی مہم۔

۵۔ اردو میں مختلف سائنسی موضوعات پر مضمون نویسی کا انعامی مقابلہ۔

۶۔ اردو میں سائنسی موضوعات پر ماڈل لیکچر۔

۷۔ اردو کالج۔

کارکردگی کی تفصیل

۱۹۶۰ء سے ۱۹۸۰ء کے آخر تک اردو اکیڈمی نے جو کام کیے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ مختلف سائنسی موضوعات پر اردو میں ماڈل لیکچر

اردو اکیڈمی نے ۱۹۶۱ء، ۶۲ء اور ۱۹۶۳ء میں مختلف سائنسی موضوعات پر اساتذہ و ماہرین سائنس سے اردو میں ماڈل لیکچر دلوائے، جن میں میڈیکل اور انجینئرنگ کے طلبہ کے علاوہ دیگر تکنیکی شعبوں کے اساتذہ اور طلبہ بھی کثیر تعداد میں شرکت کرتے رہے۔ ان لیکچروں نے اردو زبان کے مخالفین کے اس الزام کو غلط ثابت کر دیا کہ اردو میں سائنس کے دقیق علمی مسئلوں پر اظہارِ خیال نہیں کیا جا سکتا یا اردو میں سائنس کی تدریس نہیں ہو سکتی۔ یہ لیکچر بہت مفید اور دور رس نتائج کے حامل ثابت ہوئے۔ دوسری کل پاکستان اردو تدریس کانفرنس کراچی، منعقدہ ۱۸ جون تا ۲۱ جون ۱۹۶۴ء میں کانفرنس کے صدر جناب اختر حسین نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان لیکچروں کی اہمیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

"اردو اکیڈمی لاہور نے سائنسی مضامین پر نہ صرف اعلیٰ درجے کی کتابیں شائع کی ہیں بلکہ اردو میں سائنسی تدریس کے تجربے بڑے پیمانے پر کیے ہیں۔ اردو اکیڈمی نے اس سلسلے میں ملک کے نامور سائنس دانوں کے تعاون سے اردو میں تدریس کی ایسی نمائشیں منعقد کیں، جن سے صرف معترضین کے اعتراضات کی کھلی تردید ہوئی بلکہ دوسرے اداروں کے لیے قابلِ تقلید مثالیں بھی قائم ہوئیں۔"

لیکچروں کی فہرست

۱۔ ڈاکٹر عبدالبصیر پال، صدر شعبۂ طبیعیات پنجاب یونیورسٹی لاہور نے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر میاں افضل حسین کی صدارت میں ۲۸ جنوری ۱۹۶۱ء کو "آواز" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۲۔ پروفیسر حمید عسکری نے جناب سی۔ ایم صادق، ڈائریکٹر محکمہ تعلیم کی صدارت میں ۱۶ فروری ۱۹۶۱ء کو "ایٹمی توانائی" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۳۔ پروفیسر بی۔ سی بروکس یونیورسٹی کالج لندن نے پروفیسر حمید احمد خاں صاحب کی صدارت میں یکم اپریل ۱۹۶۱ء کو "زبان اور سائنس کی تعلیم" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۴۔ پروفیسر حمید عسکری نے پروفیسر حمید احمد خاں صاحب کی صدارت میں یکم اپریل ۱۹۶۱ء کو "سائنس کی تعلیم قومی زبان میں" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۵۔ میجر ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ کے واسطی، پروفیسر میڈیکل کالج لاہور نے پروفیسر تاج محمد خیال وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کی صدارت میں "خناق" کے موضوع پر ۲۸ اپریل ۱۹۶۱ء کو لیکچر دیا۔

۶۔ پروفیسر چوہدری عبدالقادر، شعبۂ فلسفہ، گورنمنٹ کالج لاہور نے ڈاکٹر جسٹس ایس۔ اے رحمٰن جج سپریم کورٹ آف پاکستان کی صدارت میں ۱۵ مئی ۱۹۶۱ء کو "منطقی اثباتیت" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۷۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی نے ۲۱ ستمبر ۱۹۶۱ء کو "اضافیت" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۸۔ ڈاکٹر رفیق احمد خاں صاحب نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو "پودوں کی بدنی فعلیات" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۹۔ ڈاکٹر ایم مقصود صاحب، نمائندہ پاکستان ایٹمی کمشن یونیسکو نے، نومبر ۱۹۶۱ء کو "ایٹمی توانائی" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۱۰۔ ڈاکٹر عبدالعزیز خاں، پروفیسر فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور نے ۳۱ جنوری ۱۹۶۲ء کو "اپنڈے سائنس" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۱۱۔ ڈاکٹر سلطان علی چوہدری، صدر شعبہ طبیعیات گورنمنٹ کالج لاہور نے ۲۸ فروری ۱۹۶۲ء کو "شمسی توانائی" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۱۲۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ماہرِ آثارِ قدیمہ نے ۱۷ اپریل ۱۹۶۲ء کو "اسلامی فنِ تعمیر" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۱۳۔ ڈاکٹر عبدالبصیر پال، صدر شعبہ طبیعیات، پنجاب یونیورسٹی نے ۲۵ اپریل ۱۹۶۲ء "نظریۂ اضافیت"

کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۱۴۔ ڈاکٹر نذیر احمد، پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور، نے ۳۰ اپریل ۱۹۶۲ء کو "انسانی آبادی اور وسائلِ ارضی" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۱۵۔ کیپٹن علی ناصر زیدی، (ملٹری اکیڈمی کاکول) نے ۱۷ مئی ۱۹۶۲ء کو "خلائی سفر" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۱۶۔ ڈاکٹر عبدالرشید، سرجن میو ہسپتال لاہور، نے ۹ جون ۱۹۶۲ء کو "درمیانے کان کی سوزش" پر لیکچر دیا۔

۱۷۔ پروفیسر چوہدری عبدالقادر، شعبہ فلسفہ، گورنمنٹ کالج لاہور نے ۱۲ جون ۱۹۶۲ء کو "وجودیت" 'EXISTENTIALISM' کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۱۸۔ پروفیسر حمید عسکری، سابق صدر شعبۂ طبیعیات، گورنمنٹ کالج لاہور نے ۳۰ جنوری ۱۹۶۳ء کو مسلم سائنس دانوں کے کارناموں کے سلسلے میں "زمین کے محیط کی پیمائش" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۱۹۔ ڈاکٹر عبدالبصیر پال، صدر شعبۂ طبیعیات، پنجاب یونیورسٹی نے ۹ فروری ۱۹۶۳ء کو "روشنی کے مختلف نظریے" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۲۰۔ میجر ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ کے واسطی، پروفیسر کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، لاہور نے ۲۰ فروری ۱۹۶۳ء کو "بچوں کے فالج" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۲۱۔ ڈاکٹر عبدالقوی لقمان، ایم بی بی ایس، نے ۷ مارچ ۱۹۶۳ء کو "شقیقہ" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۲۲۔ کیپٹن علی ناصر زیدی، استاد ملٹری کالج جہلم، نے ۲۲ مارچ ۱۹۶۳ء کو "جوہری توانائی کے تعمیری امکانات" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۲۳۔ میجر آفتاب حسن، صدر شعبۂ تالیف و تصنیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی نے ۲۲ مارچ ۱۹۶۳ء کو "جوہر اور جوہری ساخت" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۲۴۔ ڈاکٹر محمد عبدالحق، ڈینٹل سرجن لاہور، نے ۲۴ اپریل ۱۹۶۳ء کو "منہ کے علم الصحت" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۲۵۔ ڈاکٹر خان بہادر محمد عبدالحق، سابق ڈپٹی ڈائریکٹر انڈسٹریز مغربی پاکستان و سابق ڈائریکٹر ریسرچ ایکسٹینشن اینڈ ایڈوائزری سروسز مغربی پاکستان انجینئرنگ یونیورسٹی نے یکم مئی ۱۹۶۳ء کو "بجلی اور انسان" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

۲۶۔ پروفیسر چوہدری عبدالقادر پرنسپل ٹیچرز ایویلیوایشن کالج لائل پور نے ۳۱ مئی ۱۹۶۳ء کو "جدید منطق" کے موضوع پر لیکچر دیا۔

اس دوران میں ملک کے مختلف حصوں سے یہ مطالبہ ہوا کہ دوسرے شہروں میں بھی ان لیکچروں کا انتظام کیا جائے چنانچہ اکیڈمی نے توسیعی لیکچروں کا ایک منصوبہ بنایا لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔

۶۳۔ ۱۹۶۴ء کے لیے جن دس ماڈل لیکچروں کا پروگرام بنایا گیا وہ بھی فنڈز نہ ہونے کی وجہ سے ترک کرنا پڑا۔ ۱۹۶۵ء سے یہ سلسلہ معطل ہے۔

۲۔ اردو میں سائنسی موضوعات پر انعامی مقابلے

جمہور میں سائنس سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اردو میں سائنسی موضوعات پر مضمون نویسی کے مقابلوں کا انتظام کیا گیا جس میں ثانوی و اعلیٰ ثانوی سکولوں، ڈگری کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلبہ اور عام لکھنے والے حضرات شرکت کرتے رہے۔ اکیڈمی نے انعامات کے لیے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے طلبہ اور عام لکھنے والوں کے لیے الگ الگ درجہ بندی کر رکھی ہے۔

۶۰۔ ۱۹۶۱ء کے مقابلے میں ۷۰ امیدواروں نے شرکت کی جن میں سے ۱۳ امیدواروں کو انعامات دیے گئے۔ انعامات ڈاکٹر جسٹس ایس۔ اے رحمان صاحب، جج سپریم کورٹ آف پاکستان نے ۱۵ مئی ۱۹۶۱ء کو تقسیم کیے۔

۶۱۔ ۱۹۶۲ء کے مضمون نویسی کے مقابلے میں ۴۲ امیدواروں نے شرکت کی جن میں سے ۱۴ امیدوار انعام کے

مستحق قرار پائے۔ انعامات ۲۱ جون ۱۹۶۲ء کو جناب انور عادل صاحب سی ایس پی (سیکرٹری تعلیمات) نے تقسیم کیے۔

۶۲۔ ۱۹۶۳ء کے انعامی مقابلے میں ۴۶ امیدواروں نے شرکت کی جن میں ۱۸ امیدواروں کو انعامات دیے گئے۔ یہ انعامات ۳۱ مئی ۱۹۶۳ء کو جناب الطاف گوہر سی ایس پی (سیکرٹری تعلیمات) نے تقسیم کیے۔

۶۳۔ ۱۹۶۴ء کے مقابلے میں ۱۴۴ امیدواروں نے شرکت کی جن میں سے ۱۲۰ چھ مضامین پر انعامات دیے گئے۔ یہ انعامات ۲۳ جون ۱۹۶۴ء کو ڈاکٹر خان اے رحمان ایم ایس سی، ڈی ایس سی، سابق ڈائریکٹر زراعت حکومت مغربی پاکستان، نے تقسیم کیے۔

۶۴۔ ۱۹۶۵ء کے مضمون لکھنے کے انعامی مقابلے میں ۴۶ امیدواروں نے حصہ لیا جن میں سے ۱۵ امیدواروں نے انعامات حاصل کیے۔ یہ انعامات جناب جسٹس شیخ انوارالحق صاحب نے تقسیم کیے۔

۶۶۔ ۱۹۶۷ء کے تحریری انعامی مقابلے میں ۴۳ امیدواروں نے شرکت کی جن میں سے ۱۳ امیدواروں کو انعامات ملے جو جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی نے تقسیم کیے۔

۶۷۔ ۱۹۶۸ء کے انعامی مقابلے میں ۴۶ امیدواروں نے حصہ لیا اور ۱۵ امیدوار انعام لے سکے۔ ان کے علاوہ سائنسی میگزین میں سائنسی موضوعات پر اردو میں بہترین مضامین لکھنے پر ۴ انعامات دیے گئے اور ادارہ فروغ سائنس پشاور یونیورسٹی، پشاور کو ۵۰۰ روپے کا انعام دیا گیا۔

بی اے/بی ایس سی اور ایم اے/ایم ایس سی کے سالانہ امتحان کے مختلف علمی مضامین میں اردو کو ذریعہ امتحان بنا کر امیدواروں میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو ۴۴ انعامات تقسیم کیے گئے۔ یہ انعامات جناب ڈاکٹر زیڈ اے ہاشمی (سابق وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی، لائل پور) نے اکیڈمی کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۰ مئی ۱۹۶۹ء میں تقسیم کیے۔

۶۹۔ ۱۹۷۰ء کے انعامی تحریری مقابلے میں ۱۶ امیدواروں نے حصہ لیا۔ ۱۰ امیدوار انعام لے سکے۔ ان کے علاوہ سائنسی میگزین میں سائنسی موضوعات پر اردو میں بہترین مضامین لکھنے پر ۱۳ انعامات دیے گئے اور ادارہ فروغ سائنس پشاور یونیورسٹی پشاور کو ۵۰۰ روپے کا انعام دیا گیا۔ علاوہ ازیں ایک اردو ٹائپسٹ کو ۵۰ روپے کا انعام بھی دیا گیا۔ مقامی اردو روزناموں کو اردو کی خدمت کے اعتراف میں اکیڈمی کی شائع کردہ "قاموس الاصطلاحات" کا ایک ایک نسخہ پیش کیا گیا۔

بی۔اے/بی۔ ایس سی اور ایم۔اے/ایم۔ ایس سی کے سالانہ امتحان ۱۹۶۹ء میں مختلف علمی مضامین میں اردو کو ذریعہ امتحان بنا کر امیدواروں میں اول دوم سوم آنے والے طلبہ میں ۴۰ انعامات تقسیم کیے گئے۔ یہ انعامات جناب پروفیسر علاءالدین صدیقی، وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور نے اکیڈمی کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۰ء میں تقسیم کیے۔

۷۰۔ ۱۹۷۱ء کے انعامی تحریری مقابلے میں ۲۲ امیدواروں نے حصہ لیا جن میں سے ۱۰ امیدوار انعام کے مستحق قرار پائے اور ادارہ فروغ سائنس پشاور یونیورسٹی پشاور کو ۵۰۰ روپے کا انعام دیا گیا۔

بی۔اے/بی۔ ایس سی اور ایم۔اے/ایم۔ ایس سی کے سالانہ امتحان ۱۹۷۰ء کے مختلف علمی مضامین میں اردو کو ذریعہ امتحان بنا کر امیدواروں میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو ۴۴ انعامات دیے گئے۔ یہ انعامات جناب ڈاکٹر اسرارالحق، وائس چانسلر، زرعی یونیورسٹی، لائل پور نے اکیڈمی کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء میں تقسیم کیے۔

قومی زبان کے فروغ اور اسے ذریعہ تدریس و امتحان بنانے کے لیے اکیڈمی نے جو جدوجہد کی، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ سائنس اور قومی زبان: ۲۰ تا ۲۲ مارچ ۶۳ء۔ اردو اکیڈمی نے ایک سہ روزہ "سائنس اور قومی کانفرنس" کا انعقاد کیا۔ اس کانفرنس میں مشرقی و مغربی پاکستان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اساتذہ سائنس نے شرکت کی اور قومی زبان میں سائنس کی تدریس میں پیش آنے والے مسائل پر غور و خوض ہوا۔ اس کانفرنس کا تمام پروگرام پاکستان کی دونوں قومی زبانوں اردو اور بنگالی میں ہوا۔ ڈاکٹر مظہر حسین، ڈین سائنس فیکلٹی ڈھاکہ یونیورسٹی اور ڈاکٹر انوار

حسین ڈپٹی ڈائریکٹر اٹامک انرجی سنٹر نے افتتاحی اجلاس میں خطبے پڑھے۔

۲۔ اردو کو بی۔اے/بی۔ایس سی، تک پنجاب یونیورسٹی میں متبادل ذریعۂ امتحان تسلیم کر لیے جانے پر اکیڈمی نے ہزاروں کی تعداد میں پوسٹر اور پمفلٹ چھاپ کر پنجاب یونیورسٹی کے دائرۂ اختیار کے تمام کالجوں کے طلبہ تک پہنچائے اور انھیں یونیورسٹی کے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کا اعلان کیا۔

۳۔ پنجاب یونیورسٹی کے حلقۂ اثر کے تمام کالجوں کے تقریباً ایک ہزار طلبہ ضروری رہنمائی کے لیے اردو اکیڈمی سے رجوع کرتے رہے۔ اکیڈمی اب بھی ہر سال مطلوبہ معلومات بہم پہنچاتی ہے۔

۴۔ طلبہ کے مطالبے پر انھیں اردو میں امتحان دینے کے لیے مفید کتابیں تجویز کرتی ہے۔ بعض طلبہ کو مختلف اداروں سے کتابیں منگوا کر فراہم کی جاتی ہیں اور جن مضامین کی کتابیں دستیاب نہیں ان پر اکیڈمی نے کتابیں لکھوانی شروع کیں اور طلبہ کو ہر ہفتے قسط وار بھجوائی جاتی رہیں۔

۵۔ اردو میں سائنس کی کتابیں لکھنے والوں کی درخواست پر انھیں ضروری اصطلاحات فراہم کی جاتی رہیں۔ علاوہ ازیں جن اصحاب نے کاروبار کے سلسلے میں انگریزی اصطلاحوں یا سائن بورڈوں کے لیے اردو مترادفات کے سلسلے میں اکیڈمی سے رجوع کیا، ان کی معاونت کی گئی۔

۶۔ زرعی یونیورسٹی لائل پور کی زرعی اصطلاحات پر مشتمل زیر تدوین لغت کے مسودے کی اصلاح اور ضروری مترادفات فراہم کیے۔

۷۔ زرعی یونیورسٹی لائل پور کی زیر تدوین لغت عمرانیات کے مسودے کی اصلاح کی اور ضروری مترادفات مہیا کیے گئے۔

۸۔ کل پاکستان اردو تدریس کانفرنس کراچی میں شرکت کی گئی اور جنرل سیکرٹری اور دوسرے کارکنوں نے مقالے پڑھے۔

۹۔ قومی زبان کو نجی زندگی میں اور کاروباری زندگی میں رائج کرنے کے لیے ایک اپیل شائع کی جو ملک کی اکثریت تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔

۱۰۔ ۱۹۶۹ء میں اکیڈمی نے اردو ذریعۂ تعلیم و امتحان سے بی۔اے/بی۔ایس سی/ایم۔اے/ایم۔ایس سی کرنے والے طلبہ میں اوّل، دوم، سوم کا امتیاز پانے والے طلبہ کو ۴۴ انعامات دیے۔

۱۱۔ ۱۹۷۰ء میں اکیڈمی نے اردو ذریعۂ تعلیم و امتحان سے بی۔اے/بی۔ایس سی اور ایم۔اے/ایم۔ایس سی کرنے والے طلبہ میں اوّل، دوم، سوم کا امتیاز پانے والے طلبہ کو ۴۱ انعامات دیے۔

۱۲۔ ۱۹۷۱ء میں اکیڈمی نے اردو ذریعۂ تعلیم و امتحان سے بی۔اے/بی۔ایس سی اور ایم۔اے/ایم۔ایس سی کرنے والے طلبہ میں اوّل، دوم، سوم کا امتیاز پانے والے طلبہ کو ۴۵ انعامات دیے۔

۱۳۔ ۱۹۶۹ء میں اکیڈمی نے اردو کے سائنسی رسائل میں سال کے بہترین مقالات والے رسالہ "سائنٹیفک راوین" کے مضمون نگاروں کو اور رسالہ "فروغ سائنس" پشاور یونیورسٹی کو علی الترتیب ۴۰۰ روپے اور ۵۰۰ روپے کے انعامات دیے۔

۱۴۔ ۱۹۷۰ء میں اکیڈمی نے اردو کے سائنسی رسائل میں سال کے بہترین مقالات والے رسالے "سائنٹیفک راوین" کے مضمون نگاروں کو اور رسالہ "فروغ سائنس" پشاور یونیورسٹی کو علی الترتیب ۳۰۰ روپے اور ۵۰۰ روپے کے انعامات دیے۔

۱۵۔ ۱۹۷۱ء میں اکیڈمی نے رسالہ "فروغ سائنس" پشاور یونیورسٹی پشاور کو ۵۰۰ روپے کا انعام دیا۔

۱۶۔ ۱۹۷۰ء میں اکیڈمی نے بہترین اردو ٹائپ نویسی پر ۵۰ روپے کا انعام دیا۔

۱۷۔ ۱۹۷۱ء میں اکیڈمی نے مقامی ۹ روزناموں کو سائنسی قاموس الاصطلاحات کا ایک ایک نسخہ دیا۔

اردو کالج

ذریعۂ امتحان کے سلسلے میں یونیورسٹی اور ثانوی تعلیمی بورڈ لاہور نے جو رعایت دی ہے طلبہ کسی مناسب رہنمائی کے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے۔ اردو اکیڈمی نے ۲۶ جنوری ۱۹۶۴ء کو اردو میں سائنسی علوم کی تدریس کے لیے ایک ادارہ "اردو کالج" قائم کیا جس کا رسمی افتتاح جناب ڈاکٹر محمد جہانگیر خاں صاحب، ایڈیشنل سیکرٹری تعلیمات نے کیا۔ ۶۳-۱۹۶۴ء میں اس

کالج میں صرف ایف۔ ایس سی کے طلبہ کو میڈیکل کے سائنس کے مضامین اردو میں پڑھائے گئے۔ طلبہ کی تعداد ۸۰ سے ۱۰۰ تک تھی جن میں سے اکثریت نے اردو میں امتحان دے کر اچھے نمبر حاصل کیے۔ ان طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی گئی۔

۵ اکتوبر ۶۴ء سے اردو کالج میں ایف۔ ایس سی کے علاوہ بی۔ ایس سی طبیعیات، کیمیا، نباتیات کی کلاسوں کا اجرا بھی کر دیا گیا۔ کالج میں ایف۔ ایس سی میڈیکل سال اول، دوم، ایف۔ ایس سی نان میڈیکل سال اول، دوم اور بی۔ ایس سی کی کلاسیں چلتی رہیں اور نتائج حوصلہ افزا رہے۔ ۱۹۶۵ء کے بعد مالی مشکلات کی وجہ سے یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

اکیڈمی نے لاہور کے علاوہ باہر کے شہروں میں بھی ایسے امدادی مرکز قائم کرنے کا ارادہ کیا لیکن سرمائے کی کمی اس کی راہ میں حائل رہی۔

سرمایہ کی کمی کی وجہ سے معطل منصوبے

اردو اکیڈمی نے بعض منصوبے بنائے لیکن سرمائے کی کمی کی وجہ سے ان پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ یہ منصوبے اور آئندہ کے منصوبے درج ذیل ہیں:

۱۔ اردو ریڈر برائے جرمن طلبہ (۳ حصے)
۲۔ اردو ریڈر برائے اطالوی طلبہ (")
۳۔ اردو ریڈر برائے ترک طلبہ (")
۴۔ اردو ریڈر برائے ایرانی طلبہ (")
۵۔ اردو ریڈر برائے جاپانی طلبہ (")
۶۔ اردو ریڈر برائے بنگالی طلبہ (")
۷۔ اردو ریڈر برائے عرب طلبہ (۳ حصے)
۸۔ لغت ضرب الامثال
۹۔ لغت محاورات
۱۰۔ تاریخ سائنس
۱۱۔ پریکٹیکل جیوگرافیکل ڈکشنری
۱۲۔ اخباری زبان لغت
۱۳۔ فارسی کتابیات کی فہرست (۳ جلدوں میں)
۱۴۔ عربی کتابیات کی فہرست (۵ جلدوں میں)
۱۵۔ اردو میں سائنٹیفک گرامر
۱۶۔ کیا پڑھنا چاہیے؟ نفسیات، سیاسیات، فلسفہ، ادب اور اس کے دیگر شعبوں کے متعلق اردو میں معلومات۔
۱۷۔ بین الاقوامی سائنس کے جریدوں کے بعض مضامین کے خلاصے (ABSTRACT) تاکہ علماء طلبہ اور عوام کو سائنس کی ترقی سے باخبر کیا جا سکے۔
۱۸۔ رسالہ "جہان سائنس" کا اجرا۔
۱۹۔ ماڈل لیکچروں کا توسیعی پروگرام۔
۲۰۔ اردو میں امتحان کے سلسلے میں لاہور سے باہر امدادی مراکز کا قیام۔
۲۱۔ اردو ادب کی کتابیات۔
(BIBLIOGRAPHY OF URDU LITERATURE)

تحریکی شعبہ

اس کے تحت ہر سال اردو کی کانفرنسوں کا انعقاد ہوتا ہے جس میں اردو انجمنوں کے نمائندے شرکت کرتے ہیں اور قرار دادیں منظور کر کے ارباب اختیار کو بھجوائی جاتی ہیں۔ اس شعبے کی رپورٹ درج ذیل ہے۔

اردو تدریس کانفرنس ۲۶ دسمبر ۱۹۶۱ء:

اس کانفرنس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اردو کو تمام مراحل میں ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے اور کم سے کم اعلیٰ ثانوی درجے تک ایک لازمی مضمون قرار دیا جائے۔ اس کی صدارت جناب ڈاکٹر جسٹس ایس اے رحمٰن صاحب نے کی۔

اردو انجمنوں کی مجلس مشاورت ۳۰ دسمبر ۱۹۶۷ء:

اردو انجمنوں کے نمائندوں کی مجلس مشاورت ہوئی جس میں اردو کے نفاذ کے بارے میں غور کیا گیا۔ اس کی صدارت جسٹس سجاد احمد جان نے کی۔

اردو انجمنوں کی کانفرنس ۲۸ ستمبر ۱۹۶۸ء:

اردو کانفرنس کا اہتمام کیا گیا جس میں ملک کی تمام اردو انجمنوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس کی صدارت جناب جسٹس عطاء اللہ سجاد صاحب نے کی۔

سالانہ اردو مجلسِ مشاورت ۱۸-۱۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء:

اردو انجمنوں کے نمائندوں کا اجلاس ہوا جس میں اردو کے نفاذ کے لیے حکومت کو تجاویز پیش کی گئیں اور قراردادیں منظور کی گئیں۔

اردو انجمنوں کی سالانہ مجلس مشاورت ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء:

ملک کی اردو انجمنوں کے نمائندوں کا اجلاس منعقد ہوا جس میں اردو کے نفاذ کے سلسلے میں قراردادیں پیش کر کے حکومت کو بھجوائی گئیں۔ اس اجلاس کی صدارت عبدالمجید مفتی صاحب صدر ایوان صنعت وتجارت پنجاب نے کی۔

اردو انجمنوں کی سالانہ مجلس مشاورت ۱۶-۱۷ اکتوبر ۱۹۷۲ء:

ملک کی اردو انجمنوں کے نمائندوں کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ملک کی تمام انجمنوں کے نمائندوں نے شرکت کی اور حکومت کی طرف سے اردو کے نفاذ کے سلسلے میں اعلانات کا جائزہ لیا گیا اس اجلاس کی صدارت جسٹس شیخ عطاء اللہ سجاد جج ہائی کورٹ پنجاب لاہور نے کی۔

اردو انجمنوں کی سالانہ مجلس مشاورت یکم اکتوبر ۱۹۷۳ء:

ملک کی اردو انجمنوں کے نمائندوں کا اجلاس منعقد کیا گیا۔ جس میں اردو کے نفاذ اور درپیش مشکلات کے حل کے لیے تجاویز پیش کی گئیں۔ اس اجلاس کی صدارت جسٹس شمیم حسین قادری نے کی۔

اردو انجمنوں کی مجلس مشاورت ۳ نومبر ۱۹۷۳ء:

اردو کے نفاذ کے سلسلے میں درپیش مسائل پر غور کرنے کے لیے اردو انجمنوں کے نمائندوں کی مجلس مشاورت ہوئی۔ اس کی صدارت ڈاکٹر خواجہ صلاح الدین صاحب پروفیسر و سابق ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی پنجاب یونیورسٹی نے کی۔

اردو انجمنوں کی سالانہ کانفرنس ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۴ء:

اردو انجمنوں کی سالانہ کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ملک کے کونے کونے سے اردو انجمنوں کے مندوبین نے شرکت کی اور اردو کے نفاذ کے لیے تجاویز پیش کی گئیں۔ اس کی صدارت فاضل استاد ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے کی۔

قومی زبان کانفرنس راولپنڈی ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء:

اردو کے فروغ کے لیے انجمن فیض الاسلام کے تعاون سے راولپنڈی میں ایک قومی زبان کانفرنس منعقد کی گئی۔ یہ کانفرنس تین روزہ تھی۔ اردو کو قومی زبان قرار دینے کے لیے تقریریں کی گئیں اور دفتروں میں اس کے نفاذ سے پیش آمدہ مشکلات کے حل کے لیے سیر حاصل بحث ہوئی۔ اس کی صدارت جسٹس انوار الحق صاحب نے کی۔

قومی زبان کانفرنس سرگودھا ۳۱ اکتوبر ۲ نومبر ۱۹۷۵ء:

ایک تین روزہ کانفرنس کا اہتمام سرگودھا میں کیا گیا اس کی صدارت ڈاکٹر اسرار الحق سابق وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی فیصل آباد نے کی جس میں اردو کے نفاذ پر تقریریں ہوئیں اور قراردادیں منظور کی گئیں۔

کتاب الحوالہ (ایک اہم علمی منصوبہ) ۱۹۷۵ء:

اسلام سے متعلق کسی موضوع پر مطالعہ و تحقیق کرنے والے طلبہ و محققین کی سہولت کے لیے ایک علمی منصوبہ بعنوان کتاب الحوالہ ۱۹۷۵ء میں تیار کیا گیا۔ حکومت نے اس کے لیے دس ہزار روپے کی گرانٹ دی۔ اس کے مصادر و مآخذ کو یکجا کرنے کا کام شروع تھا کہ رقم ختم ہو گئی۔ منصوبہ کو معلق کرنا پڑا جو ابھی تک معرضِ التوا میں آرہا ہے۔

مذاکرہ قائداعظم اردو کانفرنس ۱۱ دسمبر ۱۹۷۶ء:

ہمدرد فاؤنڈیشن کے تعاون سے قائداعظم کے صد سالہ یومِ پیدائش کے موقع پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا جس میں حکومت کو حضرت قائداعظم کا فرمان بھی یاد دلایا گیا کہ ملک کی قومی زبان اردو ہوگی۔ اس کی صدارت جسٹس سجاد احمد جان چیف الیکشن کمشنر پاکستان نے کی۔

علامہ اقبال اردو کانفرنس ۳ نومبر تا ۹ نومبر ۱۹۷۷ء:

حضرت علامہ اقبال کے صد سالہ یومِ پیدائش کے موقع پر ایک سات روزہ اردو کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس کے کئی اجلاس ہوئے جو لاہور کے علاوہ راولپنڈی اور میرپور آزاد کشمیر میں ہوئے۔ ان میں بڑے علمی، ادبی اور تحقیقی اور علامہ کے سوانح حیات پر مقالات پڑھے گئے۔ ان مقالات کی تعداد ۱۹ ہے۔ اس کا افتتاحی خطبہ ڈاکٹر جسٹس ایس۔ اے رحمان نے پڑھا اور صدارت ڈاکٹر ظفر علی ہاشمی چیئرمین پاکستان نیشنل سائنس فاؤنڈیشن اسلام آباد نے کی۔

پاکستان نیشنل سائنس فاؤنڈیشن اسلام آباد کے تعاون

سے علامہ اقبال اردو کانفرنس کے ذیل میں ایک مذاکرہ "اقبال اور سائنس" بھی منعقد کیا گیا۔

قومی زبان کانفرنس پشاور ۴، ۵ اپریل ۱۹۷۷ء:

اردو کے فروغ کے لیے پشاور میں ایک قومی زبان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کا اہتمام پشاور یونیورسٹی کے تعاون سے کیا گیا تھا۔

رحمٰن اردو کانفرنس جون ۱۹۷۹ء:

جسٹس رحمان صاحب اردو کے محبوں میں سے تھے۔ ان کی وفات پر ایک "رحمٰن اردو کانفرنس" منعقد کی گئی۔ اس کی صدارت جسٹس شیخ انوار الحق صاحب چیف جسٹس سپریم کورٹ پاکستان نے کی۔

انگریزی اردو جائزہ کانفرنس

اردو کے نفاذ کے لیے حکومت کی طرف سے جو اعلانات ہوتے رہتے ہیں ان کا جائزہ لینے کے لیے اردو انجمنوں کے نمائندوں کا اجلاس منعقد کیا گیا۔ اس کی صدارت جسٹس شمیم حسین قادری جج ہائی کورٹ لاہور نے کی۔

مہمات:

مذکورہ بالا کے علاوہ، فروغ اردو کے لیے وقتی مہمات بھی جاری رہیں مثلاً

۱۔ موٹر گاڑیوں کے نمبر، دکانوں کے سائن بورڈ، مکانوں کے نام، عید کارڈ، ملاقات نامے اور ہوٹلوں کا کاروبار وغیرہ اردو میں کرنے کے لیے اردو انجمنوں کے مندوبین کا جلوس ۱۹۶۵ء میں نکالا گیا۔ اس جلوس کی قیادت مرحومہ لیڈی عبدالقادر صاحبہ نے کی۔ ان کے علاوہ جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری، مولانا غلام رسول مہر، جناب آغا شورش کاشمیری، اور جناب جمیل الدین عالی نے مختلف موقعوں پہ قیادت کی۔ اس سے قبل دکانوں کی تختیاں بدلوانے کے لیے جو وفود مرتب ہوئے ان میں میاں بشیر احمد، پروفیسر حمید احمد خاں، مولانا حامد علی خاں چودھری نذیر احمد خاں، ڈاکٹر خان اے۔ رحمٰن، بیگم آباد احمد، بیگم ڈاکٹر سید عبداللہ، بیگم زینب کاکاخیل نے شرکت کی۔

۲۔ ۱۹۷۴ء میں ایک خیرسگالی وفد کا پروگرام ترتیب دیا گیا مگر بعد میں بوجہ ملتوی کرنا پڑا۔

۳۔ اردو کے نفاذ کے سلسلے میں حکومت وقتاً فوقتاً جو اعلانات کرتی رہتی ہے ان سے متعلق محضر نامے اور یادداشتیں چھپوا کر حکومت کو یاد دہانی کے طور پر ارسال کیے گئے۔

۴۔ ۱۹۷۸ء میں اردو کے نفاذ کے سلسلے میں دستخطوں کی مہم شروع کی گئی۔ اردو کے حق میں لاکھوں دستخط عوام کی طرف سے موصول ہوئے۔

"حیرت کی بات یہ نہیں ہے کہ اُردو میں اس وقت تک وہ تمام چیزیں موجود نہیں ہیں جو یورپ کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی یافتہ زبانوں میں موجود ہیں۔ بلکہ حیرت یہ ہے کہ باوجود ہر قسم کی لاپروائی اور زیادتی کے اُردو برابر ترقی کر رہی ہے۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
"افکار و اذکار" صفحہ ۴۹

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن

"غالبیات" کے بارہ برس

(۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۱ء)

میری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ غالب کی صد سالہ تقریبات (۱۹۶۹ء) کے بعد نہ "غالبیات" کو فراموش کیا گیا ہے، نہ یہ موضوع از کار رفتہ ہوا ہے۔ بلکہ اس عرصے (۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۱ء) میں بہت سی اہم اور موقر تصنیفات سامنے آئی ہیں جنھیں ان دس بارہ برس ہی میں نہیں اگلے پچھلے برسوں کے حوالے سے بھی غالبیات میں قابلِ قدر اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۱ء تک کا کوئی برس ایسا نہیں گزرا کہ غالب کے بارے میں کوئی نہ کوئی قابلِ لحاظ کتاب نہ چھپی ہو، مثلاً میں یہاں سال بہ سال، صرف دو دو کتابوں کے حوالے دیتا ہوں:

۱۹۷۰ء: گلِ رعنا (غالب)، مرتبہ و متعارفہ ــــ مالک رام، دہلی۔
غالب کی شخصیت اور شاعری، رشید احمد صدیقی، دہلی۔

۱۹۷۱ء: غالب کون؟، سلیم احمد، کراچی
غالب اور آہنگِ غالب، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، دہلی

۱۹۷۲ء: غالب شناسی نمبر۲، ڈاکٹر ظ۔ انصاری بمبئی
غالب ــ دی پوئٹ اینڈ ہز ایج، مرتبہ: رالف رسل، کیمبرج

۱۹۷۳ء: عرفانِ غالب، مرتبہ: آلِ احمد سرور، علی گڑھ
غالبیات کے چند مباحث، ڈاکٹر ابو محمد سحر، لکھنؤ

۱۹۷۴ء: غالب اور انقلاب ستاون، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، لاہور۔
غالب ــ شخص اور شاعر، مجنوں گورکھ پوری، کراچی

۱۹۷۵ء: گلِ رعنا (غالب)، مرتبہ و متعارفہ: سید قدرت نقوی، کراچی
غالب اور سرور، ایم۔ حبیب خاں، دہلی

۱۹۷۶ء: رموزِ غالب، ڈاکٹر گیان چند، دہلی
بیاضِ غالب ــ تحقیقی جائزہ، کمال احمد صدیقی، سری نگر

۱۹۷۷ء: دی غزلز آف غالب، مترجم: ڈاکٹر یوسف حسین خاں، دہلی
تفسیرِ غالب، ڈاکٹر گیان چند، سری نگر

۱۹۷۸ء: غالب اور اقبال ــ تخلیقی عمل کا مطالعہ، ڈاکٹر حامدی کاشمیری، سری نگر
متعلقاتِ غالب، کالی داس گپتا رضا، بمبئی

۱۹۷۹ء: غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں، دہلی۔
غالب ــ تقلید اور اجتہاد، ڈاکٹر خورشید الاسلام۔ علی گڑھ

۱۹۸۰ء: غالب کے معنوی اساتذہ۔ ظفر ادیب، دہلی
دیوانِ غالب اردو، نسخہ مولانا حامد علی خاں (لاہور) مقدمہ: ڈاکٹر نور الحسن نقوی، علی گڑھ

۱۹۸۱ء: تحقیقِ غالب، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، کراچی
غالب اور صغیر بلگرامی، مشفق خواجہ، کراچی

۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۱ء تک کے بارہ برسوں میں بسلسلۂ غالب بہت کچھ لکھا گیا ہے اور برابر لکھا جا رہا ہے۔ میرے ذاتی ذخیرۂ غالبیات میں جسے کسی طرح بھی مکمل نہیں کہا جا سکتا، اس عرصے کی لکھی یا چھپی ہوئی سلسلۂ غالب کی کتابوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہے (اخبارات و رسائل اور ریڈیو یا ٹی وی وغیرہ کی تحریروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں) یہ ساری چیزیں قدرِ اوّل کی نہ سہی لیکن یہ اتنا بڑا ذخیرہ اور سرمایہ ہے جسے یکسر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

گزشتہ بارہ برس کے اس ذخیرے میں تصانیفِ غالب کی اشاعتیں بھی ہیں، انتخاباتِ نظم و نثرِ غالب بھی، نگارشاتِ غالب کے تراجم بھی، کلامِ غالب کی تشریحات بھی۔ غالب کی زمین میں نعت و غزلیات کے مجموعے بھی۔ غالب کے عہد اور ان کی زندگی پر مبنی ڈرامے، رپورتاژ بھی، اشاریے اور کتابیاتِ غالب وغیرہ بھی۔ اس عرصے میں غالب کی حیات اور ان کے فکر و فن پر متعدد اعلیٰ درجے کی مستقل تنقیدی اور تحقیقی کتابیں بھی شائع ہوئیں اور معروف رسائل و جرائد کے غالب نمبر بھی چھپے۔

پچھلے دس بارہ برس میں غالب کے معاصرین کے بارے میں بھی کتابیں شائع ہوئیں (عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی کی کتاب "مفتی صدرالدین آزردہ" دہلی ۱۹۷۷ء) تلامذۂ غالب سے متعلق بھی (مظہرِ معانی۔ دیوانِ مجروح، مرتبہ: ریاض احمد، لاہور ۱۹۷۸ء) عہدِ غالب پر بھی (خدنگ غدر، معین الدین حسن خاں، متعارفہ: خواجہ احمد فاروقی، دہلی ۱۹۷۲ء) بعض اہلِ علم کی کتابوں میں غالب سے متعلق کچھ گوشے مخصوص کیے گئے، مثلاً:

۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا: نئے مقالات، لاہور ۱۹۷۲ء
(مطالعۂ غالب، صفحہ ۲۵۵ تا ۳۱۱)
۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی: شعر، غیر شعر اور نثر الٰہ آباد ۱۹۷۳ء
(بسلسلۂ غالب صفحہ ۲۶۵ تا ۳۳۲)
۳۔ کالیداس گپتا رضا: سہو و سُراغ (مرتبہ صابر دت) بمبئی ۱۹۸۰ء (غالبیات، صفحہ ۱۹۵ تا ۲۱۴)

ایسی بہت سی کتابوں سے قطع نظر، اس دہائی میں متعدد ایسی کتابیں بھی شائع ہوئیں جو براہِ راست غالب کے بارے میں نہیں لیکن جن کا غالب حصہ، غالبیات سے کسی نہ کسی طور متعلق ہے، مثلاً:

۱۔ اردو تحقیق اور مالک رام، شاہد اعظمی (مرتب) دہلی ۱۹۷۵ء
۲۔ ارمغانِ ایران، ڈاکٹر وحید قریشی (مرتب) لاہور ۱۹۷۱ء
۳۔ گنجینۂ تحقیق، سید احمد بیخود موہانی، لکھنؤ ۱۹۷۹ء
۴۔ تحریکِ جد و جہاد بطور موضوعِ سخن، خواجہ منظور حسین، لاہور ۱۹۷۸ء

شاہد اعظمی کے مرتبہ مجموعۂ مضامین "اردو تحقیق اور مالک رام" (صفحات ۱۸۳) کے بارہ مضامین میں سے سات ابتدائی مضامین (= ۱۲۵ صفحات) مالک رام کی فتوحات متعلق بہ غالب کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ایران کے جشنِ دو ہزار و پانصد سالہ مناسبت سے ڈاکٹر وحید قریشی کا مرتبہ "ارمغانِ ایران" (صفحات ۲۰۲) رسالہ "صحیفہ" (لاہور) میں ادبیاتِ فارسی سے متعلق شائع ہونے والے مقالات کے ایک مختصر انتخاب پر مشتمل ہے، سات منتخب مقالات میں سے چار (صفحہ ۶۸ تا ۱۸۱) غالب کی زندگی اور ان کے فکر و فن کے بارے میں ہیں۔ "گنجینۂ تحقیق" (صفحات ۳۴۵) سید احمد بیخود موہانی کے پانچ تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے جس کے ابتدائی تین مقالات (صفحات ۱ تا ۱۸۹) "غالبِ عدیم المثال کے اُن احسانات کا حق ادا کرنے کی غرض سے لکھے گئے ہیں جو انھوں نے اردو علم و ادب پر کیے ہیں۔"

پروفیسر خواجہ منظور حسین (علیگ) کی فکر انگیز کتاب "تحریکِ جد و جہاد بطور موضوعِ سخن" (صفحات ۶۷۷) براہِ راست غالب کے بارے میں نہیں ہے لیکن اس کا بڑا حصہ غالب کے حوالے سے مباحث نے گھیرا ہے [غالب ص ۴۰ ـ ۶۱، ۲۷۶ ـ ۵۵۴، ۵۶۶ ـ ۵۷۷، ۵۸۶ ـ ۶۰۶، ۶۱۱ ـ ۶۳۱، ۶۶۶ ـ ۷۰۵ اور ۷۲۶ ـ ۷۳۹]۔ یہ کتاب خواجہ صاحب کے مُدّۃُ العمر کے غور و فکر کا ثمر اور بیک وقت بڑی دیدہ ریزی اور بصیرت کی مظہر ہے۔ فاضل مؤلف اور مفکر نے اُن جذبات اور خیالات کے سرچشمے تک پہنچنے کی منضبط جستجو کی ہے جو غالب اور ان کے ہم عصر شاعروں کے دل و دماغ میں پکتے اور ان کے کلام میں اُبلتے رہے۔ خواجہ منظور حسین کی یہ خیال افروز کتاب کشف و انکشاف

کے ایک جہانِ تازہ ہی میں نہیں لے جاتی، ایک اندازِ نظر بھی فراہم کرتی ہے جس کی روشنی میں پورے شعر و ادب کا از سرِ نو مطالعہ کرنے کی ضرورت کا احساس شدید تر ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ "غالبیات" پر ان بارہ برسوں (۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۱ء) میں بھرپور کام ہوا ہے — اور ترتیب و انتخاب، تراجم و تشریح، تضمین و تخلیق اور تنقید و تحقیقِ غالب کا یہ کام پاکستان میں بھی ہوا ہے اور ہندوستان میں بھی — پھر یہ کام مُلک یا بیرونِ ملک میں، کچھ مخصوص شہروں یا خاص خاص تہذیبی مراکز ہی میں نہیں ہوا، دور و نزدیک چھوٹے بڑے متعدد شہروں اور مقامات سے غالب کے بارے میں کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں لاہور، کراچی، فیصل آباد، حیدر آباد، جامشورو، راولپنڈی، پشاور، سرگودھا، جھنگ، حیدر آباد دکن، سری نگر، دہلی، لکھنؤ، علی گڑھ، بمبئی، کلکتہ، الہ آباد، بھوپال، نکودر اور کیمبرج وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں — پھر یہ کام صرف کسی ایک ہی زبان میں نہیں ہوا، اُردو، فارسی، انگریزی اور ہندی مختلف زبانوں میں ہوا ہے — اور ادبِ غالب کی تسوید و طباعت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ مختلف جامعات میں اعلیٰ تر علمی اسناد کے لیے غالب پر جو تحقیقی کام اس دوران میں ہو لیا ہے یا ہو رہا ہے، وہ اس پر مستزاد ہے۔

ایم۔ اے (اردو) کی جزوی تکمیل کے سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی کے لیے لکھے گئے اُن بہت سے مقالات میں سے جو پچھلے دس بارہ برس میں سامنے آئے اور میرے ذاتی ذخیرۂ غالبیات میں محفوظ ہیں، میں یہاں صرف پان سات مقالات کا حوالہ دوں گا۔

۱۔ غالب کی امیجری (صفحات ۱۶۴) از زرینہ خٹک، نگران: ڈاکٹر عبادت بریلوی، ۱۹۷۰ء

۲۔ اردو رسائل کے غالب نمبر۔ اشاریہ (ص ۲۱۸) غمیم اختر، نگران: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، ۱۹۷۰ء

۳۔ کلامِ غالب میں فکری عناصر (ص ۱۱۹) صابرہ بانو — نگران: سجاد باقر رضوی، ۱۹۷۱ء

۴۔ مطالعۂ غالب — انیسویں صدی میں (ص ۳۰۱) نجمہ نیاز، نگران: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ۱۹۷۴ء

۵۔ ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ اکرام، بطور غالب شناس (ص ۲۱۸) قمر النساء شیخ، نگران: سید معین الرحمٰن ۱۹۷۴ء

۶۔ مولانا غلام رسول مہر، بطور غالب شناس (ص ۲۰۳) نیر سُلطانہ، نگران: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ۱۹۷۴ء

۷۔ "غالب اور حالی کا تحقیقی مطالعہ": ناہید اختر، شاہدہ شاہین، خالدہ حق، نوید افشاں، اعجاز حنیف، نگرانِ کار: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، صفحات ۱۳۰، ۱۹۷۸ء

یہاں موخر الذکر کام کے بارے میں کچھ کہنا بے محل نہ ہوگا۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۱ء کے درمیان میں نے، منجملہ دیگر پرچوں اور کورسز کے، شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج، فیصل آباد (لائل پور) میں ایم۔اے (اردو) کے ایک سیمسٹر کورس "اصولِ تحقیق و تدوین" کی تدریس کی خدمت بھی انجام دی۔ ۱۹۷۸ء میں اس کورس کی تفویضات ASSIGNMNTS کے لیے میں نے کلاس کو پانچ پانچ کے گروپس میں تقسیم کر کے، ہر گروپ سے موضوعاتی مناسبت سے مختلف تحقیقی جائزے مرتب کرائے۔ "غالب اور حالی کا تحقیقی مطالعہ" اس کورس کی "ہم ایسائن مینٹس" کے طور پر لکھے گئے:

۱۔ غالب کے فارسی کلام پر ناقدانہ نظر (ڈاکٹر عارف شاہ گیلانی) از ناہید اختر

۲۔ غالب اور انقلاب ستاون (ڈاکٹر سید معین الرحمٰن) شاہدہ شاہین۔

۳۔ حالی بحیثیت شاعر (ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی) خالدہ حق

۴۔ حالی کی اردو نثر نگاری (ڈاکٹر عبدالقیوم) نوید افشاں

۵۔ حالی کا سیاسی شعور (ڈاکٹر معین احسن جذبی) — اعجاز حنیف۔

غالب اور حالی کے بارے میں یہ پانچ کتابیں جنھیں وادیٔ تحقیق کے نوآموز متعلمین نے اپنے مطالعے کے لیے منتخب کیا، ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۴ء کے درمیانی عرصے میں لکھی گئیں۔ ان میں سے ایک پر داؤد ادبی انعام دیا گیا اور چار پر بمبئی، لکھنؤ، کراچی اور علی گڑھ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگریاں تفویض ہوئیں۔ اس عقب میں ان پانچ کتابوں کو غالب اور حالی پر پچھلی ایک چوتھائی صدی کے نمایاں ترین تحقیقی اکتساب میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ خوشی اور اطمینان کی بات یہ ہے کہ ان نوخیز مقالہ نگاروں نے کتابوں کے انتخاب میں خوش نظری کا ثبوت دیا، اور ان سب کو اپنے تحقیقی جائزوں کے نتائج کا اظہار کرنے کے لیے منضبط اور موثر پیرایۂ بیان میسّر آیا۔

افکارِ معاصرین

بینکنگ کونسل کا عذرِ لنگ!

اردو کو سرکاری اور دفتری سطح پر رواج دینے کی کوششوں میں اب بھی ملک میں بیوروکریسی اور مغرب زدوں کا ایک طبقہ ہے جو پوری شدت سے مزاحم ہے۔ بینک ہر سال اپنے حسابات انگریزی میں مرتب کر کے شائع کرتے ہیں جس سے ان بینکوں میں اپنے حسابات رکھنے والے لوگوں کی بہت بڑی تعداد جو اردو اور علاقائی زبانوں کے اخبارات پڑھتی ہے ان بینکوں کے سالانہ حسابات کے متعلق اہم معلومات سے محروم رہتی ہے۔ اس بار جب پاکستان بینکنگ کونسل کی توجہ اس جانب مبذول کرائی گئی تو جواب یہ ملا کہ بینکوں کی فردہائے بقایا اور سالانہ حسابات میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں کہ ان کا اردو یا علاقائی زبانوں میں ترجمہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

مقتدرہ قومی زبان نے بینکنگ کونسل کے اس عذرِ لنگ کا بروقت نوٹس لیا اور اس چیلنج کے جواب میں اعلان کیا کہ مقتدرہ کے زیرِ اہتمام صرف اصطلاحات ہی نہیں فنی اور تکنیکی الفاظ پر مشتمل مواد کے ترجمے کی سہولت بھی موجود ہے اور بشمول بینکنگ کونسل تمام سرکاری اور غیر سرکاری ادارے اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک ایسے بینک سے[۱] کہ جس کا حساب نامہ انگریزی میں مرتب ہو چکا تھا مگر ابھی شائع نہیں ہوا تھا، اس نے ترجمے کی مشکل پر قابو پانے کے لیے مقتدرہ سے رجوع کر لیا اور بالآخر مسلم کمرشل بینک کا ڈیڑھ صفحے کی فرد بقایا پہلی بار اردو میں شائع ہوئی اور بڑی دلچسپی سے پڑھی گئی۔

اردو کی یہ فرد بقایا انگریزی میں شائع ہونے والی بیلنس شیٹ کے مقابلے میں کہیں زیادہ سہل اور قابل فہم ہے۔ محض اس ایک اشتہار کے شائع ہونے سے بینکاری سے متعلق اتنی اصطلاحات منظر عام پر آگئیں کہ اگلے برس کوئی بھی بینک اس سے استفادہ کر کے بہ آسانی اپنے حسابات اردو میں تیار کر سکتا ہے۔ اس تجربے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اردو کے رواج میں اردو کی کم مائیگی نہیں بلکہ اردو کی راہ میں مزاحم طبقے کی نیت کا کھوٹ حائل ہے۔

بینکنگ کونسل نے جو عذر پیش کیا تھا وہ تو مسلم کمرشل بینک کے اردو اشتہار سے عذرِ لنگ ثابت ہو ہی گیا تاہم اگر یہ عذر قرار واقعی بھی ہوتا تو ہم بینکنگ کونسل کی جانب سے اسے قابل قبول محسوس نہ کرتے۔ سوال یہ ہے کہ اگر واقعی اردو میں فرد بقایا کی تیاری میں دشواری بھی تھی تو کیا یہ بینکنگ کونسل کا فرض نہیں تھا کہ وہ بینکاری کے نظام کی دوسری دشواریوں کی طرح اس دشواری پر قابو پانے کے لیے عملی اہتمام کرتی۔ بینکاری کے نظام میں آئے روز اٹھنے والے مسائل سے نمٹنے کے لیے کیا تحقیق اور تنقیح کا انتظام نہیں ہوتا۔ اردو کا اختیار کیا جانا بھی اگر بینکاری کے دوسرے مسائل کے مساوی ایک مسئلہ تسلیم کیا جاتا اور اس مشکل پر عبور پانے کے لیے بینکنگ کونسل ماہرین کی کسی ٹیم کو ریسرچ پر مامور کرتی تو یہ مسئلہ ہونا ناممکن نہیں تھا۔ کیا ریسرچ کے سلسلے میں اور تحقیق و تلاش کے سلسلے میں بینکنگ کونسل پر قومی زبان کی حیثیت سے اردو کا کوئی حق نہیں۔

اور پھر یہ سوال محض اردو کا نہیں۔

اردو کا تکنیکی الفاظ اور اصطلاحات کا سرمایہ

دراصل تمام علاقائی زبانوں کا علمی سرمایہ ہے۔ پاکستان کی تمام علاقائی زبانوں میں یہ آسانی استعمال ہو سکتی ہے۔ چنانچہ علوم و فنون کی اردو اور علاقائی زبانوں میں درسی اور علمی کتابوں کا موازنہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ تکنیکی الفاظ اور اصطلاحات کا اسی سے نوے فیصد تک حصہ اردو اور تمام علاقائی زبانوں میں مشترک ہے ہم توقع کرتے ہیں کہ پہلے چیلنج ہی میں فاش ناکامی کے بعد آئندہ بینکنگ کونسل یا ایسا ہی کوئی دوسرا سرکاری ادارہ اردو یا علاقائی زبانوں کو اختیار کرنے کے سلسلے میں اس قسم کا عذرِ لنگ نہیں اپنائے گا۔

روزنامہ "جسارت" کراچی
۱۴ اپریل ۱۹۸۲ء

[۱] "نیشنل بینک آف پاکستان" نے بھی فرد بقایا اردو میں شائع کی ہے ——— ادارہ

یہ الٹی گنگا کیوں؟

وفاقی وزیر برق و آب راجہ سکندر زمان نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وفاقی کونسل کو بتایا ہے کہ تمام تعلیمی اداروں میں اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے متعلق حکومت کی پالیسی سے کوئی انحراف گوارا نہیں کیا جائے گا۔ اور مقررہ میعاد ختم ہونے پر تمام امتحانات صرف قومی زبان میں ہی ہوا کریں گے، اور جو تعلیمی ادارے اس قومی تعلیمی پالیسی سے انحراف کر رہے ہیں۔ انہیں اپنے طلباء کو امتحانات دلوانے کے لیے برطانیہ بھیجنا پڑے گا۔ موصوف کا یہ جواب خاصا واضح بلکہ دوٹوک اور قطعی ہے۔ لیکن نجی اسکولوں کے قیام کی اجازت ملنے کے بعد نام نہاد انگریزی ذریعہ تعلیم یا یورپی طرز کے اسکولوں کی تعداد جس طرح روز افزوں ہے، اس کی وجہ سے یہ بات بجا طور پر حیرت و اضطراب کا بھی باعث بنتی ہے کہ حکومت کی طرف سے دوٹوک اور غیر مبہم اعلانات کے باوجود یہ "الٹی گنگا کیوں بہہ رہی ہے"؟

سیدھا اور صاف سوال یہ ہے کہ جب تمام تعلیمی اداروں میں اُردو کو بتدریج ذریعہ تعلیم و امتحان بنانے کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے، تو "اپنے خطرے پر" اس سے انحراف گوارا ہی کیوں کیا جا رہا؟ لوگ فیشن یا اپنے بچوں کو بہتر تعلیم دلانے کی خواہش کے تحت جس غلطی اور کوتاہ اندیشی کے مرتکب ہو رہے ہیں، کیا اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے ۱۹۸۶-۸۷ء میں انہیں یہ جواب دینا مناسب اور قرین انصاف ہوگا کہ اب حکومت آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی اس لیے اپنے کیے کی سزا بھگتیں۔ اس کے برعکس کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ قومی تعلیمی پالیسی سے انحراف کا سلسلہ فوری طور پر پوری سختی سے بند کرا دیا جائے۔

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی
۹ اپریل ۱۹۸۲ء

اُردو۔ اب لازمی کر دیجیے

انجمن ترقی اُردو کے ناظم اور نامور محقق و ماہر تعلیم ڈاکٹر سید عبداللہ نے ایک بار پھر با اختیار حلقوں کی طرف سے ہونے والی ان سازشوں کا ذکر کیا ہے جو وہ قومی زبان اُردو کو اس کے جائز حق سے محروم رکھنے کے لیے کر رہے ہیں۔ ذاتی طور پر صدر ضیاء الحق نے اپنی سرکاری ذمہ داریوں میں جس جرات مندی کے ساتھ اُردو کا استعمال کیا ہے۔ ماضی کے کسی سربراہ مملکت سے اس کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا، اُردو سے ان کی محبت اور وابستگی کی بنیاد پر جناب صدر سے یہ مطالبہ کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ اب وہ اُردو اور انگریزی میں "اختیاری" استعمال کی صورت حال ختم کر کے قومی زبان کو لازمی دفتری زبان کے طور پر نافذ کر دیں۔ ایک مقررہ تاریخ کے بعد ہر اس سرکاری دستاویز کی باضابطہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے جو قومی زبان میں نہ ہو، مستثنیات میں سوائے وزارت خارجہ اور دیگر وزارتوں کے بیرونی معاملات۔ اور تجارت سے متعلقہ شعبوں کے اور کسی محکمے کو رعایت نہ دی جائے، جب تک یہ فیصلہ کن اقدام نہ کیا جائے گا۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ "انگریزی کو جاری رکھنے اور اُردو کو کمزور کرنے کی کوششیں" تیز ہوتی رہیں گی۔

روزنامہ جنگ کراچی
۱۵ اپریل ۱۹۸۲ء

مقتدرہ قومی زبان

ایک اخباری اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ مقتدرہ قومی زبان نے صرف ایک ماہ کے دوران سات سو سے زیادہ اُردو مترادفات ڈاک کے ذریعے مختلف اداروں کو روانہ کیے اور ٹیلی فون اور ڈاک سے اصطلاحات کی فراہمی کی اس سہولت سے تقریباً تیرہ سو سرکاری اور نجی اداروں نے فائدہ اٹھایا مقتدرہ قومی زبان اس کے علاوہ ملک کے دوسرے حصوں میں نفاذ اُردو کے سلسلہ میں بھی اپنے وفود بھیج رہی ہے اور گزشتہ دنوں سکھر کی ڈیٹ لائن سے اس کے ایک وفد کی اس نوع کی سرگرمیوں کی بھی نشاندہی کی جا چکی ہے مگر ہمارے خیال میں مقتدرہ کا سب سے اہم کارنامہ سرکاری دفاتر میں اُردو کے نفاذ سے متعلق ایک منصوبہ کی ترتیب و تدوین ہے جسے گزشتہ سال اکتوبر میں اسلام آباد میں ہونے والے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس نے منظور بھی کر لیا تھا۔ یہ منصوبہ صدر مملکت کی اس ہدایت پر تیار کیا گیا تھا جو انہوں نے فروری ۱۹۸۱ء میں اس ادارے کو دی تھی اور مقتدرہ نے اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے یہ منصوبہ اگلے ماہ ہی تیار کر لیا تھا۔ اب اگر وفاقی حکومت نے مارچ ۱۹۸۱ء سے لے کر اب تک اس منصوبہ کو اپنی منظوری سے نہیں نوازا تو اس میں مقتدرہ قومی زبان کا کوئی قصور نہیں۔ صدر ضیاء الحق کو اس بارے میں خود اپنی حکومت کے متعلقہ ڈویژن سے اس سلسلہ میں ہونے والی غیر ضروری تاخیر کی وجہ معلوم کرنا چاہیے اور عین ممکن ہے کہ ان کی یہ توجہ ہی اس منصوبہ کو حکومتی سرد خانے سے نکال کر اُردو کو ملک کی سرکاری زبان کی حیثیت

اختیار کرنے کا باعث بن جائے اور نوکر شاہی ایک بار پھر اُردو کے نفاذ کے سلسلہ میں اپنی مذموم کوششوں میں ناکام ہو جائے جس کا سلسلہ اس نے ابتدائے قیامِ پاکستان ہی سے شروع کر رکھا ہے۔

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی

۲۸، مارچ ۱۹۸۲ء

اُردو — اسٹیٹ بنک میں

گورنر اسٹیٹ بنک نے ہدایت کی ہے کہ بنک کے دفتری معاملات میں اردو کو پزیرائی بخشی جائے چنانچہ بنک کے فارم پر انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی "اسٹیٹ بنک پاکستان" کے الفاظ لکھے جائیں گے۔ عام لوگوں کے استعمال میں آنے والے دفتری فارم اردو میں بھی طبع کیے جائیں گے اور دفتری اصطلاحات کا اردو میں بھی ترجمہ کیا جائے گا تاکہ "انگریزی جاننے والے افسر اردو سے بھی مانوس ہو جائیں"۔

— یہ سب اقدامات اپنی جگہ قومی زبان کو اپنانے کے عمل میں کچھ نہ کچھ پیش رفت کے ضمن میں آتے ہیں اور یہ امید کی جا سکتی ہے کہ دوسرے قومی بنک بھی ان کی پیروی کریں گے، لیکن ان خطوط پر برسوں پہلے بعض سرکاری محکموں اور اداروں میں جو تبدیلیاں کی گئی تھیں، وہ تو اردو کو دفتری زبان بنانے کے لیے چنداں مفید ثابت نہیں ہوئیں۔

موجودہ حکومت نے خاص طور پر خود صدرِ مملکت نے اہم سرکاری تقریبات میں اردو کو ذریعۂ اظہار بنایا ہے لیکن اس سے بھی اردو کو دفتری زبان بنانے کے عمل کو کوئی خاص تقویت نہیں پہنچی۔ حد یہ ہے کہ جن تعلیمی اداروں میں اردو اعلیٰ درجوں میں بھی انگریزی کے مقابلے میں کہیں زیادہ مقبول ذریعہ تعلیم بن چکی ہے، ان میں بھی داخلہ کے فارم ابھی تک انگریزی ہی میں چلے آرہے ہیں اور جن معیاری اسکولوں میں داخلے کے فارم اردو میں ہوتے تھے، اس مرتبہ ان میں سے بعض نے انگریزی میں یہ فارم چھپوا لیے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دفتری معاملات میں اردو کی مثبت پزیرائی کا عمل اس وقت ہی شروع ہوگا، جب اسے انگریزی کے ساتھ رائج کرنے کی نیم دلانہ اور اختیاری کوشش کے بجائے قانون و ضابطہ کے تحت لازمی بنانے کا اہتمام کیا جائے گا۔

اردو میں دفتری زبان بننے کی اہلیت پیدا کرنے کے عمل کا آغاز تو قیامِ پاکستان کے فوراً بعد شروع کر دیا گیا تھا، اور اصطلاحات کے تراجم کے انبار بھی لگائے جا چکے ہیں، لیکن یہ طریقِ کار بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکا اصل ضرورت اسے باضابطہ طور پر دفتری زبان قرار دینے کی ہے، اس کے بعد اہلیت پیدا نہیں کرنی پڑے گی، از خود پیدا ہو جائے گی اور وہی صاحب بہادر اس میں مثبت حصہ لیں گے، جنھوں نے انگریزی کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی

یکم جون ۱۹۸۲

صفحہ ے سے آگے

کتب۔ اعتماد سے اعتمید (فردوسی) یہ بضرورت قافیہ عمل میں آتا ہے۔ لیکن جمع، جبر اور تکریم وغیرہ کی علامت بھی ہے۔ الفِ ممدودہ کو یے سے بدلنے میں جو صوتی تغیر واقع ہوتا ہے اُسے جھکاؤ کی کیفیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بھی محض فریبِ صوت ہے ورنہ یہ تبدیلی سائنٹفک بنیاد سے عاری ہے اور صرف پنچایتی تجویز ہے جو فیصلہ اور روایت کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ امالہ کوئی اکسیر نہیں کہ جہاں تہاں برت لی جائے۔ اس کے حدود مقرر ہیں۔ اس سلسلے میں زبیری صاحب کی باتیں قابلِ غور ہیں۔

"قوم کی ذہانت اور صلاحیتوں کے قطرے انگریزی زبان کے سمندر میں گر کر معدوم ہو رہے ہیں"

جمیل جالبی

(پاکستانی کلچر صفحہ ۱۹۹)

نفاذِ اردو

اردو کے ٹیلی پرنٹر ۱۴ اگست سے کام شروع کر دیں گے

اس کے آغاز سے اردو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں شامل ہو جائے گی۔

۱۴ اگست ۱۹۸۲ء سے ملک میں اردو ٹیلی پرنٹر باضابطہ طور پر کام شروع کر دیں گے یہ بات صنعت ٹیلی فون پاکستان (ٹی۔ آئی۔ پی) کے ناظم منصوبہ جناب انعام اللہ بیگ نے دفتر مقتدرہ قومی زبان میں ایک اجلاس میں بتائی انہوں نے کہا کہ صنعت ٹیلی فون پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۸۲ء سے قبل اردو کی دس عدد ٹیلی پرنٹر مشینیں حکومت کے حوالے کرے گی۔ یہ ٹیلی پرنٹر صنعت ٹیلی فون پاکستان اور جرمنی کے ایک ادارہ سیمینز کے فنی اشتراک سے پاکستان میں تیار کیے جا رہے ہیں۔ اردو ٹیلی پرنٹر سروس کے آغاز سے اردو نہ صرف دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں شامل ہو جائے گی بلکہ اندرون ملک ان مشینوں کی تیاری سے پاکستان ٹیکنالوجی کے نئے دور میں داخل ہو جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ ان مشین میں جو بیک وقت دو زبانوں میں کام کرے گی۔ پیغامات کو حافظہ میں رکھنے کی سہولت بھی رکھی گئی ہے۔ اگر ٹیلی پرنٹر میں اردو میں ایک پیغام آ رہا ہو اور اسی وقت انگریزی میں بھی کوئی پیغام آنے لگے تو دوسرا پیغام مشین کے حافظے کے خانے میں جمع ہوتا رہے گا۔ انہوں نے بتایا کہ صغیر ریورٹیبل) اردو ٹائپ رائٹر تیاری کے آخری مرحلے میں ہے۔ یہ ٹائپ رائٹر بڑے ٹائپ رائٹر کے مقابلے میں ایک چوتھائی قیمت پر فروخت کیا جائے گا تاکہ عام آدمی بھی اسے آسانی سے خرید سکے۔

لاہور اور دیگر شہروں میں اردو کالج کھولے جائیں گے

کالجوں کے ساتھ دفتری خط و کتابت ٹائپ اور مختصر نویسی کی تدریس بھی جاری کی جائے گی

انجمن ترقی اردو لاہور کی عمل درآمد کمیٹی کے اجلاس میں انگریزی کی یلغار کو روکنے کے لیے ایک بین العلاقائی تنظیم قائم کرنے اور لاہور اور دیگر شہروں میں اردو کالج کھولنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ کمیٹی کا اجلاس آج یہاں اردو نگر میں ہوا۔ صدارت لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) محمد ایوب خان نے کی۔ شرکاء نے اجلاس میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اردو ذریعہ تعلیم اور امتحان والے طلباء کے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کیا جا رہا ہے اور فیصلہ کیا گیا کہ ان کی مدد کے لیے شام کے اردو کالج کھولے جائیں جن میں برائے نام فیس لی جائے اور جو آگے چل کر اردو یونیورسٹیوں کا درجہ اختیار کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے ڈاکٹر غلام یاسین خاں نیازی، ڈاکٹر ابوبکر، ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹی، ڈاکٹر انور بھٹی، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار پر مشتمل ایک تنظیم قائم کی گئی ہے اور فیصلہ کیا گیا ہے کہ ان کالجوں کے ساتھ دفتری مراسلہ نگاری، ٹائپ اور مختصر نویسی کی تدریس بھی جاری کی جائے۔ اجلاس میں تعلیم، صنعت اور کاروباری حلقوں کے نمائندوں، تحریکِ پاکستان کے کارکنوں اور ممتاز شہریوں نے شرکت کی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اور ریٹائرڈ کرنل محمد ایوب نے اجلاس سے خطاب کیا اور اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ قومی زبان کے دفتری اور تعلیمی زبان کے طور پر نفاذ کے سلسلے میں مناسب اقدام نہیں کیے جا رہے ہیں۔ اجلاس میں منظور کردہ ایک قرارداد میں صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی اردو نوازی کا اعتراف

صدر محمد ضیاء الحق اردو کے سرپرست ہیں

انجمن ترقی اردو لاہور کے سربراہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے اس موقف کا اعادہ کیا ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اردو کو آگے بڑھایا جائے اور ملک میں انگریزی ذریعۂ تعلیم کو مسترد کر دیا جائے وہ لیفٹیننٹ کرنل ریٹائرڈ محمد ایوب خان کی صدارت میں ہونے والے انجمن ترقی اردو کے اجلاس سے خطاب کر رہے تھے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے کہا کہ اردو ذریعہ تعلیم سے انٹرمیڈیٹ کرنے والوں کے ساتھ پیشہ ورانہ کالجوں میں داخلے کے وقت سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اردو کی سرپرستی کرنے پر صدر ضیاء الحق کی خدمات کی تعریف کی انہوں نے کہا کہ جہاں تک اردو کی ترقی کا تعلق ہے جنرل محمد ضیاء الحق اردو کے سرپرست ہیں۔

کرتے ہوئے ان سے درخواست کی گئی کہ ۱۴ اگست ۱۹۸۲ء کو دفتروں میں اردو کے استعمال کا یوم قرار دیا جائے۔ اجلاس میں موجودہ تعلیمی حکمت عملی کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ ملک میں سب کے لیے واحد ذریعۂ تعلیم اپنایا جائے۔ انگریزی ذریعہ تعلیم کے اسکولوں میں روز افزوں اضافہ اور مہنگی تعلیم کی اجازت کو غیر قومی اور غیر پاکستانی عمل قرار دیا جائے اور ایسے اسکولوں پر سخت پابندیاں لگائی جائیں۔ اجلاس نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن سے مطالبہ کیا کہ وہ انگریزی کے فروغ پر خرچ کی جانے والی رقم میں سے اردو فارسی اور عربی کے فروغ کے لیے بھی رقم مختص کرے۔ انٹرمیڈیٹ کی بدنام نصابی اسکیم کو مسترد کرنے، یونیورسٹیوں میں اردو میں اردو ذریعۂ تعلیم والے طلبہ کے لیے اردو میں پڑھانے والے اساتذہ مقرر کرنے کا بھی مطالبہ کیا گیا اور فیصلہ کیا ہے کہ جلد ہی ایک قومی تعلیمی کانفرنس بلائی جائے گی جس میں ہائی اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں اور ماہر اساتذہ کے علاوہ ماہرین تعلیم کو شرکت کی دعوت دی جائے گی تاکہ لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک میں ایک عربی کانفرنس بلانے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ سرکاری امداد پر اردو کی ترقی کے لیے کام کرنے والے اداروں کو ہمدردانہ تعمیری مشورے دینے کے لیے ایک مشاورتی کمیٹی قائم کی جائے اور کاروباری اور تجارتی اداروں کو اردو کے استعمال پر آمادہ کرنے کے لیے مہم چلائی جائے۔

افسران قومی زبان استعمال کریں

راجہ سلیم اختر کیانی نے ضلعی اداروں کے سربراہوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اردو کو سرکاری زبان کے طور پر استعمال کرنے میں کوششیں تیز تر کردیں۔ وہ ضلعی مجلس زبان دفتری کے اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ انھوں نے افسروں کو ہدایت کی کہ وہ خط و کتابت میں اردو کو استعمال کریں۔ انھوں نے ضلعی انتظامیہ کو بھی ہدایت کی کہ وہ سڑکوں اور دیگر عوامی مقامات پر اشتہارات اور سائن بورڈوں کے ذریعہ قومی زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو ملکی اتحاد و استحکام کا نشان ہے اور اسے ہر سطح پر سب سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے۔

ادارۂ ترقیات کراچی اپنے فارم اور دستاویزات اردو میں شائع کرے گا

ادارہ ترقیات کراچی (کے ڈی اے) کے نئے فارم اور دیگر دستاویزات جلد ہی قومی زبان میں بھی شائع کیے جائیں گے۔ ان فارموں کے اردو ترجمے کے لیے ادارہ ترقیات نے مقتدرہ قومی زبان کی خدمات حاصل کی ہیں نئے فارم کے ترجمے کے بعد انھیں اردو اور انگریزی دونوں زبان میں شائع کیا جائے گا دریں اثنا ادارہ ترقیات نے اپنے سالانہ میزانیہ (بجٹ) کو قومی زبان میں پیش کرنے کی بھی تیاری شروع کردی ہے تاہم آئندہ مالی سال میں صرف میزانیہ کا ابتدائیہ اور اس کی خاص خاص باتیں اردو میں شائع کی جائیں گی۔

اسٹیٹ بنک نے اردو کے لیے اقدامات شروع کردیے

معلوم ہوا ہے کہ اسٹیٹ بنک کے گورنر جناب اے جی این قاضی نے بنک کے کاموں میں اردو کو رواج دینے کے لیے ہدایات جاری کر دی ہیں۔ اب تک جو اقدامات کیے گئے ہیں ان میں اسٹیٹ بنک کے سرنامہ پر انگریزی کے علاوہ بنک دولت پاکستان کی طباعت اور عوام سے براہِ راست رابطہ رکھنے والے شعبوں کی جانب سے اردو میں فارم جاری کرنا اور مرکزی نظامت میں شعبۂ اردو کا قیام شامل ہے۔ اسٹیٹ بنک نے عوام کی سہولت اور بنکاری نظام میں اردو زبان کے رواج کے لیے اردو میں طبع شدہ فارم جاری کردیے ہیں۔ یہ فارم اسٹیٹ بنک کے گورنر جناب اے جی این قاضی کی ہدایت پر جاری کیے گئے ہیں جناب قاضی نے ہدایت جاری کی تھی کہ مختلف معاملات میں عوام کو جاری کیے جانے والے احکامات بھی اردو زبان میں ہونے چاہئیں۔ انھوں نے ملک کے تجارتی بنکوں سے بھی درخواست کی ہے کہ وہ اپنے یہاں اردو زبان کو رائج کریں کیونکہ پاکستان میں اردو زبان کا مستقبل بڑا تابناک ہے۔

مسائل و مباحث

اُردو میں نراجیت

"اخبار اردو" کراچی کا مارچ ۱۹۸۲ء کا شمارہ ملا۔ اس سے پہلے اس کی شہرت سُنی تھی، لیکن دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ موجودہ پرچے نے واضح کر دیا کہ یہ شہرت بے جا نہ تھی۔ بظاہر اس پرچے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان و ادب کے بارے میں اردو داں طبقے کو تازہ ترین معلومات فراہم کی جائیں لیکن بعض مضامین کی شمولیت سے اس کی حیثیت ایک علمی جریدے کی سی ہو گئی ہے موجودہ شمارے میں ثاقب رزمی کا مقالہ "اردو زبان میں نراجیت" اس کی ایک مثال ہے جس میں مصنف نے انگریزی زبان کی علمی اصطلاحوں کے اردو تراجم پر بحث کی ہے اور اس امر پر بجا طور پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ ہر دانشور، انگریزی کی مطلوبہ اصطلاحوں کا من مانا ترجمہ کرکے انتشار پیدا کر رہا ہے۔ مضمون نگار نے اس سلسلے میں غیر ملکی شخصیات کے ناموں، اردو میں مستعمل انگریزی لفظوں، یائے نسبتی اور یائے معنوی کے استعمال اور اصطلاحوں کے متفرق ترجموں کی بھی مثالیں دی ہیں۔ یہ واقعی ایک اہم مسئلہ ہے اور ہر زبان، جو غیر ملکی علوم و فنون کو اپنے دامن میں سمیٹنا چاہتی ہے، اس مسئلے سے دوچار ہے۔ عربی اور فارسی میں بھی کم و بیش یہی صورتِ حال ہے اور موجودہ اردو زبان بھی اسی بحرانی کیفیت سے گزر رہی ہے۔ مگر اس کا کوئی فوری حل بھی موجود نہیں ہے۔ بعض دانشور، غیر ملکی اسما، کتب و رسائل و اخبارات اور ان میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کو اردو میں جوں کا توں برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور بعض حضرات اُن کی املا میں ردّ و بدل کے قائل ہیں۔ ثاقب رزمی صاحب نے GOETHE کے لئے گوئٹے اور گیٹے کی دو اشکال کا ذکر کیا ہے۔ یہاں مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز فیصل آباد میں ملازم ایک ڈائنگ ماسٹر سے، جو جرمن تھا، میں نے ایک دفعہ پوچھا کہ آپ کو گوئٹے کی کون کون سی تصانیف پسند ہیں؟ میرے سوال پر اس نے حیران ہو کر پوچھا "WHAT گوئیٹے؟" میں نے عرض کیا، "وہی 'فاؤسٹ' اور 'نوجوان ورتھر کے غم' والا!" تو وہ بے ساختہ بولا "اوہ، تمھارا مطلب ہے گوئٹے!" — ہاں وہ اچھا شاعر، ناول نگار اور فلسفی تھا۔ لیجیے GOETHE کی تیسری شکل "گوئٹے" بھی نکل آئی۔ یہی حال SARTRE کا ہے، جسے سارتر، سارترے اور سارت وغیرہ کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ غیر ملکی ناموں کو جوں کا توں برقرار رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ انگریزی، فرنچ اور جرمن زبانوں کو دیکھ لیجیے۔ بعض مسلمان مشاہیر کے نام ان زبانوں میں استعمال ہوئے ہیں، وہ پہچانے نہیں جاتے۔ ہاں، جدید مغربی تصانیف میں البتہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مروج اسما و اصطلاحات کے ساتھ ساتھ اصل زبانوں میں مستعمل الفاظ بھی درج کر دیئے جائیں، تاکہ جو لوگ دونوں زبانوں سے واقف ہوں، انھیں اصطلاحات سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ حال ہی میں میرے ایک دوست صفدر علی چودھری ایڈووکیٹ نے مارٹن لنگز کی کتاب "تصوف کیا ہے؟" کا ترجمہ مکمل کرکے جناب سہیل عمر کے پاس لاہور بھیجا تاکہ وہ اِسے ایک نظر دیکھ کر، جہاں ضرورت ہو، اصلاح و ترمیم تجویز کر سکیں۔ آپ کو یہ سُن کر حیرانی ہوگی کہ جناب سہیل عمر صاحب نے نہ صرف پورے پورے پیروں کے ترجمے پر اعتراض کیا، بلکہ عنوانات کی جگہ بھی نئے عنوانات تجویز کئے۔ صفدر علی چودھری صاحب نے سہیل عمر صاحب کی بعض تجاویز سے اتفاق کیا، لیکن بعض جگہ انھیں اپنا ترجمہ ہی درست محسوس ہوا۔ سب سے زیادہ گھپلا تصوف کی اصطلاحات کے تراجم میں ہوا۔ جناب سہیل عمر صاحب نے مترجم کو دو صفحات پر مشتمل خود مصنف کے ہاتھ سے لکھے ہوئے انگریزی سے عربی اصطلاحات کے نمونے ارسال کئے، جن کی روشنی میں مترجم کو اپنے ترجمے پر نظرِ ثانی کرنی پڑی، حالانکہ ترجمہ کرتے وقت بھی وہ ایک ایک جملے اور ایک ایک اصطلاح پر چھ چھ دفعہ غور کر چکے تھے۔ وہ ترجمہ کے دوران میں لغات کھنگالنے کے ساتھ ساتھ اپنے علم دوست احباب سے تبادلہ خیالات بھی کرتے رہے اور پورا ایک سال لگا کر سو، سوا سو صفحات کی اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالنے

میں کامیاب ہوئے۔ مگر جناب سہیل عمر صاحب اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے۔ اس طرح کی کئی اور بھی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، لیکن ان کا فائدہ کیا ہے؟ ـــ اصل بات تو یہ ہے علمی کتابوں کے اردو میں زیادہ سے زیادہ تراجم ہونے چاہئیں۔ شروع شروع میں اصطلاحات کے تراجم میں نراجیت ضرور ہوگی، لیکن رفتہ رفتہ قبولِ عام انھیں اصطلاحوں کو حاصل ہوگا جو عوام کی زبان پر آسانی سے چڑھ سکیں گی۔ انگریزی زبان میں آنحضرتؐ کے اسم مبارک "محمد" کی ستر سے زائد اشکال ہیں اور اب تک ان میں سے کسی ایک شکل پر اہلِ علم کا اجتماع نہیں ہو سکا۔ جب ایک ترقی یافتہ زبان کا یہ حال ہے، تو پھر اردو جیسی نسبتہً کم عمر زبان سے ایک ایسی خواہش کا تقاضا کیوں کیا جائے، جس کا پورا ہونا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

فقط والسلام

(پروفیسر) انور خالد محمود

فیصل آباد۔

اُردو میں "ڑ" کا تلفظ

ماضی قریب میں مختلف حضرات نے اپنی اپنی بساطِ علم و فکر کے مطابق ایسے اسماء تجویز کئے تھے جن سے اردو کے حرف "ڑ" کے تلفظ کی وضاحت ہو سکے اور بچوں کے ابتدائی قاعدوں میں انھیں مصور کر کے ذہن نشین کرایا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے صرف وہی الفاظ موزوں ہو سکتے ہیں کہ جن کا پہلا حرف "ڑ" ہو اور کسی ایسی مادی چیز کا نام ہو جس کی تصویر کشی ممکن ہو۔ وہ اخباری بحث بغیر کسی نتیجہ برآمد ہوئے ختم ہوگئی اور مسئلہ وہیں کا وہیں باقی رہا کہ "ڑ" سے شروع ہونے والا کوئی ایسا اسم نکرہ نہ ملا جس کے مسمّٰی کو مصور کر کے بچوں کو اس حرف کا تلفظ سمجھایا جا سکے، جیسے دیگر تمام حروف کے لئے ہوتا ہے۔

اب جنوری ۱۹۸۲ء کے "قومی زبان" کے صفحہ ۴ پر اداریہ میں یہ مسئلہ پھر زیر بحث آیا ہے اور اس میں عبدالحکیم خاں صاحب کے تجویز کردہ دو فرانسیسی الفاظ "ڑشان" (رتی) اور "ڑشام" (رتی نما) کا حوالہ دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مدیر نے ان دونوں کو قطعی مجہول و غیر معروف بدیسی الفاظ کی غیر مقبولیت کی طرف بھی جائز توجہ دلائی ہے۔ اس سلسلے میں ایک تجویز درج ذیل "اخبار اردو" کے قارئین سے استصواب رائے کے لئے پیش ہے۔

ہندوستان کے دیگر علاقوں کے متعلق تو مجھے علم نہیں لیکن یوپی اور راجستھان میں جن سے میرا تعلق ہے، ایک کھلی ہوئی بیل گاڑی باربرداری کے لئے استعمال ہوتی ہے جسے "ریڑھی" کہتے ہیں شہروں میں تو اس کا تلفظ "ر" سے ہی ہے لیکن دیہات و مواضعات میں لوگوں کو میں نے اکثر اس کا تلفظ "ڑ" سے بھی کرتے سُنا ہے، یعنی "ڑیڑھی" اگر اس عامیانہ تلفظ کو اردو میں رائج کر لیا جائے تو اس مسئلہ زیر بحث کا حل نکل آتا ہے اور اردو ابجد کے اس حرف سے شروع ہونے والا ایک نام مل جاتا ہے جسے مصور کر کے بچوں کو تلفظ سمجھایا جا سکتا ہے۔ بجائے کسی غیر ملکی زبان کے ایسے لفظ کے کہ جس سے اردو داں تو کیا انگریزی خواں بھی ناآشنا ہیں خود اپنی ہی زبان کے ایک مروجہ لفظ کے تلفظ کو وسعت دے کر یہ اشکال دور ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اگرچہ اُس چھوٹی سی لکڑی کی گاڑی کو بھی ریڑھی کہتے ہیں جس پہ بیٹھ کر اپاہج بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور جسے یا تو کوئی مددگار پیچھے سے دھکیلتا ہے یا ریڑھی نشین خود زمین پر دونوں ہاتھ ٹیک کر آگے بڑھاتا رہتا ہے، لیکن بچوں کے ابجدی قاعدہ میں اس کی تصویر طفلانہ ذہن پر بُرا اثر ڈالے گی۔ لہٰذا "ڑ" کا تلفظ سمجھانے کے لئے "ڑیڑھی" کے ساتھ تصویر اُسی ایک یا دو بیل والی گاڑی کی ہونی چاہئے جس کے تین طرف کھڑے ڈنڈے لگے ہوتے ہیں تاکہ اسباب دائیں بائیں یا پیچھے گر نہ پڑیں۔ اس تجویز پر اپنے قارئین کی رائے بھی معلوم کیجئے۔

خسروی، کراچی

متبادل اُردو علامتیں

کسی قوم کی زبان کے معیار اور ترقی کا اندازہ کرنے کے لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ قوم کے افراد کس حد تک اس میں دلچسپی رکھتے ہیں ترقی یافتہ قوموں کی زبان بھی ترقی یافتہ ہوتی ہے اور قوم کی معاشرتی ثقافتی تہذیبی اخلاقی فنی معاشی اور سیاسی ارتقاء کی آئینہ دار بھی ترقی یافتہ قوموں نے جدید علوم بالخصوص ریاضی، فلسفہ طب اور سائنس میں جو ترقی کی اس میں ان قوموں کی زبان کو بڑا دخل ہے۔ اُردو میں بھی شعروادب، فلسفہ، قانون اور سائنس کے ماہرین اور دانشوروں نے بڑا کام کیا اور اب اُردو ترقی پذیری سے نکل کر ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں شمار ہونے لگی ہے۔ لیکن اس ترقی کی بنیاد دراصل فصیح و بلیغ دقیق و ثقیل الفاظ ڈھالنے پر رکھ دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری موجودہ نسل اردو میں کم اور انگریزی

یں زیادہ دلچسپی رکھتی ہے ضروری نہیں کہ آپ میری اس بات سے متفق ہوں لیکن میرا مشاہدہ یہی ہے کہ اردو سے اگر کچھ لگاؤ ہے بھی تو اس ادب سے جو انگریزی تخلیق سے ماخوذ ہے اور جسے ادب برائے ادب کا نام بھی نہیں دیا جا سکتا (LOVE STORIES) سے لے کر (ADVENTURE) اس سے آگے (SUSPENSE) اور آگے چلیں تو (TERROR) اور بھی آگے آئیں تو (AGGRESSION) پھر دیکھیں تو (SESNSATIONAL) سنسنی خیز جذبات نگاری اور آخر میں (   ) جرمیات سامنے آتی ہیں اردو میں یہ نقالی کسی طرح بھی اُردو ادب کا حصہ نہیں بن سکتی جو ہماری اخلاقی تہذیبی اور معاشرتی ضابطے کے منافی ہے۔ ایسے ادب سے ہم کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ کچھ قوموں کے پاس ہمارے قومی تشخص کو بگاڑنے کے لیے بہت سی ترکیبیں ہیں جس میں ایک ہماری زبان اور ہماری تہذیب کو اپنے مزاج کے مطابق بنا دینا بھی شامل ہے اس سائنسی دور میں جبکہ یہ اقوام خلائی شٹل پر خلا میں پرواز کر رہی ہیں ہمیں ایسے گانے بجانے کی دھنوں پر سر دھنتے نظر آتی ہیں اور ہم عشق و محبت بھرے افسانوں، سنسنی خیز ناولوں، ماہناموں اور ایسے رسالوں میں کھوئے ہوئے ہیں جو عریانیت سے پر ہیں لیکن ہم ان کو ادب کا نام دیتے ہیں ضرورت ہے کہ ہم اپنی تہذیبی اخلاقی اور معاشرتی زندگی کا جائزہ لیں اور غور کریں کہ ہمیں اردو میں کس قسم کا ادب تخلیق کرنا ہے جب تک اُردو قومی زبان نہیں تھی اس وقت جو ہوتا رہا ہوتا رہا لیکن اب کوئی راہ عمل متعین کرنا ہے میرے نزدیک اُردو جس راہ پر گامزن ہے وہ پہلے سے متعین نہیں ہو پایا تھا چنانچہ وہ ہمیں دوراہے پر کھڑی نظر آتی ہے۔ اول وہ جو شعر و ادب کا ہے جسے مخصوص طبقہ (INTELLECTUALS) ہی سمجھ سکتا ہے اور عام آدمی اس سے کسی طرح افادہ نہیں کر سکتا دوسرا وہ جدید نصاب کا ہے جس اُردو کے ساتھ انگریزی شامل کر کے جدید علوم کی تعلیم دی جاتی ہے ان جدید علوم و فنون کی مخلوط تعلیم کے سبب روزمرہ اردو میں انگریزی الفاظ شامل ہوتے جا رہے ہیں لیکن ہمیں احساس نہیں کہ کچھ ہی عرصہ بعد اُردو کیا سے کیا ہو جائے گی۔ اُردو اپنی انفرادیت اسی وقت قائم رکھ سکتی ہے جب اس کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جائے

بہر حال ہم اتنا تو ضرور کر سکتے ہیں کہ اردو پر سے انگریزی سیادت کو کم سے کم کر دیں

حبیب احمد صدیقی
کراچی

مقتدرہ کا دفترِ معلومات

قومی زندگی کے تمام شعبوں میں قومی زبان اردو کے استعمال میں سہولت کے لیے مقتدرہ قومی زبان نے ایک دفترِ معلومات قائم کیا ہے۔ اس دفتر سے عوام کو انگریزی الفاظ کے اردو مترادفات اور اصطلاحات ٹیلی فون اور ڈاک کے ذریعے فراہم کی جاتی ہیں۔ ٹیلی فون پر مذکورہ معلومات (جمعہ کے علاوہ) صبح ۱۰ بجے سے ایک بجے تک حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ٹیلی فون : ۴۶۴۱۲۲

ڈاک سے معلومات حاصل کرنے کا پتہ یہ ہے :-

"دفترِ معلومات" مقتدرہ قومی زبان۔ ۳۴ ڈی، بلاک نمبر ۷، گلشنِ اقبال، کراچی نمبر ۴۷

تازہ مطبوعات

نیا دور

اُردو کا ممتاز ادبی مجلہ "نیا دور" کراچی خاص نمبر کی صورت میں حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے۔ یہ خصوصی اشاعت شمارہ ۷۵-۷۶، بابت اپریل۔ جولائی ۱۹۸۲ء پر مشتمل ہے۔ اس کی اشاعت کا اہتمام "پاکستان کلچرل سوسائٹی" کرتی ہے۔ اور اس کی مجلس ادارت، قمر سلطانہ جمیلہ ہاشمی، اور خاور جمیل پر مشتمل ہوتی ہے۔ ۳۱۰ صفحات کے اس مجلہ کی قیمت پچیس روپے ہے۔ یہ دیدہ زیب سرورق کے ساتھ سفید کاغذ پر بڑی نفاست کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

یہ خصوصی اشاعت متنوع اور معیاری تخلیقی و تنقیدی نگارشات پر مشتمل ہے۔ افسانے، نظمیں، غزلیں اور مضامین کے ساتھ ساتھ اس میں چند خصوصی گوشے بھی شامل کئے گئے ہیں۔ یہ گوشے عزیز حامد مدنی کی چھ نظمیں، شان الحق حقی کی کہہ مکرنیاں، مقبول الٰہی کی ترجمہ کی ہوئی جدید جرمن نظمیں اور اُردو گیت ایک مطالعہ کے موضوع پر اردو گیت اور گیت نگاروں کے تعلق سے مضامین پر مبنی ہیں۔

یہ مجلہ گو قدرے تاخیر سے شائع ہوتا ہے، لیکن اپنی تخلیقات کے معیار اور اپنے تنوع کے سبب یادگار ثابت ہوتا ہے۔

عصری ادب

اختر انصاری اکبر آبادی کی ادارت میں حیدرآباد سے مجلہ "نئی قدریں" ربع صدی سے زائد عرصہ سے شائع ہو رہا ہے۔ ایک ایسے شہر سے جہاں وسائل کی خاصی کمی ہے اور پھر ادبی مجلّوں کی ناقدری کے اس دور میں کسی مجلہ کا اتنے عرصہ تک شائع کرنا بجائے خود ادب کی ایک بڑی خدمت ہے۔ اس کے مدیر نے اس مجلہ کو نہ صرف اتنے عرصہ تک زندہ رکھا بلکہ اس کے کئی خاص نمبر بھی شائع کئے۔ زیر نظر کتاب "نئی قدریں" کے اولین اور موجودہ دور کی نمائندہ تخلیقات کے ایک انتخاب پر مشتمل ہے۔ اس میں مضامین، افسانے، نظمیں اور غزلیں اس طرح سے منتخب اور یکجا کی گئی ہیں کہ انہیں دیکھنے سے اس مجلہ کی قدر و قیمت کا بہتر اندازہ ہوتا ہے۔ لکھنے والوں میں ہمارے ادب کی متعدد اہم شخصیات نظر آتی ہیں۔ ۲۷۴ صفحات کے اس مجموعہ کی قیمت ۳۶ روپے ہے۔

فقہائے ہند (جلد پنجم)

فقہائے ہند کی چار جلدیں اس سے قبل شائع ہو چکی ہیں یہ پانچویں جلد ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ الف سے حرف ک تک اور دوسرا حصہ م سے ی پر ختم ہوا ہے دونوں حصوں میں ۱۶۲ + ۱۰۱ (۲۶۳) علماء و فقہاء کے حالات آئے ہیں پہلا عہد عالمگیری اور دوسرا حصہ مغل متاخرین از شاہ عالم اول۔ تا شاہ عالم ثانی، ۱۷۰۷ء-۱۸۰۶ء کے علمائے فقہ کے حالات پر مشتمل ہے شروع میں فاضل مؤلف نے اورنگ زیب عالمگیر اول تا شاہ عالم ثانی کے مفصل حالات بیان کئے ہیں سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالات کا تجزیہ کیا ہے اور پس منظر بیان کیا ہے۔

فاضل مؤلف مولانا محمد اسحاق بھٹی نے قابل اعتماد مآخذ کی روشنی میں نہایت محنت، سلیقہ اور تحقیق سے حالات لکھے ہیں۔ اس سے علماء و فقہا کی دینی خدمات، اصلاحی کوششوں خصوصاً فقہی ممارست و درک اور فقہی تصانیف و تالیف کا علم ہوتا ہے کہ اس باب میں انفرادی حیثیت سے علماء نے کیا کیا کارنامے انجام دیئے ہیں۔

یہ دور زوال کی داستان فضل و کمال ہے جس میں خاندان فرنگی محل اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور خاندان خیرآباد وغیرہ کے علمی و اصلاحی کارناموں کا مفصل حال ملتا ہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کا یہ ایک بڑا کارنامہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے حالات میں اب تک پانچ جلدیں شائع کی ہیں۔ کتاب کے آخر میں کتابیات بھی شامل ہے۔

ری انفورسڈ سیمنٹ کنکریٹ (ڈیزائن)

زیر نظر تبصرہ کتاب سید آصف فتح پوری نے تحریر کی ہے۔ اسے آصف ایسوسی ایٹس کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس کی قیمت ۳۰ روپے ہے اور صفحات ۴۳۲ ہیں۔ مصنف کی یہ پہلی کوشش نہیں بلکہ اس سے قبل وہ متعدد کتابیں تصنیف فرما چکے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا جذبہ قابل ستائش ہے کہ وہ اردو میں فنی موضوعات پر تصانیف لکھ رہے ہیں۔ اور

اسے نیچے سے اوپر کی جانب لکھا جانا چاہیے تھا یعنی اس طرح؛

زبان
قومی
مقتدرہ

خطاطی کے نقطۂ نظر سے تمام طغرائی نشانات نیچے سے اوپر کی جانب لکھے جاتے ہیں۔ قدیم مہروں میں بھی یہی صورت تھی۔ چنانچہ میرے پردادا مولانا اکبر علی خاں محدث رام پوری (متوفی محرم ۱۳۰۱ھ) کی مہر جو میرے پاس محفوظ ہے اور سو برس سے زیادہ پرانی ہے۔ اس کا ثبوت ہے ملاحظہ ہو۔



اسے یوں پڑھا جائے گا۔
محمد اکبر علی خاں خلف رحم باز خاں،
۱۲۹۷۔ اس لیے کہ صاحبِ مہر کے والد کا نام رحم باز خاں تھا۔

یہی صورت غالب کی اس مہر کی بھی ہے جس میں اسد اللہ الغالب ۱۲۳۱ درج ہے۔

اس لیے میری رائے میں یہ مسلمہ اور مروجہ قاعدہ مقتدرہ قومی زبان کو بھی اپنے نشان میں برتنا چاہیے۔

محمد اکبر علی خاں (عرشی زادہ)
رامپور (بھارت) ۲۰ مئی ۱۹۸۲ء

نزاج اور نزاجیت

"اخبار اردو" کی گزشتہ اشاعت میں جناب جابر علی سید صاحب کا ایک مراسلہ بعنوان "نزاجیت نہیں نزاج" شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے "نزاجیت" کے لفظ کو "جو ثاقب رزمی کے بعد ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے برتا ہے" "ایک خوفناک غلطی" قرار دیا ہے اور اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ ——

"ANARCHY" کا یہ ترجمہ (یعنی نزاج جس کا ذکر عنوان میں ہے) ۱۹۵۱ء میں کیفی دہلوی نے 'کیفیہ' میں کیا تھا اور اس سے بہتر ترجمہ ممکن بھی نہیں۔ عربی کا لاحقہ "یت" لانے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟ پھر ہندی لفظ کے بعد۔"

چونکہ اُسی اشاعت میں جس میں یہ مراسلہ شائع ہوا ہے، میں نے بھی اپنے ایک مضمون کے دوران "نزاجیت" کا لفظ "برتا" ہے اس لیے میں بھی مذکورہ بالا دو حضرات کے ساتھ جن کا حوالہ محترم مراسلہ نگار صاحب نے دیا ہے۔ اس غلطی کے لیے جواب دہ ہو گیا ہوں۔ میری حقیر رائے میں "نزاج" اور "نزاجیت" دونوں الفاظ اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اور اس بارے میں کسی قسم کی الجھن نہیں ہونی چاہیے۔

"نزاج" کا لفظ پہلے سے موجود رہے اور ANARCHY کے لیے استعمال ہوا ہے مگر یہ دعویٰ محلِ نظر ہے کہ کیفی دہلوی نے اس لفظ کا استعمال پہلی دفعہ ۱۹۵۱ء میں کیا تھا۔ میں نے اس زمانے سے قبل کی لغات میں یہ لفظ دیکھا ہے اور اسی معنی میں دیکھا ہے۔

"نزاج" ہی کے لفظ سے دو الفاظ اور مشتق ہوتے ہیں "نزاجی" بمعنی ANARCHIST اور نزاجیت بمعنی ANARCHISM یہ ایک عام طریقہ ہے جو ہم اصطلاحات وضع کرتے وقت اختیار کرتے ہیں۔

جہاں تک ہندی لفظ کے بعد عربی لاحقہ "یت" کے استعمال پر اعتراض کا تعلق ہے تو فاضل مراسلہ نگار شاید یہ بھول گئے کہ ایسا تو ہم بہت سی مثالوں میں کرتے رہے ہیں۔ ہم نے "برہمن" سے "برہمنیت" بنایا اور پروہت سے "پروہتائی" اور "پروہتائیت" بنایا، "سامراج" سے "سامراجیت" بنایا، "اپنا" سے "اپنائیت" بنایا وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح ہم عربی لاحقہ کا بہت سے فارسی الفاظ پر اسی طرح اضافہ کرتے تھے جیسے عربی الفاظ پر وہ عموماً استعمال ہوتا ہے اسی طرح ہم نے اردو میں ہندی الفاظ پر بھی حسبِ ضرورت اس لاحقہ کا استعمال شروع کر دیا اور اب تو اس قسم کے الفاظ عام ہیں۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ "نزاج" اور "نزاجیت" دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دونوں کے معانی میں وہی فرق ہے جو "کیف" اور "کیفیت" میں ہے یا "خصوص" اور "خصوصیت" میں ہے۔ نزاج کی سی کیفیت کے لیے "نزاجیت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جہاں جناب ثاقب رزمی صاحب نے یہ کہا ہے کہ "اردو زبان میں ایک "نزاجیت" پھیلی ہوئی ہے" وہاں ان کی مراد یہی ہوگی کہ ایک "نزاج" کی سی کیفیت پھیلی ہوئی ہے۔

میں نے اردو کی ایک مستند لغت میں "خصوص" کا مرادف "خصوصیت" اور "کیف" کا مرادف "کیفیت" لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اگر اسی طرح "نزاجیت" کو "نزاج" کا مرادف قرار دے دیا جائے تو بھی تصادم سے بچا جا سکتا ہے۔ بہر حال یہ کوئی "خوفناک" غلطی تو ہرگز نہیں ہے۔

ہلال احمد زبیری

قارئین کی رائے

. . . . . "اخبارِ اردو" فروری سے مجھے مل رہا ہے۔ ذرہ نوازی کا شکریہ۔ میری ادبی تشنگی کے لیے آبِ حیات ثابت ہوا۔ اس ادارے کے مقاصد اور اخبار کی بے لوث کوششوں کے نتیجے میں یہ امید ہو گئی کہ اب ہماری قومی زبان اپنے جائز حقوق اور مرتبے حاصل کر کے رہے گی۔

محمد علی شاہ صبا بلتستانی
سب ڈویژنل مجسٹریٹ، بلتستان
ڈاک خانہ سکردو

میری تجویز ہے کہ ایوانِ اردو کراچی کے زیرِ اہتمام حیدر آباد دکن کے ماہرین اردو مراسلہ نگاری سے ہر دفتر سے متعلق چند مراسلے اور ان کے جوابی مراسلے لکھوا کر کتابی صورت میں شائع کیے جائیں اور یہ نمونے کے مراسلوں کی کتابیں مفت میں ہر دفتر کو روانہ کی جائیں۔ اور ہر دفتر میں ایک ماہر مراسلہ نگار کو بحیثیت افسر بکارِ خاص مقرر کیا جائے تاکہ وہ دفتر کے افسران اور ماتحت عملے کو اردو میں مراسلہ نگاری سکھائے۔

صرف یہی ایک عملی تدبیر ہے جس پر عمل کرنے سے دفتروں اور بینکوں میں اردو نافذ ہو سکتی ہے۔ عدالت کے فیصلے نظائر کی صورت میں متعدد اردو قانونی کتابوں میں حیدر آباد دکن میں موجود ہیں اور یہاں بھی اس علاقے سے تعلق رکھنے والے وکلاء اور منصف و ناظمِ عدالت کے پاس محفوظ ہوں گی۔ اب ان کتابوں کو پاکستان میں دوبارہ طبع کرا کے تمام عدالتوں اور وکیلوں کو انھیں خریدنے پر مائل کیا جائے۔

ڈاکٹر خاور نگرامی
کراچی

مقتدرہ قومی زبان کا مجلہ اخبارِ اردو بڑے شوق سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ گذشتہ ماہ فروری کا پرچہ نہیں ملا تو پورا مہینہ ایک تشنگی محسوس ہوتی رہی۔

ماشاء اللہ پرچہ ہر اعتبار سے معیاری اور مقتدرہ کے شایانِ شان ہے۔ اخبارِ اردو کے مضامین ان کا نفسِ مضمون اور تنوع ہر چیز اپنا معیار رکھتی ہے۔ مضامین کے درمیان اور سرورق کا اقتباس بھی خاص پیغام کا حامل ہوتا ہے۔

مارچ کے پرچے میں ثاقب رزمی کا مضمون "اردو زبان میں نزاجیت" خوب محنت سے تیار ہوا ہے۔ اور فکر انگیز بھی ہے کیا اچھا ہوتا کہ صاحبِ مضمون یا مقتدرہ کی طرف سے ہر لفظ کے بارے میں فیصلہ کن رائے بھی دے دی جاتی۔

پرنسپل
تعلیم القرآن خط و کتابت اسکول لاہور

آپ کا ماہنامہ مجھے پابندی سے مل رہا ہے۔ اردو کے نفاذ کے سلسلے میں جو کوششیں کی جا رہی ہیں اس کی بدولت ان سے واقفیت ہو جاتی ہے۔

کراچی یونیورسٹی آپ کے دفتر سے اس قدر قریب ہے کہ آپ کی چھت سے نظر آ سکتی ہے آپ اردو کو کم از کم کلیہ فنون میں تدریس کی زبان کی حیثیت سے رائج کرنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں۔ اس یونیورسٹی میں حامیانِ اردو کی تعداد بہت کافی ہے۔ آپ کوشش کریں تو امید ہے کہ کامیابی کی راہ میں زیادہ دشواریاں حائل نہیں ہوں گی۔

ڈاکٹر عبدالسلام
کراچی

کبھی کبھی آپ کا اخبارِ اردو مل جاتا ہے شکرگزار ہوں۔ کبھی ڈاک ڈاکوؤں کے ہاتھ لگ جائے تو دلی کے ایک دوست سے حاصل کر کے پڑھتا ہوں اور پھر لائبریری کو تحفتہً دے دیتا ہوں اس طرح یہاں محفوظ ہو جاتا ہے۔ آپ کو لکھنا تو کئی مسائل میں چاہتا تھا جس میں سے ایک اردو طباعت میں ٹائپ کا رواج بھی ہے۔ اور ایک ایسا طریقۂ تعلیم بھی ہے جو پاکستانی اور ہندوستانی ان شہریوں کے لیے جن کی مادری زبان اردو ہے لیکن وہ غیر ممالک میں رہتے ہیں، بڑا سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔ یعنی ان کے بچے عرشی زادہ طریقۂ تعلیم سے بڑی حد تک اردو پڑھنا لکھنا لازماً سیکھ جائیں گے مگر یہ دونوں تفصیل طلب ہیں۔ فی الوقت مقتدرۂ قومی زبان کے مونوگرام کے بارے میں عرض کر دوں۔ اس کے الفاظ اوپر سے نیچے کی جانب پڑھے جائیں گے لیکن یہ اردو خطاطی کی روایت کے سراسر خلاف ہے۔

ہندوستان کا دیش پانڈے بننے کے خواہاں ہیں۔ کتاب پر تبصرہ اگر تفصیلی طور پر کیا جائے تو بہت طویل ہو جائے گا۔ کیونکہ مصنف ایک خاص مطمح نظر کے حامل ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کا خیال درست ہو کہ انگریزی اصطلاحات مترادف لکھنے سے طلبا نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جائیں گے یا وہ لاطینی و گریک سے بھی مشکل ہو جائیں گی۔ اس سلسلے میں صرف اتنا عرض ہے کہ یہی سوچ اگر چینی، جاپانی، ہسپانوی، جرمن، ہنگری، فرانسیسی ولندیزی، عرب وغیرہ، اقوام کی ہو جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔

بقول کسے اردو تہی دامن ہے۔ دنیا کی تیسری بڑی زبان جس میں لاکھوں الفاظ کا ذخیرہ ہے۔ جس میں اصطلاحات، مترادفات، مشتقات کا ذخیرہ موجود ہے اور دیگر زبانوں کے الفاظ جذب کرنے کی ایک خاص صلاحیت موجود ہے۔ اس قابل نہیں کہ بغیر انگریزی بیساکھیوں کے کسی مضمون کا اظہار کر سکے۔

یہ سوچ تو صحیح ہے کہ جب کوئی مترادف فوری طور پر نہ ملے تو انگریزی لفظ استعمال کر لیا جائے لیکن یہ کہ مستقل اسی کو استعمال کیا جائے، مناسب نہیں۔ کیونکہ انگریزی الفاظ کا تلفظ مختلف علاقوں میں مختلف ہے لہٰذا اردو رسم الخط میں ان کو مختلف انداز میں لکھا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ جب تک انگریزی لفظ ساتھ نہ ہو صحیح لفظ کا سمجھنا مشکل ہوگا۔ مثلاً کسی بھی میٹریل کے لئے فیلنگ (FAILING) یا (FELLING) ایک ہی طرز پر لکھے جائیں گے یا اسٹیمیٹ اسٹریس (سٹریس)، اس انتہائی اسٹریس کو کہتے ہیں جس کے بعد اس میٹریل (یا میٹریل) میں شکست و ریخت یا فیلیور (FAILURE) شروع ہو جاتا ہے۔

ایک بات جو سمجھ سے بالاتر ہے کہ انگریزی کے بجائے انگلش کا لفظ استعمال کرنا، قانون کی جگہ لا، فورس کے لئے وزن کا استعمال جبکہ صحیح اصطلاح طاقت ہے اور تناسب کی جگہ ریشیو کا استعمال ہے۔ مقصد عرض کرنے کا یہ ہے کہ وہ آسان الفاظ جو ہر خاص و عام جانتا ہے اور طلبا اپنے اسکولوں میں اور درسی کتابوں میں پڑھتے رہتے ہیں ان سے بھی احتراز کیا گیا ہے۔ تعمیرات میں مستری ایک اہم رکن ہے۔ بہت سے آسان الفاظ وہ لوگ استعمال کرتے ہیں، مثلاً "برک ورک" کے بجائے "اینٹوں کی چنائی" ان سے بھی احتراز کیا گیا ہے۔ مناسب ہوگا کہ مصنف آئندہ کتب میں اپنے طرز تحریر میں تھوڑی لچک پیدا کر کے آسان اردو اصطلاحات استعمال فرمائیں۔ بہرنوع مصنف کا یہ جذبہ کہ اردو میں زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کیا جائے قابل تحسین ہے جس کو جمیل الدین عالی صاحب نے بھی سراہا ہے۔ کتابت واجبی، کاغذ بہتر اور قیمت مناسب ہے۔ امید ہے کہ انجینئرنگ کے طلبا اس سے ضرور استفادہ کریں گے۔

(ڈاکٹر نعیم الحسن نقوی)

ابتدائی لائبریری سائنس

رئیس احمد صمدانی کتاب خانہ کے موضوع پر اس سے قبل بھی ایک مفید کتاب لکھ چکے ہیں اس موضوع پر ان کی یہ دوسری کتاب ہے۔ انہوں نے یہ کتاب نصابی ضرورت سے لکھی ہے مگر یہ عام دلچسپی کا بھی موضوع ہے انہوں نے اس میں لائبریری کی تعریف، کتب خانوں کے اقسام، ان کی تاریخ بیان کی ہے پھر فن تحریر، مواد، ذرائع تحریر طریقہ حصول کتب اور ساری کتب وغیرہ پر اظہار خیال کیا ہے دوسرا حصہ عملی ہے جس میں کتابیات، ترتیب اندراجات اور اشاریہ سازی وغیرہ پر لکھا ہے۔ زبان و بیان سادہ اور سلیس ہے۔ فن کتابداری پر یہ مفید اور کارآمد کتاب ہے۔

"ہم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ اُردو میں تعلیم ممکن بھی ہے؟ میں اُن پوچھنے والوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ شروع میں جب انگریزوں کو جدید تعلیم رائج کرنے کا خیال پیدا ہوا تو انھوں نے دہلی کالج کے ذریعے سے اُردو ہی میں ابتدا کی۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں پورا پورا تجربہ ہو چکا ہے۔ جامعہ کراچی نے بھی اس کا تجربہ کر کے دیکھا۔ اگر مصالح ہمیں اجازت دیتے تو ہم اُسے کامیاب کر کے اس وقت تک دکھا چکے ہوتے۔ اگر یہ سوال اس وقت کیا جاتا جب عثمانیہ یونیورسٹی قائم کی گئی تھی تو شاید اس کے جواب دینے میں لوگوں کو تامل ہوتا لیکن عثمانیہ یونیورسٹی کی کامیابی کے بعد اس قسم کے سوال مہمل ہیں۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ۰ افکار و اذکار، صفحہ ۵۵

AKHBAR-E-URDU

"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"

34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK—7, KARACHI-47.

Registration No. S. 3195 —— Vol : 2 —NO 6 —— June 19

ماہنامہ اخبارِ اردو کراچی

جولائی ۱۹۸۲ء

"ہماری ساری تازگی تو غیر ملکی زبان چوس لیتی ہے، ہمارے اندر تجسّس اور اشتیاق کیسے باقی رہے۔ جب تک غیر زبان کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنا ہمارے مقدر میں لکھا ہے، ایک آدھ علم ہی اچھی طرح جان لیں سمجھیے بڑا قلعہ ڈھایا۔ اگر واقعی کبھی ہم ایمانداری سے اپنے مبلغ علم کا جائزہ لینے بیٹھیں تو اپنے ذہنی افلاس کا نظارہ دیکھ کر بجلی کا تار چھو لینے کو دل چاہے گا۔"

محمد حسن عسکری

"جھلکیاں" صفحہ ۸۵-۸۷

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل و نفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کرکے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ــــــ قوم کے حساس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ــــــ

ماہنامہ اخبارِ اردو کراچی

فہرست

رمضان ۱۴۰۲ھ جولائی ۱۹۸۲ء

جلد ۲ شمارہ ۷

مقتدرہ قومی زبان

۳۴-ڈی، بلاک ۷، گلشن اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون ۲۲-۴۶۴۱۲۱

قیمت: ایک روپیہ، سالانہ چندہ دس روپے

طابع: المخزن پرنٹرس (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معروضات

۱۴ راگست کا تقاضہ

۱۴ راگست کا دن ہماری ملی اور قومی تاریخ کا ایک نہایت اہم اور یادگار دن ہے۔ ۳۵ سال قبل اس دن برعظیم پاک وہند کے مسلمان ایک طویل جدوجہد کے بعد اپنے مقاصد اور اپنے خواب اور اپنے تصور کو قیامِ پاکستان کی صورت میں ایک حقیقت کے طور پر ڈھلتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ان کی زندگی میں کئی صدیوں کی طویل اور صبرآزما جدو جہد اور کئی نسلوں کی قربانیوں سے یہ خوش گوار اور مسرت انگیز مرحلہ آیا تھا۔ یہ دن ایک طرف ان کی اس کئی صدیوں پر مشتمل قومی جدوجہد کی یاد دلاتا ہے اور دوسری طرف یہ ان کے لیے یومِ تجدیدِ عہد کی حیثیت بھی رکھتا ہے کہ وہ اس دن ان مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہوں — جو قیامِ پاکستان کے باوجود حاصل نہیں ہو سکے ہیں۔ انھی مقاصد میں ایک مقصد اردو کے بحیثیتِ قومی و سرکاری زبان نفاذ اور رواج کا بھی ہے۔

موجودہ حکومت نے بلاشبہ اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کی کوششوں کا آغاز کیا ہے اور اسے قومی اور سرکاری زبان کی حیثیت میں پورے ملک میں نافذ کرنے کا عزم بھی کیا ہے — لیکن یہ عزم اور اس کو جائز مقام دلانے کی کوششیں ہنوز تشنۂ تکمیل ہیں۔ صوبائی حکومتوں میں سے بالخصوص پنجاب میں اردو کے دفتری زبان بنائے جانے کی صورت حال اور رفتار بہت حوصلہ افزا ہے لیکن دیگر صوبائی حکومتوں میں یہ رفتار سست نظر آتی ہے۔ سندھ کی حکومت نے تو اس سلسلہ میں کوئی قابلِ ذکر پیش رفت بھی نہیں کی۔ ان سب سے بڑھ کر جو ذمہ داری اور اہمیت وفاقی حکومت کو اس ضمن میں حاصل ہے — اور اس لحاظ سے اسے جس قدر سرگرمی اور مستعدی دکھانی چاہیے تھی وہ اتنی واضح اور حوصلہ افزا نہیں۔ اگر وفاقی حکومت اپنا فرض پورا کر دے تو صوبائی حکومتوں کے لیے اس کی پیروی کرنا بہت آسان ہو جائے گا اور انھیں اس معاملہ میں تاخیر اور چشم پوشی کا کوئی جواز نہیں مل سکے گا۔

مقتدرہ نے اس باب میں جو کوشش کی ہے اسے وفاقی حکومت کی رضامندی کے باوجود اب تک پزیرائی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ اردو کو دفتری و سرکاری زبان بنانے کے لیے مقتدرہ نے اپنی تجاویز مارچ ۱۹۸۱ء میں پیش کر دی تھیں، جن پر اگر عمل کیا جاتا تو اب تک قومی زبان کے نفاذ کی راہ میں حائل مشکلات (اگر کبھی حائل تھیں) نہ صرف ختم ہو جاتیں بلکہ اس سلسلہ میں متعدد ضروری مراحل بھی طے ہو جاتے۔ ان تجاویز کو ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کو اسلام آباد میں کابینہ ڈویژن میں

تمام صوبائی حکومتوں، ڈویژنوں اور وزارتوں کے نمائندوں نے اصولاً منظور کر لیا تھا۔ یہ توقع ہو گئی تھی کہ ۱۵ سفارشات کو اسی سال کابینہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ چند دن قبل ۲۴ر جون کے مجلس شوریٰ کے اجلاس میں ایک سوال کے جواب میں ایک مقدم وزیر نے بتایا ہے کہ "اردو کو سرکاری زبان بنانے کے متعلق مقتدرہ قومی زبان کی سفارشات حکومت کے زیرِ غور ہیں اور اس بات کا جواب نہیں دیا جا سکتا کہ اردو کو دفتری زبان بنانے کے لیے کتنا وقت لگے گا۔"

یہ صورتِ حال بہت مایوس کن ہے۔ اس معاملہ میں اس بلا جواز تاخیر کو دیکھتے ہوئے ملک کے دانشور کئی ماہ قبل سے حکومت سے یہ درخواست کر رہے ہیں کہ اس سال ۱۴ر اگست سے اردو کو دفتری و سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا جائے۔ مقتدرہ نے بھی اپنے ایک حالیہ اجلاس منعقدہ ۱۲ر جون میں ایک قرار داد میں حکومت سے یہی گزارش کی ہے۔

حکومت اگر تمام خدشات اور اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر اگر اردو کے فوری نفاذ کا اعلان کر دے تو یہ عین اسی طرح ممکن ہے جس طرح گزشتہ سال ۱۴ر اگست کو جشنِ آزادی منانے کے لیے حکومت نے عوام کو ترغیب دی تھی ــــ اور جس کے نتیجہ میں صرف چند دنوں کے مختصر عرصہ میں جشنِ آزادی کی ایک لہر پیدا ہوئی جو کراچی سے خیبر تک چپہ چپہ اور قریہ قریہ میں پھیل گئی تھی۔ اس جشن کے اہتمام اور اس کی نوعیت و خصوصیت کو ملک کے ہر خطہ اور ہر فرد نے محسوس کیا تھا۔ عوام کے جوش اور جذبہ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ حکومت کی تجویز اور ترغیب اور آزادی اور اپنے وطن سے کتنا گہرا اور قلبی لگاؤ رکھتے ہیں۔ یہ اس امر کا بھی واضح ثبوت تھا کہ حکومت کی سرگرمیاں قوم کی حقیقی امنگوں اور اس کی خواہشات سے ہم آہنگ ہوں تو قوم کس طرح اس کی آواز پر لبیک کہتی ہے۔ حکومت کی جانب سے ایسی ہی ترغیب قومی زبان کے نفاذ کے لیے بھی کی جا سکتی ہے۔ اگر قوم سے یہ کہا جائے کہ وہ ۱۴ر اگست کو یا اس تاریخ سے زندگی کے ہر شعبہ سے انگریزی کو نکال کر اردو اختیار کر لیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ عوام اپنی امنگوں اور خواہشوں سے عین مطابقت رکھنے والی قومی زبان کو اسی جوش اور جذبہ کے ساتھ اختیار نہ کریں جو گزشتہ سال جشنِ آزادی میں نظر آچکا ہے۔ اس وقت تو قوم کو صرف چند یوم کی مدت ملی تھی لیکن اب یہ مدت ایک ماہ سے زیادہ عرصہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگر حکومت چاہے تو ــــ اس کی ایک تجویز تمام راستوں اور بازاروں سے انگریزی کی اجارہ داری کو ختم کر سکتی ہے اور اس کی ایک ہدایت تمام دفتروں میں اردو کے استعمال کا آغاز کر سکتی ہے۔

یارانِ نکتہ داں کے لیے

سرائیکی اور اُردو

نور احمد خان فریدی

آپ کا ماہنامہ اخبار اردو بابت اپریل ۱۹۸۲ء موصول ہوا۔ اس شمارہ کو شروع سے آخر تک کمال دل چسپی سے پڑھا ہے تمام مضامین افادیت کے اعتبار سے خوب ہیں۔ مسائل و مباحث ہوں یا افکار معاصرین بالخصوص افکارِ حاضرہ قاری کو خاصا متاثر کرتے ہیں۔ سرورق پر جناب جسٹس غوث علی شاہ صاحب وزیرِ تعلیم کا بیان خاصا دلچسپ ہے۔ قاری پڑھنے کے بعد یہ سوچنے لگتا ہے کہ اردو کی عمارت تو چار زبانوں کے چار ستونوں پر کھڑی ہے مگر اظہارِ خیال کا ذریعہ پانچ زبانیں ہیں۔ یہ پانچویں زبان جو عزت مآب وزیرِ تعلیم کے تحت الشعور میں ہے، وہ کون سی ہے؟

اگر پانچوں زبانیں برصغیر کے عوام کے اظہارِ خیال کا ذریعہ ہیں تو پانچویں کو پردہ اخفا میں کیوں رکھا گیا ہے!

یہ امر مسلم ہے کہ اُردو زبان کی جائے پیدائش ملتان ہے اور جس زبان کی کوکھ سے اس نے جنم لیا ہے وہ سرائیکی ہے لیکن ابھی اردو زبان شیر خوارگی کی حالت میں تھی کہ حملہ آور اُسے لاہور اٹھا کر لے گئے۔ وہاں کے ماحول میں کچھ عرصہ تربیت پانے کے بعد اس کا نام پنجابی پڑا اور پھر جب اس نے شباب میں قدم رکھا تو مغل شہنشاہوں نے اسے لال قلعہ کے محلات کی رانی بنا لیا۔ اس اجمال کی تفصیل سندھ کے فاضل ادیب و دانشور رشید احمد صاحب لاشاری کی زبان سے سنیے۔ لکھتے ہیں:

"یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت ملتان اسلامی علوم و فنون کا مرکز تھا۔ اس وقت سرائیکی سندھی نے معمولی تغیر کے ساتھ ملتانی کی صورت اختیار کی اور اس کے بعد جب لاہور کو دارالحکومت بنایا گیا تو ملتانی زبان مشرقی پنجاب کی مغربی ہندی میں مدغم ہو کر پنجابی بنی اور اسی زبان کو دہلی اور شمالی ہند میں "اردوئے معلیٰ" کا لقب حاصل ہوا یعنی بالفاظِ دیگر اردو زبان سندھ میں پیدا ہوئی، ملتان میں پھلی پھولی، لاہور میں پرورش پائی اور رفتہ رفتہ دہلی سے لکھنؤ اور ٹھٹھہ اور کیٹی بندر سے ساحل مالابار کے راستے دکن میں جا کر ڈیرہ ڈالا آخر میں لاشاری صاحب اس طرح سے گنگناتے ہیں ؎

یہ وہ اُردو ہے جو اہلِ عرب سے سندھ میں آئی
بڑھی ملتان میں اور پرورش لاہور میں پائی
اسے تقدیر دلی سے اُٹھا کر لکھنؤ لائی
غرض مشرق سے مغرب تک ہوئے سب اسکے شیدائی
یہی تو شانِ اُردو ہے کہ اس کو سب سے الفت ہے
نہ پنجابی کی دشمن ہے نہ سندھی سے عداوت ہے

خاکسار مدینۃ الاولیاء ملتان کی خاکِ پاک سے پیدا ہوا ہے۔ نیاز مند نے درجنوں کتابیں ملتان کے مشائخ اور اس کی تاریخ و ثقافت پر لکھی ہیں۔ احقر کی تحقیق لاشاری صاحب کے ارشادات سے مختلف ہے۔ لاشاری صاحب کے داعیہ سے کہ اردو سندھ میں پیدا ہوئی اور پھر اسی کے راستے مالابار ہوتی ہوئی دکن جا پہنچی، ہمیں شدید اختلاف ہے۔ اور عروس البلاد ملتان کی حق تلفی ہے۔ جو حضرات ٹھٹھہ (سندھ) میں اردو زبان کا یہ نمونہ کہ

بحرمت پیر پٹھا
اک مویا اک نٹھا

یعنی حضرت پیر پٹھا کے طفیل محمد تغلق مر گیا اور سلطان فیروز شاہ محاصرہ اُٹھا کر واپس چلا گیا — کو اردو زبان کی ابتدا تصور کرتے ہیں۔ اردو سندھی یا پنجابی کا نمونہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ یہ ہر حالت

میں سرائیکی زبان کا نمونہ ہے" "سچل سرمست" ص ۲۲۴

یہ صحیح ہے کہ عرب فطرتاً وسیع القلب واقع ہوئے تھے اس لیے جہاں کہیں جاتے بے تکلفی سے لوگوں میں گھل مل جاتے تھے۔ سندھ میں آئے تو سندھی زبان پر اثرانداز ہوئے اور ملتان آئے تو بہت جلد یہاں کا تمدن قبول کر لیا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ ملتان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے لباس میں کافی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بالخصوص امراء کی وضع قطع تو ہندو راجاؤں جیسی ہے۔ ابوالیقظان علوی حکمرانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے، وَلِسَانُهُمْ هِنْدِیٌّ۔ یعنی ان کی زبان ہندی ہے۔ یہ سرائیکی ہی تھی جسے ابن ہرقل نے سندھی اور ابوالیقظان نے ہندی کا نام دیا۔ عربی، سرائیکی اور فارسی کے اختلاط سے ایک نئی زبان جنم لے رہی تھی۔ جس نے آگے چل کر اردو کا نام پایا۔ جب امیر خسروؒ بزمانہ غیاث الدین بلبن شہزادہ سلطان محمد کے ہمراہ ملتان آئے اس وقت فارسی اور عربی زبانیں سرائیکی کے الفاظ کو سرعت سے اپنے اندر جذب کر رہی تھیں۔ چنانچہ حضرت امیر خسروؒ کا اپنا ایک شعر اسی اسلوب کی نشان دہی کرتا ہے ؎

من کہ برسر نہ نہادہ بودم گل
توبرہ برسرم نہادو گفتا چل

یعنی اگرچہ میں نے کبھی اپنے سر پر پھول بھی نہیں رکھا تھا لیکن منگولوں نے میرے سر پہ توبرہ رکھ دیا اور کہا چل آگے بڑھ۔

اس شعر میں گل۔ توبرہ اور چل خالص سرائیکی الفاظ ہیں۔

اسی طرح دکن کے جعفر زٹلی کا ایک شعر ہے ؎

اگر لوٹا نباشد بار یڑی
نہ آید آب گر صد بار گیڑی

یعنی اگر ہاتھ پر لوٹے نہ ہوں تو کنویں کو خواہ صد بار کیوں نہ چلائیں، پانی نہیں آئے گا۔ یہں لوٹا، اریڑی اور گیڑی خالصتہً سرائیکی کے الفاظ ہیں۔ زبانوں کے اس انجذابی عمل نے بہت جلد اردو کو اس قابل بنا دیا کہ عوام کے اظہارِ خیال کا ذریعہ بن سکے امیر خسروؒ نے خالق باری کے عنوان سے ایک طویل نظم لکھی اور اس میں سرائیکی اور فارسی کے ہم معنی الفاظ کو ایک ہی مصرع میں اس طرح سمویا کہ صدیوں تک عوام اس سے فارسی سرائیکی لغت کا کام لیتے رہے۔

لاشاری صاحب کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ اردو ملتان سے مالا بار کے ذریعے دکن میں پہنچی۔ تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ محمد تغلق نے جب دولت آباد کو دارالسلطنت قرار دیا تو فرمان جاری کیا کہ ملتان اور دہلی کے نصف باشندے اس شہر میں منتقل ہو جائیں۔ جس پر بہت سے قبائل ملتان سے دولت آباد کو ہجرت کر گئے اور اپنے ساتھ نومولود زبان اردو بھی لیتے گئے جو آگے چل کر دکنی اردو سے موسوم ہوئی اور جب تیمور کے حکم سے خضر خاں ملتان سے ایک لشکر جمع کر کے دہلی لے گیا تو اس کے ذریعے اردو براہِ راست دارالخلافہ کے عوام سے متعارف ہوئی اور پھر اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے سبب مغل سلاطین کی منظورِ نظر بنی۔ یہاں تک کہ ایسا وقت بھی آیا کہ اردوئے معلیٰ کے نام سے لال قلعے کے بلند و پست پر چھا گئی۔ اگرچہ اردو نے ملتان میں جنم لیا تھا مگر اس شہر میں اسے چنداں فروغ نہ ہوا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی اور عوام سرائیکی بولتے تھے اردو شعرا میں طالب ملتانی، مولانا صابر، میر علیم الدین بسمل، بالکش تیرہ، پنڈت جیون لعل شوق، ناطق ملتانی، غنچہ امروہوی، ہیرا لال زار، جے چند پریم ملتانی، بھیم سین ظفر، اسد ملتانی، مولانا طالوت، ممتاز ملتانی، صوفی آذر، کشفی ملتانی، وحشت اور غلام موسیٰ ؔجم خاص مقام رکھتے تھے۔ ان میں سے اکثر صاحبِ دیوان تھے۔ ان کے زمانے میں ملتانی اردو نے لاہور اور دہلی کا لب و لہجہ اور رنگ ڈھنگ اپنا لیا تھا۔ ۱۹۴۷ء کی انتقالِ آبادی میں ہندو شعرا بھارت چلے گئے اور ان کی جگہ جن شعرا نے ملتان کو اپنی سکونت کے لیے منتخب کیا ان کی علمی قابلیت اور فنی صلاحیت کا پایہ جانے والوں سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ تھا۔ جونہی مہاجرت کے زخم مندمل ہوئے۔ انھوں نے اردو زبان کو فروغ دینے کے لیے دلی لگن سے کام کرنا شروع کیا۔ اور تھوڑے سے عرصے میں مقامی دانشوروں کے اتحاد و اشتراک سے کئی مفید علمی و ادبی ادارے منظرِ عام پر آ گئے۔ بلاشبہ ملتان انجمنوں اور سوسائٹیوں کا شہر ہے۔ شہر کے ہر دروازے اور ہر موڑ پر کسی نہ کسی انجمن یا اکیڈمی کا بورڈ ضرور نظر آ جاتا ہے۔ مثلاً:-

"اردو اکادمی"۔ "سرائیکی اکادمی"۔ "پنجابی اکادمی"۔
"ادارۂ فکر و فن"۔ "بزم فریدؒ"۔ "مجلسِ فکر و نظر"۔ "مجلسِ اقبال"۔

"حریمِ فن"۔"گوشۂ ادب"۔"بزمِ اقبال"۔"بزمِ داغ"۔"بزمِ طلوعِ ادب"۔"بزمِ ترقیٔ ادب"۔"بزمِ احباب"۔"بزمِ سیماب"۔"بزمِ احسان"۔"بزمِ عیش"۔"بزمِ ثقافت"۔"مجلسِ وارث شاہ"۔"پنجابی ادبی سنگت" اور"سرائیکی ادبی سنگت" وغیرہ۔

سندھ کے وزیرِ تعلیم اردو زبان کے چار ستونوں کا ذکر کرتے ہوئے پانچویں زبان کے وجود کا بھی اعتراف کر گئے ہیں۔ لیکن نام ظاہر نہیں کیا اس لیے کہ سرکاری سطح پر اسے تسلیم نہیں کیا جا سکا اور نہ ہی اسے وہ مراعات حاصل ہیں جن سے دوسری زبانیں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ بلا شبہ ایسی زبان کو جسے اُمّ الالسنہ کہلانے کا شرف حاصل ہے اور جو اردو کی تخلیق کا باعث ہے، نظر انداز کرنا دنیا کی سب سے بڑی بے انصافی ہے۔ نیاز مند کو نہیں معلوم کہ 'اخبارِ اردو' نے اس زبان کا پہلے کہیں ذکر کیا ہے یا نہیں لیکن اردو کے ضمن میں جب تک سرائیکی کا ذکر نہ ہو، اردو کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر ٹرمپ اپنی تصنیف "سندھی گریمر" میں لکھتے ہیں کہ۔

"شمالی سندھ کی زبان سرائیکی ہے۔ یہ میری ذاتی رائے نہیں۔ بلکہ وہاں کے لوگوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ ضلع تھرپارکر کے علاوہ سندھ کے دوسرے ضلعوں میں بھی سرائیکی زبان کے کافی نمونے ملتے ہیں۔ یہ زبان سندھ کے لوگوں کو ڈیرہ غازی خاں کے لوگوں سے ملی ہے!

مگر ڈاکٹر ٹرمپ بھولتے ہیں کہ سرائیکی ڈیرہ غازی خاں کے وجود میں آنے سے سینکڑوں سال پہلے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلفاء اور مریدین کے ذریعے سندھ کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی تھی۔ ذیل میں ان مشائخ کے اسمائے گرامی اور مقامات کے نام درج ہیں جہاں سرائیکی اور پھر سرائیکی کے ذریعے اردو زبان نے قدم جمائے۔

سہوان :۔ حضرت مخدوم سید عثمان المروندی المعروف بہ لال شہباز قلندرؒ

شکارپور :۔ حضرت شاہ محمود سہروردی

بکھر :۔ مولانا تاج الدین بکھری، مولانا حسام الدین بکھری۔

بدین :۔ حضرت شیخ اسماعیل قریشی

ماتھیلو :۔ شیخ پیر محمد صاحب قریشی سہروردی

کوٹ گوھر :۔ شاہ عبدالرحمٰن، سلیمان شاہ، شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ

بکیرا شریف :۔ حضرت پیر فاضل صاحب قریشیؒ، حضرت قائم دین قلندر صاحبؒ

ٹنڈو الہ یار :۔ شاہ اللہ یار (شیخ اچاری) شیخ موسوؒ شیخ راملوؒ

منگو رجہ :۔ سید ناصر علی شاہ۔

نگر ٹھٹھہ :۔ شیخ جیو مکی جوڑیود

اگھامانی :۔ حضرت محمد شریف عرف شاہ غازی، شاہ یوسف، شاہ ابراہیم۔

پیر پٹھو :۔ پیر پٹھو شہید خلیفہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی

ٹنڈو باگو :۔ حضرت خان شاہ، نہال شاہ

ٹنڈو غلام علی :۔ حضرت شفیع عثمان رح

وبجری :۔ حضرت عبدالغنی نوحؒ، حضرت بلادی بادشاہؒ

پتھورو :۔ شیخ پتھورو

ضلع میرپور :۔ جرکس ڈنڈانی، ابراہیم ناگورانی، گاڑھو صدر (خلفاء شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ)

ماتلی :۔ شیخ بھرکیو۔

گوٹھ عثمان علی :۔ سخی عثمان علی شاہ

کوہ مکلی، ٹھٹھہ :۔ سید علی شیرازی

ٹکرا بن شاہ :۔ حضرت ابن شاہ

بہاء الدین پور :۔ شیخ امام الدین۔ ابن شاہ ثانی

ترّاپو شریف (ریاست کچھ) :۔ پیر محمد باقر شاہ قلندرؒ

ٹنڈو غلام حیدر :۔ پیر علی محمد شاہ قریشیؒ

لکھپت (ریاست کچھ) :۔ پیر غازی شاہ

ان مقامات میں جو اولیاء اللہ محوِ خواب ہیں وہ سب اپنے مشائخ کی طرف سے ان علاقوں میں اسلام کی اشاعت اور اصلاحِ احوال پر مقرر ہوئے تھے۔ ہر بزرگ ہزاروں مریدوں کا مقتدا اور لاکھوں عوام کی توجہات کا مرکز تھا۔ ان کے حالات کا جائزہ لینے پر جو بزرگ مقرر تھے وہ زبردست روحانیت کے مالک تھے۔ صوفیاء میں جو چار یار مشہور ہیں ان کے اسمائے گرامی درج

ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

۲۔ حضرت سید السادات جلال بخاریؒ

۳۔ حضرت سید عثمان المروندی المعروف بہ لال شہباز قلندرؒ

یہ تینوں بزرگ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت زکریا ملتانی مرشد اور بخاری و مروندی حضرات مریدانِ با صفا تھے۔

چوتھے یار حضرت شیخ المشائخ خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ تھے جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے بعد سلاسل چشتیہ کے تمام مشائخ کے شیخ الکل تھے۔ یہ بزرگوار موسم سرما میں سندھ کا دورہ کرتے تھے۔ سہوان کے قریب ایک پہاڑ کی غار ان حضرات سے منسوب ہے۔ اس کے چاروں کونوں میں مصلے ابھی بنے ہوئے ہیں۔ دن کو یہ حضرات اسی غار میں عبادت کرتے اور رات کو پہاڑی کے اوپر وعظ کرتے تھے۔ غار کی چھت بالکل مسطح ہے اور خاصی طویل و عریض ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں جن کی طرزِ تعمیر فیروز شاہی ہے۔ غالباً ان بزرگوں کی یاد تازہ کرنے کے لیے تعمیر کیے گئے ہیں۔ سامنے کی پہاڑی پر جمال مجرد کی قبر ہے۔ گمان اغلب ہے کہ یہ بزرگ ان چار یاروں کے خادم تھے۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر میٹھے پانی کا ایک چشمہ ہے۔ ساتھ ہی لال باغ اور اس میں حضرت لال شہباز کی جائے اعتکاف ہے۔

اسی طرح کراچی کے قریب بھی سرد و گرم پانی کے دو قدرتی چشمے ہیں۔ پاس ہی منگھو پیر کا مزار ہے۔ اسے بھی ان چار یاروں کی بیٹھک کا شرف حاصل ہے۔ بدین جو ضلع کا صدر مقام ہے یہ بھی حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین کی چلہ کشی کا مقام ہے۔ بہاء الدین سے بدین بن گیا۔ یہ لوگ قریہ قریہ پہنچ کر وعظ و نصیحت کرتے اور اپنے خلفاء کی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے تھے۔ ان کے بعد مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری کا دور آیا۔ انھوں نے بھی اپنے احباب کے ہمراہ دورے کیے۔ یہ تمام بزرگوار سرائیکی بولتے تھے۔ اور ان کے خلفاء بھی۔ مرید بھی اپنے پیروں کی زبان بولتے بولتے سرائیکی اچھی اردو پر حاوی ہو گئے۔ سندھ کے مشائخ سندھی زبان پر انتہائی قدرت رکھنے کے باوجود ملتان اور بہاولپور کے مشائخ سے سرائیکی میں ہی خط و کتابت کرتے تھے۔ ایک دفعہ چاچڑاں شریف کے ممتاز بزرگ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کو رانی پور کے قادری بزرگ حضرت میراں محی الدین علیہ الرحمۃ نے اپنے مرید خاص سید احمد شاہ کے ذریعے لکھ بھیجا کہ:

"میاں فریدن سائیں! تساڈے شہر دیاں گاجراں
مٹھیاں ہن اساں ودں ڈے مو کلوا"

یعنی میاں فریدن صاحب! آپ کے شہر کی گاجریں میٹھی ہیں۔ ہماری طرف بھجوا دیں۔

جب یہ عنایت نامہ حضرت خواجہ فرید علیہ الرحمۃ کو موصول ہوا۔ تو آپ نے بھی ایک خط لکھا جس کی عبارت یہ تھی:

"میڈے دل دا محرمِ راز! غوثِ زماں سائیں میراں
محی الدین سائیں! سدا جیوں۔ تساڈے شہر لتے
باغ دے بیر مٹھے اتے مشہور ہن۔ اساں ول
بھجوا کرایں مہربانی فرماؤ"

یعنی میرے دل کے محرم راز! سائیں غوثِ زماں میراں محی الدین سائیں، عمر دراز ہو۔ آپ کے شہر اور باغ کے بیر میٹھے اور مشہور ہیں۔ ہماری طرف بھجوا کر لطف و کرم فرمائیں۔

یہی خط جب حضرت سید غلام میراں سائیں کے دربار میں پیش ہوا تو حضور نے بڑھ کر ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے بے ساختہ فرمایا:

ہتھیں سویں ہتھ فریدا پیریں سویں پیر
تیں نہ موکلیاں گاجراں میں نہ موکلے بیر

یعنی اے فریدا! تجھ میں اور مجھ میں کیا فرق ہے۔ تو نے گاجریں نہیں بھیجیں، ہم نے بیر ارسال نہیں کیے۔

جب حضرت خواجہ صاحب کو یہ شعر سنایا گیا تو آپ کی طبعِ مبارک میں جذبہ پیدا ہو گیا۔ تالی بجاتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے۔ اتنے میں آپ کا محبوب قوال میاں برکت آلاتِ سرود لے کر آ گیا اور اس بیت کا سماع شروع ہو گیا۔ حضرت خواجہ صاحب کو بڑا وجد اور گریہ ہوا۔ اور ساتھ ہی مجلس میں جو ارباب صدق و صفا تشریف رکھتے تھے، وہ بھی خاصے متاثر ہوئے۔ ناظرینِ کرام یقیناً تعجب کریں گے کہ ان اشعار میں جذب و جلال کی کیا کیفیت تھی کہ خواجہ صاحب پر رقت طاری ہو گئی۔ اصل میں گاجروں اور بیروں کے پردے میں چاچڑاں اور رانی پور کے دونوں اقطاب نے معرفت کے کچھ ایسے

اشارے کیے تھے جن کی وجہ سے دونوں شہروں کے فاصلے کم ہو گئے اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کو گلے لگا کر اس طرح ملے کہ "من تو شدم تو من شدی" کا مصداق بن گئے۔

الغرض سرائیکی اور اردو کا آپس میں اتنا گہرا ربط ہے کہ انھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ حیرت ہے کہ سندھ کے وزیر تعلیم اردو کے ضمن میں پشتو اور بلوچی کا ذکر تو کر جاتے ہیں لیکن سرائیکی کا ذکر تک نہیں کرتے حالانکہ اردو پر پشتو کا کوئی اثر نہیں ہے۔ بلوچی کے وہی الفاظ اردو زبان میں ملتے ہیں جو سرائیکی کے ہیں۔

مسٹر گریرسن لکھتے ہیں کہ سندھ کے شمالی حصے میں سرائیکی بولی جاتی ہے۔ سرائیکی کا لفظ "سرا" سے مشتق ہے۔ سرا کے معنی ہیں شمالی حصہ کی زبان۔ اس زبان کا مغربی پنجاب کی زبانوں سے گہرا تعلق ہے اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک سندھی سرائیکی اور دوسری لہندا سرائیکی۔ جناب رشید احمد لاشاری صاحب لکھتے ہیں کہ سرائیکی زبان لپٹ ورسے لے کر مکران کے ساحلی علاقے اور ایران کی سرحد تک بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس زبان کو ملتان میں ملتانی، بہاول پور میں بہاولپوری، ڈیرہ جات میں ڈیروی اور سندھ میں سرائیکی کہا جاتا ہے۔ اوباوڑہ، گھوٹکی اور میرپور ماتھیلہ میں سرائیکی کا اثر غالب ہے کیونکہ اس علاقے میں تقریباً دس ہزار بلوچ بہاول پور سے آکر آباد ہوئے ہیں اور ان کی مادری زبان سرائیکی ہے۔ تقسیم سے پہلے کراچی، حیدرآباد، بھاگ ناڑی، جیکب آباد، شکارپور، ناڑیوال، چھائی روپاہی اور دوسرے ہندو جو اصل قلات کے باشندے تھے ان کی مادری زبان سرائیکی تھی۔ سندھی زبان کی تاریخ کے مصنف بھیرو مل مہرچند آڈوانی لکھتے ہیں کہ سندھی اور سرائیکی زبان کا ایک دوسرے کے ساتھ جگری رشتہ ہے۔ مثلاً سندھی زبان میں ب، ج، ڈ اور گ چار حروف خالص سندھی حروف شمار کیے جاتے ہیں لیکن یہ چاروں حروف نہ تو سنسکرت زبان میں موجود ہیں اور نہ کسی پراکرت زبان میں ان کا کوئی نشان ملتا ہے۔ پھر یہ چاروں حروف کہاں سے آئے؟ بالکل ظاہر ہے یہ چاروں حروف کلہوڑہ اور تالپور دور میں سندھی کو سرائیکی سے حاصل ہوئے ہیں کیونکہ کلہوڑوں اور تالپوروں کی مادری زبان سرائیکی تھی۔ درہ بولان یعنی سبی سے لے کر جیکب آباد تک کچھی اور بھاگ ناڑی کے علاقے میں بھی آج تک سرائیکی بولی جاتی ہے۔ چونکہ خاران کے ہندوؤں کا تجارتی سلسلے میں سکھر تک آنا جانا رہتا ہے اس لیے وہ بھی سرائیکی بولتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سرائیکی پاکستان کی سب سے بڑی زبان ہے اور اسے اردو کی تخلیق اور سرپرستی کا شرف حاصل ہے۔

"یہ جو نہایت اطمینان کے ساتھ فتویٰ صادر فرما دیا جاتا ہے کہ اردو اس لائق نہیں ہے تو اس کی بنیاد کیا ہے؟
کیا تجربہ کیا گیا اور اردو ناکام رہی؟ کیا اردو اور انگریزی کے طلبہ کو برابر کا موقع دیا گیا اور پھر زبان کی اہلیت یا صلاحیت کو پرکھا گیا؟ کتابوں کی تالیف میں ناکامی ہوئی؟ کیا ان اساتذہ سے تبادلۂ خیالات کیا گیا جن کو جامعہ عثمانیہ اور جامعہ کراچی میں تعلیم دینے اور ممتحن بننے کا موقع ملا ہے؟
اگر ان سب سوالات کا ایک جواب "نہیں" ہے تو پھر خدارا یہ بتایا جائے کہ اتنے اہم عملی فیصلے پر کس طرح پہنچا گیا۔"

آفتاب حسن

"اردو ذریعۂ تعلیم اور اصطلاحات" صفحہ ۳

تحریر: ڈاکٹر عبدالمغنی

گردوپیش

آزادی کے بعد بھارت میں اردو

ذیل میں بھارت کے معروف دانشور اور ادیب ڈاکٹر عبدالمغنی، صدر انجمن ترقی اردو (بہار) کا مقالہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سے بھارت میں اردو زبان کی موجودہ صورت حال اور اس کے نشیب و فراز پر بھرپور انداز سے روشنی پڑتی ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے گو اس میں اردو کے لیے بھارتی عوام اور وہاں کے اداروں کی جدوجہد اور اپنے نقطۂ نظر کو بیان کیا ہے ـــ لیکن دراصل یہ مقالہ پاکستانی عوام اور اردو کے نام لیوا اداروں کے لیے ایک آئینہ بھی ہے، جس میں وہ اپنی "جد وجہد" اور کوششوں کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

گرچہ بھارت کو آزادی ١٩٤٧ء میں حاصل ہوئی مگر جمہوریۂ ہند کا افتتاحی سال ١٩٥٠ء ہے جسے آزادی کے بعد بھارت میں اردو کی تاریخ کا نیا موڑ کہنا چاہیے۔ اسی سال آزاد بھارت کی دستور ساز اسمبلی نے ہندی بخط دیو ناگری کو وفاق ہند کی واحد سرکاری زبان بنا دیا۔ ١٩٥٢ء میں پہلے عام انتخاب کے بعد ریاستوں نے بھی یہی کیا۔ شمالی ہند کی ریاستوں نے دستور کی دفعہ ٣٤٥ کے مطابق "آفیشل لینگویجز ایکٹ" اپنی اپنی اسمبلیوں میں منظور کر کے دیوناگری ہندی کو متعلقہ علاقوں کی واحد سرکاری زبان بنا دیا۔ مرکز سے شمالی ریاستوں تک ہندی کے مقام کی یہ بلندی اردو کی قیمت پر تھی۔ اس لیے کہ یہ اردو ہی تھی جو گزشتہ تین سو برسوں سے عملاً پورے ہندوستان خاص کر شمالی ہند کی عام قومی زبان رہی تھی۔

١٨٠٠ء میں کلکتے کے فورٹ ولیم کالج کے قیام سے قبل، جسے بہ ظاہر انگریزوں کو "ہندوستانی" سکھلانے کے لیے قائم کیا گیا تھا، دیوناگری ہندی نام کی کوئی چیز روئے زمین پر موجود نہیں تھی۔ اس کالج میں ایک شعبۂ اردو قائم کیا گیا اور اسی شعبے کے ایک جز کے طور پر ایک بالکل نئی زبان "ہندی" کے نام سے تخلیق کی گئی۔ اس نام نہاد ہندی کا اپنا کوئی رسم الخط نہیں تھا۔ لہٰذا اس زبان کی تعلیم اسی پرانے فارسی رسمِ خط میں دی جاتی تھی جس کا تعلق اردو سے تھا۔ اس وقت اردو اور ہندی کے درمیان بس اتنا ہی فرق تھا کہ ہندی میں کثرت سے سنسکرت کا استعمال کیا جاتا تھا۔ ہندوستان کے عظیم ترین ماہرِ لسانیات ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹرجی نے اپنی موت سے چند ہی مہینے قبل جاری کیے ہوئے اپنے ایک مشہور بیان میں اردو کے بطن سے ہندی کی اس غیر فطری پیدائش کی تاریخی صداقت پر روشنی ڈالی تھی۔ ہندو یونیورسٹی بنارس کے شعبۂ اردو کے صدر ڈاکٹر حکم چند نیر نے اپنی ایک کتاب میں فیصلہ کن دستاویزات کے حوالے سے اس واقعے کی تصدیق و تفصیل بیان کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انیسویں صدی کی تیسری چوتھائی تک یہ اردو ہی تھی جسے ہندی، ہندوی اور ہندوستانی وغیرہ کہا جاتا تھا حالانکہ فورٹ ولیم نے سازش رچائی کہ ہندوستان

کی مقبولِ عام زبان کو فرقہ وارانہ بنیاد پر تقسیم کر دے اور پھر ایک تہذیبی لحاظ سے تقسیم شدہ قوم پر حکومت کرے، جب کہ یہ قوم صدیوں سے متحد اور یک جہت رہی تھی۔ اردو کی اس ہمہ گیری کا ثبوت خطوطِ غالب کے مجموعوں کا نام ہے، جن میں سے ایک "اردوئے معلیٰ" ہے اور دوسرا "عودِ ہندی"۔

بہرحال، لسانی تفرقے کا جو بیج فورٹ ولیم نے بویا تھا وہ پھل لا کر رہا۔ انیسویں صدی کے آخر تک ایک نزاع پیدا ہو گئی کہ خاص قومی زبان کون سی ہے، اردو یا ہندی؟ خالص فرقہ وارانہ بنیاد پر برپا کی ہوئی ہندی پرستوں کی یہی وہ نزاع تھی جس نے سرسید احمد خاں جیسے پکے قوم پرور کو (جو مسلمانوں اور ہندوؤں کو عروسِ ہندکی دو خوبصورت آنکھیں کہا کرتے تھے) اپنے زمانے کی قوم پرورانہ سیاست سے دور کر دیا اور انھوں نے سوچنا شروع کیا کہ عددی اکثریت عددی اقلیت پر، مذہبی بنیادوں پر غالب آنا چاہتی ہے۔ سرسید احمد خاں کا یہ اندیشہ ۱۹۳۷ء میں صحیح ثابت ہو گیا جب ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے بعد قوم پرست کانگریس شمالی ہند کی ریاستوں میں برسرِ اقتدار آئی۔ وہ اردو جو خود کانگریس کے ترانے اور تقریروں کی پہلی زبان اب تک رہی تھی اب طاقِ نسیاں پر رکھ دی گئی اور اس کو دبانے کے لیے ایک منظم منصوبہ شروع کر دیا گیا۔

لیکن ریاستوں کی قومی حکومتوں نے اردو کے ساتھ جو بدسلوکی کی اس کا بہت ہی سخت ردِ عمل تمام سیاسی جماعتوں کی قومی قیادت کی سطح پر ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۳۸ء میں پٹنہ میں ناگری پرچارنی سبھا کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد اور انجمن ترقی اردو ہند کے جنرل سیکریٹری ڈاکٹر عبدالحق کے درمیان ایک معاہدے پر دونوں کے دستخط ہوئے۔ اس تاریخی "عبدالحق راجندر پیکٹ" کے مطابق طے پایا کہ آزاد ہندوستان کی سرکاری زبان اردو اور ہندی دونوں اپنے اپنے فارسی اور دیوناگری رسمِ خطوں میں ہوں گی۔ "مہاتما" گاندھی نے اس فارمولے کو "آشیرباد" دی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ایک تجویز کے ذریعے اسے اپنی لسانی پالیسی کے طور پر منظور کر لیا۔ اس طرح برطانوی سامراج کی برپا کی ہوئی لسانی نزاع کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ لسانی مسئلے کا یہ وہ واحد حل تھا جسے آزادی سے قبل پورے ہندوستان نے قبول کر لیا۔ اس سلسلے میں اردو دوستوں نے قومی یک جہتی کے لیے قربانی دی، اس لیے کہ پورے ملک کی زبانِ رابطہ اور عوامی زبان اب تک صرف اردو رہی تھی۔ ادبی ترقی اور تعلیمی تجربے میں بھی اب تک ملک میں اردو کی حریف کوئی دوسری زبان نہیں تھی۔

بہرحال یہ قومی اجماع ۱۹۵۰ء میں پاش پاش ہو گیا جب ہندی کو دستور ساز اسمبلی کے صدر کے کاسٹنگ ووٹ سے وفاقِ ہند کی واحد سرکاری زبان قرار دے دیا گیا، اور یہ کاسٹنگ ووٹ دینے والے صدر دستور ساز اسمبلی وہی ڈاکٹر راجندر پرشاد تھے جنھوں نے مشہورِ زمانہ عبدالحق راجندر پیکٹ پر دستخط کیے تھے۔ اب اردو کو دستورِ ہند کے شیڈول ۸ میں درج چودہ قومی زبانوں میں ایک زبان کا مقام دیا گیا/(اس فہرس میں بعد میں سندھی کا بھی اضافہ ہوا)۔ شیڈول ۸ کی تمام قومی زبانوں کو دستور نے حسبِ ذیل بنیادی حقوق دیے۔

دفعہ ۳۵۰ الف — ابتدائی تعلیم کے لیے

دفعہ ۳۵۰ — درخواستوں اور عرضیوں کے لیے

دفعہ ۱۲۰، دفعہ ۲۱۰ — قانون سازاداروں میں تقریر کے لیے۔

سب سے بڑھ کر دفعہ ۲۹ میں ہر طبقے کو حق دیا گیا ہے کہ اپنی تہذیب، زبان اور رسمِ خط کا تحفظ کرے۔ اس کے علاوہ دفعہ ۳۰ کے مطابق ہر طبقہ ابتدائی سے انتہائی سطحوں تک تعلیمی ادارے قائم کرنے اور انھیں چلانے کا حق رکھتا ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ فرقہ وعقیدہ کے امتیاز کے بغیر اس سلسلے میں امداد دے۔ دفعہ ۲۸ میں یہ ضمانت بھی ہے کہ کسی طبقے کے بچوں کو اس کے عقائد کے خلاف تعلیم نہیں دی جائے گی۔

وزارتِ داخلہ کے سرکلر ۱۹۵۸ء اور وزرائے اعلیٰ کانفرنس ۱۹۶۱ء نے ریاستی حکومتوں کو تاکید کی کہ وہ لسانی اقلیتوں کو دی گئی مندرجہ بالا دستوری ضمانتوں کا لحاظ ونفاذ کریں۔ لیکن لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی ۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۵ء کی رپورٹیں شاہد ہیں کہ ریاستی حکومتوں نے نہ تو قوانین کا احترام کیا نہ ہدایت کا۔

نتیجۃً ایک نہایت غلط صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ اردو ایک قومی زبان تو تھی مگر قوم کی سرزمین کے کسی علاقے میں اس کا کوئی مصرف نہ تھا۔ اس غریب زبان کا ایک نام تو تھا مگر مقام نہیں۔ یہ صرف ملک کی ہواؤں میں تھی جب کہ زمین کا کوئی حصہ اس کے قدموں تلے نہیں تھا۔ رہنماؤں کی زبان پہ تو یہ ہر جگہ تھی لیکن عوام جانتے تھے کہ یہ کہیں نہیں تھی۔ بلاشبہ یہ زبان ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عام لوگوں کے دلوں میں، ان کی بات چیت میں اور گیتوں میں بسی ہوئی تھی، لیکن کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں اس کا جسم لوگوں کے روزمرہ اور معمول کے کاروبار میں زندہ و متحرک نظر آتا۔ دفتروں، اداروں، محکموں — ایک آزاد قوم کے تمام انتظامی شعبوں — سے ایک قومی زبان کو جلا وطن کر دیا گیا۔

ہر طرح کے امتیازات بے جا اردو کے خلاف روا رکھے گئے۔ تعلیم کے معاملے میں، پرائمری سے یونیورسٹی تک، ان جگہوں میں بھی اردو تعلیم کی حوصلہ شکنی کی گئی جہاں کسی طرح اجازت دے دی گئی۔ ذریعۂ تعلیم و امتحان کی حیثیت سے اردو تقریباً ختم ہو گئی، حالانکہ برطانوی عہد میں یہ پہلی اور نمایاں ترین ہندوستانی زبان تھی جس میں ہندوستانی ذریعۂ تعلیم کا ایک کامیاب تجربہ کیا گیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے ابتدائی سے اعلیٰ سطح تک جملہ علوم و فنون میں اردو تعلیم کا ایک پورا نظام قائم کر دیا تھا۔ لیکن آزاد بھارت میں اس قابلِ فخر قومی ادارے کو بھی اردو سے محروم کر دیا گیا۔ سول سروسز کے امتحانات مقابلہ میں اردو کا کوئی مصرف نہ تھا۔ غیر لسانی مضامین میں اردو کی درسی کتابوں کا حصول دشوار ہو گیا۔ بلاشبہ بیشتر یونیورسٹیوں میں اردو کی کرسیاں نصب کر دی گئیں۔ لیکن ان کے پایوں تلے کوئی ٹھوس زمین نہ تھی اور وہ ڈگمگاتی ہی رہیں۔ وہ سہ لسانی فارمولا بھی جو ۴۹ میں وضع کیا گیا تھا اور ۶۱ میں اس پر نظر کی گئی تھی۔ ابھی اس صحیح شکل میں نافذ نہیں کیا گیا جس سے اردو کو فائدہ ہوتا۔ اس فارمولے میں دوسری زبان جدید ہندوستانی زبان ہونی چاہیے تھی، جو شمال میں اختیاری طور پر ہندی والوں کے لیے اردو ہو سکتی تھی۔

ان سب پر مستزاد، ۷۷ میں جنتا پارٹی کی حکومت نے قومی تعلیم بالغان پروگرام اس طرح چلایا کہ ہندی کے جنونیوں خاص کر آر۔ ایس ایس والوں کو موقع مل گیا کہ وہ اردو اور دوسری تمام قومی و علاقائی زبانوں کی قیمت پر "سرکاری زبان" کی ترویج کا سامان کریں۔ اگر یہ پروگرام کامیاب ہو گیا ہوتا تو مردم شماری کے وہ اعداد و شمار جن میں پہلے ہی دست اندازی کی جا چکی ہے انھیں قومی اقلیتوں کی مادری زبان کے سلسلے میں مزید مسخ کر دیا جاتا۔ ایک عددی جمہوریت میں اگر مردم شماری کے اعداد و شمار کو فرقہ وارانہ طور پر مسخ کر دیا جائے تو اقلیتوں کے سارے حقوق اور دعوے تباہ ہو سکتے ہیں۔ اردو کے معاملے میں یہ ہوا بھی ہے۔ بہار میں ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کو لیجیے۔ حسبِ ذیل اضلاع میں مسلمانوں کی معتد بہ آبادی ہونے کے باوجود اردو آبادی دس فیصد بھی دکھائی نہیں گئی ہے۔

چمپارن	۱۸٫۱۸	مسلم آبادی
سارن	۱۳٫۱۸	״
مظفر پور	۱۳٫۶۷	״
سنتھال پرگنہ	۱۴٫۶۴	״
سہرسا	۱۳٫۱۷	״
ہزاری باغ	۱۳٫۱۱	״

ظاہر ہے کہ اردو آبادی مسلم آبادی سے بہت زیادہ ہونی چاہیے تھی، اس لیے کہ غیر مسلموں کی بھی کثیر تعداد اردو بولتی ہے جب کہ مسلمان سب کے سب خاص کر شمالی ہند میں اردو ہی بولنے والے ہیں۔ لیکن مردم شماری کرنے والوں نے آبادی کے شمار میں فرقہ وارانہ نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھا ہے۔ لہٰذا انھوں نے اردو کی عوامی بنیاد ہی کو ڈھا دینے کی کوشش کی ہے۔

زندگی کے تمام دائروں میں اس اردو مخالف میلان کے عین مطابق ان تمام تہذیبی اداروں کو جو صریحاً اردو کا استعمال کرتے ہیں، ہندی کے نام پر غصب کر لیا گیا۔ ہندی کے دیوانوں کے اجارہ دارانہ طریق کی بدترین مثال لیجیے۔ تمام مقبول عام فلموں اور گیتوں کو جو بدیہی طور پر اردو ہیں، "ہندی" کا نام دے دیا گیا۔ حد یہ ہے کہ "مرزا غالب" کو اس کی مشہور و معروف غزلوں

کے باوجود ہندی قرار دے دیا گیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ملک کے تمام علاقوں کے عوام الناس کے درمیان اب بھی اردو ہی رابطے کی واحد زبان ہے۔ لیکن ہندی کے دیوانوں کی سیاسی اصطلاح میں اسے بھی ہندی ہی کہا جاتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ جنتا پارٹی کی حکومت کے زمانے میں اعلیٰ ترین سیاسی اور بین الاقوامی سطح پر، دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان کی حیثیت سے انگریزی اور چینی کے بعد اردو کا جو مقام اور اثاثہ ہے اس کی بھی ترقی ضبطی "ہندی" کے نام پر کر لی گئی۔

مختصر یہ کہ جمہوریہ ہند کے دیئے ہوئے دستوری تحفظات کے باوجود بھارت کی "سب سے بڑی لسانی اقلیت" کے ساتھ آزادی کے بعد جو کچھ کیا گیا وہ تہذیبی نسل کشی سے کم کوئی چیز نہ تھی۔ نتیجتاً آزاد بھارت میں ایک عام بول چال کی مقبول زبان کی حیثیت سے اردو کا مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے۔ ملک کے تمام طبقوں، فرقوں اور علاقوں کے اردو دوستوں نے اپنی مادری یا تہذیبی زبان کو درپیش تاریخ کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے مختلف النوع منصوبے مرتب اور اقدامات تجویز کیے ہیں۔ اردو کے تحفظ اور ترقی کے لیے کی جانے والی ان کوششوں کو حسب ذیل عنوانات کے تحت درج کیا جا سکتا ہے۔

تعلیم

دینی تعلیمی بورڈ اور دینی تعلیمی کونسل نے بیشتر اتر پردیش میں پرائمری اردو مکتبوں کا ایک جال سا پھیلا دیا ہے۔ بہار کا مدرسہ اگزامینیشن (اب ایجوکیشن) بورڈ ترقی کرکے ریاست کے گوشے گوشے میں پھیل گیا ہے۔ انجمن ترقی اردو اتر پردیش نے اردو تعلیم کا مختصر نصاب مرتب کرکے ابتدائی تعلیم اور تعلیم بالغان کا انتظام کیا ہے۔ انجمن ترقی اردو بہار نے حکومت سے فیصلہ کرا لیا ہے کہ طلبہ کی تعداد سے قطع نظر کم سے کم آبادی کی جگہوں پر پرائمری اردو ایجوکیشن کے یونٹ لازماً مہیا کیے جائیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انجمن ترقی اردو بہار نے حکومت کو آمادہ کر لیا کہ سہ لسانی فارمولا میں دوسری اور جدید ہندوستانی زبان کے طور پر بھی اردو کو شامل کر لیا جائے تاکہ جہاں اردو بولنے والے طالب علم پہلی اور مادری زبان کی حیثیت سے لازماً اردو کی تعلیم حاصل کریں وہاں غیر اردو طلبہ بھی چاہیں تو دوسری زبان کے طور پر اردو پڑھیں۔ بہار ٹیکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن اپنی کوتاہیوں کے باوجود ثانوی تعلیم تک اردو کی درسی کتابیں شائع کرتا ہے۔

بہر حال، آزادی کے بعد اردو تعلیم کا جو سب سے عظیم تجربہ عوامی سطح پر اور عوام کے زیر اہتمام کیا گیا وہ جامعہ اردو علی گڑھ کا ہے۔ اب اس ادارے کی ڈگریوں کو، بہار میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی ڈگریوں کو، ملک کے بیشتر سیکنڈری ایجوکیشن بورڈوں اور بی۔ اے تک یونیورسٹیوں کی ڈگریوں کے برابر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ آندھرا پردیش اور مہاراشٹر کے کچھ ادارے بھی اردو تعلیم کی ترویج کا کام کر رہے ہیں۔

ادب

جس رفتار سے آزاد بھارت میں اردو تعلیم اور اردو تعلیم یافتہ افراد کے لیے روزگار کے مواقع کم ہوتے جا رہے ہیں اسی رفتار سے اردو میں نشر و اشاعت کا کاروبار بڑھتا گیا ہے۔ پورے ملک میں کتابوں اور رسالوں کے لاتعداد نام آئے دن شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حکومتِ ہند اور ریاستی حکومتوں نے اردو مصنفین کی حوصلہ افزائی اور امداد کے لیے ترقی اردو بورڈ اور اردو اکیڈمیاں قائم کی ہیں۔ برابر بڑھتے ہوئے یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے اردو کثیر تعداد میں محقق اور دانشمند پیدا کر رہے ہیں۔ ادب کی ہیئتوں میں نت نئے تجربے ہو رہے ہیں۔ سیمیناروں اور سمپوزیموں کی بھرمار ہے۔ اکثر اور متنوع حتیٰ کہ کاروباری قسم کے اداروں میں بھی مشاعرے نہایت کثرت کے ساتھ مستقل طور سے منعقد کیے جا رہے ہیں۔ ادب کے مختلف رجحانات کی کشمکش زوروں پر ہے اور ان کی وکالت کرنے والے اداروں اور رسالوں کی اشاعت کے علاوہ ملک کے طول و عرض میں آئے دن مذاکرے اور مباحثے منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

انتظامیہ

لیکن تعلیم اور ادب کے میدانوں میں ہونے والی یہ ساری سرگرمیاں کسی نشانے پر نہیں ہیں۔ ملک کے عوامی اداروں میں اردو کا استعمال بالکل نہیں ہو رہا ہے۔ انتظامیہ اور دفاتر

کو اردو سے پاک کر دیا گیا ہے۔ ایک کام کی زبان کی حیثیت سے اردو مر رہی ہے۔ تعلیم اور ادب میں اردو کی ساری "ترقیات" اُسے عربی و فارسی کی طرح ایک کلاسکی زبان کی شکل میں متحجر کرنے کی طرف لے جا رہی ہیں۔ مادری اور بولی جانے والی عوامی زبان کی حیثیت سے زمین اردو کے قدموں تلے سے نکالی جا رہی ہے۔ نئی نسلوں کے لیے اب اردو نہ تو ذریعۂ تعلیم رہی ہے نہ وسیلۂ روزگار۔ چنانچہ ہمارے نوجوان بہت تیزی کے ساتھ اردو سے بیگانہ ہو رہے ہیں۔ تمام علمی مقاصد کے لیے اردو اب اُن کے نزدیک کوئی کارآمد زبان نہیں رہی۔ لہٰذا وہ اپنے مستقبل اردو کے ساتھ وابستہ نہیں کر رہے اور اپنا مقدر کہیں اور بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ مستقبل میں یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے اردو، اکیڈمیاں اور بورڈ سب کے سب اردو کے مقبرے یا میوزیم نہ بن جائیں (خدانخواستہ)

ان تشویش انگیز حالات میں بالکل فطری طور پر اردو دوستوں نیز تمام اردو بولنے والوں نے متفقہ عوامی اور مستقل طور پر حکومت سے مطالبہ کر رکھا ہے کہ ان کے بنیادی حقوق ملکی قوانین میں ڈھال دیے جائیں۔ انجمن ترقی اردو ہند اور اس کی شاخیں اس مطالبے کی علم بردار ہیں۔ اس جائز اور عوامی مطالبے کے دو مرحلے ہیں۔

۱۔ حکومتِ ہند سے مطالبہ کیا گیا کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے مطابق اردو کو ان علاقوں کی زبان قرار دیا جائے جہاں معتدبہ تعداد میں اردو بولنے والے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انجمن ترقی اردو اترپردیش نے بیس لاکھ دستخطوں کے ساتھ صدر جمہوریہ، ڈاکٹر راجندر پرشاد کی خدمت میں، جنھوں نے مشہورِ زمانہ "عبدالحق راجندر پیکٹ" پر دستخط کیے تھے، ایک محضر پیش کیا اور جس شخص نے محضر پیش کرنے والے وفد کی قیادت کی وہ ڈاکٹر ذاکر حسین تھے جو بعد میں خود بھی صدر جمہوریہ ہوئے۔ انجمن ترقی اردو بہار نے بھی ۵۶ء میں دس لاکھ دستخطوں کے ساتھ ایسا ہی ایک محضر صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن یہ سارے محضر تمام صدور جمہوریہ کو متاثر کرنے میں ناکام رہے، چاہے وہ راجندر پرشاد ہوں یا ذاکر حسین، یا رادھا کرشنن، یا وی وی گری یا فخرالدین علی احمد۔ اب مسٹر سنجیوا ریڈی کا عہد صدارت ہے اور آزاد بھارت کے کم از کم بیس کروڑ اردو بولنے والوں کا بالکل جمہوری و آئینی اور مقبولِ عام مطالبہ اک نگاہِ التفات کے انتظار میں پڑا ہوا راشٹرپتی بھون کے عجائب خانے کی گرد کھا رہا ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا میمورنڈم ۱۹۵۶ء اور وزرائے اعلیٰ کانفرنس ۶۱ کی لگائی ہوئی ۳۰ فی صد معتدبہ آبادی کی جابرانہ و از کار رفتہ شرط ابھی تک بحیثیت ایک مستقل و مروج قومی زبان کے اردو کی موت یا حیات کی درمیان حائل ہے۔

۲۔ بہرحال، اردو کی سرکاری حیثیت کے لیے ایک شاہانہ جنگ بہار میں انجمن ترقی اردو بہار کے تحت لڑی گئی۔ ڈھائی لاکھ ابتدائی ممبروں پر مشتمل انجمن ترقی اردو بہار ہندوستان میں تمام زبانوں اور علاقوں کی سب سے بڑی تہذیبی تنظیم ہے۔ سب سے پہلے آزاد ہندوستان میں اپنی قسم کے پہلے کنونشن منعقدہ ۱۹۵۱ء میں اور اس کے بعد دوسرے کنونشن منعقدہ ۵۴ء میں انجمن ترقی اردو بہار دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے مطابق اردو کو علاقائی زبان قرار دینے کا مطالبہ حکومت سے پہلے ہی کر چکی تھی۔ یہ دونوں کنونشن پٹنے میں ہوئے تھے۔ ان کے بعد ۶۰ء کی مظفرپور کانفرنس میں انجمن ترقی اردو بہار نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ دستور کی دفعہ ۳۴۵ کے مطابق اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دیا جائے اور اس مقصد کے لیے ۵۰ء میں منظور کیے جانے والے بہار آفیشیل لینگویجز ایکٹ میں اسمبلی میں بل لاکر ترمیم کر دی جائے اور اس میں پہلی سرکاری زبان ہندی کے بعد اردو کا اضافہ کر دیا جائے۔ ۶۵ء کے کنونشن منعقدہ پٹنہ نے اردو کو ایک الیکشن ایشو بنا دیا۔ ۶۷ء کے عام انتخابات میں تقریباً تمام غیر کانگریسی جماعتوں نے انجمن ترقی اردو کے اس عہدنامے پر دستخط کر دیے جس میں اردو کو ریاست کی سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ الیکشن سے پہلے کرشن بلبھ سہائے کی کانگریسی وزارت اپنی کابینہ میں فیصلہ کر کے حکومتِ ہند سے سفارش کر چکی تھی کہ وہ دفعہ ۳۴۷ کے مطابق اردو کو بہار کی علاقائی زبان قرار دینے کا اعلان صدر جمہوریہ ہند سے کرائے۔ لیکن کچھ ہوا نہیں۔ انتخابات کے بعد غیر کانگریسی جماعتوں کے متحدہ محاذ کی حکومت نے جس میں جن سنگھ بھی شامل تھا اردو کو بہار کی

دوسری سرکاری زبان بنانے کا باضابطہ فیصلہ کیا لیکن پھر بھی کچھ نہیں ہوا۔

۱۹۷۷ء میں انتخابات سے کچھ عرصہ قبل راقم السطور کے ساتھ بحیثیت صدر انجمن ترقی اردو بہار گفت و شنید کر کے کانگریس کی جگن ناتھ مشرا وزارت نے اردو کو پہلے مرحلے پر ان اضلاع کی سرکاری زبان بنانے کے فیصلے کا اعلان کیا جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد آبادی کا دس فی صد ہے۔ انتخابات کے بعد سی پی آئی کو چھوڑ کر وہی غیر کانگریسی جماعتیں جنھوں نے ۱۹۶۷ء میں حکومت بنائی تھی۔ ایک بار پھر جنتا پارٹی کی شکل میں برسرِ اقتدار آ گئیں۔ لیکن انھوں نے اس بار اردو کی سرکاری حیثیت کے متعلق مشرا وزارت کے فیصلے نے انجمن ترقی اردو بہار کی تحریک پر، دستور کی دفعہ ۳۴۵ کے تحت اردو کو بہار کی دوسری سرکاری زبان بنانے کے لیے بہار اوفیشل لینگویجز ایکٹ میں ترمیم کر کے ریاست کی سرکاری زبان کے طور پر ہندی کے ساتھ ساتھ اردو کا اضافہ کر دیا۔

اتر پردیش کی کانگریسی وزارت نے ابھی کابینہ کی سطح پر فیصلہ کیا ہے کہ بہار کی طرح وہ بھی اردو کو ریاست کی دوسری سرکاری زبان بنائے گی۔ آندھرا پردیش میں وہاں کی انجمن ترقی اردو کے مطالبے کے مطابق بعض مقامی قوانین کے تحت بعض معاملات میں اردو کے سرکاری استعمال کا انتظام کیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل ہماچل پردیش میں بھی اردو کے سرکاری استعمال کا قانونی انتظام کیا گیا تھا۔ مگر ۱۹۷۷ء کے بعد جنتا پارٹی کی سرکار نے اسے ختم کرنے کی کوشش کی۔ حال فی الحال مغربی بنگال کے چار سب ڈویژنوں میں اردو کے جزوی سرکاری استعمال کے لیے دفتری احکام جاری کیے گئے ہیں، جو محض اشک شوئی ہے۔

صرف جموں و کشمیر ایک ایسی ریاست ہے جہاں شروع سے اردو اصولاً و عملاً پورے طور پر سرکاری زبان رہی ہے۔

۳۴ سال کے گزشتہ تجربات یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ اب صرف دستورِ ہند کی متعلقہ دفعات کے تحت سرکاری زبان کی حیثیت ہی آزاد بھارت میں ایک زندہ، مروج، مقبول اور کارآمد زبان کی حیثیت سے اردو کے وجود کی ضمانت دے سکتی ہے۔ یہ حیثیت انشاء اللہ حاصل ہو کر رہے گی، اگر اردو دوست اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ جمہوری و آئینی طور پر متحد و منظم و موثر جد و جہد کرتے رہیں۔ بہار میں اردو کو سرکاری حیثیت مل جانے کے بعد دہلی، اتر پردیش، آندھرا، مغربی بنگال، مدھیہ پردیش، راجستھان، کرناٹک، مہاراشٹر، پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش ہر جگہ مطالبہ زور پکڑ گیا ہے کہ اردو کو قانوناً ان سب ریاستوں کی دوسری سرکاری زبان بنایا جائے۔ ہر ریاست اور علاقے کے اردو عوام کی آرزو یہی ہے لیکن اس کی تکمیل کے لیے جد و جہد کہیں کم زور ہے کہیں مضبوط، خاص کر مفاد پرست خواص اور سیاست داں اپنی مادری و تہذیبی زبان کے حقوق حاصل کرنے کی بجائے صرف ایوانِ اقتدار میں اس کا سودا کر رہے ہیں لیکن یہ صورت حال زیادہ دن قائم نہ رہے گی۔ اب کاروانِ اردو کے بڑھتے قدم کو روکنا بعض غلط اندیش اردو والوں کے بھی بس کی بات نہیں۔ اردو کے ساتھ عوام الناس کی وابستگی بڑی زبردست ہے اور اُن کے درمیان جد و جہد کر کے اپنا جائز جمہوری حق لینے والے کارکن بھی بڑھ رہے ہیں اور ان کے حوصلے بھی۔

قائدِ اعظم کا فرمان

"اخبارِ اردو" کے سابقہ شمارے بابت جون کے سرورق پر قائدِ اعظم کا جو فرمان شائع ہوا ہے اس کی بابت متعدد قارئین نے استفسار کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ قائدِ اعظم کا یہ فرمان دراصل ان کے ایک مکتوب بنام شیخ محمد مسلم مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۴۱ء سے ماخوذ ہے۔ یہ اہم مکتوب اب تک غیر مطبوعہ تھا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، ناظم انجمن ترقی اردو لاہور نے اسے پہلی مرتبہ ۱۴ر مئی ۱۹۸۲ء کو انجمن ترقی اردو لاہور کی عمل درآمد کمیٹی کے اجلاس میں "اردو کے مسائل و معاملات" پر مشتمل اپنے "آگاہی نامہ" (مطبوعہ) میں نقل کیا تھا۔

مسائل و مباحث

اردو زبان میں اصطلاحی انتشار

وارث سرہندی

"اردو زبان میں نزاجیت" کے زیرِ عنوان "اخبارِ اردو" میں مضامین کا ایک سلسلہ شائع ہو رہا ہے۔ مارچ کے شمارہ میں جناب ثاقب رزمی کا مضمون شائع ہوا تھا اور مئی کے شمارہ میں جناب ہلال احمد زبیری کا مضمون شائع ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں مزید کچھ عرض کرنے سے پہلے میں اس سلسلہ کے عنوان میں شامل لفظ "نزاجیت" کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔

جیسا کہ جابر علی سید صاحب نے اپنے مکتوب میں کہا ہے یہ انگریزی لفظ "ANARCHY" کا ترجمہ ہے لیکن یہ لفظ "نزاجیت" نہیں بلکہ "نزاج" ہے یعنی فقدانِ حکومت یا عدمِ حکومت۔ انجمن ترقیِ اردو کی انگریزی اردو لغت میں بھی "ANARCHY" کے تحت "نزاج" اور "فوضویت" کے الفاظ درج ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ یہ ترجمہ بہترین ہے یا نہیں، یہ حقیقت ہے کہ یہ لفظ "ANARCHY" کے صرف ایک پہلو یا معنیٰ کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس کے لیے اردو میں بہت پہلے سے "طوائف الملوکی" کی اصطلاح رائج چلی آ رہی ہے مگر "ANARCHY" صرف طوائف الملوکی یا عدمِ حکومت تک محدود نہیں ہے، اس کے مفہوم میں انتشار، بے قاعدگی اور بے ضابطگی بھی شامل ہے۔ اس لیے عدمِ حکومت کے معنی میں تو "نزاج" قبول کیا جا سکتا ہے مگر دوسرے معنوں میں اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ "انتشار" ایک ایسا لفظ ہے جو جامعیت کا حامل ہے اور "ANARCHY" کے تمام مفاہیم کو محیط ہے۔ اس لیے کم از کم دوسرے معنوں میں "انتشار" ہی استعمال کرنا چاہیے۔ جہاں تک "نزاجیت" کا تعلق ہے تو یہ قطعاً غلط اور "ایجادِ بندہ مگر گندہ" کے تحت آتا ہے۔ "نزاج" ٹھیٹھ ہندی لفظ ہے اور خود اسمِ کیفیت ہے، اس لیے اس پر لاحقہ اسمِ کیفیت "یت" کا اضافہ جو عربی سے مخصوص ہے بذاتِ خود لسانی انتشار اور بے قاعدگی کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اسمِ کیفیت پر لاحقہ اسمِ کیفیت کا اضافہ یوں بھی حشو بلکہ مضحکہ خیز ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے بعض جہلاء "شب لیلۃ القدر" کہتے ہیں۔ اس لیے لسانی اور اصطلاحی انتشار پر گفتگو کرنے سے پہلے اس کے عنوان کو اس انتشار سے پاک کرنا ضروری ہے ورنہ ہمیں اس انتشار پر گفتگو کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ تو گڑ کھانا اور گلگلوں سے پرہیز کرنا ہے۔

اب آئیے اصل موضوع کی طرف۔

ایک ہی اصطلاح کے متعدد تراجم سے جو انتشار پیدا ہو رہا ہے، اس کی طرف میں فروری سنہ ۸۲ء کے "اخبارِ اردو" میں "مسائل و مباحث" کے زیرِ عنوان اہلِ علم کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کر چکا ہوں۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، وضعِ اصطلاحات کا سلسلہ فوراً بند کر دیا جائے۔ اور اس باب میں اب تک جو کام ہو چکا ہے، اُسے یکجا کیا جائے۔ یہ کام ایک مرکزی ادارہ کو تفویض کیا جائے۔ یہ مرکزی ادارہ "مقتدرہ" بھی ہو سکتا ہے۔ اس مرکزی ادارہ کے تحت ایک خاص مجلس تشکیل دی جائے جس کے ارکان وہ اصحاب ہوں جو لسانی تحقیق، فرہنگ نویسی اور اصطلاح سازی کا تجربہ رکھتے ہوں۔ یہاں تجربہ بنیادی شرط ہے۔ جو لوگ محض تعلیمی اسناد کا پشتارہ لادے پھرتے ہیں اور عملاً کوئی تجربہ نہیں رکھتے، ان سے کام نہیں چل سکتا۔ موجودہ انتشار کی دو اہم وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ اصطلاح سازی کا کام مرکزیت سے محروم رہا ہے اور ہر ادارہ اپنے اپنے طور پر یہ کام کرتا رہا ہے۔ دوم یہ کہ یہ کام ایسے لوگوں کے سپرد کیا گیا جو اس کا تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ یا تو محض تعلیمی اسناد کے حامل تھے یا سربراہانِ ادارہ سے ذاتی تعلقات رکھتے تھے۔ بالفاظِ دیگر احباب پروری جو ہمارا قومی شعار بن چکی ہے، خالص علمی اداروں میں در آئی اور اس طرح علمی اور تحقیقی کام بھی اس شعارِ بد کا شکار ہو کر پایۂ اعتبار و معیار سے ساقط ہو گئے۔ خود مقتدرہ میں

بھی اس کی مثالیں مفقود نہیں ہیں۔ جو لوگ اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں مگر سربراہانِ ادارہ تک رسائی نہیں رکھتے ان کو کام کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ یہ ایک قومی المیہ ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی مجلس صرف تجربہ کار اور اہلیت و صلاحیت کے حامل ماہرین پر مشتمل ہو، جو ان تمام اصطلاحات پر ناقدانہ نظر ڈال کر ایک مفہوم کے لیے صرف ایک اصطلاح کا تعین کریں۔ اس کام کو زیادہ معتبر اور معیاری بنانے کے لیے بیرونی معاونین کا ایک وسیع حلقہ قائم کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ حضرات جو اس کام کے اہل ہیں مگر بوجوہ اس ادارہ سے مستقل اور ہمہ وقتی وابستگی اختیار نہیں کر سکتے، وہ بھی اس اہم قومی کام میں بھرپور حصہ لے سکیں۔

ترقی اردو بورڈ (موجودہ لغت بورڈ) کراچی نے آغاز کار میں یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ جو بہت سودمند ثابت ہوا تھا مگر بعد میں مختلف حیلوں اور بہانوں سے ختم کر دیا گیا۔ بورڈ کا طریقہ یہ تھا کہ ماہرین پر مشتمل مجلس کا ترتیب دیا ہوا مسودہ بیرونی معاونین کو بالالتزام تنقید اور اصلاح کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ مسودہ بورڈ کے مجلہ "اردو نامہ" میں بھی شائع کیا جاتا تھا تاکہ قارئین میں اس کا ذوق رکھنے والے اصحاب بھی اس پر رائے دے سکیں۔ بیرونی معاونین اور عام قارئین کی آراء اور ترامیم پر مجلس غور کر کے اس مسودہ کو آخری شکل دیتی تھی۔ یہی طریق کار اس ادارہ کو بھی اپنانا چاہیے۔ اس طرح جہاں اس قومی کام میں پوری قوم کی شرکت یقینی ہو جائے گی وہاں اس کا معیار بھی بلند ہو جائے گا۔ مسودہ کو آخری شکل دینے کے بعد اس کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے اور ہر محکمہ اور شعبہ کو اس فرہنگ کی خریداری اور اس میں شامل اصطلاحات کے استعمال کا پابند کیا جائے۔ ایسی صورت میں کوئی وجہ نہیں کہ یہ اصطلاحی انتشار ختم نہ ہو سکے۔

اس سلسلہ میں جناب ہلال احمد زبیری کا جو مضمون "اخبار اردو" کے مئی ۸۲ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ وہ نہایت دقیع اور جامع ہے۔ یہ مضمون افادیت و رہنمائی کے لیے بہت سے پہلو رکھتا ہے۔ اگر اصطلاحات کے انتخاب و تعین کے لیے کوئی مجلس تشکیل دی جائے تو اس میں یا کم از کم بیرونی معاونین کے حلقہ میں زبیری صاحب کو ضرور شامل کرنا چاہیے کیونکہ اس موضوع پر ان کی نظر گہری ہے اور مطالعہ وسیع ہے۔

مئی ہی کے شمارہ میں عرفان علی یوسف صاحب کا مضمون بعنوان "اشتہارات کا ترجمہ — رہنما اصول" شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون بھی افادیت کا حامل ہے۔ موصوف نے اردو میں انگریزی ہندسوں اور انگریزی گنتی کے استعمال پر بجا طور پر اعتراض کیا ہے۔ اس کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یہ بدعت سرکاری اداروں کی سرپرستی میں رواج پا رہی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن بالالتزام ملین، بلین اور ٹریلین کا استعمال کر رہے ہیں اور اگر اردو گنتی استعمال کرتے ہیں تو وہ بھی انگریزی طرز میں یعنی ایک لاکھ کو سو ہزار کہیں گے۔ حالانکہ اردو میں لاکھ، کروڑ، ارب، کھرب وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں، جو نہ صرف ایک حسین تعداد کی نمائندگی کرتے ہیں بلکہ ان سے سب لوگ پوری طرح واقف بھی ہیں۔ اس کے برعکس ملین اور بلین کی تعداد کے تعین میں بھی اختلاف ہے اور عام لوگ ان سے واقف بھی نہیں ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ریڈیو پاکستان سے پنجابی زبان میں جو خبریں نشر کی جاتی ہیں ان میں لاکھ کروڑ وغیرہ ہی استعمال ہوتے ہیں۔ گویا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لال بجھکڑوں کے خیال میں لاکھ اور کروڑ تو پنجابی الفاظ ہیں اور ملین اور بلین اردو الفاظ ہیں ؎

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اسی طرح نصابی کتابوں میں انگریزی ہندسوں کا استعمال ہو رہا ہے۔ پاکستان میں بنے ہوئے اردو ٹائپ رائٹر میں بھی انگریزی ہندسے ہی شامل کیے گئے ہیں۔ اس کے برعکس غیر ممالک میں بنے ہوئے اردو ٹائپ رائٹروں میں اردو ہندسے شامل ہیں۔ بہرحال اس بدعت کو ختم کرنے کے لیے "مقتدرہ" کو موثر عملی قدم اٹھانا چاہیے۔

عرفان علی یوسف صاحب نے انگریزی اصطلاحات اور ان کے تراجم کی جو فہرست درج کی ہے، اس میں شامل بعض تراجم محتاجِ اصلاح ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

BEAUTY PARLOUR کا ترجمہ "دارالآرائش" کیا گیا ہے جو قاعدہ کے لحاظ سے غلط ہے۔ "آرائش" فارسی لفظ ہے، اس کو خواہ مخواہ عربی ترکیب بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسے جوڑ پیوند مضحکہ خیز ہوتے ہیں۔ فارسی لفظ سے فارسی مرکب بنانا چاہیے۔ اس لیے دارالآرائش کی بھونڈی اور غلط ترکیب کی نسبت "آرائش کدہ" کہیں بہتر ہوگا۔

DRAWING ROOM کا ترجمہ "کمرۂ نشست" بھی اسی قبیل سے ہے۔ اوّل تو اس کا املا "کمرہ" ہی غلط ہے کہ ہائے مختفی

فارسی سے مخصوص ہے اور "کمرا" فارسی لفظ نہیں ہے اور پھر اس پر ہمزۂ اضافت لگا کر اُسے فارسی ترکیب کی شکل دینا اور بھی ظلم ہے۔ اس انگریزی ترکیب کے لیے اردو میں پہلے ہی دو الفاظ موجود ہیں اور اس کا بدل ہی نہیں نعم البدل ہیں۔ پہلا لفظ "بیٹھک" ہے اور دوسرا نشست گاہ۔ اسے دیوان خانہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

FARM کا ترجمہ مزرع، فارم، ورقہ دیے گئے ہیں۔ غالباً مضمون نگار FARM اور FORM میں امتیاز نہیں کر سکے FARM کا ترجمہ 'مزرع' تو درست ہے مگر ورقہ غلط ہے۔ ورقہ FORM کا ترجمہ ہے مگر FORM فہرست میں شامل ہی نہیں ہے۔ FORM کا ترجمہ ہیئت بھی ہے۔ LEVELLING کا ترجمہ "ہموار کرنا" درج کیا گیا ہے۔ اصولی طور پر اس کا ترجمہ اسم سے کرنا چاہیے LEVELLING اسم ہے مگر "ہموار کرنا" مصدر ہے۔ ہموار کرنا LEVEL کا ترجمہ ہو سکتا ہے LEVELLING کا ترجمہ "تسطیح" ہونا چاہیے۔

"PLANT" کا ترجمہ تنصیب اور نصب کاری کیا گیا ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ کارخانہ اور پودا ہیں۔ تنصیب اور نصب کاری INSTALLATION کا ترجمہ ہو سکتے ہیں۔

"PUBLIC" کا ترجمہ عام اور عوام درست ہیں مگر موقع محل کے لحاظ سے اس کا ترجمہ عوامی اور سرکاری بھی کیا جاتا ہے جو درج نہیں ہے۔ PUBLIC SECTOR کا ترجمہ سرکاری شعبہ ہی کیا جاتا ہے۔ "QUOTATION" کا ترجمہ نرخ۔ تجارت کیا گیا ہے۔ "نرخ" کی حد تک یہ ترجمہ درست ہے۔ اس کا ترجمہ "حوالہ" بھی ہے جو درج نہیں ہے۔ REGISTRATION کا ترجمہ رجسٹری کرنا درج کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں اسم کا ترجمہ اسم سے کرنا چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ اس کا بدل "تسجیل" اختیار کیا جائے یہ اصطلاح عربی میں رائج ہے اور اردو میں بھی استعمال ہو رہی ہے۔ کیوں نہ اس خوبصورت اصطلاح کو اپنایا جائے۔

ROD کا ترجمہ سلاخ، ڈنڈی، چھڑی، جریب درست ہے مگر اس میں "عصا" کا اضافہ بھی کر لینا چاہیے۔

SERVICE کا ترجمہ خدمت اور ملازمت درست ہے، مگر اس میں نظام کا اضافہ بھی ہونا چاہیے۔

SEWERAGE SYSTEM کا ترجمہ "نظامِ گنداب نکاسی" کیا گیا ہے۔ اس گنگا جمنی ترجمہ کی بجائے "نظامِ گنداب ریزی" بہتر ہوگا۔

SMART کا ترجمہ چاق و چوبند کیا گیا ہے۔ صحیح ترکیب بلا عطف "چاق چوبند" ہے چاق تُرکی لفظ ہے اور چوبند ہندی اس لیے ان میں فارسی سے مخصوص واؤ عطف لانا درست نہیں ہے۔

"STORAGE" کا ترجمہ ذخیرہ کاری اور "ترخیز" کیا گیا ہے۔ "ترخیز" قطعاً غلط ہے۔

"SHADE" کا ترجمہ سایہ، درجہ، جھلکی، رنگ۔ دیا گیا ہے۔ "جھلکی" مناسب نہیں ہے۔ جھلک، فرق اور پہلو کا اس میں اضافہ ہونا چاہیے۔

"TYPIST" کا ترجمہ "ٹائپ کار" مناسب نہیں ہے۔ اس کی بجائے طباعت کار یا طالجہ کار کر سکتے ہیں کیونکہ TYPEWRITER کا ترجمہ طالجہ کیا جاتا ہے۔

UNIVERSITY کا ترجمہ جامعہ درست ہے، مگر "دانش گاہ" کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بھی اردو میں مستعمل ہے۔

WELDING کا ترجمہ "بتا جُڑائی" عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ اردو میں اس کے لیے "ٹانکا" استعمال ہوتا ہے۔

"WATERPROOF" کا ترجمہ آب رد کی بجائے آب رُبا بہتر ہوگا۔

مذکورہ بالا مضمون انفرادی اصطلاح سازی کی مثال ہے۔ اس انتشار کو اسی وقت ختم کیا جا سکتا ہے جب سطورِ بالا میں پیش کردہ معروضات کو روبہ عمل لایا جائے۔ ورنہ یہ انتشار جاری رہے گا۔ اور لوگوں کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر دے گا۔

"زبان لفظوں کا ایک متحرک جلوس ہے لیکن بولنے والے کی حیثیت اس عقاب کی سی نہیں ہے جس نے انسانوں سے الگ آستانہ بنایا ہو یا اس بادشاہ کی نہیں ہے جو ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر فوج کا سلام لے رہا ہو۔ بولنے والا خود اس جلوس کا حصہ ہے اور اس کے ذہن کے سارے نقش و نگار اسی معاشرے نے تعمیر کیے ہیں۔ اس لیے وہ زبان زندہ رہے گی جس میں ہمارا سماجی ورثہ، نئے الفاظ کا خون اور تازہ خیالات کی توانائی شامل ہوگی۔"

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی

خطبۂ صدارت "پاک ہند اردو افسانہ سیمینار ۱۹۸۱ء"

نفاذِ اردو

اردو کو دفتری و سرکاری زبان بنانے کا اعلان ۱۴ اگست کو لازماً کر دیا جائے

مقتدرہ قومی زبان کی مرکزی مجلس کی قرارداد، صدرِ مملکت سے ذاتی دلچسپی لینے کی اپیل

مقتدرہ قومی زبان کی مرکزی مجلس نے اپنے اجلاسِ عام میں صدرِ مملکت سے درخواست کی ہے کہ انگریزی کی جگہ اردو کو دفتری اور سرکاری زبان بنانے کا اعلان ۱۴ اگست کو لازماً کر دیا جائے۔ یہ درخواست مقتدرہ قومی زبان کی مرکزی مجلس کے اجلاس منعقدہ ۲۱ جون میں ایک قرارداد میں پیش کی گئی جس کی صدارت مقتدرہ کے قائم مقام صدرنشین میجر آفتاب حسن نے کی۔ قرارداد پیش کرتے ہوئے مقتدرہ کے رکن اور انجمن ترقی اردو، لاہور کے صدر ڈاکٹر سید عبداللہ نے کہا کہ مقتدرہ قومی زبان نے اردو کو دفتری و سرکاری زبان بنانے کے لیے اپنی تجاویز مارچ ۱۹۸۱ء میں پیش کر دی تھیں۔ اگرچہ کابینہ ڈویژن نے ان تجاویز کو آخری شکل دینے میں بہت زیادہ وقت لیا لیکن ان تجاویز کو ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو اسلام آباد میں کابینہ ڈویژن میں تمام صوبائی حکومتوں، ڈویژنوں اور وزارتوں کے نمائندوں نے منظور کر لیا تھا۔ توقع تھی کہ ان سفارشات کو ۱۹۸۱ء میں ہی کابینہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا لیکن یہ سفارشات کابینہ ڈویژن کے فائلوں کی زینت بنی رہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ نے کہا کہ ان سفارشات کو کابینہ کے سامنے پیش نہ کرنے کا اب کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ وقت پہلے ہی بہت ضائع ہو چکا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اب یہ اجلاس صدرِ مملکت سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس معاملے میں ذاتی دلچسپی لے کر دفاتر میں اردو کے نفاذ کا اعلان ۱۴ اگست ۱۹۸۲ء کو کر دیں تاکہ عوام اور محبانِ اردو کی تسلی ہو سکے۔ دریں اثناء صدرنشین نے اجلاس کو بتایا کہ انھیں کابینہ ڈویژن سے یہ اطلاع دی گئی تھی کہ یہ سفارشات ابھی ایک کابینہ کمیٹی کے سامنے بھی پیش کی جائیں گی۔ انھوں نے کہا کہ اس کابینہ کمیٹی کا قیام مارچ ۱۹۸۰ء میں عمل میں آیا تھا لیکن مقتدرہ کو اس کے قیام کی اطلاع نہیں دی گئی۔ اب جبکہ مقتدرہ کو دفاتر میں اردو کے نفاذ کی جلدی ہے تو مقتدرہ کو اس کمیٹی کے وجود کا علم ہوا ہے۔ اجلاس نے ذیلی مجلسِ ذریعۂ تعلیم کی سفارشات پر بھی تفصیلی غور کیا اور طے پایا کہ ان سفارشات کو مقتدرہ کی مرکزی مجلس کے آئندہ جلسے میں بعض اضافوں اور تبدیلیوں کے ساتھ پیش کیا جائے اور اس مقصد کے لیے یہ سفارشات ذیلی مجلس ذریعۂ تعلیم کو واپس بھیج دی جائیں۔ اجلاس میں جن ارکان نے شرکت ان میں میجر آفتاب حسن صدرنشین، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر محمد اجمل، پروفیسر اسداللہ بھٹو، ڈاکٹر محمود حسین قاضی، مولانا حامد علی خاں، ڈاکٹر انور بھٹی، خادم علی ہاشمی، جناب ابراہیم سعد، پروفیسر عبدالرؤف نوشہروی، جناب ہلال احمد زبیری، ڈاکٹر بیگم نسیم ترمذی، مشیر وزارتِ مالیات شامل ہیں۔

قومی زبان اردو کو دفتری زبان کے طور پر اپنانے کے سلسلے میں پیش رفت

سرکاری، نیم سرکاری، خود مختار اور نجی ادارے مقتدرہ قومی زبان کی خدمات حاصل کر رہے ہیں

اردو کو سرکاری زبان قرار دیے جانے کے سلسلے میں مقتدرہ قومی زبان کی کوششوں کے ساتھ ساتھ مختلف سرکاری، نیم سرکاری، خود مختار اور نجی اداروں کی جانب سے بھی قومی زبان اردو کو اپنانے کے بارے میں کافی پیش رفت ہوئی ہے۔ مختلف محکموں اور اداروں نے تمام کارروائی قومی زبان میں شروع کرنے سے قبل مقتدرہ قومی زبان سے کتابوں اور فارموں وغیرہ کا ترجمہ کرایا ہے اور اصطلاحات کے بارے میں تفصیلات طلب کی ہیں۔ اس سلسلے میں جن اداروں نے اردو ترجمے اور اصطلاحات کے لیے مقتدرہ قومی زبان کی خدمات حاصل کی ہیں ان میں محکمہ آثارِ قدیمہ، محکمہ ڈاک و تار کے ڈائریکٹر جنرل پوسٹ آفس، انکم ٹیکس، نیشنل بنک آف پاکستان، مسلم کمرشل بنک، بلدیہ عظمیٰ کراچی، ادارۂ ترقیات کراچی، بلوچستان کنٹنر وغیرہ شامل ہیں۔ مقتدرہ قومی زبان نے کسی ادارے سے اصطلاحات بنانے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا ہے جبکہ کتابوں، مینوئل اور بجٹ وغیرہ کا ترجمہ کرنے کا معقول معاوضہ لیا جاتا ہے۔

آئندہ تعلیمی سال سے پورے ملک میں انٹر کی سطح پر اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی سفارش

کالجوں اور جامعات کی سطح پر اردو کے ساتھ انگریزی کو متبادل زبان کے طور پر برقرار رکھا جائے

اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے میں نصابی کتب کا وٹ نہیں بنیں گی

مقتدرہ قومی زبان کی ذیلی مجلس نے سفارشات پیش کر دیں

قومی زبان اردو کو سرکاری زبان قرار دیے جانے کے ساتھ ہی آئندہ تعلیمی سال ۱۹۸۳-۸۴ء سے اعلیٰ ثانوی سطح پر جملہ مضامین کی تدریس بھی اردو میں شروع کی جائے۔ اس بات کی سفارش مقتدرہ قومی زبان کی ذیلی مجلس نے کی جو جامعات اور کالجوں کی سطح پر اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے سلسلے میں سفارشات تیار کرنے کے لیے گزشتہ سال قائم کی گئی تھی گیارہ رکنی کمیٹی نے اپنے کئی اجلاس میں اردو ذریعہ تعلیم بنانے کے بارے میں مختلف پہلوؤں اور اس سلسلے میں پیش آنے والی دشواریوں کا جائزہ لینے کے بعد سفارش کی ہے کہ تعلیمی سال ۸۲-۸۳ء سے اعلیٰ ثانوی سطح یعنی انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کے تمام گروپ فنون، سائنس، تجارت اور امور خانہ داری کی تدریس اردو میں شروع کی جائے۔ مجلس نے کہا ہے کہ جو طلبہ وطالبات انگریزی اسکولوں سے اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں آئیں گے ان کے لیے فنون اور تجارت کے شعبوں میں انگریزی بطور متبادل ذریعہ تعلیم ایک سال یعنی ۱۹۸۴-۸۵ء تک برقرار رکھی جائے اور ۱۹۸۵ء میں انٹرمیڈیٹ سال اوّل میں تمام مضامین میں داخلے صرف اردو ذریعہ تعلیم کی بنیاد پر دیے جائیں جب کہ انٹر سائنس میں انگریزی کو بطور متبادل ذریعہ تعلیم ۱۹۸۶-۸۷ء تک برقرار رکھا جائے اور ۱۹۸۷ء سے تمام داخلے صرف اور صرف اردو کی بنیاد پر دیے جائیں۔ کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ فنیاتی ڈپلومہ نصاب (ٹیکنیکل ڈپلومہ کورس) کی تدریس بھی ۱۹۸۳-۸۴ء سے اردو میں شروع کی جائے اور فنی تعلیم دینے کے لیے کتابوں کی فراہمی اور اساتذہ کی تربیت تک انگریزی کو بطور متبادل ذریعہ تعلیم برقرار رکھا جائے اور ۱۹۸۶-۸۷ء سے تمام داخلے صرف اردو ذریعہ تعلیم کی بنیاد پر دیے جائیں۔ مجلس کی رپورٹ کے مطابق ڈگری کی سطح پر فنون، تجارت اور تعلیمات کے شعبوں میں بھی ۱۹۸۳-۸۴ء سے اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے جب کہ انگریزی بطور متبادل ذریعہ تعلیم کے ۱۹۸۴-۸۵ء تک برقرار رکھی جائے اور اسی طرح ۱۹۸۵ء میں داخلے صرف اردو کی بنیاد پر دیے جائیں۔ مجلس نے کہا ہے کہ بی۔ اے کی سطح پر تقریباً تمام مضامین کی کتب قومی زبان اردو میں دستیاب ہیں اس لیے انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کی سطح پر ذریعہ تعلیم اردو میں تبدیل کرنے کی راہ میں نصابی کتب مسئلہ نہیں بنیں گی۔ مجلس نے سفارش کی ہے کہ بی ایس سی کی سطح پر ابتدائی طور پر اردو ذریعہ تعلیم کا آغاز ۱۹۸۵-۸۶ء سے کیا جائے اور ۱۹۸۶-۸۷ء تک انگریزی کو متبادل ذریعہ تعلیم کے طور پر برقرار رکھا جائے اور ۱۹۸۶ء سے بی ایس سی میں داخلے صرف اردو کی بنیاد پر دیے جائیں۔ مجلس نے سفارش کی ہے کہ انجینئرنگ کے شعبہ میں بی ایس سی اور بی ای کی سطح پر اردو ذریعہ تعلیم کا نفاذ ۱۹۸۵-۸۶ء سے کیا جائے اور ۱۹۸۹ء میں داخلے صرف اردو ذریعہ تعلیم کی بنیاد پر دیے جائیں۔ شعبہ طب میں ایم بی بی ایس کی سطح پر اردو میں تدریس تعلیمی سال ۱۹۸۵-۸۶ء سے شروع کی جائے اور اس کے پانچ سال بعد ۱۹۹۰ء سے شعبۂ طب میں داخلے صرف اردو ذریعہ تعلیم کی بنیاد پر دیے جائیں۔ بیطاری (ویٹرنری) اور زراعت کے شعبوں میں ۱۹۸۵-۸۶ء سے ذریعہ تعلیم اردو کیا جائے اور ۱۹۹۰ء میں داخلے صرف اردو کی بنیاد پر دیے جائیں قانون میں اردو ذریعہ تعلیم کا آغاز ۱۹۸۳-۸۴ء سے کیا جائے اور ۱۹۸۵ء میں قانون کا ذریعہ تعلیم مکمل طور پر اردو میں کر دیا جائے۔ مجلس نے سفارش کی ہے کہ ایم اے ایم کام اور ایم ایڈ کی سطح پر اردو میں تدریس تعلیمی سال ۱۹۸۵-۸۶ء سے شروع کی جائے اور ۱۹۸۶ء سے اس سطح پر مکمل طور پر اردو کو ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے اور ایم ایس سی اور ایم بی اے میں اردو ذریعہ تعلیم ۱۹۸۷-۸۸ء کے تعلیمی سال سے شروع کیا جائے۔ اس طرح دو سال سے سات سال کی مدت میں تمام شعبوں میں انٹر سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک تمام مضامین میں ذریعہ تعلیم اردو میں کر دیا جائے۔

انگریزی ذریعہ تعلیم سے طلبہ کی اکثریت کو نقصان پہنچ رہا ہے

تمام جماعتوں میں تعلیم اردو میں دی جائے، انگریزی لازمی مضمون رہے

ڈاکٹر احمد محی الدین کی سربراہی میں قائم مقتدرہ قومی زبان کی ذیلی مجلس کی سفارشات

قیامِ پاکستان سے اب تک انگریزی ذریعہ تعلیم کے مضر اثرات سے ہمارے طالب علموں کی اکثریت کو ذہنی اور علمی اعتبار سے نقصان پہنچ رہا ہے اس لیے وسیع تر قومی مفاد کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ پہلی جماعت سے اعلیٰ تعلیم تک قومی زبان اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے تاہم انگریزی زبان کی بین الاقوامی اہمیت کے پیشِ نظر انگریزی کو بطور لازمی مضمون برقرار رکھا جائے۔ اس بات کی سفارش جامعات اور کالجوں کی سطح پر اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے سلسلے میں مقتدرہ قومی زبان کی ذیلی مجلس نے اپنی روداد میں کی ہے۔ یہ مجلس علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر احمد محی الدین کی سربراہی میں گزشتہ سال قائم کی گئی تھی مجلس میں ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر شفقت حسین صدیقی، ڈاکٹر این اے بلوچ، ڈاکٹر خیرات محمد ابنِ رسا، پروفیسر رضی الرحمٰن، جناب محمد اسحاق جلال پوری، پروفیسر عبدالرؤف نوشہروی پروفیسر محمد انور بھٹی، جناب امین الدین علوی اور جناب خادم علی ہاشمی شامل ہیں۔ مجلس نے اپنی روداد میں تمام سطحوں پر قومی زبان اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک ملک کے چاروں صوبوں میں نجی اور مشنری اسکولوں کے علاوہ تمام اسکولوں میں ذریعہ تعلیم اور امتحان اردو ہے لیکن اسکول سے کالجوں میں داخلہ لینے والے طلبہ وطالبات کا ذریعہ تعلیم انگریزی ہو جاتا ہے جس کے باعث معیارِ تعلیم انحطاط پذیر ہے اس لیے ضروری ہے کہ کالجوں اور جامعات کی سطح پر اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی انگریزی زبان کی اہمیت کے پیشِ نظر انگریزی کو بطور لازمی مضمون چھٹی جماعت سے لے کر اعلیٰ جماعتوں تک باقی رکھا جائے مجلس نے کہا ہے کہ اردو میں تعلیم کی روشن مثال وفاقی گورنمنٹ اردو آرٹس اور سائنس کالج ہیں اور جامعہ کراچی نے بھی پی ایچ ڈی حیاتیات کا مقالہ اردو میں قبول کیا ہے۔ کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے اقدام کو کامیاب بنانے کے لیے ہر صوبے میں نمونے کا ایک ایک نیا ڈگری کالج قائم کیا جائے یا کسی کالج کو اردو میں تعلیم کے لیے نمونے کے طور پر اسے اردو کا درجہ دیا جائے۔ ایسے کالجوں میں تمام سائنسی اور غیر سائنسی مضامین کو اردو میں پڑھانے کا انتظام کیا جائے بلکہ ان میں دوسرے کالجوں اور جامعات کے اساتذہ کو بھی اردو میں تدریس کی تربیت کے لیے بھیجا جائے۔ مجلس کی سفارشات پر مقتدرہ قومی زبان کی مرکزی مجلسِ عاملہ کے حالیہ اجلاس میں غور کرنے کے بعد یہ سفارشات چند ترامیم کے لیے دوبارہ مجلس کو بھیج دی گئی ہیں جس کے بعد یہ سفارشات منظوری کے لیے وزارتِ تعلیم وفاقی کابینہ ——— ——— اور وفاقی مجلسِ شوریٰ میں پیش کی جائیں گی۔

ادارۂ ترقیات کراچی نے میزانیہ اردو میں پیش کیا

ادارۂ ترقیات کراچی نے اپنے قیام کے ۲۵ سال مکمل ہونے پر نئے مالی سال ۱۹۸۲ء۔ ۱۹۸۳ء کا میزانیہ پہلی بار قومی زبان میں تیار کیا ہے۔ اردو میں میزانیہ کی تیاری میں مقتدرہ قومی زبان نے ادارۂ ترقیاتِ کراچی کی مدد کی ہے۔ رواں مالی سال کے میزانیہ کی منظوری کے وقت ہیئت حاکمہ (گورننگ باڈی) نے نئے مالی سال کا میزانیہ اردو میں پیش کرنے کی ہدایت کی تھی۔ ادارہ ترقیات نے اپنے جشنِ سیمیں کے موقع پر قومی زبان کو رواج دینے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔

اردو کو رواج دینے کے بارے میں مقتدرہ کی سفارشات پر غور کیا جا رہا ہے۔ غلام اسحاق

وفاقی وزیرِ خزانہ جناب غلام اسحاق خاں نے ۲۳ جون کو مجلس شوریٰ میں وقفۂ سوالات کے دوران ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مقتدرہ قومی زبان نے انگریزی کی جگہ قومی زبان اردو کو رواج دینے کے لیے جو سفارشات پیش کی ہیں وفاقی حکومت صوبائی حکومتوں کے تعاون سے ان پر غور کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت یہ معاملہ کابینہ کی کمیٹی کے پاس تفصیلی جائزہ کے لیے زیرِ غور ہے جس کے بعد اسے وفاقی کابینہ میں پیش کیا جائے گا۔

راولپنڈی کے سرکاری دفاتر اردو میں امور سرانجام دے رہے ہیں

قومی زبان کی ترویج کے لیے شاہراہوں پر اشتہاری تختے آویزاں کیے جائیں گے

مجلسِ زبان دفتری، راولپنڈی نے اپنے اجلاس منعقدہ یکم جون میں طے کیا ہے کہ ضلع راولپنڈی میں قومی زبان کی ترویج کے لیے شاہراہوں پر اشتہاری تختے آویزاں کیے جائیں گے اور دفاتر میں بھرتی کے وقت ایسے افراد کو ترجیح دی جائے گی، جنھوں نے دفتری اردو کا امتحان کامیاب کیا ہو۔

معتمد نے اجلاس میں بتایا کہ اس وقت شہر میں تین مقامات پر قومی زبان کی ترویج کی تشہیری مہم کے ضمن میں اشتہاری تختے لگائے گئے ہیں اور رئیسِ بلدیہ اور ایگزیکٹو آفیسر کنٹونمنٹ بورڈ کو مراسلات لکھے جا چکے ہیں اور ان سے رابطہ قائم ہے تاکہ ان کے مشورے اور رائے کے مطابق مذکورہ تختوں کی تنصیب کے لیے مقامات کا انتخاب کیا جا سکے۔ صدرِ مجلس جناب نذیر احمد چودھری نے انھیں ہدایات دیں کہ ایسے تختے زیادہ سے زیادہ لگانے کے سلسلے میں اقدامات کیے جائیں۔ صدرِ مجلس نے بتایا کہ میونسپل کمیٹی مری نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ تمام اشتہاری تختے قومی زبان میں لکھوا کر آویزاں کیے جائیں گے۔ نیز یہ کمیٹی راولپنڈی مری روڈ کے اہم موڑوں پر اردو کو اپنانے کے سلسلے میں بھی چند ایک تختے لگائے گی۔ مجلس نے بلدیہ راولپنڈی اور کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی سے درخواست کی کہ وہ از خود اہم شاہراہوں پر قومی زبان کی تشہیر و ترویج کے سلسلے میں تختے لگوائیں۔

ضلعی افسرِ تعلیم ملک محمد شفیع نے بتایا کہ طالب علموں کے مابین ضلعی سطح پر قومی زبان کے موضوع پر تقریری مقابلے منعقد ہو چکے ہیں۔ صدرِ مجلس نے ان سے کہا کہ ان مقابلوں میں نمایاں حیثیت حاصل کرنے والوں کو نشانِ ظفر اور انعامات دینے کے لیے ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا جائے۔ اجلاس میں پرنسپل گورنمنٹ کمرشل انسٹی ٹیوٹ جناب شبیر احمد صدیقی کی تجویز پر یہ طے ہوا کہ اردو ٹائپ کا تربیتی پروگرام رمضان شریف کے بعد شروع کیا جائے۔ نیز سابقہ کورس میں تربیت پانے والے اہل کاروں کو ایک خصوصی تقریب میں اسناد دی جائیں۔

پروفیسر نیاز عرفان نے بتایا کہ مختلف محکموں کے زیرِ استعمال پچاس فارموں کا اردو میں ترجمہ کرنے کے بعد انھیں متعلقہ محکموں کو پڑتال کے لیے بھیجا گیا ہے اور دیگر فارموں کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ جناب محمد حبیب وہاب الخیری کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے صدرِ مجلس نے احکامات جاری کیے جن کے تحت ضلعی دفتر میں کام کرنے والے اہل کاروں کی مستقلی کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے دفتری اردو کے کورس کو مکمل کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے نیز انھوں نے یہ احکامات بھی جاری کیے کہ آئندہ عملے کی بھرتی کے وقت مذکورہ کورس میں کامیاب ہونے والوں کو ترجیح دی جائے۔

اجلاس میں صوبائی مجلس زبان دفتری کو یہ سفارش کی گئی کہ سرکاری ملازمتوں کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی دفتری اردو کی سند کو بھی بطور تعلیمی معیار کے رکھا جائے۔

مختلف امور سے متعلق سرکاری بلوں کے اردو میں تیاری اور منظوری کی دقت سے متعلق وضاحت کرتے ہوئے صدرِ مجلس نے بتایا کہ ان کے دفتر کی طرف سے کئی بل اردو میں تیار کر کے اکاؤنٹ آفس کو بھیجے جا رہے ہیں جن کی منظوری میں کسی قسم کی دقت پیش نہیں آئی۔ انھوں نے مزید بتایا کہ اسسٹنٹ کمشنر اردو کی ترویج کے ضمن میں حکومت کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے دفتری امور اردو میں سرانجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے خاص طور پر اسسٹنٹ کمشنر گوجر خان کا ذکر کیا جن کے دفتر کی طرف سے انھیں بیشتر خطوط اردو میں موصول ہو رہے ہیں۔

پروفیسر انور مسعود کی تجویز بھی منظور کی گئی کہ ڈپٹی کمشنر کے دفتر اور دیگر دفاتر میں استعمال ہونے والی مہریں اردو میں تیار کی جائیں۔ اجلاس میں ایسے تمام دفاتر سے جن کے اہل کاروں نے اردو ٹائپ کاری کا کورس مکمل کیا ہے، یہ درخواست کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ وہ اُن کی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے دفتری امور قومی زبان میں سرانجام دیں۔

میزانیہ میں اردو کے لیے رقم

وفاقی وزیرِ خزانہ غلام اسحاق خان نے مجلسِ شوریٰ کے ایک اجلاس میں سالانہ میزانیہ پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ میزانیہ میں اردو کی ترقی کے لیے ساڑھے چودہ لاکھ روپے رکھے گئے ہیں۔

دنیا بھر میں ایک درجن سے زیادہ عالمی نشریاتی ادارے

اُردو زبان میں خصوصی پروگرام نشر کرتے ہیں

دنیا بھر میں اردو زبان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک درجن سے زیادہ بڑے ملکوں کے عالمی نشریاتی ادارے اردو زبان کے خصوصی پروگرام نشر کرتے ہیں۔ وائس آف امریکہ کے علاوہ جو ریڈیو اسٹیشن اردو پروگرام نشر کرتے ہیں ان میں سے چند اہم اسٹیشنوں کے نام یہ ہیں: سعودی عرب براڈکاسٹنگ سروس جدہ، برٹش براڈکاسٹنگ کارپوریشن یا بی بی سی لندن فارایسٹرن براڈکاسٹنگ کارپوریشن سنگاپور، ریڈیو ماسکو، وائس آف جرمنی کولون، ریڈیو بیجنگ، ریڈیو تاشقند، این ایچ کے ریڈیو جاپان ٹوکیو، ریڈیو زاہدان ایران، ریڈیو قاہرہ، ریڈیو بغداد اور آل انڈیا ریڈیو وغیرہ وغیرہ۔

کچھ عرصہ پہلے وائس آف امریکہ انڈونیشیا جکارتہ سے بھی اردو میں پروگرام نشر ہوتا تھا جو آج کل نہیں ہو رہا ہے۔ مذکورہ بالا ریڈیو اسٹیشن قصیر موج تعدد پر بھی اردو میں نشریات کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مقامی طور پر تو بے شمار اسٹیشن ایسے ہیں جو اردو میں پروگرام نشر کرتے ہیں۔ ریڈیو ماسکو ہفتہ میں ۲۱ گھنٹے کی اردو نشریات کرتا ہے جبکہ ریڈیو تاشقند سے سات گھنٹے کی اردو نشریات ہوتی ہیں۔ وائس آف امریکہ ہفتہ میں ساڑھے دس گھنٹے، بی بی سی ۹ گھنٹے دس منٹ اور ریڈیو کولون سے ساڑھے تین گھنٹے فی ہفتہ اردو نشریات ہوتی ہیں۔ سب سے زیادہ طویل دورانیہ کی اردو نشریات آل انڈیا ریڈیو سے ہوتی ہیں جو روزانہ تین مجلسوں میں ۱۲ گھنٹے تک جاری رہتی ہیں۔

اُردو ٹیلی پرنٹر ۱۴ اگست کو حکومت کے حوالے کردیا جائے گا

صنعت ٹیلی فون پاکستان ۱۴ اگست تک دس عدد اردو ٹیلی پرنٹر حکومت کے حوالے کردے گی۔ یہ ٹیلی پرنٹر اے پی پی کے دفاتر میں اس کی خبروں کی ترسیل کے لیے استعمال کیے جائیں گے۔ اردو ٹیلی پرنٹر کی خدمات کے آغاز سے اردو زبان ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں شامل ہو جائے گی اور پاکستان فنیات کے ایک نئے دور میں داخل ہو جائے گا۔

صنعتِ ٹیلی فون پاکستان میں تیار ہونے والے اردو ٹائپ رائٹروں کے چھوٹے نقل پزیر (پورٹیبل) ٹائپ رائٹر بھی اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں اور فروخت کے لیے جلد ہی بازار میں رکھ دیے جائیں گے۔ ان نقل پزیر ٹائپ رائٹروں کی قیمت نہایت ارزاں رکھی جارہی ہے۔

مجلسِ شوریٰ اُردو اختیار کر رہی ہے

مجلسِ شوریٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ اس کی زبان اردو ہوگی اور اجلاس میں خط وکتابت اردو ہی میں کی جائے گی۔ مجلسِ شوریٰ کے صدر نشین خواجہ محمد صفدر نے بتایا کہ شوریٰ کا دیوان (سیکرٹریٹ) اس بات کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے کہ اجلاس کی آئندہ خط وکتابت اردو میں ہو۔ اس مقصد کے لیے صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کے حکم پر "پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان" اسلام آباد میں تین اردو طباعتی مشینیں نصب کردی گئی ہیں۔ قبل ازیں اردو کی صرف ایک مشین تھی۔

حکومت فوری طور پر اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنائے۔ پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کا مطالبہ

گزشتہ دنوں پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کراچی کی جانب سے صوبائی وزیر تعلیم جسٹس غوث علی شاہ کی خدمت میں تعلیمی صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لیے چند سفارشات پیش کی گئی ہیں جنھیں اس کی تشکیل کردہ مجلسوں نے مرتب کیا ہے۔ ان سفارشات میں سے ایک میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ مختلف اسکولوں اور کالجوں میں انگریزی اور اردو ذریعہ تعلیم کی وجہ سے تعلیم کی عام صورتِ حال میں دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اردو کو ذریعۂ تعلیم بنائے اور اس کے لیے ضروری اقدام کیے جائیں۔

افکارِ معاصرین

اُردو کو دفتری زبان بنانے میں تاخیر

مقتدرہ قومی زبان نے مطالبہ کیا ہے کہ اردو کو دفتری و سرکاری زبان بنانے کا اعلان ۱۴ اگست کو لازماً کر دیا جائے۔ قومی زبان کی مرکزی مجلس کے اجلاس میں جو مقتدرہ کے قائم مقام صدر نشین میجر آفتاب حسن کی صدارت میں منعقد ہوا، مقتدرہ کے رکن اور انجمن ترقی اردو کے صدر ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس مقصد کے لیے ایک قرارداد پیش کرتے ہوئے بتایا کہ مقتدرہ نے اردو کو دفتری اور سرکاری زبان بنانے کے لیے اپنی تجاویز مارچ ۸۱ء میں پیش کر دی تھیں اور ان تجاویز کو ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۱ء ہی کو اسلام آباد میں کابینہ ڈویژن میں تمام صوبائی حکومتوں، ڈویژنوں اور وزارتوں کے نمائندوں نے منظور کر لیا تھا لیکن یہ سفارشات کابینہ ڈویژن کے فائلوں کی زینت بنی رہیں۔ اس تاخیر کی بنا پر اجلاس نے صدر مملکت سے اپیل کی ہے کہ وہ اس معاملے میں ذاتی دلچسپی لے کر دفاتر میں اردو کے نفاذ کا اعلان ۱۴ اگست ۱۹۸۲ء کو کر دیں۔

مقتدرہ اردو کا ایک قرارداد کے ذریعہ یہ مطالبہ بہت معقول اور مناسب ہے مقتدرہ کی جانب سے تجاویز پندرہ ماہ قبل پیش کی گئی تھیں لیکن اس طویل عرصے میں بھی تجاویز کو کابینہ کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکا۔ اب یہ معلوم ہوا ہے کہ تجاویز پہلے کابینہ کمیٹی کے سامنے پیش کی جائیں گی جس کا قیام مارچ ۱۹۸۰ء میں عمل میں آیا تھا۔ اردو کو دفتری زبان بنانے کے بارے میں یہ تاخیر تو واقعی بڑی تکلیف دہ ہے۔ اردو کو دفتری زبان بنانے کی راہ میں جو مشکلات تھیں وہ تقریباً دور ہو چکی ہیں۔ اردو ٹائپ دستیاب ہے۔ اصطلاحات کے بارے میں متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان سہولتوں کے بہم پہنچنے کے باوجود اردو کو دفتری زبان بنانے میں تاخیر کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ مقتدرہ کا یہ مطالبہ بالکل درست ہے کہ صدر ضیاء ۱۴ر اگست کو اردو کو مکمل طور پر دفتری اور سرکاری زبان بنانے کا اعلان کر دیں۔ اردو کو اس کا حقیقی مقام دلانے میں اب تک جو تاخیر ہوئی ہے اس کا ازالہ اسی طرح ہو سکتا ہے۔

روزنامہ "جنگ" کراچی

۲۳ر جون ۱۹۸۲ء

مقتدرہ قومی زبان کا مطالبہ!

سرکاری اہتمام میں قائم ہونے والی تنظیم "مقتدرہ قومی زبان" کی طرف سے صدرِ مملکت سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ اردو کو دفتری زبان بنانے کے لیے چودہ اگست کو حتمی اعلان کر دیں۔ یہ مطالبہ بظاہر عاجلانہ اور انتہا پسندانہ معلوم ہوتا ہے لیکن بہی خواہانِ اردو نے اتنے لمبے عرصے تک صرف دلیل اور اپیل سے کام لے کر جس ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا ہے، اربابِ اختیار کو اس کی بھی قدر افزائی کرنی چاہیے۔ اس تنظیم نے اب جو مطالبہ کیا ہے، اس کے لیے کوئی سوا برس پہلے مارچ ۱۹۸۱ء میں آواز بلند کی گئی تھی۔ اپنے روایتی یعنی بڑے آہستہ طریق کار کے مطابق مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے اکتوبر ۸۱ء میں محکموں کی سطح پر اس کا جائزہ لیا، جس کے بعد یہ معاملہ ٹھپ چلا آ رہا ہے۔ اردو بلاشبہ بہت سخت جان ثابت ہوئی ہے کہ انگریزی کی تمام تر بالادستی اور پذیرائی کے باوجود اس کی پیشرفت جاری ہے، لیکن اس کی سست رفتاری کی وجہ سے جو نقصان ہو رہا ہے، وہ اردو کا نہیں، بلکہ ملک و قوم کا ہے اور یہی وہ محاذ ہے جس پر اپنی کارکردگی کے بارے میں انتظامی مشینری کے ستون فرض شناس واقع ہونے کی کوئی اچھی شہرت نہیں رکھتے۔ چنانچہ بظاہر اردو کے قدم بڑھتے نظر آتے ہیں، لیکن جڑیں اور شاخیں انگریزی کی گہری اور وسیع ہوتی جا رہی ہیں۔

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی

۲۵ر جون ۱۹۸۲ء

اُردو زبان کا جائز حق

مقتدرہ قومی زبان نے صدر ضیاء الحق سے اپیل کی ہے کہ سرکاری دفاتر میں انگریزی کی جگہ اردو کو سرکاری زبان بنانے کے لیے ۱۴ اگست کو لازمی طور پر اعلان کیا جائے۔ یہ اپیل ایک قرارداد کے ذریعہ کی گئی ہے

جو مقتدرہ کے اجلاس میں منظور کی گئی۔ قرار داد میں یہ بھی یاد دلایا گیا ہے کہ اردو کو دفتری زبان بنانے کے لیے مقتدرہ کی مجلسِ عاملہ نے مارچ ۱۹۸۱ء میں کابینہ ڈویژن کے سامنے اپنی تجویز پیش کر دی تھی۔ صوبائی حکومتوں نے اس تجویز کو اکتوبر ۱۹۸۱ء میں منظور کر لیا تھا لیکن وہ تجویز ابھی تک فائلوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔ موجودہ حکومت نے اردو زبان کو دفتری زبان بنانے کے لیے جو کوشش کی ہے، وہ ہمارے سامنے ہے۔ بہت سے سرکاری کام اردو زبان میں ہونے لگے ہیں صوبائی حکومتوں نے اپنے سیکرٹریوں وغیرہ کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ اپنے نوٹ اردو میں لکھیں اور دستخط اردو میں کریں۔ اعلیٰ عدالتوں میں بھی اردو کا راج ہو رہا ہے لیکن کسی نہ کسی سطح پر ایسے لوگ موجود ہیں جو انگریزی کو ہمارے سر پر مسلط رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ اردو کو اس کا جائز مقام ملے اور پاکستانی قوم اپنی زبان پر فخر کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں نوٹ لکھنے کا رواج زیادہ نہیں بڑھ سکا۔ احکام وغیرہ بھی اردو میں جاری کرنے کا سلسلہ زیادہ نہیں چلا۔ صوبوں میں بالخصوص پنجاب میں تو اردو کی کچھ پذیرائی ہوئی۔ وفاقی سطح پر اردو کے لیے اتنا کام بھی نہیں ہوا۔ اس لیے مقتدرہ کا یہ مطالبہ یا اپیل بالکل جائز ہے کہ اردو کو ہر سطح پر دفتری اور سرکاری زبان بنانے کے لیے ایک تاریخ مقرر کی جائے اور اس روز اس کا نفاذ کر دیا جائے۔ اس کے لیے ۱۴ اگست سے زیادہ موزوں اور کوئی دن نہیں ہو سکتا۔ ہمیں امید ہے کہ صدر ضیاء الحق جن کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے اردو کو یہ مقام حاصل ہوا ہے اس اپیل پر ضرور توجہ دیں گے اور اردو کو اس کا صحیح مقام عطا کر دیں گے۔

روزنامہ "امروز" لاہور

۲۴ جون ۱۹۸۲ء

مالیاتی آرڈی ننس اردو میں کیوں نہیں؟

صدر مملکت نے ۱۴ جون کو مالیاتی آرڈی ننس نافذ کیا تاکہ وفاقی حکومت کی بجٹ تجاویز پر عمل درآمد کیا جا سکے اور اس بارے میں بعض قوانین میں ترمیم کی جا سکے مالیاتی آرڈی ننس ہر سال بجٹ پیش کرنے کے موقع پر نافذ کیا جاتا ہے کیونکہ اسی کی بنیاد پر بجٹ تجاویز نافذالعمل ہوتی ہیں۔ حسب سابق یہ آرڈی ننس انگریزی میں تیار اور شائع کیا گیا ہے جبکہ گزشتہ کئی سالوں سے بجٹ بھی قومی زبان اردو میں پیش کیا جاتا ہے اور بجٹ پر وزیر خزانہ کی تقریر بھی اردو ہی میں ہوتی ہے لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جس آرڈی ننس کی بنیاد پر بجٹ تجاویز نافذ کی جاتی ہیں اُسے اردو میں تیار کرنے اور شائع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی۔ قومی زبان اردو کو اُس کا حقیقی مقام دلانے کے لیے جس قدر باتیں کی جاتی ہیں اُسی قدر ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ مالیاتی آرڈی ننس اور دوسرے تمام آرڈی ننس اردو میں تیار کیے جائیں اور اردو ہی میں شائع کیے جائیں۔ اردو کے بارے میں تضاد پر مبنی اس رویے کو جس قدر جلد ترک کر دیا جائے بہتر ہے۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے دورِ حکومت میں اردو کو اُس کا حقیقی مقام دلانے کے سلسلے میں ذاتی طور پر جو کوششیں اور مثالیں قائم کی ہیں، ہمارے حکام کو اُن کی تقلید کرنی چاہیے امید ہے کہ متعلقہ حکام اس جانب توجہ دیں گے۔ مالیاتی آرڈی ننس اور دوسرے تمام آرڈی ننس اردو میں تیار کرنے اور شائع کرنے کا اہتمام کریں گے تاکہ یہ چیز عوام کے لیے سہولت کا باعث ہو۔

روزنامہ "جنگ" کراچی

۲۲ جون ۱۹۸۲ء

اُردو پر دسترس بھی ضروری ہے

سرکاری ملازمین کے لیے اسلام و پاکستان کے بارے میں علم کو لازمی قرار دینے کے اچھے فیصلے کا ایک بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ ملازمین کے انتخاب و تقرر اور پھر ترقی کے امتحان، انٹرویو میں قومی زبان کو بھی کما حقہ، مقام و مرتبہ دیا جائے اور کسی تمیز و استثناء کے بغیر تمام جدید ملازمین کے لیے اردو پر اتنی دسترس لازمی قرار دے دی جائے کہ وہ خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی قومی زبان کو ذریعہ اظہار و تحریر بنا سکیں۔ اردو بھی پاکستانی تشخص کی ایک اہم بنیاد اور مظہر ہے۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں کے عام لوگ (جن میں زیادہ تعداد ان پڑھوں کی ہوتی ہے) جب آپس میں ملتے ہیں تو علاقائی زبانوں سے ناواقف ہونے کے باعث وہ اپنی استطاعت کی حد تک اردو کو ہی باہم ربط و اظہار کا ذریعہ بناتے ہیں۔ لیکن زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کے زعمِ علم کی اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی جب تک وہ آپس میں، دفتروں اور گھروں میں حتیٰ کہ تقریبات میں بھی انگریزی زبان کو ذریعہ اظہار نہ بنا لیں۔ صاحب بہادروں کے اس فیشن اور اپنی طرف سے برتری کے

اظہار کی اس صورت نے قومی زبان کو پاکستان میں اپنے اصل مقام و مرتبہ سے بہرہ ور نہیں ہونے دیا۔ اس نقصان دہ بلکہ قومی حمیت کے منافی سلسلے کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام اور پاکستان کے بارے میں علم کی طرح اردو پر دسترس کو بھی اعلیٰ سرکاری ملازمین کے لیے لازمی قرار دیا جائے اور انتخاب و تقرر کے امتحان انٹرویو میں اسے بھی عرصۂ ملازمت، اہلیت مہارت کی طرح پوری اہمیت دی جائے تاکہ اردو کے اپنے ہی وطن میں اجنبی ہونے کا المیہ ختم ہو سکے۔

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی
۳۰ر جون ۱۹۸۲ء

اُردو کی سرکاری سطح پر ترویج میں تاخیر

اردو کی سرکاری سطح پر ترویج کے امور طے کرنے والی وفاقی کمیٹی کا اجلاس ایک بار پھر غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔ اس کمیٹی کا اجلاس ۷ ارمئی کو ہونے والا تھا جو یکم جون تک ملتوی کر دیا گیا مگر اب اسے نامعلوم وجوہ کی بنا کر غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔ قومی زبان کی ترویج سے دلچسپی رکھنے والے حلقے اس اجلاس سے بڑی توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے۔ کیونکہ اس میں ملک بھر میں اردو کو بطور دفتری زبان رائج کرنے، اعلیٰ درجوں میں ذریعۂ تعلیم بنانے اور اعلیٰ امتحانات میں انگریزی کے بجائے ذریعۂ امتحان بنانے کے بارے میں حتمی پالیسی تیار کی جانے والی تھی اور یہ فیصلہ ہونا تھا کہ یہ عمل کس تاریخ سے شروع کیا جائے۔

گزشتہ سال اکتوبر ۱۹۸۱ء میں بھی اسی قسم کے ایک اجلاس میں یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ صدرِ مملکت ایک صدارتی حکم کے ذریعے سرکاری سطح پر اردو کی ترویج کے مرحلہ وار پروگرام کا اعلان کر دیں گے مگر اس سارے مسئلے کا از سرِ نو جائزہ لیا گیا۔ اور صوبائی حکومتوں سے نئے سرے سے رپورٹیں مانگی گئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صوبائی حکومتوں نے نئی رپورٹوں میں نفاذ اردو کے سلسلے میں ناگزیر رکاوٹوں اور مشکلات کا ذکر کیا ہوگا جس پر اس معاملے کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

ہم شروع سے اس امر پر زور دے رہے ہیں کہ موجودہ نوکر شاہی اردو کو سرکاری سطح پر نافذ کرنے میں رکاوٹیں کھڑی کرتی رہے گی۔ موجودہ حکومت کی یہ دلی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد اس کا صحیح مقام دے دیا جائے اور صدرِ مملکت اپنی اس خواہش کا برملا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں مگر نوکر شاہی انگریزی کی عمل داری کو طول دینے کے سازشی منصوبے پر عمل پیرا چلی آ رہی ہے اور وہی حتمی پالیسی کی تیاری میں رکاوٹیں کھڑی کر رہی ہے اور ہم براہِ راست صدرِ مملکت کی خدمت میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ وفاقی کمیٹی کے اجلاس کے اس غیر معینہ التوا کی تحقیقات کریں اور کمیٹی کو جلد سے جلد حتمی پالیسی وضع کرنے کی ہدایت کریں۔

روزنامہ "مشرق" لاہور یکم جون ۱۹۸۲ء

تازہ مطبوعات

طبیب

کراچی سے ایک نیا پندرہ روزہ طبی اخبار "طبیب" جاری ہوا ہے اور اس کا پہلا اور دوسرا مشترکہ شمارہ بابت جون ۱۹۸۲ء شائع ہو گیا ہے۔ اس کی مجلسِ ادارت ڈاکٹر عبدالحمید، ڈاکٹر انور رفیق اور سید احمد اصغر پر مشتمل ہے۔ اس اخبار کا مقصد اردو زبان کے ذریعے طبیبوں تک طبی معلومات فراہم کرنا ہے — جو بجائے خود ایک لائقِ صد تحسین کاوش ہے۔ ضمنی طور پر اس اخبار کا مقصد طبِ جدید سے عوام کی آگہی، طبیبوں کا تعارف اور معروف طبیبوں کو ایسے رشحاتِ قلم کو جن کی نوعیت علمی و تحقیقی ہو، طبی حلقوں میں متعارف کرانا ہے۔

اس پہلے شمارے میں "بچوں میں خلقی امراضِ قلب" پر ڈاکٹر شوکت علی سید کا مضمون "اسبابِ امراض" پر ڈاکٹر سید کا مضمون "نشارِ خون اور فالج" پر ڈاکٹر زکی حسن کا مضمون — مشاہیرِ فن کے خصوصی مطالعات پر مبنی ہیں، جنھیں علمی اور فنی دنیا میں امتیاز حاصل ہے۔ ان کے علاوہ امراضِ جلد پر پاکستان کے ممتاز ماہرینِ جلد کی تحریروں پر مشتمل ایک کتاب بھی اس میں قسط وار شائع کی جا رہی ہے، جس کی پہلی قسط اس شمارہ میں شامل کی گئی ہے۔ "پاکستان ہارٹ جرنل" سے ڈاکٹر اطہر فاروقی کا ایک فکر انگیز مضمون "کیا اردو میں طبی تدریس ممکن ہے؟" بھی

اس میں شامل ہے۔ اس مختصر سے اخبار میں جو بڑی تقطیع کے صرف چار صفحات پر مشتمل ہے، مدیرانِ گرام نے قارئین کے استفادہ اور دلچسپی کے لیے بہت کچھ سمیٹ دیا ہے معلومات بھی بہت ہیں، طبی تحقیقات کے نتائج بھی سامنے آتے ہیں اور زبان کی شگفتگی اور ادبیت بھی اپنے جوہر دکھاتی ہے۔ اس میں "جنون و حکمت" کے عنوان سے ایک فکاہی کالم بھی شامل ہے جسے "طبیبِ شہر" نے قلم بند کیا ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

"اس نقار خانۂ طب میں جہاں صاحب لوگوں کی بانسریاں انگریزی دھن میں بج رہی ہیں وہاں طوطیٔ اردو کی آواز نہ صرف غیر متوقع ہے بلکہ جدت بھی ہے جسارت بھی۔

اداۓ خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

لیکن اس کے ساتھ یہ اعتماد بھی ہے کہ باوجودیکہ ہمارے مسیحاؤں کی زبان انگریزی ہے لیکن جس زبان میں وہ اپنے بیماروں سے باتیں کرتے ہیں وہ اردو یا اس سے ملتی زبان یا زبانیں ہی ہیں۔ گو بعض دفعہ یہ صورتِ حال ضرور پیدا ہو جاتی ہے جب کہ مریض اپنے معالج کی زبان سمجھ کر اگر زبان سے نہیں تو دل میں ضرور کہتا ہے ؎

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

اس لیے یہ بات وقت کی آواز ہے کہ مریض و معالج میں جو زبان کی خلیج ہے اسے کسی نہ کسی طرح پُر کیا جائے تاکہ اپنا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے کی جو کیفیت ہے اس کا کچھ نہ کچھ ازالہ ہو سکے ــــ"

"ملاحظاتِ طبیب" اس اخبار کا اداریہ ہے۔ بڑی شگفتہ زبان میں لکھا گیا ہے اور اس میں اسلوب کی چاشنی بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ مثلاً:۔

"..... لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ وقیع اور اہم ہے کہ طبی علوم کو عوام الناس کی دسترس میں آنا ہے تو اس علم کو زمین پر اتر کر اسی زبان میں بات کرنا پڑے گی جسے عام لوگ سمجھ سکیں اور جو ہمارے ماضی کی تابناک روایات سے ہم آہنگ ہو۔ یہ صورتِ حال افسوس ناک لیکن ناقابلِ تردید ہے کہ اردو میں کماحقہٗ نہ علوم منتقل ہو سکے ہیں اور نہ اس کی اشاعت و تدریس ہو سکی ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اہلِ عرب طبی مقالات اور مباحثات اپنی زبان میں ادا کرنے پر قادر ہیں۔ اس زمانہ میں انگریزی معیارِ تعلیم روز بروز زوال پذیر ہے۔ جس قدر عام خواندگی میں اضافہ ہوگا، انگریزی زبان کے مناسب استاد نہ ملنے کی وجہ سے انگریزی کا معیار اور گرے گا۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ صرف معاون طبی عملہ بلکہ ڈاکٹروں اور نرسوں کے لیے بھی انگریزی مشکل زبان ہو جائے گی۔ اس سوچ سے ازبس ضروری ہو جاتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان علوم کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہمیں اپنی مشکلات اور دشواریوں کا احساس ہے، بہر حال اس محفلِ کیف و مستی میں اس انجمنِ غیر فانی میں جہاں سب انگریزی میزبان بیٹھے ہیں، ہم پینا بھی چاہتے ہیں اور چھلکانا بھی..... "

ہم اردو دنیا میں اس اخبار کی اشاعت کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اس کے مرتبین تمام اردو دوستوں کے شکریہ کے مستحق ہیں ــــ کہ واقعی اردو میں طبی اخبار کا اجراء وقت کی اہم ضرورت بھی تھی اور فرض کی بجا آوری بھی۔

یہ اخبار صرف ایک روپیہ میں ۸۰۴ پنوراما سینٹر، ڈاکٹرز پلازا، سمرسٹ اسٹریٹ، صدر کراچی سے دستیاب ہے۔

ماخذات جلد دوم

سرفراز علی رضوی خاموش لیکن بلند پایہ تحقیقی کام کرنے والے بزرگ محققین میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ آج کل ماخذاتِ احوال شعرا و مشاہیر کی تحقیق و ترتیب میں مصروف ہیں۔ اس سلسلہ کی پہلی جلد کچھ عرصہ قبل انجمنِ ترقی اردو کراچی نے شائع کی تھی، اب حال میں اس کی دوسری جلد شائع ہوئی ہے۔ اس جلد میں ڈیڑھ ہزار سے زائد شعرا و مشاہیرِ علم و ادب کے حالاتِ زندگی اور ان کے علمی و ادبی کارناموں کے جائزے پر مشتمل ماخذات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہ دونوں جلدیں ابھی حرف الف کے رجال ہی پر محیط ہیں اور ابھی یہ حرف مکمل بھی نہیں ہو سکا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کام اپنی تکمیل کے وقت کس قدر مبسوط اور جامع حیثیت کا حامل ہوگا۔ اردو میں اس قسم کے ماخذات کی نشان دہی کی کوئی اور نظیر نہیں ملتی۔ یہ ایک نہایت مفید، معاون اور وقیع کارنامہ ہے۔ جو فردِ واحد کی کوششوں سے انجام پا رہا ہے۔ فاضل مولف اور ساتھ ہی انجمن ترقی اردو اس کی تالیف و اشاعت پر علمی دنیا کے شکریے کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ یہ کام جلد اپنی تکمیل تک پہنچے گا۔

یہ جلد ۳۸۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ۳۵ روپے ہے۔

لسانی و ادبی سرگرمیاں

جرمنی میں پاکستانی زبانوں کا مطالعہ

ممتاز اور معروف مستشرق این میری
شمیل کی ایک تازہ تصنیف حال ہی میں ہمبرگ
(جرمنی) سے "جرمن پاکستان فورم" کے
اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ اس سے قبل
اس ادارہ سے پاکستان پر جرمن مطبوعات
پر مشتمل ایک کتابیات، قائدِ اعظم پر ڈاکٹر
عبدالحمید کے خطبات کا مجموعہ، اقبال پر
جرمن مصنفین کے مقالات کا مجموعہ اور پاکستان
پر رودادوں اور دستاویزات کا ایک مجموعہ
شائع ہو چکے ہیں۔ پاکستانی زبانوں کے
مطالعہ پر مشتمل اس کتاب میں اردو، سندھی،
پنجابی، پشتو، بلوچی، براہوئی اور ہندوکش
کی زبانوں کے جو تحقیقی اور تنقیدی مطالعے
جرمنی کے مختلف ماہرینِ لسانیات نے تحریر
کیے تھے — ان کا تاریخی اور تحقیقی و تنقیدی
جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں مصنفہ
نے برِ صغیر پاک و ہند کے عربی و فارسی ورثہ
پر ایک مفصل اور معلوماتی مقدمہ تحریر کیا
ہے۔ ایک علیحدہ باب ارنسٹ ٹرمپ
(۱۸۲۰ء — ۱۸۸۵ء) پاکستانی زبانوں کے
ایک ممتاز ماہر کی خدمات کے جائزہ پر بھی
تصنیف کیا ہے۔ یہ کتاب جہاں جرمن ماہرینِ
لسانیات کی پاکستانی زبانوں سے دلچسپی اور
ان کی مطالعاتی کاوشوں کو سامنے لاتی ہے
وہیں یہ اردو اور دیگر علاقائی زبانوں کے
لسانی جائزہ میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔
کتاب میں جا بجا نادر مطبوعات اور مخطوطات
کے عکس اور مستشرقین کی تصاویر بھی شامل
کی گئی ہیں۔

اکادمی ادبیاتِ پاکستان نوجوان مصنفین کی پہلی کتاب شائع کرے گی

"اوّلین کتاب پروگرام" کے تحت اکادمی
ادبیاتِ پاکستان رواں سال کے لیے نوجوان
نئے لکھنے والوں کی دو کتابیں منتخب کرے
گی۔ اوّلین کتاب کا پروگرام اکادمی نے ان نوعمر
اور باصلاحیت اہلِ قلم کی حوصلہ افزائی کے
لیے شروع کیا ہے جن کی اب تک کوئی کتاب
شائع نہ ہوئی ہو۔ اور جو بعض مشکلات کے
باعث اپنی تصانیف شائع کرنے کی استطاعت
نہ رکھتے ہوں۔

اس پروگرام کے تحت نئے لکھنے
والوں سے ان کی پہلی تصنیف کے مسودے طلب
کیے جا رہے ہیں۔ اکادمی کی "پبلی کیشن کمیٹی" جس
میں ملک کے چیدہ چیدہ ادبا شامل ہیں، ان
مسودات میں سے دو بہترین مسودات کا انتخاب
کرے گی جن میں ایک شاعری اور ایک نثر سے
متعلق ہوگا۔

نئے لکھنے والے نوجوان مصنفین
سے گزارش کی گئی ہے کہ وہ مندرجہ بالا شرائط
پوری کرنے والی تصنیف کا مکمل مسودہ ۳۰ جون
۱۹۸۲ء تک اس پتے پر ارسال کریں۔

اکادمی ادبیاتِ پاکستان
بنگلہ نمبر ۳۶، گلی نمبر ۴۸، ایف۔ ۸/۴، اسلام آباد

رفتارِ تحقیق

جامعہ پنجاب نے گزشتہ ماہ اردو
کے دو نامور شاعروں اور اساتذہ اردو پروفیسر
ریاض مجید کو پی ایچ ڈی کی اسناد دینا منظور کر لیا
ہے۔ پروفیسر انور محمود خالد نے "اردو نثر میں
سیرتِ رسولؐ" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ
تصنیف کیا تھا۔ ان کے نگران ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
تھے۔ پروفیسر ریاض مجید نے "اردو نعت" کے
موضوع پر تحقیقی مقالہ تصنیف کیا تھا اور ان کے
نگران ڈاکٹر وحید قریشی تھے۔

"جب میں دو پاکستانیوں کو انگریزی میں گفتگو کرتے ہوئے سنتا ہوں تو احساسِ ندامت سے اپنی گردن جھکا لیتا ہوں۔ مجھے ان کے اس فعل میں اپنی قوم کی ذلت اور غلامی کی داستان کے سیکڑوں ابواب لکھے نظر آتے ہیں اور اپنے نفس سے پوچھتا ہوں کہ ہم بیس سالہ آزادی کے بعد ذہنی غلامی کی لعنت میں کیوں گرفتار ہیں اور جب مجھے صحیح آزادی کی منزل دور نظر آتی ہے تو میری خودداری خاک میں مل جاتی ہے۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
"افکار و اذکار" صفحہ ۴۹

قارئین کی رائے

"اخبارِ اردو" بابت ماہ اپریل ۱۹۸۲ء کے "مسائل و مباحث" کے کالم میں خسروی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "ایک الجھن مجھے مدت سے ہے۔ اب تک مجھے انگریزی لفظ "کراس" کے لیے کوئی اردو مترادف نہیں ملا۔" یہ عجیب الجھن ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ ایک مفہوم جو انگریزی میں ایک لفظ سے ادا ہوتا ہو اسی طرح یعنی ایک لفظ سے اردو میں بھی ادا ہو جائے۔ ہر زبان کا مزاج جدا اور اظہارِ خیال کا اپنا الگ طریقہ ہوتا ہے۔ بیسیوں طریق اظہارِ خیال کے ہمارے ہاں ایسے ہیں جو بالکل اسی طرح انگریزی میں نہیں ادا نہیں ہو سکتے۔ "میرا دل چھن سے ہو گیا" کوئی خبرِ بد سننے کے بعد میری والدہ مرحومہ کی زبان پر یہ جملہ آجاتا تھا۔ اب "چھن" کے لفظ کا ایک لفظ میں انگریزی ترجمہ کیسے کریں گے۔ ظاہر ہے کہ مفہوم ادا کریں گے۔ 'میرا خط آپ کے خط سے کراس ہو گیا' کو ہم نہایت آسانی سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ میرا خط ادھر گیا، آپ کا ادھر آیا۔ کراس کوئی اصطلاح تو نہیں کہ لفظ پر لفظ جما دیا جائے۔ ایک زبان کے لفظ کو ترجمہ کر کے بالکل اسی طرح چسپاں کر دینا کیا ضرور ہے۔ الّا اس کے کہ وہ اصطلاح ہو۔ یہ ذہنیت ہی غلط ہے۔

جلیل قدوائی، کراچی

" اخبارِ اردو بابت ماہ مئی کل واصلِ دستِ اشتیاق ہوا۔ جنوری کے بعد یہ پہلا شمارہ ملا ہے۔ اخبار کے نہ ملنے سے یوں لگ رہا تھا گویا کاروانِ اردو کی حرکت ہی بند ہو گئی ہو۔ شمارہ مئی کے صفحہ ۳۱ پر سید جابر علی صاحب کا خط نظر نواز ہوا جس میں انھوں نے اصحابِ کہف کے رومی ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ بیچارے ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ غلطی بہرحال میری ہی ہے۔ نہ معلوم کیسے سرزد ہو گئی، ورنہ دقیانوس کو کون بھلا مانس یونانی کہے گا....."

(ڈاکٹر) محمد سلیم اختر

کینبرا (آسٹریلیا) ۸ر جون ۱۹۸۲ء

"..... آپ کا "اخبارِ اردو" ماہنامہ برابر پہنچ رہا ہے۔ شکریہ قبول کیجیے۔ بڑا صاف ستھرا اور دلچسپ و معلومات افزا پرچہ ہے۔ اردو سے متعلق خبروں کے علاوہ مقالات بھی فکر انگیز اور اردو زبان سے متعلق مسائل و مباحث پر مذاکرات بھی پڑھنے کے لائق ہوتے ہیں۔ امید ہے عوام و خواص اس کی مدد کریں گے....."

(مولانا) سعید احمد اکبر آبادی

علی گڑھ (بھارت) ۹ر جون ۱۹۸۲ء

"... چند روز پہلے مقتدرہ قومی زبان کا ماہنامہ اخبارِ اردو ملا... پاکستان میں اردو زبان اور ادب کے تعلق سے انجام پانے والے علمی اور ادبی کاموں کے سلسلے میں میری ناواقفیت جہالت کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ اخبارِ اردو سے ایسی اطلاعیں ملیں جن کے لیے میں ترستا رہتا ہوں...."

ڈاکٹر رحیم رضا

استاد شعبۂ اردو

جامعہ روما (اٹلی)

۱۱ر جون ۱۹۸۲ء

اخبارِ اردو گزشتہ تین چار ماہ سے برابر مل رہا ہے، شکریہ۔ آپ حضرات جس دلسوزی اور لگن سے کام کر رہے ہیں، اس کو دیکھ کر ہمیں ان شاء اللہ مستقبل کافی امید افزا نظر آتا ہے۔ ہماری قوم کو آزادی کے تیس پینتیس سال گزر جانے پر تو آزادی کا احساس کر لینا چاہیے۔ ایک علمی زبان کے طور پر انگریزی کا پڑھنا معیوب نہیں، مگر اپنے گھر میں اپنے افرادِ خانہ کے ساتھ غیر ملکی زبان بولنے میں آخر کون سی معقولیت ہے۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ کے مطابق جب تک حکومتی سطح پر انگریزی کی بالادستی ختم نہیں ہوگی۔ عوام میں اس کو صحیح مقام نہیں مل سکے گا اور میرے خیال میں حکومتی سطح پر اردو زبان کو اس کا صحیح مقام دلانے کے لیے موجودہ دور سے زیادہ بہتر دور شاید ہی آئے۔

سید محمد فاروق القادری

گڑھی اختیار خاں، یکم جون ۱۹۸۲ء

آذر اور آزر کی تحقیق

مکرمی! مقتدرہ قومی زبان کے ماہنامہ "اخبارِ اردو" میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ صاحب کی کتاب "املا نامہ" کا یہ اقتباس شائع ہوا تھا کہ آذر کو عام طور پر آزر، زکریا کو ذکریا لکھا جاتا ہے۔ مرزا غالب فارسی میں ذال (ذ) کے وجود کے قائل نہیں تھے اسی لیے گزشتن اور پزیرفتن کو صحیح سمجھتے تھے حالانکہ صحیح صورت اس کے برعکس ہے اور یہ غلط نگاری یہاں تک عام ہوئی کہ کئی لوگ گزارش کو گذارش اور گزشتہ کو گذشتہ لکھنے لگے۔" اس کے جواب میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری "اخبارِ اردو" بابت مارچ میں کہتے ہیں کہ" اس اقتباس سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے جیسے آزر غلط لفظ ہے، اسے ہمیشہ آذر ہی لکھنا چاہیے۔ آزر۔ آذر دو الگ الگ لفظ ہیں۔ آذر متعدد معنی رکھتا ہے اور فارسی ہے، آزر عربی ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کے سلسلے میں "زے" لکھا ہے "ذال" نہیں؛ اس معاملے میں سید انشا دہلوی کی رائے فیصلہ کن ہے کہ" جو لفظ جس طرح مشہور ہے، صحیح ہے خواہ از روئے اصل غلط ہو؛ اس قول کی روشنی میں صورت یہ بنتی ہے کہ آزر عربی ہے (حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام) آذر فارسی ہے جو فارسی اور اردو میں بکثرت بمعنی مذکور اور بعض دیگر معنوں میں بھی مستعمل ہے اس لیے عربی میں آزر اور فارسی اردو میں "آذر" صحیح ہے یہی حال گزشتن، پزیرفتن اور گزارش و گزشتہ کا ہے جو اکثر "ذ" سے لکھے جاتے ہیں۔ خیال ہے کہ "ز" لکھنے میں اکثر "ذ" بن جاتی ہے جس سے بچنا مشکل ہے۔ اس لیے گزارش اور گذارش دونوں صحیح ہیں جیسے علی گڑھ کی "ڑ" لکھنے میں "ڈ" بن جاتی ہے اس لیے علی گڑھ اور علی گڈھ دونوں صحیح ہیں۔ زکریا "ز" سے ہے مگر چونکہ اس میں "ذکر" کا اقتباس ہے اس لیے اردو میں ذکریا لکھا جاتا ہے، چونکہ یہ نام ہے اس لیے دونوں طرح درست ہے۔ ایک لفظ ذکاوت بھی عربی ہے بمعنی تیزی ذہانت۔ ذکی، تیز ذہین جو اردو میں بکثرت مستعمل ہے۔ مگر زکاوت بمعنی صفائی، نیکی، پاک ہونا اور زکی بمعنی نیک، پاک صاف کو اردو نے قبول نہیں کیا جس طرح "اقدام" (قدم اٹھانا) اردو میں بکثرت مستعمل ہے مگر قدم کی جمع "اقدام" کو اردو نے قبول نہیں کیا بلکہ اس نے قدم کی جمع "قدوم" بتائی ہے۔ جو اگرچہ اصولاً غلط ہے مگر استعمالاً بالکل صحیح جو فارسی ترکیبوں میں بھی مستعمل ہے۔

حکیم گلچیں کرنالی

AKHBAR-E-URDU
"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"
34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK-7, KARACHI-47.
Registration No. S. 3195 —— Vol: 2 —NO 7 —— July

اخبارِ اردو

اگست ۱۹۸۲ء

دفاتر میں نفاذِ اردو

سمجھتی ہے ملت وطن بھر میں اُردو
ہے بے گھر مگر اپنے ہی گھر میں اُردو
اگر بالا دستوں کی مرضی نہ ہو گی
تو آئے گی کیسے دفاتر میں اُردو ؟

وقار انبالوی

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل و نفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ـــــــ قوم کے حساس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ـــــــ

ماہنامہ
اخبارِ اردو
کراچی

فہرست

جلد ۲ شمارہ ۸

شوال ۱۴۰۲ھ اگست ۱۹۸۲ء

مقتدرہ قومی زبان

۳۴۔ ڈی، بلاک ۷، گلشنِ اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون ۲۲-۴۶۴۱۲۱

قیمت: ایک روپیہ، سالانہ چندہ دس روپے

طابع: المخزن پرنٹرس (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معروضات

شہری ترقیاتی اداروں کا فرض

قومی زبان کے رواج کو ملک کے تقریباً ہر علاقہ میں آج کل جو پذیرائی اور پیش رفت حاصل ہو رہی ہے — وہ بہت خوش آیند اور حوصلہ افزا نظر آتی ہے۔ ان مختلف اسباب کے باوجود، جو قومی زبان کے راستہ میں رکاوٹ کا باعث ہیں اور جن کی طرف ملک کا اہلِ دانش اور پُرخلوص طبقہ وقتاً فوقتاً اشارہ کرتا رہتا ہے، اردو کو بہرحال نہ صرف فروغ حاصل ہو رہا ہے بلکہ متعدد عوامی اور انتظامی اداروں میں اس کے بتدریج رواج کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ ایسے ہی اداروں میں سے "ادارۂ ترقیات کراچی" نے بھی گزشتہ دنوں قومی زبان کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس ادارہ نے اپنے قیام کے پچیس سال مکمل ہونے پر نئے مالی سال ۱۹۸۲ء-۱۹۸۳ء کا میزانیہ پہلی بار اردو میں تیار کیا ہے اور اپنے جشنِ سیمیں کے موقع پر قومی زبان کو رواج دینے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔

یہ خبر قومی زبان کے نفاذ اور رواج سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بڑی مسرت انگیز ہے۔ کراچی ہر حیثیت سے ملک کا سب سے بڑا شہر ہی نہیں — بلکہ اب اسے جمہوری، قومی اور ملی اقدار کے لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ صنعتی اور تجارتی رابطہ نے بھی اسے ملک کے ہر خطہ سے منسلک کر رکھا ہے اور اس میں ہونے والی ترقیوں سے ملک کی ایک بڑی آبادی فیض اٹھاتی ہے۔ چنانچہ آج اس کے رویّوں اور افکار و حوادث سے ملک کا تقریباً ہر خطہ متاثر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ایسے شہر میں اس کے ایک بڑے اور ذمہ دار ادارہ کا قومی زبان کو اختیار کرنا بڑا موثر، دور رس اور نتیجہ خیز ثابت ہو گا۔ یہ ادارہ نہ صرف کراچی کو کشادگی اور بلندیاں عطا کر رہا ہے بلکہ اسے ترقی یافتہ شہروں کی صف میں جگہ دلانے کی کوشش بھی کر رہا ہے۔ قومی زبان کو اختیار کرنے کا اس کا فیصلہ بڑی حد تک سارے شہر — بلکہ اس اعتبار سے پورے ملک کو متاثر کرنے کا باعث ہو سکتا ہے۔ یہ فیصلہ نہایت مستحسن ہے اور اس پر ادارہ کی ہیئت حاکمہ پورے ملک کی جانب سے مبارکباد کی مستحق ہے۔

لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کسی ادارے کا قومی زبان میں میزانیہ پیش کر دینا اور مستقبل

میں اسے اختیار کر لینے کا ارادہ ظاہر کر دینا ہی کافی نہیں۔ اس ضمن میں اس پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کی انجام دہی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ قومی زبان کی حریف انگریزی زبان کو وہ اپنے ادارہ کی تمام حدود سے نکال باہر نہ کرے۔ جہاں تک دفتری امور کی انجام دہی کا تعلق ہے اس میں یک قلم نہ سہی بتدریج اردو کو رواج دیا جا سکتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ملک کے دیگر کئی اداروں اور خصوصاً حکومت پنجاب اور حکومت آزاد کشمیر کے ماتحت دفاتر کی مثال پیش نظر رکھی جا سکتی ہے — جہاں اب دفتری کام اردو میں انجام دیا جاتا ہے صرف وہ مراسلت اس سے مستثنیٰ رکھی جا سکتی ہے جو غیر ممالک اور اداروں سے انگریزی زبان میں کرنی ناگزیر ہو۔

اس کے علاوہ قومی زبان کے رواج اور فروغ کے ایسے متعدد کام ہیں جو "ادارۂ ترقیات کراچی" اور دوسرے شہروں کے ایسے ہی ادارے بڑی سہولت اور آسانی کے ساتھ اور فوری طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ مثلاً علاقوں اور سڑکوں کے نام، جو اگر انگریزی ہوں تو انھیں فوری طور پر تبدیل کر کے اردو کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر نئے علاقے تعمیر ہو رہے ہوں اور نئی سڑکیں بن رہی ہوں تو ان کے نام اردو ہی میں رکھے جا سکتے ہیں۔ انگریزی ناموں کے رکھنے کا یقیناً کوئی سرکاری حکم موجود نہیں۔ اس لیے کوئی جواز نہیں کہ "ڈیفنس سوسائٹی کراچی" کے زیادہ تر حصوں میں سڑکوں کے نام صرف انگریزی میں رکھے گئے ہیں، جب کہ اسی آبادی میں کسی کسی علاقہ میں اردو کے دلنشیں نام بھی نظر آتے ہیں۔ یقین ہے کہ ایسے انگریزی ناموں کو اردو میں منتقل کرنے سے کہیں سے کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوگی — بلکہ ستائش ہی کی جائے گی۔

آج کل تقریباً ہر بڑے شہر میں ترقیاتی اور تعمیراتی کام زور و شور سے انجام پا رہے ہیں۔ خصوصاً کراچی میں ترقیاتی اور تعمیراتی سرگرمیاں نہایت عروج پر ہیں۔ ہر سمت میں نئے نئے رہائشی علاقے تعمیر ہو رہے ہیں اور ہر سڑک پر بلند و بالا عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ ان تمام تعمیراتی کاموں کی ذمہ داری بعض صورتوں میں ایک حد تک اور بعض صورتوں میں بڑی حد تک "ادارۂ ترقیات" کے سر عائد ہوتی ہے۔ جو نئے رہائشی علاقے تعمیر ہوتے ہیں ان کی منصوبہ بندی اسی کے ذمہ ہے — اور جو عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں ان کی منظوری یہی ادارہ عطا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے اس ادارہ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس پر بہت بڑی قومی ذمہ داریاں عائد کرتی ہے۔ اگر یہ ادارہ چاہے تو سارے شہر میں اردو کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ جن علاقوں اور سڑکوں کے نام انگریزی میں ہیں وہ اردو میں تبدیل کیے جا سکتے ہیں اور جو نئے رہائشی علاقے تعمیر ہو رہے ہیں ان کے لیے — "اسکیم"، "ٹاؤن"، "میٹروول"، "سوسائٹی" جیسے الفاظ اور جو عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں ان کے لیے "کمپلیکس"، "پلازا"، "آرکیڈ"، "سینٹر"، "اپارٹمنٹس" و "بنگلوز" جیسے الفاظ متروک کیے جا سکتے ہیں — بلکہ آیندہ کے لیے ممنوع کیے جا سکتے ہیں۔ تمام تعمیرات

کے لیے جب اس ادارہ کی جانب سے قانونی، فنی اور تکنیکی قسم کی پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں تو صرف قومی زبان میں نام رکھنے کی پابندی بھی لگائی جا سکتی ہے۔ اس عمل میں ادارہ کے لیے نہ کسی اجازت اور سرمایہ کی ضرورت ہے اور نہ مدت اور معیاد درکار ہے۔

ہماری یہ گزارش ان تمام ترقیاتی اور بلدیاتی اداروں سے بھی ہے جو کراچی کے علاوہ دیگر شہروں میں ترقیاتی اور تعمیراتی امور کی انجام دہی کے ذمہ دار ہیں۔ قومی زبان کے رواج اور فروغ میں ان کی یہ ایک معمولی سی توجہ ملک اور قوم کے تشخص کی راہ میں نہایت موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔

"نئے لکھنے والوں کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ خود اپنی زبان کے سیکھنے اور برتنے میں جتنی چاہیے محنت نہیں کرتے۔ انھیں اردو کے ذخیرۂ الفاظ پر پوری طرح عبور حاصل نہیں۔ خصوصاً محاورہ اور روزمرّہ ان کی دسترس سے باہر ہے۔ اس لیے انھیں اپنے مفہوم کے ادا کرنے کے لیے انگریزی ترکیبوں اور محاوروں کے لفظی ترجمہ سے کام لینا پڑتا ہے اور اس میں بھی صحت اور خوش نمائی کا وہ اہتمام نہیں کرتے جو اُن سے پیش رو کیا کرتے تھے۔ اس لیے ان کی نظم و نثر کی زبان اکثر ثقیل، بھونڈی، مبہم یا ڈھیلی ڈھالی ہوتی ہے اور اگر اس مضمون میں جو اس زبان میں ادا کیا جائے خوبی اور جدت بھی ہوتی ہے، تو وہ اظہار کے نقص کی وجہ سے ابھرنے نہیں پاتی۔"

ڈاکٹر عابد حسین

"ہندوستانی مسلمان آئینۂ ایام میں"

صفحہ ۳۰۹

مقتدرہ کی ذمہ داریاں

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب کا ایک مضمون "افکار و حوادث" کے زیر عنوان "مشرق میگزین" مورخہ ۱۸ جون میں شائع ہوا ہے جسے ہم "اخبار اردو" کی اسی اشاعت میں اگلے صفحات پر شائع کر رہے ہیں۔ چوں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف پاکستان کی اُن برگزیدہ ہستیوں میں شامل ہیں جنھیں اردو زبان کے فروغ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اس کے نفاذ سے دلی تعلق ہے اور انھوں نے اس زبان کی خدمت بھی کی ہے۔ اس لیے ہم ان کی افکار و آرا کو پوری اہمیت دیتے ہیں اور ان کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ریکارڈ کو درست رکھنے کے لیے ان کی خدمت میں اپنی چند معروضات بصد احترام پیش کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف ان معروضات پر غور فرمائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون کی ابتدا ہی میں یہ فرمایا ہے کہ "ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب مرحوم نے جس بنیادی اجلاس میں مقتدرہ قومی زبان کے قیام کی تجویز منظور کرائی تھی۔ اس میں ہم بھی شریک تھے۔ اُس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اُردو زبان کو فروغ دینے کے لیے جو ناشرانہ ادارے قائم ہیں ان میں ایک کا اضافہ کر دیا جائے بلکہ اس میں واضح طور پر طے پایا تھا کہ یہ ادارہ نظم و نسق کے مختلف شعبوں میں اردو کے نفاذ کے لیے ٹھوس تجاویز پیش کرے گا۔۔۔ کتابیں نہیں چھاپے گا۔ ہاں اس بارے میں تحقیقی رپورٹیں ضرور تیار کرے گا کہ فلاں شعبے میں اردو کے نفاذ میں جو مشکلات پیش آئیں انھیں کیسے عبور کیا جائے۔"

یہ صحیح ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب اس بنیادی اجلاس میں شریک تھے مگر موصوف نے اپنی یادداشت سے اس اجلاس کی روداد کا جو خلاصہ پیش کیا ہے وہ یقیناً محلِ نظر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس اجلاس نے مقتدرہ قومی زبان کا صرف یہ مقصد متعین کیا تھا کہ وہ حکومت کے مختلف شعبوں میں اردو کے نفاذ کے لیے ٹھوس تجاویز پیش کرے گا اور ان کی راہ میں جو مشکلات ہوں گی ان کے متعلق تحقیقاتی رپورٹیں تیار کرے گا اور اس کے علاوہ اردو زبان کے فروغ اور اس کی ترویج و ترقی کے لیے غور و فکر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ حالاں کہ اس بنیادی اجلاس میں اردو زبان کے متعلق جملہ مسائل زیرِ بحث آئے تھے اور اس کے دائرۂ عمل میں کام کرنے والی ذیلی مجالس کے لیے کاموں کا تعین بھی کیا گیا تھا۔ دفتری زبان کی حیثیت سے اردو کا نفاذ ان مسائل میں سے ایک اہم ترین مسئلہ ضرور تھا مگر کلیتہً اسی پر انحصار نہیں تھا۔ اس اجلاس کی باقاعدہ روداد مقتدرہ کے اس فائل میں محفوظ ہے جو اُس کے قیام سے قبل صدرِ مملکت اور صدر نشین مقتدرہ کی خط و کتابت اور دیگر ضروری کارروائیوں پر مشتمل ہے

اس روداد میں جہاں "مقتدرہ" کا نام تجویز کیا گیا ہے اور اُس کے مقاصد متعین کیے گئے ہیں وہاں حسبِ ذیل تصریحات واضح طور پر موجود ہیں:—

(۱) "یہ ادارہ صرف مشاورتی نہ ہو بلکہ ملک میں قومی زبان کی اشاعت، ترویج اور نفاذ کے سلسلے میں اعلیٰ اختیاراتی ہو۔"

(۲) "ادارے کو موثر اور صحیح معنی میں مفید بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قومی زبان پر کام کرنے والے مختلف ادارے اور ان کا طریقۂ کار اور ان کا کام مقتدرہ کے زیرِ مشورہ ہو۔"

(۳) "یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ مقتدرہ خود بھی زبان کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں مناسب اقدامات کرے گا اور صدر کو سفارشات اور تجاویز پیش کرے گا۔"

(۴) "جناب صدر کے اس خیال پر کہ ہمیں اپنا مقصد، منہاج اور طریقۂ کار متعین کرنا چاہیے اور کام کا کم از کم ایک خاکہ ضرور پیش کرنا چاہیے۔ مختلف اصحاب نے اظہارِ خیال کیا" اور "یہ ضروری سمجھا گیا کہ قومی زبان کے سلسلے میں جتنے مسائل درپیش ہیں ان کے لیے مختلف ضمنی مجالس ترتیب دی جائیں۔" ان ضمنی مجالس کے لیے جو مسائل تجویز کیے گئے، ان میں حسبِ ذیل امور شامل تھے:

(ا) "درسیات اور ابلاغِ عامہ میں قومی زبان سے لاپروائی اور معیارِ زبان کے انحطاط پر غور کیا جائے اور اصلاح کی تجاویز پیش کی جائیں۔"

(ب) "علمی اصطلاحات کے استناد کے مسئلے پر غور اور اس کے متعلق انتظام کیا جائے۔"

(ج) اردو اور علاقائی زبانوں کے رابطے اور مسائل کا جائزہ لیا جائے۔"

مقتدرہ کے بنیادی اجلاس کی روداد سے یہ تفصیلات ہم نے اس لیے پیش کر دیں کہ ہمیں خود اپنی طرف سے عرض کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے اور یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جہاں تک اس اجلاس کا تعلق ہے اس کے پیشِ نظر مقتدرہ کا دائرۂ کار نہایت وسیع اور زبان اردو کے متعلق جملہ مسائل پر حاوی تھا۔

اس اجلاس کے تقریباً ایک سال بعد جب مقتدرہ کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا اور وفاقی حکومت نے مقتدرہ کی تشکیل اور اس کے اغراض و مقاصد کے متعلق ایک قرارداد منظور کی تو اس میں بھی اس بنیادی اجلاس کی تفصیلی تجاویز کو اجمالاً شامل کیا گیا۔ اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ "پاکستان کی قومی زبان کی حیثیت سے اردو کو فروغ دینے کے لیے ضروری انتظامات کرنے کی غرض سے مقتدرہ قومی زبان کو ایک خودمختار ادارے کی حیثیت میں، فوری نفاذ کے ساتھ، قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔"

مقتدرہ قومی زبان کے جو وظائف متعین کیے گئے ان میں حسبِ ذیل امور شامل کیے گئے ہیں۔

(۱) اردو کو پاکستان کی قومی زبان کی حیثیت سے فروغ دینے کے وسائل و ذرائع پر غور کرنا اور اس سلسلے میں تمام ضروری انتظامات کرنا اور قومی زبان کے استعمال کو بہ تعجیل عمل میں لانے کے لیے صدرِ مملکت کی خدمت میں سفارشات پیش کرنا۔

(۲) سرکاری و نیم سرکاری دفاتر، عدالتوں اور دوسرے اداروں میں کام کرنے والے عملے کی اندرونِ ملازمت تربیت کی غرض سے لغات اور دوسرے موادِ خواندگی کی ترتیب و تدوین کے لیے انتظامات کرنا۔

(۳) تمام اردو ترقیاتی اداروں میں ربط پیدا کرنا۔

مقتدرہ کو اپنی ذیلی مجالس ترتیب دینے کا بھی اختیار دیا گیا جس کی تجویز بنیادی اجلاس میں کی گئی۔ مقتدرہ نے اپنے پہلے اجلاس ہی میں اپنی ذیلی مجالس قائم کر دیں اور ان کے سپرد مختلف کام کر دیے۔

مقتدرہ اپنے قیام کے ان اغراض و مقاصد کے تحت اب تک جو خدمات انجام دے چکا ہے، ان کا ایک اجمالی خاکہ حسبِ ذیل ہے:۔

(۱) سرکاری و نیم سرکاری دفاتر میں نفاذِ اردو کے کام کو آسان بنانے کے لیے اردو ٹائپ رائٹر کا ایک جامع کلیدی تختہ تیار کرا کے اسے وفاقی حکومت سے منظور کرایا گیا۔ اس کلیدی تختہ کے مطابق ٹائپ رائٹر پاکستان ہی میں تیار ہوئے ہیں اور کثیر تعداد میں مختلف دفاتر اور شعبوں میں رائج ہو چکے ہیں اور ان کی مانگ برابر جاری ہے۔ اس ٹائپ رائٹر پر ٹائپ کاری کی مشق کرنے والوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔

(۲) مقتدرہ کا مجوزہ اردو ٹیلی پرنٹر بھی تیار ہو گیا ہے اور اس کے اجرا کے متعلق اعلان کیا جا چکا ہے کہ وہ اخبارات اور دوسرے سرکاری ذرائع مواصلات کے لیے اسی سال ۱۴ اگست تک دستیاب ہو جائے گا۔

(۳) دفتری اصطلاحات کی مختصر لغت مقتدرہ نے شائع کر دی ہے جسے ابتداءً تمام دفاتر میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل "مجلس زبانِ دفتری حکومت پنجاب" نے "دفتری اصطلاحات و محاورات" کی جو لغت شائع کی ہے، مقتدرہ نے اُسے تسلیم کر لیا ہے لیکن عام افراد کی رسائی اور

استفادے کے لیے روزمرہ کی ضروری اصطلاحات قدرے ترمیم کے بعد اس مختصر لغت کی صورت میں شائع کی ہیں۔

(۴) سرکاری دفاتر میں قومی زبان کے نفاذ کے لیے ایک تدریجی لائحۂ عمل کی سفارش مقتدرہ نے صدرِ مملکت کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے وفاقی حکومت کے کابینہ ڈویژن کو بھیج دی ہے۔ اس پر غور و خوض ہو رہا ہے اور امید ہے کہ وہ عنقریب منظور ہو کر بروئے کار آئے گی۔ اس کے نفاذ کی شروعات کے لیے کابینہ ڈویژن کی ایک مجلس میں ۱۴ راگست ۱۹۸۲ء کی تاریخ تجویز کی جا چکی ہے۔ مقتدرہ نے اپنی "ٹھوس تجاویز" پیش کر دی ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ سرکاری دفاتر میں اردو کا باقاعدہ قانونی نفاذ جلد از جلد عمل میں آ جائے۔ مقتدرہ کی اپنی کوششوں اور مدد سے صوبہ سندھ کے بہت سے سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں اردو کا نفاذ شروع ہو چکا ہے۔

(۵) اردو ذریعۂ تعلیم کے سلسلے میں بھی مقتدرہ نے بہت غور و فکر کے بعد ایک لائحۂ عمل مرتب کیا ہے اور اس کے متعلق مزید تحقیقات جاری ہے۔

یہ ان کاموں کا ایک مختصر خلاصہ ہے جو مقتدرہ نفاذِ اردو کے سلسلے میں کرتا رہا ہے۔ ہم نے یہ تفصیلات اس لیے دی ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب کی خدمت میں اس امر کی وضاحت پیش کی جائے کہ جہاں تک نفاذ اردو کا تعلق ہے مقتدرہ اپنے اس اہم ترین فریضے سے غافل نہیں ہے بلکہ اپنی ابتدا ہی سے اس پر پوری توجہ مبذول کر رہا ہے۔ اسی اخبار اردو میں ہمارے ان کاموں سے متعلق بہت سی تفصیلات شائع ہوتی رہی ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ تفصیلات ڈاکٹر صاحب کی نظر سے نہیں گزریں اور صرف ایک اشاعت کے وہ مضامین جن میں کچھ ادبی بحثیں ہیں موصوف کی توجہات خصوصی کا مرکز بن گئے۔

یہ صحیح ہے کہ سرکاری و نیم سرکاری دفاتر میں اردو کا نفاذ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ "فروغ اردو" کے متعلق اور تمام مسائل ہمارے دائرۂ کار سے باہر ہیں۔ "اخبار اردو" مقتدرہ کا اخبار ہے۔ اس نے اپنے حلقے میں قومی زبان کی ترویج اور اس کے استعمال کے متعلق خاصا شوق و ولولہ پیدا کر دیا ہے۔ اخبار اردو میں مختلف مضامین اور مراسلے اردو زبان کے متعلق شائع ہوتے ہیں۔ جن میں فنی اصطلاحات، انگریزی سے اردو میں تراجم، رسم الخط، املا وغیرہ کے متعلق بعض سوالات اٹھائے جاتے ہیں اور ان کے موافق و مخالف جوابات پر بحث ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ محض اس لیے ہے کہ اردو زبان کے ساتھ لوگوں کے تعلق خاطر میں اضافہ کیا جائے۔ کسی طبقے کی تنقیص یا کسی کی تحسین پیشِ نظر نہیں ہوتی۔ محض علمی و ادبی تحقیق مقصود ہوتی ہے۔

اخبار اردو کے شمارہ ماہ مئی میں ایک اداریہ "زبان کا مزاج، ہماری بے احتیاطی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس میں بھارت اور پاکستان میں اردو زبان کے مختلف انداز پر نشو و نما کا ذکر کرتے ہوئے اس کے دو اسباب بیان کیے گئے تھے۔ ایک تو یہ کہ "یہاں کا معاشرہ اپنے مخصوص تہذیبی اور نظریاتی ماحول کی وجہ سے بھارتی معاشرے سے تہذیبی اعتبار سے ایک بڑی حد تک اور نظریاتی اعتبار سے یکسر دوسری سمت میں سفر کر رہا ہے۔ یہاں اردو اثراندازی اور اثرپذیری کے لحاظ سے علاقائی زبانوں کے ساتھ زیادہ گہرے رشتے میں پیوست ہے۔ پھر سماجی آویزش اور رسم الخط کی یکسانیت اس رشتے کو مزید استحکام اور تازہ خون پہنچا رہی ہے۔" دوسرا سبب یہ ہے کہ "ہماری تہذیب اور ہماری زبان پر مغربی اثرات بھی بہت واضح صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔" "یہاں انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اسکولوں کی طرف زیادہ جھکاؤ ہے اور اپنی زبان کو حقیر اور ناقص سمجھنے کا جذبہ عام ہے۔ صرف کالجوں اور جامعات ہی میں نہیں، عام معاشرے میں بھی ایک متوازی اردو پیدا ہو رہی ہے۔ اب جو اردو استعمال میں آتی ہے، اس میں روزمرہ اور محاورہ کم ہے، متعدد الفاظ اور فقرے انگریزی کے ہیں۔ انگریزی الفاظ کی وجہ سے اردو کا آہنگ اور حسن مجروح ہو رہا ہے اور اس کے عدم استعمال سے اس کی چاشنی ختم ہو رہی ہے۔"

ہمیں افسوس ہے کہ اس اداریہ کا سرسری مطالعہ فرمانے کے بعد محترم ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب نے ایک عجیب و غریب تاثر قبول کر لیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ "تعجب کی بات یہ ہے کہ مقتدرہ قومی زبان کا ماہنامہ اخبار اردو یہ تاثر دے رہا ہے کہ اردو زبان کے محاورے اور ذخیرۂ الفاظ میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دی جائے اور "سکہ بند" اردو کا احیا عمل میں لایا جائے۔" ہمارے پورے اداریہ میں کہیں "سکہ بند" اردو کے "احیا" کا ذکر نہیں ہے اور نہ

کوئی لفظ ایسا ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ اردو زبان کے محاورے اور ذخیرۂ الفاظ میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دی جائے۔"

ہم نے تو صرف انگریزی الفاظ کی بھرمار کا ذکر کیا ہے۔ ہم اردو زبان میں انگریزی الفاظ کو جو عام اُردو الفاظ کی جگہ بولے جاتے ہیں ضرور غلط سمجھتے ہیں اور اُن کے استعمال کو بولنے والوں کے احساسِ کمتری پر محمول کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے اداریہ میں اُس نئی زبان کا ذکر کیا ہے جو ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ اپنی روزمرہ کی صحبتوں میں بولتا ہے اور جس میں نہ صرف انگریزی الفاظ متواتر آتے ہیں بلکہ انگریزی کے جملے بھی درمیان میں جوڑ دیے جاتے ہیں اور بعض انگریزی محاوروں کو بھی اردو افعال کے ساتھ چسپاں کرکے اس طرح ملا دیا جاتا ہے کہ پوری زبان اردو داں طبقہ کے لیے اجنبی زبان بن جاتی ہے۔ یہ بولنے والی زبان اُردو ادب میں بھی جا بجا راہ پا جاتی ہے۔ افسانوں اور ناولوں کے مکالموں میں ٹیلیوژن کے ڈراموں میں، اخبارات کی خبروں اور مقالوں میں آپ کو کہیں نہ کہیں اس قسم کی زبان ضرور مل جاتی ہے۔ ہم نے اپنے اداریہ میں جس نئی زبان کی مذمت کی ہے وہ یہی زبان ہے۔

سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ہمارے اداریہ کا رُخ علاقائی زبانوں کی طرف پھیر دیا ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ ہم نے پاکستان میں مختلف اندازِ نشو و نما کے جو دو اسباب بیان کیے ہیں ان میں سے پہلے سبب یعنی علاقائی زبانوں اور مخصوص نظریاتی ماحول کے اثرات کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے ڈاکٹر صاحب انھیں مکرّر ملاحظہ فرمائیں۔ ان الفاظ سے نہ صرف علاقائی زبانوں کے اثرات کا فطری اور ناگزیر ہونا ظاہر ہوتا ہے بلکہ "مزید استحکام" اور "تازہ خون پہنچانے" کے الفاظ سے اس صورتِ حال کے لیے ہماری پسندیدگی بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اپنے اداریے میں ہم نے کہیں علاقائی زبانوں کے الفاظ یا محاوروں کے اردو زبان میں داخل ہونے کا ذکر تک نہیں کیا ہے اور نہ یہ مسئلہ کسی طرح ہمارے یا کسی اور کے پیشِ نظر ہے۔ علاقائی زبانوں کے الفاظ اور محاورے تو اردو زبان میں آتے ہی رہے ہیں اور آتے ہی رہیں گے۔ خود علاقائی زبانیں بھی اردو کے اثر سے بدل رہی ہیں۔ اس عمل اور ردِّ عمل کے لیے ہم نے خود "اثر اندازی" اور "اثر پذیری" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے عجیب و غریب "تاثر" کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

مقتدرہ قومی زبان کی یہ ایک طے شدہ حکمتِ عمل ہے کہ علاقائی زبانوں کے ساتھ اُردو کی کوئی رقابت یا محاذ آرائی نہیں ہوگی۔ دونوں کے مقامات اپنی اپنی جگہ متعین ہیں جن کا فیصلہ پاکستان کے دستورِ اساسی میں کیا جا چکا ہے۔ اسی بنا پر مقتدرہ نے ایک بین الصوبائی رابطہ ذیلی مجلس قائم کی ہے جس کا ایک وفد صوبہ سندھ کے ایک سماجی رہنما اور مقتدرہ قومی زبان کے رکن جناب اسد اللہ بھٹو صاحب کی قیادت میں پاکستان کے چاروں صوبوں کا دورہ کر چکا ہے اور ہر جگہ اُس کا خیر مقدم ہوا ہے اور سرکاری و نیم سرکاری دفاتر میں انگریزی کی جگہ اُردو کے نفاذ کی تائید و حمایت صوبوں کے صدر مقامات پر حاصل ہوئی ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہر جگہ کے علاقائی زبانیں بولنے والے عوام بھی اس انگریزی آمیختہ زبان سے جس کی ہم نے مذمت کی ہے اتنے ہی متنفر ہیں جتنے ہم ہیں۔ اُردو سارے ملک کے لیے اظہارِ خیال و ابلاغِ عامہ کی مشترک زبان ہے اور انگریزی کو ہر جگہ اپنے دورِ غلامی کی یادگار سمجھا جاتا ہے۔

جب پاکستان نہیں بنا تھا اور اُردو پورے برِعظیم کے مسلمانوں کی مشترک زبان کی حیثیت سے نشو و نما پا رہی تھی اُس وقت بھی اُردو کے ارتقا میں تمام صوبوں نے جہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد آباد تھی حصہ لیا تھا۔ صرف دہلی اور لکھنؤ ہی پر موقوف نہیں ہے۔ اُن کے مخصوص محاوروں اور اسالیبِ بیان کا تقابل تو زیادہ تر شعر و شاعری یا مخصوص داستانوں میں ہی ہوا کرتا تھا۔ جہاں تک اردو نثر کے ادب کا تعلق ہے لاہور اُس وقت بھی اُردو زبان کا ایک مسلم الثبوت مرکز تھا۔ مولانا ظفر علی خاں، سر عبد القادر، میاں بشیر احمد، مولانا عبد المجید سالک، مولانا غلام رسول مہر اور مولانا صلاح الدین احمد کی تحریروں سے پورا ہندوستان فیض یاب ہوتا تھا اور اب بھی لاہور اردو زبان کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اُردو نے سب سے پہلے کس علاقے میں جنم لیا اس کے متعلق بھی مختلف نظریے ہیں اور ان میں سے دو نظریے پنجاب اور سندھ سے متعلق

ہیں۔ اس لیے اُردو کو وجود میں لانے اور اُسے ترقی دے کر موجودہ معیار تک پہنچانے میں انہی دونوں صوبوں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے اس وقت سوال صرف یہ ہے کہ سالہا سال کا جو معیار قائم ہو گیا ہے اور اس کا جو مزاج و آہنگ بن گیا ہے، اُسے پاکستان کے مغرب زدہ طبقے کی انگریزیت کے زیرِ اثر خراب ہونے دیا جائے یا اُسے روک کر خالص اردو کی ترویج پر زور دیا جائے۔ اس میں علاقائی زبانوں کا کوئی سوال نہیں ہے۔

اب رہا ایک اور مسئلہ جس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ" مقتدرہ زبان کے نزدیک سکول یا اسکول کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس پر بار بار زور دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اِسی شمارے کے صفحہ ۲۵ پر ایک پورے پیراگراف میں اسکول یا اسٹیشن کے حق میں دلائل و براہین اور نام نہاد اسناد کے انبار لگا دیے ہیں۔" اس کے بعد اس مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں" جو سکول بول سکتا ہے وہ سکول لکھے جو سکول کو اسکول بولتا ہے وہ اسکول لکھ لے۔ رہی یہ بات کہ" مجھے جانا ہے" صحیح ہے اور" میں نے جانا ہے" غلط ہے تو عرض یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ گرامر کے اعتبار سے" مجھے جانا ہے" صحیح ہے لیکن اگر کوئی " میں نے جانا ہے" لکھ دیتا ہے تو اس پر کفر لازم نہیں آتا۔"

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ جس اشاعت میں وہ اداریہ شائع ہوا جس میں" اسکول" یا " سکول" کا تذکرہ آیا تھا اسی میں ایک اور مضمون بھی شامل تھا جس میں منجملہ اور بہت سے موضوعات کے" اسکول" یا" سکول" کے مسئلہ پر بھی مختصر بحث تھی۔ اس کو مقتدرہ زبان کی طرف سے اس مسئلہ کو بار بار پیش کرنے پر محمول کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کا یہ جملہ کہ" ایک پورے پیراگراف میں دلائل و براہین اور اسناد کے انبار لگا دیے" غالباً غصہ میں لکھا گیا ہے۔ دس سطروں کے ایک مختصر پیراگراف میں" دلائل و براہین اور اسناد کے انبار" کا سما جانا ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسکول کے شروع میں جو الف ہے اُس کے متعلق ایک بنیادی اصول کا حوالہ لاہور سے شائع ہونے والی ایک مستند لغت کے دیباچہ سے دیا گیا تھا اور اردو کی بعض دیگر مستند لغات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جن میں اس قسم کے تمام الفاظ الف کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ " دلائل و براہین اور اسناد کے انبار" سے تو لمبی چوڑی منطقی بحثوں کا تصور پیدا ہوتا ہے جس کی نہ اس پیراگراف میں گنجائش تھی اور نہ جس کا کوئی موقع تھا۔

اس مسئلہ کے بارے میں جو اصل بات تھی اُسے ڈاکٹر صاحب نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ ہمیں ڈاکٹر صاحب کی رائے سے مکمل اتفاق ہے کہ" جو سکول بول سکتا ہے وہ سکول لکھے اور جو اسکول بولتا ہے وہ اسکول لکھ لے۔" ہم اُس لکھنے والے کو کہاں کہاں ٹوکتے پھریں گے کہ یوں نہ لکھے یوں لکھے مگر جب طلبہ کے لیے نصابی کتابیں مرتب کرنے والوں کو یہ ہدایات جاری کی جائیں کہ وہ خود چاہے کسی طرح بولتے ہوں مگر نصابی کتابوں میں اسکول نہ لکھیں سکول ہی لکھیں یا ابلاغِ عامہ کے سرکاری اداروں میں مضامین ترتیب دینے والوں یا تمثیلات لکھنے والوں کو یہ حکم جاری ہو کہ وہ فلاں فلاں الفاظ کا املا اس طرح لکھیں اور اس کا استعمال یوں کریں تو صحت و عدمِ صحت کی بحث چھیڑنی ہی پڑے گی یوں تو بہت سے الفاظ غلط بولے جاتے ہیں اور غلط لکھے بھی جاتے ہیں۔ بولنے اور لکھنے کی زبان میں اس قسم کی اغلاط بکثرت پائی جاتی ہیں مگر جب کسی لفظ کو" مستند" کرنے اور جبراً نافذ کرنے کا سوال ہو تو ادبی بحث و تمحیص کے بعد ہی اس کا قطعی فیصلہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح" میں نے جانا ہے" اور" مجھے جانا ہے" کا معاملہ ہے کہ اگر کوئی" میں نے جانا ہے" بولنے کا عادی ہے تو ہم اس پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتے مگر جب درسی کتابوں کی تدوین کا سوال ہو تو وہی شکل جو" گرامر کے اعتبار سے صحیح ہے" اختیار کرنی چاہیے تاکہ طلبہ کو خواہ مخواہ الجھن نہ ہو۔ ہمارے اداریہ اور مضمون دونوں میں اس بحث کا جواز صرف یہ ہے کہ ایک غلط صورت کو جبراً نافذ نہ کیا جائے۔ اگر کوئی شخص غلط بولتا ہے تو بے شک اس پر کفر لازم نہیں آتا" لیکن اگر کوئی شخص غلطی کو دوسروں سے صحیح منوانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ یقیناً حق بجانب نہیں ہو سکتا۔

ہم نے مندرجہ بالا گزارشات ڈاکٹر عبد السلام خورشید صاحب کی خدمت میں نیازمندانہ پیش کی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ وہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ حقیقتاً ہمارے اُن کے

باقی صفحہ ۱۹ پر

افکار و حوادث

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے جس بنیادی اجلاس میں "مقتدرہ قومی زبان" کے قیام کی تجویز منظور کرائی تھی اس میں ہم بھی شریک تھے۔ اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اردو زبان کو فروغ دینے کے لیے حکومتی گرانٹ سے جو نشریاتی ادارے قائم ہیں ان میں ایک کا اضافہ کر دیا جائے بلکہ اس میں واضح طور پر طے پایا تھا کہ یہ ادارہ نظم و نسق کے مختلف شعبوں میں اردو کے نفاذ کے لیے ٹھوس تجاویز پیش کرے گا تاکہ حکومت انھیں نافذ کر سکے اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ وقت آ جائے گا جب اردو ایک مکمل سرکاری اور دفتری زبان بن جائے گی۔ یہ بھی فیصلہ ہوا تھا کہ اس کا طریقِ کار عام نیم سرکاری ادبی اداروں سے مختلف ہوگا۔ یہ کتابیں نہیں چھاپے گا۔ ہاں اس بارے میں تحقیقی رپورٹیں ضرور تیار کرے گا کہ فلاں شعبے میں اردو کے نفاذ میں جو مشکلات پیش آئیں انھیں کیسے عبور کیا جائے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مقتدرہ قومی زبان کا ماہنامہ "اخبارِ اردو" یہ تاثر دے رہا ہے کہ اس ادارے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اردو زبان کے محاورے اور ذخیرہ الفاظ میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دی جائے اور "سکہ بند" اردو کا احیاء عمل میں لایا جائے۔ مئی کے شمارے میں اداریے کا عنوان ہے "زبان کا مزاج، ہماری بے احتیاطی"۔ اس میں کہا گیا ہے کہ بھارت میں اردو زبان اپنے اسی معاشرے میں ارتقائی عمل سے گزر رہی ہے جو اس کی روح ماضی سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے ارتقائی سفر میں کوئی بہت بڑا انقلاب رونما نہیں ہوا۔ اردو کا سارا علاقہ اور اس کا مولد و مصدر اسی معاشرے کا ایک حصہ ہے جس میں اردو مسلسل اپنا سفر طے کر رہی ہے لیکن پاکستان میں اردو کے ساتھ یہ صورت نہیں۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ یہاں کا معاشرہ اپنے مخصوص تہذیبی اور نظریاتی ماحول کی وجہ سے بھارتی معاشرے سے تہذیبی اعتبار سے ایک بڑی حد تک اور نظریاتی اعتبار سے یکسر دوسری سمت میں سفر کر رہا ہے۔ یہاں اردو اثر اندازی اور اثر پذیری کے لحاظ سے علاقائی زبانوں کے ساتھ گہرے رشتے میں پیوست ہے۔ پھر سماجی آویزش اور رسم الخط کی یکسانیت اس رشتے کو مزید استحکام اور تازہ خون پہنچا رہی ہے۔ اس عمل کو پسند کرنے کی جگہ اسے معاشرے کی مغرب زدگی کے زبان پر گہرے اثر کے ساتھ بریکٹ کر کے اس رائے کا اظہار کیا گیا کہ ان مختلف اسباب کے نتیجے میں پاکستان کی اردو میں اردو کا مخصوص مزاج اور آہنگ اور کھڑی بولی کا اثر روز بروز کم تر ہوتا محسوس ہو رہا ہے اور موجودہ تہذیبی ماحول میں زبان اپنی بنیادوں اور مخصوص آہنگ سے دور ہوتی جا رہی ہے۔

گزارش یہ ہے کہ کھڑی بولی ہندوستان میں رہ گئی، یہاں نہیں ہے اس لیے اس کا اثر یہاں کب تک رہے گا؟ اب ہندوستانی اردو کا مزاج مختلف ہو رہا ہے اور پاکستانی اردو پر نئے معانی اور علاقائی اثرات نظر آ رہے ہیں۔ اب "مخصوص" مزاج اور "مخصوص" آہنگ کی تلاش سعی لاحاصل ہے اور یہ کام روز بروز زیادہ مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ جب آپ کہتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ تہذیبی اعتبار سے ایک بڑی حد تک اور نظریاتی اعتبار سے یکسر دوسری سمت میں سفر کر رہا ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ ہماری قومی زبان کا نام نہاد مخصوص مزاج اور مخصوص آہنگ برقرار رہے؟

اداریہ نگار پاکستان میں اردو کے زوال کا ذکر کرتے ہوئے

لکھتے ہیں، "صرف کالجوں اور جامعات ہی میں نہیں، عام معاشرے میں بھی ایک متوازی اردو پیدا ہو رہی ہے۔ اس کا اثر تحریر اور ادب پر بھی پڑا ہے اب جو اردو استعمال میں آئی ہے اس میں روزمرہ اور محاورہ کم ہے۔ متعدد الفاظ اور فقرے انگریزی کے ہیں۔ انگریزی الفاظ کی وجہ سے اردو کا آہنگ اور حسن مجروح ہو رہا ہے اور روزمرہ اور محاورہ کے عدم استعمال سے اس کی چاشنی ختم ہو رہی ہے۔"

ہم پوچھتے ہیں اس متوازی اردو سے کیا مراد ہے۔ اس سے کون سی تحریریں اور کون سا ادب متاثر ہوا ہے۔ ہم نے بعض تحریروں میں اکا دکا انگریزی الفاظ دیکھے ہیں، لیکن متعدد الفاظ اور فقرے اردو ادب کی کسی تحریر میں نہیں دیکھے۔ مقتدرہ زبانِ قومی سے درخواست ہے کہ وہ ان سب چیزوں کی نشان دہی کریں۔ باقی رہی چاشنی تو یہ ذوق کا معاملہ ہے جو مختلف ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے جو چیز ہمارے نزدیک چاشنی ہو، وہ مقتدرہ قومی زبان کے نزدیک روزمرہ اور محاورہ کے فقدان کی مظہر ہو۔

اور اب آیئے ایک اور دلچسپ بات کی طرف۔ جن لوگوں کی مادری زبان اردو ہے وہ انگریزی کے ان الفاظ کو صحیح طور پر نہیں بول سکتے جو "س" سے شروع ہوتے ہیں۔ مثلاً سکول یا سٹیشن۔ وہ انھیں اسکول یا اسٹیشن بولتے ہیں گویا "ا" کا اضافہ کر لیتے ہیں۔ اس میں چنداں مضائقہ نہیں۔ سکول لکھ لو یا اسکول، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اسکول یا اسٹیشن کو معیار اور سکول یا سٹیشن کو زبان کے مزاج کے منافی قرار دینا اور اس پر نوحہ خوانی کرنا کسی صورت میں مناسب نہیں۔" اخبارِ اردو" نے مقتدرہ قومی زبان کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے "ہم اسٹیشن کے بجائے سٹیشن اور" مجھے جانا ہے" کی بجائے " میں نے جانا ہے" کو درست منوانے کی کوشش کر کے زبان کے مسلمہ اصول و قواعد سے انحراف کر رہے ہیں اور اس طرح اردو کے مزاج اور اس کی بنیادوں کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ ہم اپنے سماجی ورثہ، نئے الفاظ کے خون اور تازہ خیالات سے تو اپنی زبان کو توانائی دے سکتے ہیں لیکن زبان کی بنیادوں سے انحراف کر کے اور اُسے حالات کے دھارے پر ڈال کر فروغ نہیں دے سکتے۔ چنانچہ ہمیں یہ طے کر لینا چاہیے کہ اس معاملہ میں ہمارا رویّہ کیا ہونا چاہیے"

مقتدرہ قومی زبان کے نزدیک سکول یا اسکول کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس پر بار بار زور دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس شمارے کے صفحہ ۲۵ پر ایک پورے پیراگراف میں اسکول یا اسٹیشن کے حق میں دلائل و براہین اور نام نہاد اسناد کے انبار لگا دیے گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں اس شغلِ بے کاری سے کیا حاصل؟ جو سکول بول سکتا ہے وہ سکول لکھے جو سکول کو اسکول بولتا ہے وہ اسکول لکھ لے۔ رہی یہ بات کہ "مجھے جانا ہے" صحیح ہے اور" میں نے جانا ہے" غلط ہے تو عرض یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ گرامر کے اعتبار سے "مجھے جانا ہے" صحیح ہے لیکن اگر کوئی "میں نے جانا ہے" لکھ دیتا ہے یا بول دیتا ہے تو اس پر کفر لازم نہیں آتا۔ بزرگوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ جو چیز چالو ہو جائے وہ سند کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور زبان کے معاملے میں بالخصوص اردو کے معاملے میں چھوٹی موٹی ہونا درست نہیں۔

بات بالکل سیدھی سادی ہے۔ اس میں کوئی الجھن نہیں، اردو زبان کی بعض بنیادی بولیاں سرحد پار رہ گئی ہیں البتہ پنجابی زبان یہاں موجود ہے۔ زبان بنیادی بولیوں کے سہارے بنتی ہے اور پھلتی پھولتی ہے۔ اب اردو کو پاکستان کی علاقائی زبانوں، سندھی، بلوچی، پشتو، گجراتی، پنجابی سے روشنی اخذ کرتی ہے اور یہ روشنی اخذ کرنے کا عمل کسی حد تک جاری ہے۔ پہلے زبان کے معاملے میں دلی اور لکھنو سند تھے اب دلی پنجابی زبان کے معاملے میں سند ہے۔ اب ہمیں محاورے اور سند کے لیے کراچی، لاہور، حیدرآباد، پشاور اور کوئٹہ کی طرف دیکھنا ہے۔ یہ بات اس وقت عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن رفتہ رفتہ عجیب معلوم نہیں ہوگی۔ ہمیں نہیں تو آنے والی نسلوں کو! مقتدرہ قومی زبان کے بزرگوں اور کارکنوں کی خدمت میں ہماری مودبانہ گزارش یہ ہے کہ غلط مسائل نہ اٹھائیں اپنے کام سے کام رکھیں اور تحقیق کریں تو صرف اس بارے میں کہ مختلف شعبوں میں اردو کا نفاذ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کا کام ہے ٹھوس تجاویز پیش کرنا، ایسی تجاویز جن پر عمل ہو سکے۔ اگر مقتدرہ قومی زبان محاورے کی بھول بھلیاں میں پڑ گئی تو پھر کسی اور کام کی نہیں رہے گی۔

روزنامہ "مشرق" لاہور

۱۸ر جون ۱۹۸۲ء

اردو کے چند قدیم اور نادر رسائل

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

رسالہ فیضِ عام (کانپور)

مطبع نظامی کانپور، برصغیر کا مشہور مطبع ہے۔ یہاں سے اسلامی علوم وفنون پر بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ اس کے مالک مولوی عبدالرحمٰن خاں شاکر (ف ۱۸۹۵ء) ولد روشن خاں حنفی، خاموش قومی کارکن اور ملتِ اسلامیہ کے ہمدرد تھے۔ انھوں نے یہ سہ ماہی رسالہ نظامی پریس کانپور سے جاری کیا۔ اس میں علمائے کرام سے فتاوی حاصل کرکے شائع کیے جاتے تھے۔ اس رسالہ کی جلد دوم کا دوسرا نمبر ہمارے کتب خانے میں محفوظ ہے جو غزہ شوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۹ر فروری ۱۸۶۷ء کو شائع ہوا ہے۔ رسالہ کا سائز $\frac{۱۸ \times ۳۲}{۸}$ ہے اور صفحات ۵۶ ہیں۔ عبدالرحمٰن خاں اداریہ میں لکھتے ہیں:

"اس عاجز نے بخوض وتامل یہ بات تجویز کی کہ جو مقدمات علمائے ذی شان حنفیہ کے حضور میں پیش ہوکر مسجل بدستخط اون کے ہوئے ہیں اون کی اشاعت کرکے اون کے فیض سے سب کو مالامال کرے اور سوائے اس کے جن صاحبوں کو کچھ ضرورت واقع ہو مسائل ضروری تحریر کرکے مع ٹکٹ مطبع نظامی واقع کانپور میں ارسال کریں۔ علمائے دہلی اور رام پور اور لکھنؤ سے دستخط کرا کے اون کی خدمت میں بھیجے جائیں گے اور یہ زر صرف محصولِ خط میں صرف ہوگا۔ دوسری غرض شائقانِ علم دین کی خدمات میں یہ ہے کہ جن صاحبوں کے پاس استفسارات دستخطی جناب شاہ عبدالعزیز قدس سرہ و دیگر علمائے کبار موجود ہوں ازراہِ عنایت اصل یا نقل بسبیلِ ڈاک ارسال فرمائیں تاکہ وہ بھی اس مجموعہ میں داخل کیے جائیں اور اگرچہ مصارف اس کے بہت ہیں لیکن بخیال نفع رسانی خلائق بہت کم قیمت مقرر کی اور بعد ہر سہ ماہی کے ایک مجموعہ استفتا ہائے مسائل ضروریہ کا مرتب کرکے خدمتِ شائقین میں مرسل ہوگا امید کہ جو صاحب دوام کے واسطے خریداری چاہیں اپنے اپنے نام نشان سے آگاہی فرمادیں کہ وقت تیاری روانہ کیا جاوے گا۔"

اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل فتاوے شامل ہیں:-

۱۔ بیس رکعت تراویح کا سنتِ موکدہ ہونا۔

۲۔ بیس رکعت تراویح سے متعلق شاہ عبدالعزیز کی ایک تقریر۔

۳۔ اثبات طہارت اجسام مشرکین و عدم جواز مواکلت با اہلِ کتاب۔

۴۔ عدمِ جواز مواکلت باغیر اہلِ اسلام۔

۵۔ عدمِ جواز استعمال دوائے حرام۔

۶۔ جوازِ جمعہ در بلادِ ہندستان۔

ان فتاوے پر مندرجہ ذیل علماء کے دستخط ہیں:۔
عبداللہ نگرامی (مرتب)، محمد لطف اللہ، محمد عادل، سراج احمد
محمد عبدالغفار، مفتی سعداللہ، محمد امیر، حسین علی۔

صحیفۃ المومنین (مرادآباد)

یہ ماہوار رسالہ ہر عربی ماہ کی ۳۰ تاریخ کو مرادآباد سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے مقاصد درج ذیل ہیں:

"مذہب مقدس کی حمایت کرنا، اسلامی مساوات کی حفاظت کرنا، فرقہ بندی کو شکست دینا، وجوہ تفریق و اختلاف پر عمیق نظر ڈال کر اتفاق و اتحاد کی تدابیر پیدا کرنا، مسلمانوں کو اخلاق و معاشرت سکھانا، قوم کی شیرازہ بندی کرنا، کھوئی ہوئی دولت کا پتہ چلانا، گزرے ہوئے زمانے کو واپس لانا، سوتوں کو جگانا، ناواقف مسلمانوں کو واقف کرنے کی کوشش کرنا، دین کی طرف توجہ دلانا، قوم مومن کی دینی و دنیوی زندگی کو کامیاب بنانا۔

اس کے ایڈیٹر اور ناشر مولوی ذاکر حسین[1] نعیمی محلہ اصالت پورہ مرادآباد اور پرنٹر مولوی محمد عمر نعیمی تھے۔ یہ ماہنامہ نعیمی پریس مرادآباد میں چھپتا تھا۔ قیمت سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے تھی۔ سائز ۲۲×۸/۸، صفحات ۳۲، رمضان ۱۳۴۸ھ کو اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ جلد اول شمارہ دوم شوال ۱۳۴۸ھ ہمارے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس شمارے میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولوی وصی احمد سہسرامی، مولانا عبدالرشید فتح پوری، مولوی نور عالم بہاری، قاری عبدالمعبود، مولوی محمد عمر نعیمی اور مدیر (ذاکر حسین) کے مضامین و منظومات شامل ہیں۔

[1] مولوی ذاکر حسین ولد حافظ امیر حسین، مرادآباد کے مشہور حفاظ کے خاندان سے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی مولوی حافظ ضمیر حسین تھے۔

المعجز (بریلی)

یہ مذہبی رسالہ مارچ ۱۹۲۷ء سے بریلی سے جمعیۃ تبلیغ الاسلام (قاضی ٹولہ) بریلی کے تحت شائع ہوا۔ نمونہ کا پرچہ ہمارے پیش نظر ہے۔ سالانہ قیمت ڈھائی روپیہ قرار پائی۔ ماسٹر محمد کامل صاحب کامل اس کے مہتمم اور صوفی بشیر الدین ناظم نشر و اشاعت تھے۔ شروع میں چند نثری مضامین ہیں۔ آخر میں شعری گلدستہ ہے۔ منشی محمد فاضل عبقری کا غیر طرحی کلام شامل ہے۔ پھر مصرع طرح ہے۔ ع

نام شہ والا کو گردوں پہ لکھا دیکھا

اس طرح پر حافظ محمد ابراہیم اوج، اعجاز احمد خاں اعجاز، امید رضوی، بابو علی احمد خاں احمد، محمد ابراہیم خاں برق، حافظ خلیل الدین حافظ پیلی بھیتی، منشی محمد جان حافظ، سلطان حسین خیال، منشی عبدالواحد رضوان، محمد مشتاق حسین راقم، سید ابراہیم حسن رسا، رحمت حسین رفعت، زاہد حسین زاہد، سجاد اللہ خاں سجاد، منشی مبارک علی شیریں، ڈاکٹر شوکت حسین شوکت، مشتاق حسین مشتاق، منشی خلیل الرحمن مجنوں، منشی یعقوب بیگ حیرت، سید ولی جان جلیل، صابر حسن شیوا نے غزلیں لکھی ہیں۔ یہ بریلی کے شعرا ہیں۔

المعجز کا سائز ۱۸×۲۲/۸ اور صفحات ۳۲ ہیں۔

جلوۂ یار (میرٹھ)

یہ ماہانہ گلدستہ حافظ محمد کریم بخش آزاد تلمیذ حضرت بیان یزدانی کی ادارت میں میرٹھ سے شائع ہوتا تھا اور شمس المطابع شہر میرٹھ میں چھپتا تھا۔ قیمت سالانہ پیشگی عہ اور فی پرچہ ۲ر تھی۔ بعض پرچوں میں آخر میں مختصر سے نثری مضامین یا شذرات شامل ہیں۔ اس کے چار پرچے ہمارے کتب خانے میں بصراحت ذیل موجود ہیں:

۱۔ جلد ہفتم نمبر ۶، ۷، ماہ جون، جولائی ۱۹۱۴ء

اس شمارے میں مصرع طرح ہے۔

ہمیں ہے جان کے جانے کا کھٹکا دل کے آنے پر

اور احسن مارہروی، سید طاہر علی اختر مرادآبادی، منشی فخرالدین الفت (صدر بیت ارباب سخن، مدراس)، اعزاز بھڑوچی، منشی عباس خاں ایمان، منشی عطا الٰہی آشفتہ مارہروی، محمد حسین شاہ اکسیر ساکن گڑھی، نصیر احمد انیس میرٹھی، منشی عبدالرحمن خاں اظفر، محمد اسحاق اسحاق دہلوی، وزیر خاں بلیغ میرٹھی، محمد یٰسین بسمل میرٹھی، منشی رشید احمد تسکین بدایونی، عبدالحفیظ توقیر بنگلوری،

وغیرہ کا کلام شامل ہے۔

۱۹۔ جون ۱۹۱۴ء کو نواب ناظم علی خاں ہجر شاہجہان پوری ایڈیٹر رسالہ زبان اردو کا بمقام بمبئی انتقال ہوا۔ ان کی موت پر اسعد شاہجہان پوری، نوح ناروی، عابد شاہجہان پوری کے مراثی و قطعات و تواریخ شامل ہیں۔

"ضبطِ شباب" ایک ناول مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اس کے کچھ اوراق شامل ہیں۔

۲۔ جلد ہشتم شمارہ نمبر ۱ ماہ جنوری ۱۹۱۵ء

مصرع طرح ہے

مزے کی بات میں اُن کو مزہ نہیں آتا

خاص خاص شعراء یہ ہیں جنھوں نے طبع آزمائی کی ہے:

احسن مارہروی، منیر آغا اشہر لکھنوی، طاہر علی اثر مراد آبادی، بابو دوارکا پرشاد حلیم بریلوی، نثار علی نثار اکبر آبادی، نوح ناروی، ناطق گلدھٹی، شمشاد لکھنوی، احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی، ادیب میرٹھی، بیدل شاہجہان پوری کا تازہ کلام بھی شامل ہے۔ دسمبر ۱۹۱۴ء میں حالی کا انتقال ہوا۔ اس کا ذکر ہے۔

حضرت تجمل جلالپوری نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہے ہیں:

شمعِ حیات حضرت حالی بھی بجھ گئی
بے نورِ علم و فضل کی ہر انجمن ہوئی
مصراعِ سالِ مرگ تجمل سناؤ تم
ہے ہے وفاتِ حالی اہلِ سخن ہوئی

۱۳۳۳ھ

جلد ہشتم کا شمارہ نمبر ۲ ماہ فروری ۱۹۱۵ء اور شمارہ نمبر ۸ ماہ اگست ۱۹۱۵ء میں بھی شعراء کی غزلیات و تازہ کلام شامل ہے۔ اس کا سائز ۲۲×۱۸/۸، صفحات ۲۴ سے ۴۸ تک ہیں۔

الہلال (دہلی)

یہ ماہنامہ دہلی سے مولانا زاہد القادری کی زیرِ ادارت شائع ہوتا تھا۔ اس میں زیادہ تر مذہبی و تبلیغی مضامین شائع ہوتے تھے۔ ہمارے ذخیرہ میں اس کا ایک شمارہ نمبر ۳ جلد نمبر ۲ ماہ نومبر ۱۹۲۳ء موجود ہے۔ اس میں اس وقت کے فتنۂ ارتداد اور شدھی کا رد کیا گیا ہے۔ زاہد القادری، سید حامد شاہ سیالکوٹی، سید محمود الزیدی الوری، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مسیح الملک حکیم اجمل خاں، علامہ آزاد سبحانی اور مولانا عبدالحلیم شررؔ کے مضامین شامل ہیں۔ سائز ۲۲×۱۸/۸ ہے۔

اسلامی مساوات (مولوی حفیظ اللہ پھلواروی)
الدرا بہیہ فی احکام اضحیہ (مولوی اشفاق الرحمٰن کاندھلوی)
تنبیہ الوسنان فی احکام الرمضان، سلسلہ چہل حدیث (مرتبہ مولوی محمد حفیظ اللہ ٹونکی ساکن آگرہ) خضرِ راہ حجاز (حاجی نواب علی، پشاور) وہ نئی تالیفات ہیں جن پر تبصرے کیے گئے ہیں۔

رہنمائے تعلیم (پنڈی گھیپ)

یہ ماہوار رسالہ پنڈی گھیپ سے لبسر پرستی جناب میر عبدالواحد ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس اٹک شائع ہوتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر منشی جگت سنگھ تھے۔

اس میں تعلیم سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے جو طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے مفید تھے۔ اس کا سائز ۲۲×۱۸/۸، صفحات ۳۰ ہیں۔ ہمارے کتب خانے میں شمارہ نمبر ۶ جلد اوّل، بابت ماہ جولائی ۱۹۰۶ء محفوظ ہے۔ ہندو مسلمان دونوں اس کے مضمون نگار ہیں۔ نظم کا حصہ بھی اچھا ہے۔

اخلاق (آگرہ)

یہ ماہنامہ آگرہ سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے مالک محمد مجھو خاں و محمد حسین خاں تھے۔ شروع میں وہی ادارت کے بھی فرائض انجام دیتے تھے۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء سے سید دلگیر اکبر آبادی مدیر ہوگئے تھے۔ رسالہ کا سائز ۱۸×۲۲/۸ ہے۔ بالعموم ۲۴ صفحات ہوتے تھے۔ شروع میں ایڈیٹوریل ریمارکس ہوتے تھے۔ ایک آدھ مضمون بھی شامل ہوتا تھا۔ پالیسی صلح کل ہوتی تھی۔

جلد نمبر ۳ کے پانچ شمارہ، جولائی ۱۹۰۶ء تا نومبر ۱۹۰۶ء ہمارے ذخیرہ علمی میں محفوظ ہیں۔

باقی صفحہ ۱۹ پر

رموزِ اوقاف

رشید حسن خاں

اوقاف، اُن علامتوں کو کہتے ہیں جن کی مدد سے جُملے کو اور جُملے کے مختلف اجزا کو صحیح طور پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کا استعمال ضروری ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اضافت کے زیر اور کاما کو اگر صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو اکثر اوقات پڑھنے والے کو عبارت اور اشعار کے مطالب و مفاہیم کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ان علامتوں کو پابندی سے استعمال کرنا چاہیے۔ یہ علامتیں حسب ذیل ہیں:

	اردو نام	انگریزی نام	علامت
(۱)	سکتہ	COMMA	،
(۲)	وقفہ	SEMICOLON	؛
(۳)	رابطہ	COLON	:
(۴)	ختمہ	FULLSTOP	۔
(۵)	سوالیہ	SIGN OF INTERROGATION	؟
(۶)	ندائیہ، فجائیہ	SIGN OF EXCLAMATION	!
(۷)	قوسین	BRACKETS	[ ]-( )
(۸)	واوین	INVERTED COMMAS	" "

۱۔ سکتہ: اِس علامت کا انگریزی نام "کاما" زیادہ مشہور ہے۔ "کاما" کا استعمال بہت ضروری ہے۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عبارت کے ٹکڑے ایک دوسرے سے اس طرح مل نہیں پاتے کہ مطلب خبط ہو جائے۔ جب بھی ایسے لفظ یک جا ہو جائیں جن کو ایک دوسرے سے الگ کیا جانا ضروری ہو تو وہاں کاما کو ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ یہ علامت خاص طور سے ایسے موقعوں پر استعمال میں آتی ہے:

(۱) جب دو یا زیادہ ایک ہی قسم کے کلمے ایک ساتھ آئیں۔ ایسی صورت میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک یا دو لفظوں کے بیچ میں کاما آتا ہے اور آخری لفظ سے پہلے "اور" یا "یا" آتا ہے، جیسے: یہ کتاب مفید، نصیحت آموز اور آسان ہے۔ دہلی، بمبئی، آگرے اور کلکتے میں بھی میں نے تلاش کیا۔ وہ تو بہت سمجھ دار، ذہین اور با اخلاق ہیں۔

(۲) ندائیہ لفظوں کے بعد، جیسے: جنابِ صدر، خواتین و حضرات! اے ماؤ، بہنو، بیٹیو!

(۳) مختلف ٹکڑوں کے بیچ میں، جیسے: صبح ہو کہ شام، خدا کو یاد کرنا چاہیے۔ آندھی ہو کہ پانی؛ روشنی ہو یا اندھیرا، تنہائی ہو یا محفل؛ کسی بھی حالت میں اخلاق اور سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

(۴) ایک ہی ڈھنگ کے جملوں کے بیچ میں، جیسے: میں یہاں آیا، وہاں گیا، غرض سارا دن پھرتا رہا۔ کھیلنے کے وقت کھیلو، پڑھنے کے وقت پڑھو۔ "کاما" بہت سے مقامات پر استعمال میں آتا ہے، مندرجۂ ذیل مثالوں سے اُس کے استعمال کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے:

ہمایوں، ایران سے واپس آیا تھا۔ بابر، ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ جب وہ چلے گئے، تو میں تمھارے پاس آیا۔ جس شخص نے مجھ سے یہ سب باتیں کہیں، اُس کا نام میں نہیں بتاؤں گا۔ جس نے اُس سے جھگڑا کیا، وہ پریشانی میں پڑا۔ وہ شخص ہے تو بے وقوف، مگر ہے ایمان دار۔ اُن کو یہاں سب کچھ مل جاتا ہے، پھر وہ کہیں اور کیوں جائیں۔ وہ چھڑی ہاتھ

میں سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ کتاب، حالی کی ہے۔ مولانا حالی، مسدس کے مصنف ہیں۔ شعر العجم، شبلی کی مشہور تصنیف ہے۔ اشعار میں ایسے مقامات پر کاما ضرور لگانا چاہیے جہاں لفظ آگے پیچھے ہو گئے ہوں یا ٹکڑوں کو الگ الگ کر دینے سے، مفہوم واضح ہو سکتا ہو، جیسے: ع غم رہا، جب تک کہ دم میں دم رہا ؎ سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں :: خاک میں، کیا صورتیں ہوں گی، کہ پنہاں ہو گئیں ؎ ہے آدمی، بجائے خود، اک محشرِ خیال :: ہم انجمن سمجھتے ہیں، خلوت ہی کیوں نہ ہو۔ ؎ دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں :: بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھائے کیوں ع نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو، بہار تو ہے۔ کاما، جسے "سکتہ" بھی کہتے ہیں؛ یہ چھوٹے ٹھہراؤ کو ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے۔ جب زیادہ ٹھہراؤ کا محل ہو، تو "وقفہ" استعمال کرنا چاہیے، جسے "سیمی کالن" بھی کہتے ہیں۔

۲۔ وقفہ: جب کئی لفظوں کے بیچ میں کاما ہو، تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آخری ٹکڑے سے پہلے طویل وقفے کا محل معلوم ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر آخری ٹکڑے کے بعد وقفہ لانا چاہیے، جیسے: سچائی، خلوص، ایمان داری؛ اِن سب کی ضرورت اُن کو نہیں۔ دہلی، بمبئی، مدراس؛ اِن سب بڑے شہروں میں گندی بستیاں موجود ہیں۔

اس کی ایک دوسری صورت یہ ہوتی ہے: حیدر آباد، میسور اور ٹراونکور، جنوبی ہند کی؛ بھوپال، گوالیار اور اندور، وسطِ ہند کی ریاستیں ہیں۔ حالی کی مسدس، یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید؛ شبلی کی الفاروق، شعر العجم، موازنۂ انیس و دبیر، سیرت النبی؛ محمد حسین آزاد کی آبِ حیات، دربارِ اکبری، قصصِ ہند؛ بار بار پڑھنے کی کتابیں ہیں۔ جو کرے گا، سو پائے گا؛ جو بوئے گا، سو کاٹے گا۔ آنا، تو خفا آنا؛ جانا تو رُلا جانا۔

۳۔ رابطہ: کسی کا قول نقل کیا جائے، کسی اقتباس کو لکھا جائے، نظم یا نثر کی تشریح کی جائے؛ ایسے موقعوں پر اس علامت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مثالوں سے پہلے، لفظوں کے معانی لکھنے سے پہلے، شعر یا مصرعے کا حوالہ دینے سے پہلے، اس علامت کو لایا جاتا ہے۔ جیسے: ہندوستان کے مشہور شاعر یہ ہیں: میر، غالب، اقبال۔ مومن کا یہ شعر: تم مرے پاس ہوتے ہو گویا...... مجھے اب تک یاد ہے۔ غالب نے ایک خط میں لکھا ہے: مغل کے بچے کی نقل نہ کرو — دُزدی: چوری۔ اِسراف: فضول خرچی۔

۴۔ خَتمہ: یہ علامت، جسے عام طور پر "ڈیش" کہتے ہیں، جملے کے خاتمے پر لگائی جاتی ہے، جیسے: میں وہاں گیا تھا۔ انگریزی کے مخففات کے بعد بھی یہ علامت لگا دیتے ہیں، جیسے: کے۔ سی۔ آئی۔

۵۔ واوین: جب کسی کا قول، اُسی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے، تو اُس کے شروع میں اور آخر میں یہ علامت لاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ حصہ، باقی عبارت سے الگ ہے اور کسی دوسرے سے تعلق رکھتا ہے — اِسی طرح کسی مشہور شعر کے کسی ٹکڑے کو، کسی خاص ترکیب کو، یا نثر کے کسی خاص ٹکڑے کو جب اپنی عبارت میں کھپاتے ہیں تو اس کو ممتاز کرنے کے لیے "واوین" میں مقیّد کر دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی لفظ یا مجموعۂ الفاظ کو ایک خاص معنی میں، یا ایک خاص طرح استعمال کیا گیا ہے، اور پڑھنے والوں کی توجہ کو اُس خاص معنویّت یا خاص اندازِ استعمال کی طرف مبذول کرانا مقصود ہے؛ اس صورت میں بھی اُن الفاظ یا اُس لفظ کو "واوین" میں لاتے ہیں۔ کبھی بعض اصطلاحوں کو بھی "واوین" میں لکھا جاتا ہے، تاکہ وہ اُس عبارت میں آمیز نہ ہونے پائیں۔

۶۔ ندائیہ: یہ علامت منادا کے ساتھ لائی جاتی ہے، جیسے: مومن! یہ لافِ الفت تقوا ہے کیوں، مگر :: دل میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا؟ اِس صورت میں اس کو "ندائیہ" کہیں گے۔ جب یہ علامت اُن الفاظ یا جملوں کے بعد آتی ہے، جن سے کوئی جذبہ ظاہر کرنا ہوتا ہے، جیسے: غصہ، حقارت، نفرت، خوف، غم، تعجب؛ تو اس کو "فجائیہ" کہا جاتا ہے۔ جذبے کی شدت کی مناسبت سے، ایک سے زیادہ علامتیں بھی لگا دیتے ہیں۔ جیسے: اُفوہ! سخت تکلیف ہے۔ بس صاحب! بس!!۔ وہ اور رحم! — میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں! افسوس، صد افسوس! آج وہ شخص بھی دنیا سے اٹھ گیا۔

۷۔ سوالیہ: سوالیہ جملے کے آخر میں یہ علامت آتی

ہے، جیسے، کیا بات ہے؟ تم کہاں سے آرہے ہو؟ اُس نے کیا کہا؟ اب کس کی باری ہے؟

۸۔ قوسین: عام طور پر جملۂ معترضہ کو قوسین میں لکھا جاتا ہے، جیسے: محمد علی صاحب (جن کے بڑے بھائی، الٰہ آباد میں تحصیل دار ہیں) کل یہاں آئے تھے ــــــ کبھی دوسرے شخص کی عبارت کو بھی قوسین میں لکھتے ہیں۔

صفحہ ۱۱ سے آگے

درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علاقائی زبانوں کی اثراندازی کو ہم بھی اسی طرح تسلیم کرتے ہیں جس طرح وہ کرتے ہیں اور بعض الفاظ کے استعمال کے بارے میں ہم بھی عوام پر کوئی قدغن نہیں لگانا چاہتے جس طرح وہ نہیں چاہتے۔ ہم صرف زبردستی کے خلاف ہیں جو یقیناً ان کو بھی کسی طرح پسند نہ ہوگی۔ بعض اوقات الفاظ کے ہیر پھیر سے غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری ان تصریحات کے بعد اب کوئی غلط فہمی باقی نہ رہی ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کو یہ شکایت بھی نہیں رہے گی کہ ہم اپنے ان فرائض سے غافل ہیں جن کی طرف ڈاکٹر صاحب نے توجہ دلائی ہے۔

صفحہ ۱۶ سے آگے

کشمیری میگزین (لاہور)

یہ ماہانہ رسالہ مشہور اہلِ قلم محمد الدین فوقؔ نکالتے تھے اس کا مقصد کشمیریوں میں اتفاق، یک جہتی اور ہمدردی قائم کرنا، شادی و غمی کی رسومات کی اصلاح کرنا، صنعت و حرفت و تجارت پر کشمیریوں کو مائل کرنا، بزرگانِ قوم کے حالات شائع کرنا، قوم کے ہونہار بچوں کی تعلیم و تربیت پر زور دینا۔ یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پندرہ تاریخ کو لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ اس کی سالانہ قیمت عہ تھی جو پیشگی لی جاتی تھی۔ یہ ماہانہ رسالہ پنجہ فولاد پریس (نولکھا) لاہور میں چھپتا تھا۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات بالعموم ۴۸ ہوتے تھے

"اگر اجنبی زبان پر ہی ترقی کا انحصار ہوتا تو جاپان علوم و فنون میں ہم سے بہت پیچھے ہوتا اور علمی دُنیا میں اسے وہ فوقیت حاصل نہ ہوتی جو آج یورپ و امریکہ میں بھی باعثِ استعجاب و رشک ہے۔ یہ آخر کیا دیوانگی ہے جو ہم نے اپنے اوپر طاری کرلی ہے اور یہ کیا جنون ہے جو ہمیں خودکشی کے راستے پر چلا رہا ہے؟ جس قوم کو اپنی کوئی چیز اچھی نہ لگے اور دوسروں کی ہر ادا پر فریفتہ ہو وہ کیا زندہ رہ سکتی ہے۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
"افکار و اذکار" صفحہ ۶۴

مسائل و مباحث

مجھے اخبار اردو کو باقاعدگی سے مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کا اخبار صوری اور معنوی اعتبار سے بہت پُروقار اور بلند مرتبہ ہے۔ اس سے ہمیں زبان اردو سے متعلق ملک کی اہم شخصیتوں کے خیالات سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا ہے اور زبان کی قومی اہمیت کے پیشِ نظر اسے صحیح مقام دلانے کے لیے جو اقدامات کیے جا رہے ہیں ان سے آگہی حاصل ہوتی ہے۔

مئی ۱۹۸۲ء کے شمارے میں جناب عرفان علی یوسف صاحب کا مضمون بہ عنوان "اشتہارات کا ترجمہ ـــ رہنما اصول" میں نے بغور دیکھا ہے اس میں ترجمے کے اصول اور اصطلاحات کے استعمال کے علاوہ متعدد انگریزی الفاظ کے اردو ترجمے دیے گئے ہیں جو یقیناً بہت مفید ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر میں بعض الفاظ کے ترجموں میں کچھ اضافہ کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ تراجم کے ساتھ جو الفاظ بطور اضافہ شامل کیے گئے ہیں انھیں خطوطِ وحدانی میں درج کیا گیا ہے۔

AERODROME ہوائی اڈہ، طیارہ گاہ، فضائی مستقر (ہوائی فرودگاہ)

AGENCY کارندگی، وسیلہ (نمایندگی، پیش کاری، آڑھت، نمایندہ ادارہ)

AGENT کارندہ، مختار، (نمائندہ، گماشتہ، پیشکار)

AIR TERMINAL مقامِ پرواز (حدِ پرواز، منتہائے پرواز)

ACKNOWLEDGEMENT تصدیقی رسید (اعتراف، اقبال، قبولیت، اقرار نامہ)

ALLOWANCE بھتہ (بصورت بھتا) الاؤنس (مقرری، مددِ معاش، رعایت، گنجائش)

ATTENDANT خدمت گار (پیش خدمت)

AUDITOR تنقیح کار، محاسب (بازرس)

BEAUTY PARLOUR دارالآرائش (مقامِ آرائش، ایوانِ زیبائی)

BED ROOM خواب گاہ (کمرۂ خواب)

CERTIFICATE سند، (تصدیق نامہ، سرٹیفکیٹ)

DOMICILE سکونت، سکونت نامہ (مستقل سکونت)

DRAIN بدرو (بدررو)، سیم نالی، (مستقل نکاس)

DRAINAGE پن بہاؤ، آب نکاس

FARM مزرع، فارم، ورقہ (مزرعہ، کشت زار، پرورش گاہِ جانوران)

LOT کھیپ، (قسمت، فال، قرعہ)

LABOURER مزدور (محنت کش، کارکن)

MAIN اصل (خاص، اصلی، مقدم ترین)

MAINTENANCE دیکھ بھال، نگہداشت، گزارا (نان و نفقہ)

MECHANICAL میکانی (میکانکی، مشینی)

MEMORANDUM OF ASSOCIATION روئدادِ مجلس کے بجائے روداد مجلس

NOTICE اطلاع، اطلاع نامہ (اعلان)

NUMBER نشان، نمبر (عدد، شمارہ)

OPERATE کل چلانا، مشین چلانا (عمل کرنا، عملِ جراحی کرنا)

PARK باغ، (سبزہ زار، سیرگاہ)

PHOTOGRAPH تصویر، (عکس، عکسی تصویر)

PRE-CONDITIONS پیشِ حالات، پیش شرائط (ماقبل شرائط)

PROCUREMENT فراہمی، دلالی، نیابت (حصول، تحصیل)

PUBLIC عام، عوام، (جمہور، عامۃ الناس)

QUALITY خوبی، وصف، کیفیت (نوعیت، ماہیت)

QUOTATION نرخ، تجارت (شرح، جاریہ قیمتیں)

RING دائرہ، انگشتری، حلقہ (دائرہ، خاتم، مہر)

RULE قاعدہ، ضابطہ، حکم (حکومت، عملداری، ریت)

ردی، کباڑ (ٹکڑا، پرزہ)	SCRAP
خودگزاشت، خودنمٹانا (خودعملی، خودکاری)	SELF HANDLING
نظام گنداب، نکاسی (بدررو نظام)	SEWERAGE
جسامت، ناپ، تقطیع (قامت)	SIZE
سامان تحریر (مقیم، مستقل، اقامتی)	STATIONARY
ساخت، عام تعمیر، تعمیرات (ڈھانچہ)	STRUCTURE
فراہم کنندہ (رسدرساں)	SUPPLIER
پیش نہاد، تجویز (ٹھیکے کا تخمینہ، نرخ طلبی، پیش داد)	TENDER
چنگی، گزارنا (گزرانہ، عام محصول، محصول چنگی، راہ چنگی)	TOLL TAX
سند خرچ، واؤچر (بیچک، فرد حساب)	VOUCHER
آب روسازی، آب ردبنانا (پن روک)	WATER PROOFING

مقبول بیگ بدخشانی
مدیر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ۔ پنجاب یونیورسٹی، لاہور

افکار حاضرہ

مئی کے پرچے میں ہلال احمد زبیری صاحب کا جائزہ 'اصطلاحات اور تجاویز' عموماً معقول اور دل کو لگتی ہوئی ہیں۔ اشتہارات کے ترجمے کی بابت مقالے میں اگر اخبارات سے مثالیں درج ہوتیں تو زیادہ مفید ہوتا۔ اصولی باتیں سب سامنے ہی کی ہیں جن سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ بعض انگریزی الفاظ جو اب زبان زدِ خاص و عام ہیں، انھیں اردو اپنے دامن میں پناہ دے دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کلرک اردو ہے جسے انگریزی کلارک کی توریدکہنا چاہیے۔ وعلیٰ ہذا القیاس ایجنٹ، ایجنسی وغیرہ اردو میں اضافہ سمجھے جا سکتے ہیں۔

اداریے میں علامتِ فاعل "نے" کی بحث چھیڑنا بالکل غیر ضروری، بے محل اور نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان میں خدا چاہے تو "کو" کی جگہ "نے" ہی چلے گا، اس میں اردو کا کوئی نقصان بھی نہیں۔ محاورے میں منطق نہیں چلتی مگر منطقی لحاظ سے "نے" ہی معقول ہے۔ ہر زبان، اور ہر قوم مختلف ادوار میں مختلف طرح کے لسانی اثرات قبول کرتی ہے۔ ہم نے اس دور میں سکونِ اوّل پر قدرت حاصل کر لی ہے۔ جو الفاظ پہلے مورد ہو کر داخل لغت ہو چکے جیسے اسکول، اسٹیشن، وہ تو ضرور رہیں۔ لیکن ہم ناحق ہر انگریزی لفظ یا نام کے شروع میں الف کا اضافہ زبردستی نہ کریں۔ سٹیٹ، سٹینڈرڈ، سٹار، سٹائل بغیر الف کے لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم ان کی صحیح ادائیگی سے معذور نہیں ہیں۔ ایسی صورتوں میں سِن پر جزم متصور ہوگا خواہ لگایا نہ جائے۔

آپ کے رسالے میں بھی دوسرے رسائل و اخبارات کی طرح اوقاف کا کوئی التزام نہیں۔ اس کی پابندی کرائیے۔ جدید دور میں وقفہ کی علامات کے بغیر عبارت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کتابت، طباعت کا معیار افسوسناک حد تک گرا ہوا ہے اور ہرگز مقتدرہ کے شایانِ شان نہیں۔ املا کی اغلاط بھی ملتی ہیں مثلاً "پرواہ" بجائے "پروا"۔ "بدرد" بجائے "بدررو"، "تاجرانہ کتب" بجائے تاجرانِ کتب۔ پروف خوانی توجہ سے ہونی چاہیے۔

"نستعلیق ٹائپ رائٹر" کا مژدہ بھی دیکھا۔ ایسے سبز باغ قوم کو نہ دکھائیے۔ جدید الیکٹرانک دور میں یوں تو سبھی کچھ ممکن ہے لیکن نستعلیق ٹائپ رائٹر اگر بن بھی گیا تو ہم کتنے لاکھ درآمد یا تیار کر سکیں گے؟ نسخ ٹائپ رائٹر اور ٹائپ کیا بُرا ہے۔ معاف فرمائیں نستعلیق پر آج کل کو زور ہے۔ میں اسے اردو کے حق میں اُسے اردو کے حق میں فالِ بد سمجھتا ہوں۔

شان الحق حقی

جب سے اخبارِ اردو جاری ہوا ہے میرے نام باقاعدگی سے آرہا ہے اور الحمدللہ میں اس کے مندرجات سے مستفید ہو رہا ہوں۔ پاکستان میں نفاذِ اردو کے سلسلے میں جو مساعی آپ اور آپ کے رفقا کر رہے ہیں، قابلِ صد ستائش ہیں۔ خداوندِ کریم آپ کو اپنے مقصد میں استقامت اور جدوجہد میں کامیابی عطا فرمائے۔

قیامِ پاکستان کے وقت پورے ملک میں چند تعلیمی درس گاہیں ایسی تھیں جن میں ذریعۂ تعلیم انگریزی تھا۔ یہ درسگاہیں مخصوص اور متمول لوگوں کے بچوں کے لیے ہی تھیں۔ متوسط طبقہ اور اس سے نیچے کے لوگوں کے لیے ان میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ وہاں کے تعلیمی اخراجات کا متحمل ہونا اس طبقے کے بس کی بات نہ تھی۔ اسی طرح چند بڑے بڑے شہروں میں عیسائی مشنری اداروں نے بھی انگریزی ذریعۂ تعلیم کی درس گاہیں قائم کر رکھی تھیں جو انگریز حکمرانوں کے مخصوص مفادات کی پاسداری کرتی تھیں۔

آج پاکستان کے کسی شہر میں چلے جائیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا خطہ ہے جہاں خاکم بدہن انگریزوں نے تازہ تازہ اپنا تسلط قائم کیا ہے۔ اور وہ اپنے اقتدار کو استحکام بخشنے کے لیے اس ملک میں اپنی زبان کو بڑی سُرعت کے ساتھ رائج کرنے کی کوشش میں جگہ بہ جگہ انگلش میڈیم اسکول قائم کر رہے ہیں تاکہ یہاں کی نئی نسل کو جلد سے جلد اپنی زبان سے روشناس کرا کے اپنے ڈھب کے لوگ پیدا کر لیں جو نہ صرف ان کی انتظامی ضروریات کو پورا کریں بلکہ ان کے معاون و مددگار بن کر ان کی حکومت کو دوام بخش سکیں۔

ہم ذہنی غلامی سے اب تک آزادی حاصل نہیں کر سکے اور ہمارے اذہان میں اب تک یہ تاثر راسخ ہے کہ انگلش میڈیم اسکول یا ذریعۂ تعلیم اردو میڈیم سے برتر ہے۔ ہمارے لیڈر اور ہمارے عمّالِ حکومت عوام کو یہ تلقین تو بڑے شد و مد سے کرتے ہیں کہ ملک کو خوش حال بنانے کے لیے ملکی ترقی اور اس کے استحکام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور قربانی دیں لیکن ان کا اپنا طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ نہ تو ملکی مصنوعات استعمال کرنے کو تیار ہوتے ہیں اور نہ ہی قومی زبان کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اسے اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنائیں۔ ان کی اولاد صد فی صد انگلش میڈیم میں زیرِ تعلیم ہے۔ جب اوپر کے طبقے کا طرزِ عمل ایسا ہو تو ان کی بات پر کون کان دھرے گا اور اس پر عمل پیرا ہو گا۔ ہمارے مقتدر طبقہ کے قول و فعل کے اظہر من الشمس تضاد کی بدولت ہم اب تک اپنا قومی تشخص قائم کرنے میں ناکام چلے آرہے ہیں۔

قومی تشخص قائم کرنے اور پاکستان کو لسانی، تہذیبی اور ثقافتی طور پر ایک منفرد حیثیت کا حامل ہونے کے طور پر میرے ذہن میں جو تجاویز ہیں وہ مختصراً عرض کرتا ہوں۔

۱۔ پورے ملک میں اردو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے اور تمام ملک میں یکساں نصاب تعلیم رائج کیا جائے۔ اس وقت ملک میں کئی قسم کے اسکول قائم ہیں، انھیں ختم کیا جائے اور امیر و غریب کے بچوں کے لیے تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں۔ جوہر قابل کو اس کے خاندانی یا معاشی پس منظر کا لحاظ روا رکھے بغیر آگے بڑھنے کا پورا پورا موقع دیا جائے۔

۲۔ ایسا اہتمام کیا جائے کہ دوسرے ممالک سے آنے والے غیر ملکیوں کو جب ملک کے اندر مختلف مقامات پر جانے کا موقع ملے تو انھیں یہ یقین آجائے کہ وہ ایک ایسے آزاد اسلامی ملک میں ہیں جس کا اپنا تمدن، اپنی زبان، اپنا معاشرہ اور اپنی تہذیب ہے۔ یہ کسی انگریزی ملک کی کالونی معلوم نہ ہو جیسا کہ اس وقت نظر آتا ہے۔

۳۔ اردو ہماری قومی زبان ہے اس لیے ضروری ہے کہ تمام سرکاری دفاتر کے بورڈ انگریزی کی بجائے اردو میں لگائے جائیں۔ اسی طرح سرکاری دفاتر میں تمام افسران کے ناموں اور عہدوں کی تختیاں اور دفاتر کے مختلف شعبہ جات کے ناموں کی تختیاں بھی اردو میں لگائی جائیں۔

۴۔ تمام نجی، تجارتی و صنعتی اداروں کو حکماً پابند کیا جائے کہ وہ اپنے اداروں اور دکانوں وغیرہ کے نام کے بورڈ اردو میں لکھوا کر آویزاں کریں۔

۵۔ تمام سرکاری ملازمین خاص طور سے گریڈ ۱۶ سے اوپر کے لوگوں کو ہدایات جاری ہوں کہ وہ دفتری اوقات میں اور نجی محفلوں میں قومی زبان کو ذریعۂ اظہار بنائیں۔ یہ ہدایات وقفے وقفے کے ساتھ دہرائی جاتی رہیں اور ان پر عمل بھی کرایا جائے۔

۶۔ حکومت جو نئے ادارے قائم کرے ان کے نام انگریزی کی بجائے قومی زبان میں مقرر کیے جائیں تاکہ عوام ان سے بخوبی واقف ہو سکیں۔ جو ادارے پہلے سے انگریزی ناموں سے قائم ہیں ان کے متبادل، موزوں اردو نام تجویز کر کے انھیں رائج کیا جائے۔

اس سے یہ مراد نہیں کہ انگریزی ناموں کو اردو رسم الخط میں لکھ دیا جائے جیسا کہ ـــــ

DIRECTORATE OF EDUCATION

کو ڈائریکٹریٹ آف ایجوکیشن لکھ دیا جائے بلکہ اس کی جگہ اس کا نام "نظامتِ تعلیم" ہونا چاہیے۔

۷۔ جہاں کہیں انگریزی عبارت کا استعمال ضروری ہو وہاں اوّلیت اردو ہی کو دی جائے اور انگریزی عبارت کو اردو عبارت کے پیچھے لکھا جائے۔

۸۔ جہاں کہیں سنگِ بنیاد نصب کرنا مقصود ہو اس کی عبارت لازمی طور سے اردو میں تحریر ہو۔ حکومت کی طرف سے یہ احکام جاری ہونے چاہئیں کہ کوئی سنگِ بنیاد نصب نہ کیا جائے جس کی تحریر اردو کے علاوہ کسی دیگر زبان میں ہو۔

۹۔ جس قدر مصنوعات ملک کے اندر تیار ہوتی ہیں ان کے نام اور ان کا طریقۂ استعمال و ہدایات لازمی طور سے اردو میں چھاپی جائیں۔ اگر انگریزی عبارت بھی ساتھ ساتھ استعمال کرنا ہو تو جس قدر تفصیل انگریزی میں چھاپی جائے اسی قدر مضمون اردو میں لازمی طور سے ہو۔

۱۰۔ جو اشیاء باہر سے درآمد کی جاتی ہیں ان پر قانوناً یہ پابندی عائد کی جائے کہ ان اشیاء کے نام اور طریقِ استعمال کی تفصیل جس قدر انگریزی میں درج کی جائے اسی قدر ہماری قومی زبان اردو میں بھی لازمی طور سے دی جائے۔ سعودی عرب میں یہ طریق رائج ہے۔ وہاں کوئی چیز درآمد نہیں ہوتی جس کے ساتھ تشریحی عبارت دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی میں نہ ہو۔ ہمیں بھی اس طریق کو اپنانا چاہیے۔ اس سے نہ صرف ہماری زبان کی اہمیت قائم ہوگی بلکہ ہمارا قومی تشخص بھی مستحکم ہوگا۔

۱۱۔ سرکاری ملازمت میں لینے کے لیے امیدواران کے جو امتحانات لیے جاتے ہیں ان میں اردو کو لازمی مضمون قرار دیا جائے اور جوابات اردو میں دینے کی پابندی عائد کی جائے۔

ملک محمود احمد۔ ملتان

اردو کو عام کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اردو میں دستخط کرنے کا پابند کر دیں یقیناً قومی زبان قومی تشخص کے اظہار کا اہم ذریعہ ہے اور قومی تشخص خود اعتمادی اور قومی یکجہتی کا ترجمان ہے۔ خواہ کوئی چھٹی انگریزی ہی میں ٹائپ شدہ کیوں نہ ہو، یہ عمل قومی زبان کی ترویج کا آسان ترین ذریعہ ہے۔ یہی وہ طریقہ تھا جس کے ذریعے انگریز نے ہمارے عوام حتیٰ کہ ان پڑھ لوگوں کو بھی انگریزی میں دستخط سکھا کر سب کا رُخ اردو اور فارسی سے ہٹا کر انگریزی کی جانب یا یوں کہہ کر دائیں سے بائیں موڑ دیا تھا۔ قائداعظم قومی زبان میں دستخط کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے چنانچہ پانچ روپے اور اس سے اوپر کے کرنسی نوٹوں پر گورنر اسٹیٹ بینک پاکستان کے اردو میں دستخط موجود ہیں اور یہ طریقہ کار ان کے فرمان کے مطابق آج تک بدستور جاری ہے۔

اگر ان کی تقلید میں سب اضلاع کے ڈپٹی کمشنران اپنے اپنے حلقے میں اردو کے دستخطوں کو لازمی قرار دے دیں تو یہ مسئلہ بغیر کسی اضافے کے بہت جلد بآسانی حل ہو سکتا ہے مثلاً تنخواہ بل، شناختی کارڈ، ڈرائیونگ لائسنس، پاسپورٹ اور دوسری عرضیوں پر صرف اردو میں دستخط کیے جائیں اور ان پر کسی اور زبان کے دستخط قابلِ قبول نہ ہوں۔ تمام سرکاری فارم اردو میں شائع کیے جائیں اور اردو ہی میں پُر کیے جائیں۔ (۳) موٹر کاروں، ٹرکوں اور رکشاؤں کی نمبر پلیٹیں اور افسران کے ناموں کی تختیاں اردو میں لکھی جائیں۔ (۴) چھاپے خانوں میں کلنڈر اور ڈائریاں اردو ہندسوں میں چھاپی جائیں (۵) اردو میڈیم اسکولوں کو فروغ دیا جائے اور حکومتی پالیسی کے مطابق قومی زبان کو نقصان پہنچانے والے انگریزی میڈیم اسکولوں کو یکسر ختم کیا جائے۔ (۶) پاکستان میں تیار ہونے والی ہر چیز کا نام اور اس کا لٹریچر بین الاقوامی اصول کے مطابق اردو میں شائع کیا جائے اس پر اردو ہی میں "تیار کردہ پاکستان" تحریر کیا جائے بین الاقوامی اصول کی رُو سے جو چیز جس ملک میں تیار ہو یا جس ملک کے لیے بنائی گئی ہو اس پر اس ملک کی زبان میں لٹریچر شائع ہو۔ اس سلسلے میں ذرائع ابلاغ سے مسلسل مہم جاری رکھنے کی اپیل کی جاتی ہے اور ہر ذی شعور پاکستانی سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بغیر مزید تاخیر کے اس پروگرام پر عمل کر کے دکھائے تاکہ پندرھویں ہجری کے اگلے یومِ آزادی یعنی ۱۴؍ اگست ۱۹۸۲ء تک کام مکمل ہو جائے۔

ڈاکٹر اختر علی خاں۔

لاہور

افکارِ معاصرین

ان کے حلق سے اردو نہیں اترتی

ایک اطلاع کے مطابق اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ انٹرمیڈیٹ کے سرٹیفکیٹ انگریزی کی بجائے اردو زبان میں شائع کرے گا۔ اس کے علاوہ ہر قسم کے فارم اردو میں شائع کرانے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ بورڈ اپنی تمام دفتری کارروائی قومی زبان میں کرنے پر بھی غور کر رہا ہے۔

اب تو ایسی خبروں اور فیصلوں کا خیر مقدم بھی عجیب لگتا ہے اس لیے کہ ۳۵ برس بعد قومی زبان کا ہوش آیا تو کیا آیا اور وہ بھی آیا تو بہ امر مجبوری کہ اب ملک میں نچلی سطح پر انگریزی کا معیار اس حد تک گر چکا کہ نہ تو انگریزی میں ریکارڈ درست حالت میں رکھنے والے مناسب استعداد کے اہل کار ملتے ہیں اور نہ دفتری کارکن حتیٰ کہ بورڈ کے ایک اعلیٰ افسر کے بقول طلبہ کو انگریزی فارم پُر کرنے میں خاصی دقت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اُسے اپنے اساتذہ یا والدین سے پُر کراتے ہیں اگر وہ خود پُر کریں تو غلطی کرتے ہیں۔ اس لیے بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر قسم کے فارم اردو میں شائع کیے جائیں تا کہ کسی کو دقت نہ ہو۔ اس پس منظر کے ساتھ اس فیصلے کے خیر مقدم کی گنجائش مزید محدود نظر آتی ہیں کہ بورڈ کو اس فیصلے تک تو حالات کی قائم کردہ مجبوری نے پہنچایا۔ ہاں یہ فیصلہ محض قومی زبان کو نوازنے اور اس کی بالادستی کے احترام میں اس مجبوری کے پیدا ہونے سے برسوں پہلے کیا جاتا تو واقعی لائق احترام اور لائق پزیرائی ہوتا۔

قومی زبان کے استعمال کے سلسلے میں سرکاری سطح کی عمومی بے حسی اور لاتعلقی کے پس منظر میں البتہ اس خبر کا خیر مقدم کیا جاسکتا ہے کہ چلیے ایک اور سرکاری ادارہ مشرف بہ اردو ہوا۔ اردو عدالتوں میں سرفراز ہو چکی۔ اسمبلیوں کا ذریعۂ اظہار بن گئی۔ تعلیمی اداروں میں ذریعۂ تدریس و اظہار کا درجہ پا گئی۔ بلدیاتی اداروں اور شوریٰ کی سرکاری زبان بن گئی۔ فوج میں پریڈ گراؤنڈ تک پہنچ گئی۔ وزارت اور صدارت کے ایوانوں کے اظہار کا نشان بن گئی۔ اور وزارتوں اور صدارتوں کے ذریعہ بین الاقوامی اداروں تک پہنچ گئی۔ گویا رفتہ رفتہ بہت سے مورچے سر ہو گئے کچھ سر ہوا چاہتے ہیں لیکن جو حصار اب تک نہیں ٹوٹا وہ سول سیکریٹریٹ کا ہے۔ ججوں نے، اساتذہ نے، وکلا نے سب پہلے قومی لباس اور قومی زبان کو اپنایا مگر سول سیکریٹریٹ کے سیکرٹری کے گلے سے ٹائی اور حلق سے اردو نہیں اترتی۔ ہم اس دن کے منتظر ہیں جس دن فوج اور سول کی افسر شاہی انگریزی کو چھوڑ کر اردو کو اپنانے کا فیصلہ کرے گی۔ اردو کے اقتدار کا روز آغاز درحقیقت وہی ہوگا۔

روزنامہ "جسارت"، کراچی
۴ر جولائی ۱۹۸۲ء

وزیرِ خزانہ کی صراحت

وفاقی وزیرِ خزانہ جناب غلام اسحٰق خان نے ایک سوال کے جواب میں مجلس شوریٰ کو بتایا کہ اردو کو انگریزی کی جگہ دفتری زبان کے طور پر اختیار کرنے کے بارے میں مقتدرۂ قومی زبان کی سفارشات پر غور کیا جا رہا ہے اور صوبوں سے بھی مشورہ کیا جا رہا ہے۔ اس وقت یہ معاملہ مکمل جانچ پڑتال کے لیے کابینہ کی ایک کمیٹی کے سپرد ہے۔ اس کے بعد اسے منظوری کے لیے کابینہ میں پیش کیا جائے گا۔ یعنی ان لوگوں کے جو اردو زبان کو دفتری زبان بنانے کے لیے باؤلے ہو رہے ہیں۔ وزیرِ خزانہ کا بیان اس شعر کی یاد دلاتا ہے جس کا مصرع ثانی یہ ہے ؎

خم آئے گا، صراحی آئے گی تب جام آئے گا

غالباً یہی وجہ ہے کہ ماتحت افسروں کے دفاتر سے اردو کے جو مراسلے سیکرٹری اور اعلیٰ افسروں کے دفاتر کو جاتے ہیں وہ اس "قوم پرستانہ" نوٹ کے ساتھ ماتحت دفتروں کو واپس کر دیے جاتے ہیں کہ اس مراسلے کا انگریزی ترجمہ بھی اس کے ساتھ بھیجو تاکہ صاحب

بہادروں کو مراسلے کا مضمون سمجھ میں آجائے چونکہ سرکاری طور پر اردو کو ابھی دفتری زبان کے طور پر اختیار کرنے کے سلسلے میں کوئی آرڈی ننس، کوئی حکم یا اعلیٰ سطح پر کوئی فیصلہ نہیں ہوا لہٰذا اردو میں درخواستیں بھیجنے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ ابھی دفتروں میں "انگریزی راج" ہے اور درخواستیں شروع سے ہی انگریزی میں بھیجیں تاکہ صاحب بہادروں کا وقت ہرج نہ ہو اور ماتحت افسروں کو دہری محنت نہ کرنی پڑے۔

رہی یہ بات کہ صاحب بہادروں کے دفتروں میں انگریزی سمجھنے والے بہت ہیں اردو پڑھنے، سمجھنے یا کہنے والا کوئی نہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اردو کا مراسلہ یا درخواست واپس ہو جانے اور ماتحت دفتروں سے انگریزی ترجمے سمیت صاحب بہادروں کے دفاتر میں پہنچے۔ اس طرح اگر وقت اور محنت کا ضیاع ہوتا ہے تو صاحب بہادروں کا کیا جاتا ہے دوبارہ محنت کرنی پڑے گی، وقت خرچ کرنا پڑے گا تو ماتحت دفتروں کو یا درخواست گزاروں کو جو پینتیس برس گزر جانے کے بعد اس عام خیال میں مبتلا ہیں کہ انگریز اور انگریزی دونوں ہی قصہ ماضی ہیں! ان لوگوں کو عقل سے کام لینا چاہیے اور درخواستیں انگریزی میں پیش کرنی چاہییں! ان نقلی صاحب بہادروں کا اصلی صاحب بہادروں کی جدائی میں یہ حال ہے کہ ؎

محبت مٹ گئی لیکن خلش دردِ محبت کی
جہاں معلوم ہوتی تھی وہیں معلوم ہوتی ہے

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی
۲۷ جون ۱۹۸۲ء

اصلاحِ زبان

پایل اور گھایل

محمد محمود احمد لکھنوی

ان دو لفظوں کو شعرائے متقدمین و متاخرین دل اور قاتل وغیرہ کے قافیے میں ہمیشہ لاتے اور لاتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ صاحب نفائس اللغات نے پایل کو بکسرِ ہمزہ لکھا ہے اور گھایل کا کچھ چہرہ نہیں بتایا، اس کی نسبت چاہے جو کچھ اُن کا خیال ہو۔ حضرت جلال لکھنوی نے اپنے لغت "سرمایۂ زبان اردو" میں دونوں کو بکسرِ ہمزہ تحتانی لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسرے کی دُم ان میں اس ہمزہ کی بدولت لگی جو تحتانی پر بڑھایا گیا ہے۔ اس دُم کا دُمگڑا یہی ہمزہ ہے۔ نہ یہ دمگڑا قدما بڑھاتے نہ ان میں کسرے کی دُم پیدا ہوتی۔ واضح ہو کہ "یل" اردو میں ایک کلمہ ہے جو کسی لفظ کے ساتھ مل کر کبھی فاعلیت اور کبھی مفعولیت اور کبھی نسبت اور کبھی صاحب کے معنی کا فائدہ دیتا ہے۔ بعض کلمات میں شامل ہونے سے اسکی تحتانی ساکن اور بعض میں مفتوح ہوتی ہے، یا یوں سمجھیے کہ اس کے مرکبات میں جن کا جزوِ اوّل استعمال میں متحرک الآخر ہے۔ اُن میں اس کی تحتانی ساکن، اور جن کا جزو اول ساکن الآخر ہے۔ اُن میں مفتوح ہوتی ہے۔ سوا ان دو صورتوں کے تیسری صورت اس کی نہیں ہوتی۔ جیسے بھلیل، نکیل، بڑھیل، دبیل وغیرہ میں ساکن اور اڑیل، پڑیل، سڑیل، کڑیل، مریل، چٹیل وغیرہ میں مفتوح ہے۔ اس قبیل سے پایل اور گھایل بھی ہیں کہ اول "پاؤں" اور "یل" سے اور دوم گھاؤ اور "یل" سے مرکب ہے۔ پہلے جز "ن" میں بسبب ثقالت وکثرتِ استعمال تخفیف ہو کر یہ صورت رہ گئی۔ اب کہیے یہ دونوں الفاظ پھر بکسرِ ہمزہ کیوں مشہور ہو گئے۔ اصل تو یہ ہے کہ بول چال روزمرہ میں بکسرِ ہمزہ مشہور ہی نہیں بلکہ بفتح یا زبانوں پر ہیں۔ صرف قافیے میں شعراء کو پرانی تقلید مجبور کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان اردو جو پیدا ہوئی تو اس کی نشوونما انھیں لوگوں میں ہوئی جن کی زبان اصل فارسی وعربی تھی۔ انھیں کے آغوش میں اس نوزائیدہ بچے نے پرورش پائی۔ اس لیے انھوں نے اکثر الفاظ اس زبان کے جو صورت یا تلفظ وغیرہ میں فارسی وعربی الفاظ سے ملتے جلتے پائے ان کی شکل بعینہٖ ویسی سمجھ لی۔ یہی سبب ہے کہ اکثر اردو الفاظ کے املا میں حروف مخصوصۂ تازی بھی پائے جاتے ہیں۔ پس پیشتر اردو کے اگلے شعرا نے پایل اور گھایل کو قایل، سائل، حائل، مائل وغیرہ سے ملتا جلتا دیکھ کر ان کی تحتانی پر بھی مثل اُن کے ہمزہ لکھ دیا، اور جب ہمزہ لکھا تو از روئے قاعدہ اس کو مکسور کرنے کے لیے

مجبور ہوئے کیونکہ ہمزہ جب حروف علت میں سے کسی پر آتا ہے اور اُن حروف کا مابعد ساکن ہوتا ہے تو اُس کی حرکت اُنھیں حروف کے موافق ہوتی ہے۔ مثلاً واؤ مابعد ساکن پر جب آئے گا تو واؤ کی مناسبت سے مضموم ہوگا۔ جیسے طاؤس، کاؤس وغیرہ۔ اور الف مابعد ساکن پر جب آئے گا تو الف کی مناسبت سے مفتوح ہوگا جیسے۔ ہیئت، جرأت وغیرہ۔ اور یای مابعد ساکن پر جب آئے گا تو یے کی مناسبت سے مکسور ہوگا جیسے سائل، مائل، طائر، زائر وغیرہ۔ پس اسی آخری صورت نے متقدمین کو پایل اور گھایل کی یے پر ہمزہ لکھ دینے کی وجہ سے دھوکے میں ڈالا اور انھوں نے بلا تامل ہمزہ کو مکسور کر کے قافیے میں باندھ دیا اصل میں ان اردو الفاظ کا چہرہ بگاڑنے کا باعث ہمزہ ہے۔ نہ یہ بڑھتا اور نہ قدماء کو اس کے مکسور کرنے کے لیے قاعدہ مجبور کرتا۔ چونکہ صرف یہی ہوئی کہ ہمزہ لکھ کر یہ الفاظ قائل سائل، مائل وغیرہ کے ہمشکل بنائے گئے جب یہ جڑ پڑ گئی تو متقدمین کی دیکھا دیکھی شعرائے مابعد (حضرت ناسخ و آتش وغیرہ) نے بھی اُنھیں کا تتبع کیا۔ مگر یہ تتبع شعراء ہی کے حصے میں اور وہ بھی صرف قافیہ بندی تک محدود رہا۔ اس لیے کہ یہ ہمزہ دیکھ کر اُن کو قاعدۂ مذکورہ بالا کے موافق اُسے بالکسر ماننا اور نظم میں دل قاتل محمل وغیرہ کے قافیے میں لانا پڑتا تھا۔ جملہ ثقات اہلِ زبان جو شاعر نہ تھے اور جنھیں قافیہ بندی کی ضرورت نہ تھی، اُن کا لہجہ برابر بالفتح یا رہا اور اب بھی ہے بلکہ بول چال روزمرہ میں شعراء کی زبان پر بھی یوں ہی رہا۔ لہٰذا استاذی جناب بحر مرحوم نے اس کی اصلاح کی اور اس دھوکے کی ٹٹی (ہمزہ) کو بالکل دور کر کے قاتل، باطل وغیرہ کے قافیے میں لانا ترک کر دیا اور تحتانی کے فتح کے ساتھ مقتل بادل وغیرہ کے قافیے میں لانا شروع کیا۔ مگر یہ تصرف اُن کا صرف گھایل کے لیے مخصوص رہا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

یہ دی ہے بے کلی تو نے کہ دل میں ہے یہی کل سے
کہ دھو کر زندگی سے ہاتھ پونچھوں تیرے آنچل سے
ستم کیا کیا نہ ہوگا اُس قمر طلعت کے کشتے پر
کرے گی چاندنی اب نازِ معشوقانہ گھایل سے
باغ میرا ہوا برباد جو بادل آئے
پتھروں کی ہوئی بوچھار اگر پھل آئے
تیرے دیدار کی حسرت نے چھری پھیری ہے
یوں تڑپتے ہوئے ہم آئے کہ گھایل آئے

حضرت استاد کے اس تصرف کو اکثر شعراء مثل جلال لکھنوی، امیر مینائی، تسلیم لکھنوی، داغ دہلوی وغیرہ نے مستحسن تسلیم کر کے کم و بیش ان کی تقلید کی۔ ان سب کے کلام میں "گھایل" سائل اور قائل وغیرہ کے ساتھ ہم قافیہ نہیں۔ ان میں سے بعض نے تو صرف بکسرِ تحتانی اس کے استعمال سے احتیاط کی مگر بوجہ پرانے اثر اور عادتِ قدیم کے دھڑکے سے بفتحِ تحتانی مقتل اور بادل وغیرہ کے قافیے میں لانے کی یکایک جرأت نہ کر سکے اور بعض نے پوری تقلید کی۔ چنانچہ حضرت تسلیم لکھنوی بفتح تحتانی قافیے میں یوں فرماتے ہیں ؎

گماں کیونکر نہ ہو خلدِ بریں کا صحنِ مقتل پر
تصدق ہوتی ہیں حوریں ترے خنجر کے گھایل پر

اشرف لکھنوی ؎

روح نکلی تن سے جب بے کل ہوئی
یوں شبِ فرقت کی مشکل حل ہوئی
دید کی حسرت رہی دل میں مرے
تیغِ ابروئے نظر گھایل ہوئی

دلی لکھنوی ؎

تیغ قاتل تری پڑی ہلکی
حسرتیں کیوں نہ روئیں گھایل کی

بعض پورے مقلد ہیں، مگر اسے بفتح یا قافیے میں کہیں لانے کا اُنھیں اتفاق نہیں ہوا۔ اگر ہو تو ایسا کرنے میں ان کو کوئی تامل نہ ہوگا۔

المختصر استاد مرحوم کے اس تصرف کا اعتراف جناب ظہیر احسن صاحب شوق نیموی عظیم آبادی نے تقلیداً "ایضاح" میں کیا ہے، اور حضرت جلال لکھنوی نے بھی اپنی لغت "سرمایۂ زبان" اردو میں گھایل کے بیان میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس قدر تقلید بھی کی کہ دل اور قاتل وغیرہ کے ساتھ ہم قافیہ کرنے سے احتیاط کی ہے مگر پرانی لکیر کے فقیر ہونے کا اتنا اثر ضرور باقی رہا کہ اخیر میں یہ لکھ دیا کہ:

"اتفاق جمہور فصحائے لکھنؤ کا لغتِ مذکور میں یائے تحتانی کے کسرے ہی پر ہے یعنی مکسور ہی پڑھتے ہیں اور دل و بسمل کے قافیے میں لاتے ہیں۔"

اب رہا پایل، اس کی تحقیق کی نسبت محققین کی کوئی تحریر یا تصرف میری نظر سے نہیں گزرا لیکن اس کے بفتح یائے تحتانی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں، اور اگر کہیں قافیے میں باندھنے کی ضرورت پڑے تو میرے نزدیک بلا تامل بیائے مفتوحہ ہی باندھنا چاہیے۔ اس لیے کہ جہاں تک تحقیق کی نظر ڈالی جاتی ہے، اس کی یے مکسور نہیں ثابت ہوتی اور نہ اس پر ہمزہ کی کچھ اصل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا پس پایل اور گھایل دونوں بالفتح یائے تحتانی بغیر ہمزہ صحیح و فصیح اور بیائے مکسورہ و از دیاد ہمزہ غلط اور قابلِ ترک ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ماخوذ: "العصر" جلد ۵ نمبر ۲۔

تازہ مطبوعات

قرار دادِ مقاصد سے اسلامی قانون تک

ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی صاحب مطالعہ و دانش اہلِ قلم ہیں۔ چنانچہ ان کی لکھی ہوئی ہر چیز دامنِ دل اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تعلیم اور مسائلِ معاشرت ان کی دلچسپی کے خاص موضوعات ہیں، جن پر ان کی نظر بہت گہری اور وسیع ہے۔ "قرار دادِ مقاصد سے اسلامی قانون تک" ان کی پہلی مکمل اور مبسوط تصنیف ہے جو حال میں طاہر سنز (اردو بازار کراچی) کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ تین سو صفحات کی اس کتاب کی قیمت تیس روپے ہے اور یہ سلیقہ اور نفاست کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب کا تعارف جناب (جسٹس) حمود الرحمٰن نے اور مقدمہ جناب مہدی علی صدیقی نے تحریر کیا ہے۔ مصنف نے اپنے پیش لفظ میں اس تصنیف کا مقصد اہلِ وطن کو پاکستان کی مسلکی اور بین الاقوامی قدر و قیمت سے آگاہ کرنا بیان کیا ہے تاکہ اہلِ وطن اسے کوتاہ بینوں اور نادانوں کی ضربوں سے بچانے کی فکر کریں اور وطنِ عزیز ایک مضبوط و مستحکم ملک کی حیثیت سے قائم و دائم رہ سکے۔

مصنف نے یہ کتاب نہایت خلوص اور دردمندی کے ساتھ لکھی ہے۔ انھوں نے ان سارے نشیب و فراز اور خطرات کا جائزہ لیا ہے اور ان کا بھرپور اور بے لاگ تجزیہ کیا ہے، جن سے پاکستان کو اپنے قیام سے اب تک گزرنا پڑا ہے۔ تجزیہ اور جائزہ کی یہ ایک جرأت مندانہ اور پُرخلوص کوشش ہے، جس میں نہ کسی مصلحت کا کہیں دخل نظر آتا ہے اور نہ جانبداری کا۔

کتاب مجموعی طور پر چار ابواب پر مشتمل ہے جن میں متعدد ضمنی مباحث اور موضوعات شامل کیے گئے ہیں۔ پہلا باب سیاسی واقعات و حوادث کو بہ ترتیبِ زمانہ پیش کرتا ہے اور دراصل یہ نہایت مفید اور ضروری معلومات کا خزینہ ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں تاریخی تجزیہ کے تمام تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک متوازن جائزہ مرتب کیا ہے۔ اس کے بقیہ ابواب پاکستان کے سیاسی اور قومی مسائل اور سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں کے کردار سے بحث کرتے ہیں۔ مصنف کا واضح نقطۂ نظر یہ ہے کہ پاکستان کا قیام ہندوستان کے تاریخی تسلسل میں ایک ناگزیر واقعہ تھا اور اسی طرح اس کا قائم رہنا بھی ناگزیر ہے۔ لیکن مصنف کے خیال میں اس کے لیے اس کا بطور اسلامی مملکت قیام و ارتقا اور اس کے باشندوں کی زندگیوں کا اسلامی قالب میں ڈھلنا ضروری ہے۔ مصنف نے سارے تجزیہ میں اپنے اس نقطۂ نظر کو حاوی رکھا ہے۔ یہ کوشش ان کے نہایت درجہ خلوص اور عرق ریزی کی مظہر ہے اور یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے اپنے موضوع کی مناسبت سے جس تفصیل اور جامعیت کے ساتھ حالات و حوادث کے نشیب و فراز کو پیش کیا ہے اور جس خلوص سے تجزیہ کیا ہے اور اس طرح جو معلومات فراہم کی ہیں وہ اب تک کسی اور تصنیف میں نظر نہیں آتیں۔

مخطوطات کتب خانہ ہمدرد

کتب خانہ ہمدرد اپنے ذخیرہ کی وسعت، تنوع اور نادر مطبوعات اور مخطوطات کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا یہ ذخیرہ علمی محققین اور شائقینِ علم کے لیے نہایت مفید اور معاون ہے۔ اس کتب خانہ کی جانب سے اس کے ذخیرہ میں موجود رسائل و جرائد اور اخباری تراشوں کے عنوانات کی ایک مفصل فہرست کچھ عرصہ قبل شائع کی جا چکی ہے۔ کتب خانہ اور اس کے ذخیرہ سے اہلِ علم کو متعارف کرنے کے لیے اس طرح کی فہرستیں بہت ضروری اور مفید ہوتی ہیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے تحت اس کتب خانہ کی جانب سے حال میں ایک "توضیحی فہرست

مخطوطات" بھی شائع کی گئی ہے جس میں ان مخطوطات کی ایک وضاحتی فہرست درج کی گئی ہے جو اس کتب خانہ میں طب کے موضوع پر ہیں۔ اس اعتبار سے یہ اس سلسلۂ فہرست مخطوطات کی پہلی کڑی ہے اور جلد اوّل کے طور پر شائع کی گئی ہے۔ اس فہرست کی تیاری کا کام فضل اللہ فاروقی ندوی نے انجام دیا ہے جو اس کام میں مقام اور مہارت کے حامل ہیں۔ فہرست کو مفید اور معلوماتی بنانے کے لیے ہر مخطوطہ کے تمام ضروری اور معروضی کوائف درج کر دیے گئے ہیں اور پھر موضوع اور فن پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس طرح ایک مخطوطہ کے تعلق سے وہ تمام معلومات حاصل ہو جاتی ہیں جو کسی کے لیے بھی ضروری ہو سکتی ہیں۔ مرتب نے آغاز میں ان مخطوطات کا ذکر بھی کیا ہے جو تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ درمیان میں بعض اہم مخطوطات کے عکس بھی دیے گئے ہیں۔ اس فہرست سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مخطوطات کس کس زبان میں لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر مخطوطات عربی اور فارسی زبانوں میں ہیں ـــــ لیکن اردو مخطوطات بھی ایک خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ ان کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فن طب میں اردو میں تصنیف و تالیف کا آغاز کافی عرصہ قبل ہو چکا تھا۔ یہ فہرست بہ اعتبار موضوع ترتیب دی گئی ہے۔ اسی ترتیب میں ایک ذیلی ترتیب بہ اعتبار زبان کا اہتمام بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس کی افادیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ چنانچہ یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ فاضل مرتب آیندہ جلدوں میں اس امر کا لحاظ رکھیں گے۔ اسی طرح بعض مخطوطات کے ذیل میں موضوعات کے بیان میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اگر آیندہ جلدوں میں یہ اہتمام بھی کیا جائے کہ وہ مخطوطات جو دوسرے کتب خانوں میں بھی دستیاب ہیں، ان کی نشاندہی بھی کر دی جائے۔

توضیحی فہرست کی اشاعت کا آغاز ایک مفید اقدام ہے۔ اس طرح کتب خانۂ ہمدرد سے اہلِ علم کے استفادہ کا دائرہ مزید وسیع ہوتا ہے۔ اس کی ترتیب و اشاعت پر کتب خانۂ ہمدرد کے ناظمین قابلِ مبارک باد ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۴ صفحات پر نہایت سلیقہ اور اہتمام سے شائع کی گئی ہے اور اس کی قیمت ۳۰ روپے ہے۔

پولٹری فارمنگ

پاکستان نے گزشتہ پندرہ بیس سالوں میں مرغبانی میں بہت نمایاں ترقی کی ہے۔ اس ترقی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مرغبانی کی صنعت کو فروغ دینے والے حضرات اس کی بابت زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور ذرائع و وسائل اختیار کریں۔ چنانچہ صنعت مرغبانی پر علمی اور فنی لحاظ سے غور و فکر کیا جانے لگا ہے اور اس ضمن میں ایسے ذرائع اختیار کیے جا رہے ہیں جو اس صنعت کو خاطر خواہ ترقی دینے کا باعث ہو رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایسی کتابوں کی تصنیف و اشاعت بھی قابلِ ذکر ہے جو مفید اور معلوماتی ہیں اور اس صنعت کو فروغ دینے میں نمایاں خدمت انجام دے رہی ہیں۔ حال میں "پولٹری فارمنگ" کے نام سے ادارۂ مطبوعات سلیمانی (اردو بازار لاہور) نے ایک ضخیم اور مفصل کتاب شائع کی ہے جس کے مصنفین محمد آفتاب احمد خاں، ڈاکٹر سید ابرار حسین گیلانی اور الطاف الرحمٰن برق ہیں۔ یہ حضرات زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں اور زرعی تحقیقات کے مختلف شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دے چکے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں صنعت مرغبانی پر نہایت تفصیلی اور معلوماتی روشنی ڈالی ہے اور ایک مفید کتاب تصنیف کی ہے جو اس صنعت میں یقیناً اپنی افادیت کے لحاظ سے ناگزیر قرار دی جا سکتی ہے۔ مصنفین نے اس کتاب کو اردو زبان میں لکھ کر ایک مزید قابلِ تعریف خدمت انجام دی ہے۔ اس طرح اس کتاب سے استفادہ کا حلقہ نہایت وسیع ہو گیا ہے۔ کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ انگریزی اصطلاحات کے اردو مترادفات استعمال کیے جائیں لیکن بعض مقامات پر انگریزی اصطلاحات ہی کو اختیار کر لیا گیا ہے۔ یہ اصطلاحات بہرحال توجہ کی مستحق تھیں اور ذرا سی کوشش سے ان کے بھی اردو مترادفات تلاش کیے جا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ کتاب کا نام بھی اردو میں لکھے جانے کا مستحق تھا۔ امید ہے کہ مصنفین آیندہ اس امر کا بھی خاص خیال رکھیں گے۔ بہرحال ان کی یہ کاوش اپنی افادیت کے لحاظ سے اردو کے سائنسی ادب میں ایک اچھا اضافہ کہی جا سکتی ہے۔ یہ ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ۳۶ روپے ہے۔

گرد و پیش

جرمن ماہرین بلتی زبان کو اردو رسم الخط میں منتقل کریں گے

بون اور مائنز یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے مشرقی علوم کی وساطت سے ایک پاک جرمن منصوبہ وضع کیا گیا ہے جس کا مقصد شمالی پاکستان کے علاقے کی بلتی زبان کو اردو رسم الخط میں منتقل کرنا اور اسے جدید خطوط پر مرتب کرنا ہے۔

اب تک یہ زبان جو دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ہے بغیر کسی رسم الخط کے بولی جاتی ہے۔ اس منصوبے پر بون یونیورسٹی کے پروفیسر کلاؤس سگاسٹر اور مائنز یونیورسٹی کی ڈاکٹر ریناٹے ژد ہنن کام کر رہی ہیں۔

پروفیسر سگاسٹر نے ایک حالیہ ملاقات کے دوران ہمیں بتایا کہ منصوبے کا مقصد بلتی زبان کو اردو رسم الخط میں منتقل کرنا ہے تاکہ اس علاقے کے تہذیب و تمدن کو آیندہ نسلوں تک پہنچایا جاسکے۔ اب تک ماضی کی روایات اور تاریخی حقائق محض زبانی چلے آرہے ہیں لیکن حال ہی میں ریڈیو اور ٹیلیویژن کے اثرات ان حقائق کو ذہنی سطح پر قائم رکھنے کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں۔ اگر ماضی کو تحریری صورت میں قلمبند کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو خدشہ ہے کہ آیندہ دس بیس سالوں میں حقائق و روایات کی جامعیت بُری طرح متاثر ہو جائے۔

پچھلے سال ڈاکٹر ژدہنن اور پروفیسر سگاسٹر نے تین ماہ بلتستان میں گزارے اور وہاں کے لوگوں سے روایتی قصے اور تاریخی واقعات سُنے۔ یہ کہانیاں وہاں کے لوگوں کو زبانی یاد ہیں اور وہ اپنے فارغ اوقات میں انھیں سنا کر اپنے تہذیب و تمدن کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

جرمن محققین نے ان قصوں کو ٹیپ ریکارڈ کیا ہے تاکہ انھیں ایک جامع کتابی صورت دی جاسکے۔ یہ کتاب اردو اور جرمن زبانوں میں لکھی جائے گی اور لعد میں اس کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی ہوگا۔

پروفیسر سگاسٹر نے بتایا کہ بلتستان کے رہنے والے اپنی ثقافتی روایات، عوامی گیتوں اور قدیم تاریخی قصوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں اور عموماً انھیں بیان کرکے خوش ہوتے ہیں۔ قیصر کا قصہ سب سے دلچسپ روئیداد ہے جو یہاں بسنے والے ہر شخص کے ذہن میں رقم ہے۔ وسطی ایشیا کے سب ہی ملکوں میں یہ قصہ مشہور ہے۔ تبت، بھوٹان اور نیپال کے لوگ بھی اس حکایت سے واقف ہیں اور منگولیا، روس، ترکی اور ہنزہ کے رہنے والے بھی اسے بیان کرتے ہیں۔

پروفیسر سگاسٹر نے کہا کہ اس قصہ کا علم اس علاقے کی تہذیب و تمدن میں جھانکنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ قصہ تحریری طور پر دستیاب نہیں ہے اس لیے صرف دوسروں کی زبانی ہی سُنا جاسکتا ہے۔ پروفیسر ژدہنن خود بلتی زبان بولتی ہیں اس لیے انھیں اس کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اس قصے کے کئی باب ان حقائق کی غمازی کرتے ہیں جو زمانۂ قدیم میں غیر ملکی حکمرانوں کے دور میں پیش آئے۔ پروفیسر سگاسٹر نے کہا کہ ان حقائق کو باقاعدہ صورت میں مرتب کرنے سے ماضی کی تاریخ کو جامع شکل دینے میں بھی مدد ملے گی۔

ان حقائق کے پیشِ نظر یہ منصوبہ وفاقی جمہوریہ جرمنی اور پاکستان میں خصوصی اہمیت کا حامل بن گیا ہے۔ پروفیسر ژدہنن اور ڈاکٹر سگاسٹر نے ان قصوں کے کئی باب تیار کرلیے ہیں اور بہت سے قصوں پر کام کرنا باقی ہے۔ کئی کہانیاں شہنشاہ روم اور یونانی بادشاہوں کے متعلق ہیں جن کو پاکستان کے رہنے والے انھی ناموں سے پکارتے ہیں۔ ان قصوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس علاقے کے رہنے والے بیرونی تہذیب و تمدن سے بھی کسی حد تک متاثر ہوئے۔

بلتی زبان کو اردو رسم الخط میں منتقل کرنے کی غرض سے آج کل بون یونیورسٹی میں بھی کام ہو رہا ہے۔ قیصر قصہ کو ٹیپ ریکارڈر پر قلمبند کیا گیا ہے جو بیس گھنٹے کی مدت پر حاوی ہے۔

یہ منصوبہ خالصتاً سائنٹیفک نوعیت کا ہے اور اس کا مقصد اس علاقے کی تہذیب و تمدن کو دوام دینا ہے۔ اس منصوبے کے اختتام پر پڑوسی علاقوں کی تہذیب و تمدن کے مطالعہ کی طرف بھی توجہ دی جائے گی۔

ڈاکٹر ژدہنن اور پروفیسر سگاسٹر متعدد بار بلتستان آچکے ہیں جہاں وہ اس منصوبے کے دوسرے مرحلے پر کام کرتے رہے ہیں۔ وہ بلتستان میں اپنے قیام کے دوران شگر، خپلو اور رونڈو وادی میں بھی کام کرچکے ہیں۔

اقبال سید حسین

ہفت روزہ "الشمس" ملتان

۱۶ر فروری ۱۹۸۲ء

قارئین کی رائے

"اخبارِ اردو" شمارہ جون ۱۹۸۲ء میں میرے مضمون "غالبیات کے بارہ برس" میں چند باتیں رہ گئی ہیں سال ۱۹۷۷ء کے تحت ڈاکٹر گیان چند کی کتاب "تفسیرِ غالب" کا حوالہ آیا ہے، یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں سری نگر سے چھپی تھی۔ ۱۹۷۷ء میں غالب کے بارے میں بعض دوسری اچھی چیزیں سامنے آئیں۔ مثلاً: مالک رام کی کتاب "فسانۂ غالب" — صباح الدین عبدالرحمٰن کی کتاب "غالب: مدح و قدح کی روشنی میں" — اخلاق حسین عارف کا مرتبہ مجموعہ نثرِ غالب "غالب اور فنِ تنقید" نیز عارف صاحب ہی "ہفت رنگ غالب" یا مثلاً سید محمد مصطفٰے بریلوی کی کتاب "غالب اد... دف" اور ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی کتاب "غالب اور بنگال" وغیرہ۔

۱۹۷۷ء ہی کے تحت ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے ایک ترجمے کا حوالہ آیا ہے اس کا صحیح نام "دی غزلز آف غالب" کے بجائے "اردو غزلز آف غالب" ہے — مضمون کے آخری صفحے (۱۹) پر ایک جملہ کتابت کی زد میں آگیا ہے۔

غلط: ("غالب اور حالی کا تحقیقی مطالعہ" اس کورس کی ہم ایسائن مینٹس کے طور پر لکھے گئے:")

درست: ("غالب اور حالی کا تحقیقی مطالعہ" اس کورس کی "ہوم ایسائن مینٹس" کے طور پر لکھے گئے غالب اور حالی کے بارے میں پانچ اہم تحقیقی کتابوں کے تحقیقی جائزوں پر مشتمل ہے:)

امید ہے یہ وضاحت تازہ شمارے میں درج فرما دیجیے گا۔

(ڈاکٹر) سید معین الرحمٰن

لاہور

اردو میں "ڑ" کا تلفظ

اخبارِ اردو۔ جون ۸۲ء۔ "مسائل و مباحث" کے بڑے عنوان کے تحت حضرت خسروی نے بعنوانِ بالا اظہارِ خیال فرمایا ہے کاش! حضرت خسروی جانتے کہ پرانے لاہور یعنی دروازوں (WELLED CITY) کے اندر رہنے والے ہزاروں افراد "ر" کو "ڑ" اور "ڑ" کو "ر" بولتے ہیں۔ مثلاً "اُڑدو کو سٹرکاڑی زبان کا مڑتبہ دینا پڑے گا۔" یعنی یہ ہزاروں افراد "روپیہ" کو "ڑوپیہ" کہتے ہیں پس لکھیے گا "ڑ" سے "ڑوپیہ" اور ساتھ ہی پاکستانی ڑوپیہ کی تصویر بھی لگا دیں۔ فقط۔

فضل من اللہ

لاہور

جون ۱۹۸۲ء کے "اخبارِ اردو" میں محترم خسروی صاحب کراچی کا مراسلہ پڑھا۔ جناب نے عبدالحکیم خاں صاحب کے تجویز کردہ فرانسیسی الفاظ "ژشان" اور "ژشام" کو رد کرتے ہوئے اپنی طرف سے لفظ "ژیڑھی" دیا ہے۔

میرے خیال میں جہاں عبدالحکیم خاں صاحب کے الفاظ غیر مانوس اور پردیسی ہیں وہاں جناب خسروی صاحب کا لفظ بھی ناآشنا اور غیر موزوں ہے کیونکہ لفظ درحقیقت ریڑھی ہے جسے غلط استعمال کی وجہ سے (اور ایک حد تک بولنے پر قادر نہ ہونے کی صورت میں) ژیڑھی بنا دیا گیا ہے۔ اگر اسی لفظ کو اپنایا جائے تو لکھیں گے کچھ اور اور بولیں گے کچھ اور۔

اس ضمن میں اپنی طرف سے پشتو زبان کے تین الفاظ پیش کرتا ہوں۔ جیسا کہ پشتو زبان کے بہت سے الفاظ اردو زبان اپنا چکی ہے جس کا آج پتہ لگانا دشوار نظر آتا ہے کہ اصل لفظ کس زبان کا ہے۔ مثال کے لیے دیکھیے "اردو میں پشتو کا حصہ" از امتیاز علی خاں عرشی رامپوری — وہاں اگر کچھ اور آسان الفاظ پشتو کے اپنائے جائیں تو یہ بڑا مناسب اور موزوں رہے گا۔

الفاظ یہ ہیں:-

۱۔ ژُق = حرکت، ہلنا، ہلنے کی سکت نہ رکھنا۔

۲۔ ژَق = پتلا، ہلکا، بے مزہ، غیر لذیذ، سفید۔

۳۔ ژُون = اندھا، گہری آرزو۔

۴۔ ژوند = اندھا، حسرت، حسرت رکھنا۔

۵۔ ژنگ = برباد کرنا، برباد ہونا۔ تباہ ہونا، ختم ہونا، ملیامیٹ کرنا، دھرے کا دھرا رہنا، منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنا، کیے کرائے پر پانی پھیرنا۔

محمد پرویش شاہین منگلور۔ سوات

اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ انٹرمیڈیٹ کی اسناد اردو میں جاری کرے گا

طلباء کی آسانی کیلیے فارم اردو میں طبع ہوں گے دفتری کارروائی بھی قومی زبان میں کرنے پر غور

معلوم ہوا ہے کہ اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ انٹرمیڈیٹ کی اسناد انگریزی کے بجائے اردو زبان میں شائع کرے گا۔ اس کے علاوہ ہر قسم کے فارم اردو میں شائع کرانے کے انتظامات کیے جارہے ہیں۔ معتبر ذرائع کے مطابق بورڈ کی تمام دفتری کارروائی قومی زبان میں کرنے پر بھی غور کیا جارہا ہے۔ بورڈ کے ایک ذریعہ نے بتایا کہ امکان یہ بھی ہے کہ انٹرمیڈیٹ کی اسناد انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی شائع کی جائیں گی تاکہ بیرونِ ملک جانے والے طلبہ کو کوئی دشواری نہ ہو سکے۔ لیکن قوی امکان یہ ہے کہ انٹر کی اسناد مکمل طور پر اردو زبان میں شائع کی جائیں گی۔ بورڈ کے ایک اعلیٰ افسر نے بتایا کہ دنیا کا ہر ملک اپنی زبان میں تعلیمی اسناد جاری کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ملائیشیا جیسے چھوٹے ملک میں بھی وہاں کی قومی زبان ہی میں تمام کاروبارِ مملکت چلتا ہے۔ وہاں تمام ... خود پر کریں تو غلطی کرتے ہیں۔ اس لیے بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر قسم کے فارم اردو میں شائع کیے جائیں تاکہ کسی کو کوئی دقت نہ ہو۔ خط و کتابت اپنی زبان میں کی جاتی ہے اور تعلیمی اسناد بھی ان کی اپنی زبان میں جاری ہوتی ہیں۔ پھر ہمارا ملک تو ملائشیا سے کہیں بڑا ہے انھوں نے مزید کہا کہ طلبہ کو انگریزی فارم پُر کرنے میں خاصی دقت ہوتی ہے۔ وہ اسے اپنے اساتذہ یا والدین سے پُر کراتے ہیں۔ اگر

اُردو کو نافذ کردیا جائے

تحریکِ پاکستان کے ایک ممتاز رُکن محمد ہارون احمد نے مقتدرہ قومی زبان کی اس اپیل کا خیر مقدم کیا ہے کہ اس سال ۱۴ اگست سے اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ مقتدرہ قومی زبان کی یہ اپیل بر محل اور بروقت ہے۔

AKHBAR-E-URDU
"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"
34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK-7, KARACHI-
Registration No. S. 3195 —— Vol : 2 —NO: 8 August 1982

مقتدرہ قومی زبان کی اہم مطبوعات

ماہنامہ اخبارِ اردو کراچی

ستمبر ۱۹۸۲ء

یہ قومی پرچم، یہ قومی ترانہ اور
یہ قومی زبان ہماری قومی یک جہتی
اور سالمیت کی پہچان ہے۔

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق
قوم سے خطاب ۱۴ر اگست ۱۹۸۲ء

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مُقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل ونفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ـــــــ قوم کے حسّاس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ـــــــ

ماہنامہ
اخبارِ اردو
کراچی

فہرست

جلد ۲ شمارہ ۹

ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ ستمبر ۱۹۸۲ء

آفتاب حسن
مدیر مسؤل

ڈاکٹر معین الدین عقیل
مدیر (اعزازی)

مقتدرہ قومی زبان
۳۴۔ ڈی، بلاک ۷، گلشنِ اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون ۲۲-۴۶۴۱۲۱

قیمت: ایک روپیہ، سالانہ چندہ دس روپے
طابع: المخزن پرنٹرس (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

وضاحت

نوشتۂ دیوار

گزشتہ دنوں مجلس تعلیم اعلیٰ ثانوی کراچی کے حوالہ سے یہ خبر بھی اہلِ درد کے لیے مسرت انگیز ثابت ہوئی کہ مجلس اپنی اسناد اب انگریزی کی بجائے اردو میں شائع کرے گی، اس کے علاوہ ہر قسم کے فارم اُردو میں شائع کرانے کے انتظامات بھی کیے جا رہے ہیں اور ساتھ ہی مجلس کی تمام دفتری کارروائی قومی زبان میں انجام دینے پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔

ملک میں اُردو کے نفاذ کی سست روی کو دیکھتے ہوئے یہ خبر بھی غنیمت معلوم ہوئی کہ ایک اور ادارہ نے بالآخر قومی زبان کو اس کا جائز مقام دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کے پس منظر کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ بحالتِ مجبوری عمل میں آیا ہے۔ چنانچہ یہ فیصلہ اپنا وہ اثر باقی نہیں رکھتا ـــــ جو قومی زبان کے رواج کی خبروں سے ملک اور قوم کے بہی خواہوں کے دل و دماغ پر قائم ہوتا ہے۔ مجلس کے ترجمان نے اُردو کے اختیار کرنے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ طلبہ کو انگریزی فارم پُر کرنے میں خاصی دقت ہوتی ہے۔ وہ اسے اپنے اساتذہ یا والدین سے پُر کراتے ہیں۔ اگر وہ خود پُر کریں تو غلطی کرتے ہیں اس لیے مجلس نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر قسم کے فارم اُردو میں شائع کیے جائیں تاکہ کسی کو کوئی دقت نہ ہو۔

اس پس منظر میں مجلس کا فیصلہ بحالتِ مجبوری عمل میں آیا ہے ـــــ لیکن بہر حال اگر یہ فیصلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو مجلس یقیناً اس کے لیے قابلِ مبارک باد ہے۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ آج کراچی مجلس کے ایک ذمّہ دار افسر نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ طلبہ میں انگریزی کا معیار اس حد تک گر چکا ہے کہ وہ اب فارم بھی خود پُر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ـــــ تو اس لحاظ سے ملک کے دیگر طلبہ اور بالخصوص دیہی علاقوں کے طلبہ کی انگریزی استعداد کا کیا حال ہو گا، جو انگریزی سے اس حد تک قریب نہیں رہتے جتنے کہ شہروں کے طلبہ، جو اپنے ماحول کے زیرِ اثر اسے اپنا طرۂ امتیاز بنائے رکھتے ہیں۔ جب یہی معیار لے کر طلبہ کاروبارِ مملکت میں شریک ہوتے ہیں، جہاں ہر ہر قدم پر انھیں انگریزی کو استعمال

کرنا ناگزیر ہوتا ہے تو کاروبار مملکت کی مناسب انجام دہی کے لیے کس حد تک حوصلہ افزا تصور قائم کیا جا سکتا ہے۔

دفتروں میں بھی ایک عرصہ سے ایسی صورتِ حال دیکھنے میں آ رہی ہے۔ سارا دفتری کام انگریزی میں انجام دیا جاتا ہے لیکن مناسب استعدادِ کار کے دفتری کارکن اب خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ انگریزی مسودہ نویسی اور مراسلت وغیرہ اپنے اسی اسلوب اور بندھے ٹکے انداز میں ہیں جو انگریزوں کے زمانہ میں رائج تھے۔ چند مخصوص القاب، جملے اور الفاظ ہیں جنھیں ہیر پھیر کر استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے افسران بھی دیکھے گئے ہیں جو بازار سے اس قسم کی سطحی معاون کتب لے کر مسودہ نویسی اور مراسلت کی مشق فرماتے ہیں اور انہی کی مدد سے دفتری امور انجام دیتے ہیں۔ اگر اس سلسلے میں کبھی کوئی مشکل مرحلہ پیش آتا ہے تو ایسے افسران کو اپنے سے مقدم (سینئر) یا پرانے دفتوں کے سبکدوش افراد سے مدد طلب کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے۔ نچلی سطحوں پر تو عالم ہی اور ہے۔ بی۔ اے کی سند حاصل کر لینے کے باوجود لوگ انگریزی میں خود درخواست نہیں لکھ سکتے۔ انگریزی میں دفتری ریکارڈ کو درست حالت میں رکھنے والے اہلکار بھی مشکل ہی سے ملتے ہیں۔

ایسی صورت میں اس قسم کے افسران اور اہلکاروں سے قوم اور ملک کو کس حد تک بہتری کی توقع ہو سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں بے پناہ افرادی قوت اور صلاحیتِ کار موجود ہے جو اگر صحیح طور پر استعمال میں آئے تو ملک اور کہیں سے کہیں پہنچ سکتا ہے۔ لیکن جب منصوبہ سازی، تنظیم کار اور ابلاغ کا انحصار انگریزی زبان پر ہو تو مستقبل کے بارے میں کیا امکان باقی رہ جاتا ہے۔ آخر یہی نسل تو ملک و قوم کے مقدر کی ضامن ہوگی ـــــ جو مملکت کی موجودہ سرکاری زبان انگریزی میں فارم بھی خود پُر نہیں کر سکتی۔ یہ نوشتۂ دیوار ہے ـــــ جسے پڑھ کر قوم اور کار پردازانِ مملکت کو مستقبل کے بارے میں فوری طور پر فیصلہ کر لینا چاہیے۔ انگریزی کی گرتی ہوئی دیوار کے نیچے قوم کچلی تو جا سکتی ہے ـــــ لیکن گرتی ہوئی دیوار پھر اپنی سابقہ حالت پر واپس نہیں جا سکتی۔

تحقیقِ الفاظ

جابر علی سید

آج کی فرصت میں مندرجہ ذیل الفاظ کی تحقیق مقصود ہے۔

۱۔ ہیولا یا ہیولیٰ یا ہیّولا یا ہیّولیٰ

۲۔ منجنیق

۳۔ شاخسانہ

۴۔ منار، مینار، منارہ

۵۔ فردوس

۶۔ مقناطیس

۷۔ جالینوس

۸۔ آلتی پالتی

۹۔ متلاشی

۱۰۔ مسیت اور مسجد

اب ان کا ایک ایک کر کے تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

۱۔ ہیولیٰ اور اس کے مزید تین مندرجہ روپ چاروں ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔ اس کی اصل یونانی کو اصطلاحِ علمِ طبیعی ὕλη ہے جس کا سریانی اور عربی ترجمہ ہیولا ہے بمعنی مادّہ، مواد، خاک پہلی شکل کسی ہیئت کا ملہ کی۔ یہ ان الفاظ میں سے جو ترجمہ شدہ حالت میں یونانی سے بذریعہ سریانی عربی میں نویں صدی عیسوی کی قریباً پہلی اور دوسری دہائی میں مامون الرشید کی "بیت الحکمہ" میں درج کیے گئے۔ منطق بھی مترجم اصطلاح ہے (LOGOS) LOGIC۔ لیکن اپنی اصلی حالت میں جو یونانی لفظ عربی میں داخل ہوئے ان کی تعداد زیادہ ہے اور یہ فطری امر تھا کہ یونانی اصطلاحات کو عربی میں مانوس و مقبول بنا لیا جائے چنانچہ معرب اشکال میں وہ اب عربی سے متاثر زبانوں میں رچ بس گئے ہیں اور اب ان کی عمر ایک ہزار سال سے متجاوز ہو چکی ہے۔ ہیّولا یا ہیّولیٰ بہ تشدید غالباً ضرورتِ شعری کے تحت ہوگا لیکن فارسی کے لغت نویس کے پاس اس کی سند موجود نہیں ہے۔ مرزا غالب نے ہیولیٰ مواد کے معنوں میں ایک جگہ استعمال کیا ہے۔

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

جدید اردو فکشن میں ہیولے کا استعمال خیالی صورتوں کے معنوں میں تقسیم ملک کے بعد سے متداول ہے۔ لیکن مادّہ اور مواد کے مفہوم میں غالبؔ کے سوا کسی اور شاعر نے اسے نہیں برتا۔ غالبؔ کے شعر میں صورت کے لفظ پر صنعتِ ایہام کی بنیاد رکھی گئی ہے اور یہ مرزا کے کلام کی اضافی دلکشی کا باعث ہے۔

۲۔ منجنیق بمعنی توپ یا دیوارشکن آلہ، جو قرونِ وسطیٰ کے مسلمان عساکر قلعہ کی دیواریں توڑنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ خان آرزوؔ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عربی کے کسی لفظ میں جیم اور ق یکجا نہیں ہو سکتے۔ اس لیے منجنیق غیر عربی لفظ ہے۔ اس کی اصل بھی ہیولیٰ کی طرح یونانی ہے۔ بظاہر خان آرزوؔ کا اصول ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن منجنیق، جاثلیق معرب از CATHOLIC اور جوالیق، جوق جیسے الفاظ یا تو یونانی ہیں یا ترکی۔ ترکی زبان میں

یہ اصول موجود نہیں ہے کہ ترکی کی صوتیات مخصوص و منفرد ہیں۔ منجنیق کا لفظ شاہنامۂ فردوسی میں جاثلیق کے ساتھ بطور قافیہ متعدد بار آیا ہے۔ جاثلیق ویسے تو CATHOLIC کی عربی شکل ہے لیکن عام طور پر تمام عیسائیوں کے لیے مستعمل رہا ہے۔ اہلِ ایران نے اس کی شکل کاتولیک بنائی ہے۔

۳۔ شاخسانہ: جہانگیری، رشیدی، برہان، شتائن گاس کے نزدیک وہ نوکدار سینگ ہے جو بدمعاش اور مجرم گدا دو مقصدوں کے لیے برتتے ہیں ایک تو مہیب آواز پیدا کرنے کے لیے، دوسرے خیرات سے انکار یا ڈانٹ پڑنے کے ردِّ عمل کے طور پر اپنے جسم میں کھبو لیتے ہیں۔ شاخ بمعنی سینگ، فارسی لغت ہے شاخسانہ وصفی لغت ہے جو غالباً برصغیر کے فارسی دانوں نے بنائی ہے۔ لیکن اردو کے صحافیوں نے اس لفظ کو SE-QUEL کا بدل بنا لیا ہے یعنی کسی بڑے واقعے کے نتیجے کے طور پر وقوع پزیر ہونے والا حادثہ یا سانحہ یا واقعہ۔ ایران کے فارسی نگار اس سے مطلق واقف نہیں ہیں اور یہ برِّصغیر کی فارسی ہے۔ اردو کے معنوں میں یہ تصرف غالباً عبدالمجید سالک کی اختراع ہے۔

۴: منار، مینار، منارہ تینوں روپ اردو نثر و نظم میں متداول ہیں۔ صحیح لفظ منار ہے جس کی غالب نے بھی تائید کی ہے (قاطع برہان سنہ ۱۸۶۰ء) مینار ایک نوع کا اشباع ہے لیکن غیر اصولی ہے۔ کیونکہ اشباع کے لیے مَنار کی بجائے مِنار ہونا چاہیے، جو نہیں ہے۔ منار اسمِ ظرفِ مکان ہے یعنی مقامِ نور (LIGHT HOUSE)۔ بروزن مقام، مرام وغیرہ۔ علامہ سید رشید رضا مصری کے ہفتہ وار اخبار کا نام "المنار" تھا۔ منارہ نسبتاً دیسی تلفظ ہے تاہم اردو کے بعض شعراء نے اسے جائز سمجھا ہے۔ احسان دانش کی ایک نظم 'صبح' میں نیم مصرع ہے:

مسجد کے منارے جاگ اٹھے

تینوں صورتوں میں سے مینار اب متداول ترین اور فصیح ترین تسلیم کر لی گئی ہے۔

۵: فردوس: مولانا حالی نے کرنل ہالرائیڈ کے مفروضے پر انگریزی کے لفظ PARADISE کو عربی کے فردوس سے ماخوذ بتایا ہے۔ لیکن آکسفورڈ لغت اس کو تسلیم نہیں کرتی اور اس کا اشتقاق خالصۃً یونانی بتاتی ہے۔ ہالرائیڈ کا قیاس اشتقاق پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ یونانی کا سابقہ PARA کئی لفظوں کے شروع میں موجود ہے۔ PARAPHRASE، PARAPHERNALIA، PARAGRAPH وغیرہ ہم۔ اسی بنا پر PARADISE کو فردوس کی انگلیسی یورپی شکل قرار دینا غلط ہے۔

۶۔ مقناطیس: بالاتفاق یونانی کے MAGNET کی عربی شکل ہے جو نویں صدی عیسوی کے آغاز میں عربی میں بتوسطِ سریانی داخل ہوگئی۔ دیکھنا یہ ہے کہ مقناطیس کے آخر کا الیس کیوں ایزاد ہوا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ مقناطیس کو بعض پہلے سے موجود عربی کے مخصوص ہم قافیہ الفاظ کے زمرہ میں داخل کیا جائے۔ تاکہ مانوس و متداول ہو سکے۔ ان عربی الفاظ کو مقناطیس کے عقب میں کارفرما دیکھ سکتے ہیں۔

ابلیس، تلبیس، تدلیس، تاسیس،

۷۔ جالینوس: یونانی حکیم کا نام جو اصلاً GALEN ہے۔ اگر مقناطیس کے وزن پر بنایا جاتا تو جالینیس ہوتا جو غیر فصیح محسوس ہوتا اس لیے حرفِ علّت آخر میں لایا گیا اور ابتداء میں 'ی'، چنانچہ جالینوس بروزن مقناطیس ہے۔ اس کے عقب میں ہم طرح الفاظ یہ ہو سکتے ہیں۔ کیموس، طاؤس، قدوس، مانوس وغیرہ۔

۸۔ آلتی پالتی (مار کر بیٹھنا) معناً مانوس و معلوم ہے یہاں صرف مولوی عبدالحق کے ایک تسامح کا ذکر مقصود ہے۔ وہ اسے انگریزی کے SQUAT کا ترجمہ بتاتے ہیں لیکن SQUAT آلتی پالتی مار کر بیٹھنا نہیں بلکہ اکڑوں بیٹھنا ہیں۔ آلتی پالتی مار کر بیٹھنا کو انگریزی میں SITTING CROSS-LEGGED کہتے ہیں اور فارسی میں مربع یا چار زانو نشستن، اردو میں چار زانو بیٹھنا بھی بولتے ہیں۔ مزید یہ کہ آلتی دائیں ٹانگ کو اور پالتی بائیں ٹانگ کو باری باری اندر سمیٹ کر بیٹھنا سمجھا جا سکتا ہے۔ امریکی رسالہ "TIME" میں البتہ SQUET کو چار زانو بیٹھنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے جو اصولاً غلط ہے لیکن معنوی توسیع کو آئندہ برسوں میں قبول کر لیے جانے کا امکان ہے۔

۹۔ متلاشی: اصولاً غلط طور پر وضع کیا گیا ہے یعنی فارسی کے تلاش سے عربی کا اسمِ فاعل قیاسی بروزن متفاعل

باقی صفحہ ۱۸ پر

صحیح اِملا

رشید حسن خاں

"ا" اور "ہ" کا استعمال

عربی فارسی کے بہت سے لفظ ایسے ہیں جن کے آخر میں "ہ" آتی ہے اور اُس سے پہلے حرف پر زبر ہوتا ہے۔ یہ "ہ" لکھی تو جاتی ہے مگر پڑھنے میں اس کی آواز "ہ" کی طرح نہیں نکلتی بل کہ وہ اپنے سے پہلے حرف کے زبر کو سہارا دیا کرتی ہے، جیسے: کعبہ، پیمانہ، پردہ، جلوہ۔ اس "ہ" کو "ہائے مختفی" کہتے ہیں۔ خیال رکھنے کی بات یہ ہے کہ مختفی "ہ" عربی فارسی لفظوں کے آخر میں آتی ہے۔ اور زبانوں کے لفظوں کے آخر میں ہمیشہ "الف" لکھا جائے گا، جیسے: بھروسا، پتا، پٹا۔ اُردو، ہندی، انگریزی کے ایسے سب لفظوں کے آخر میں "الف" آئے گا۔ ایسے کچھ لفظوں کی فہرست نیچے پیش کی جاتی ہے:

آریا، اُپلا، اڈّا، اِکّا (زید، تاش کا پتّا، ایک سواری)، اکھاڑا، انگوچھا، انگوٹھا، آنا (جیسے ایک آنا)، باجرا، باڑا (جیسے: امام باڑا)، بتاشا، بٹّا، بٹوا، بچھارا، بچکانا، بدلا، برآمدا، بسولا، بگولا، بُلبلا، بجارا، بُندا، بنگلا، بھانجا، بھتّا، بُھٹّا، بھروسا، بھوسا، بیگھا، بیڑا۔

پارا، پانسا، پپوٹا، پپیتا، پتا، پُتّا، پِتّا، پٹاخا، پٹارا، پٹکا، پُرسا، پسینا، پلّا، پِلّا، پُلندا، پُلیا، پپیا، پیسا۔ تارا، تانگا، تمنچا، توبڑا، تولیا، ٹھانا، ٹانکا، ٹخنا، ٹکا، ٹکیا، ٹوٹکا، ٹھپّا، ٹھسا، ٹیکا۔ جانگیا، جتھا، جھروکا، چارا (جانوروں کی خوراک)، چاولا (جیسے: امرناتھ چاولا)، چبوترا، چکما، چِلّا، چونا، چھاپا۔ خاکا، خراٹا، خوبا۔

دتّا (جیسے: ہرنراین دتّا)، دسہرا، دوپٹّا، دلاسا، دلیا، دوسا، دھاگا، دھبّا، دہریا۔ ڈاکیا، ڈکوٹا، ڈبّا، ڈبیا، ڈراما، ڈونگا، ڈھاٹا، ڈھانچا، ڈھکوسلا۔ راجا، راجواڑا، رتّا، رکشا۔ زنانا، زنخا، زردا۔ سایا (ایک پوشاک)، سمجھوتا، سموسا، سندیسا، شالا (جیسے: پاٹھ شالا، مدھ شالا)، شلوکا، شکارا، شوالا، شہدا۔ صافا (سر پر باندھنے کا)، غبّارا، غُلّا، قتلا، کتھّا، کٹورا، کٹہرا، کرم کلّا، کُلھیا، کلیجا، کمرا، کھاتا، کھاجا، کھانچا، کھتّا (جیسے: رام چند کھتّا)، کیلا، کیمرا، کیوڑا۔ گانجا، گتّا، گتّا، گرُگا، گڑھبا، گلگلا، گملا، گنڈا، گھونسا، گھونسلا۔

لاسا، لالا (جیسے: لالارام لال)، لچکا، لنگوٹا، مارکا (جیسے: شیر مارکا)، مُرغا، مرہٹا، مسالا، ملیدا، ملغوبا، ملبا، مورچا، مہتا (جیسے: اشوک مہتا)، مہینا، میانا، میلا، ناتا، ناٹا، ناکا، نخرا، نشیلا، نصیبا، نقشا، نمدا، نیوتا، نہتّا، وکٹوریا، ہتّا، ہچکولا، ہنڈولا، ہنسیا، ہمالا۔

۲

بہت سے لفظ ہیں جو اصل میں ہیں عربی یا فارسی کے، مگر اُردو میں آکر اُن کی شکل صورت ذرا بدل گئی ہے؛ ایسے سب لفظوں کو "الف" ہی سے لکھا جائے گا، جیسے ایک لفظ ہے "نصیب"، یہ عربی سے آیا ہے، اُردو میں اسی سے "نصیبا" بنا ہے۔ ایسے کچھ لفظ یہ ہیں:

اِکّا، بزریا، بدلا، بہترا، بعضا، پُرسا، پسندا، جگرا، خاکا، خرچا، خوجا، زنخا، غبارا، نشیلا، نقشا، نصیبا، زردا،

۳

ایسے مرکّب لفظوں کے آخر میں بھی "الف" آئے گا جو اُردو میں بنے ہیں، خواہ اُن کا ایک جُز عربی فارسی کا ہو، یا دونوں

جُز عربی فارسی کے ہوں۔ ایسے کچھ لفظ یہ ہیں :

آب خورا، اٹھائی گیرا، ادلا بدلا، امام باڑا، اک منزلا، بے سُرا، بے اصولا، بے سرا، بے صبرا، بے فکرا، بے غرضا، تھکا ماندا، جوشیلا، چوراہا، چوطرفا، چورستا، چومحلا، چوبغلا، دوپٹا، دورُخا، دومنزلا، دومحلا، دورنگا، شکرپارا، شیخی خورا، شکرخورا، کپڑا لتا، میل خورا، ناشکرا، ندیدا، نو دولتا، نمک پارا۔

۴

کچھ مقامات کے نام "ہ" سے لکھے جاتے ہیں، جیسے : آگرہ، کلکتہ، پٹنہ، امروہہ وغیرہ۔ اِن کو اسی طرح لکھا جاتا رہے گا۔ یہ خاص نام ہیں۔ ہاں خیال رکھنا چاہیے کہ خاص خاص اور مشہور مقامات کے علاوہ، چھوٹے چھوٹے اور کم معروف ناموں کو "الف" ہی سے لکھنا بہتر ہوگا، جیسے : دھمورا، نگریا، پلکھوا، ہنقرا، سرِھنا وغیرہ۔ آیندہ ایسے جو نام رکھے جائیں گے، اُن سب کو تو لازماً "الف" سے لکھا جائے گا۔

۵

ہندی سے آئے ہوئے کچھ لفظ ایسے ہیں جو کبھی کبھی اُردو کی تحریروں میں خاص طور پر اخباروں میں آجاتے ہیں، بعض کم بعض کچھ زیادہ؛ اُن کی صورت یہ ہے کہ اگر اُن کو "الف" کے ساتھ لکھا جائے تو تلفظ بگڑ جائے گا۔ جیسے مشہور بنگالی فلم ڈائرکٹر کا نام "ستیہ جیت رے" ہے اس کو اگر "ستیاجیت" لکھا جائے تو لفظ بھی اجنبی سا لگے گا اور تلفظ میں بھی بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ ایسے لفظوں میں "ی" سے پہلے جو حرف ہوتا ہے، آواز اُس پر جھٹکا کھاتی ہے اور اس طرح "ی" پر آواز کا دباؤ بہت کم ہو جاتا ہے اور اِس بنا پر ہائے مختفی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایسے لفظوں کو ہائے مختفی کے ساتھ لکھا جائے گا اور یہ استثنا ہوگا۔ یہ خیال رہے کہ ایسے لفظ کم بل کہ کم تر ہیں، اور لفظوں کو اِن پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے لفظ یہ ہیں:

ستیہ (ستیہ کام، ستیہ جیت)، بھارتیہ، مدھیہ (مدھیہ پردیش)، بھاگیہ (بھاگیہ وتی)، ساہتیہ، راشٹریہ، شاستریہ، راجیہ (راجیہ سبھا)،

اُردو کا ایک لفظ بھی اِسی فہرست میں آتا ہے، اور یہ ہے "پر" کا مخفف "پہ"۔ جیسے : اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے۔ یا جیسے : گو وہاں نہیں، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں۔

اس کو بھی اسی طرح (پہ) لکھا جائے گا، اور اِس کا شمار بھی مستثنا لفظوں میں ہوگا۔

۶

عربی کے کچھ لفظ ایسے ہیں جن میں "الف" لکھا نہیں جاتا، مگر پڑھا جاتا ہے، جیسے : رحمٰن۔ ایسے سب لفظوں کو اب "الف" کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ "انجمن" نے بھی یہی تجویز کیا تھا۔ ایسے لفظ یہ ہیں:

اسحاق، اسماعیل، رحمان، زکات، سلیمان، صلات، لقمان، مشکات، یاسین۔

۷

لفظ "اللّٰہ" ایک خاص طرح لکھا جاتا ہے، اس میں دو لام ہیں، ایک لام تو نمایاں ہوتا ہے، مگر دوسرے لام کی جگہ ایک شوشہ سا آتا ہے۔ یہ خاص نام ہے اور اس کی یہی صورت متعارف ہے؛ اس لیے اس کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اسی کی ایک صورت "للّٰہ" ہے۔ (نسخ میں اس کو "لِلّٰہ" لکھا جائے گا) کہا جاتا ہے کہ "للّٰہ، تم یہ کام نہ کرو"۔ اِس کو کبھی کبھی "للہ" لکھ دیا جاتا ہے، یہ سمجھ کر کہ "للہ" میں تو ایک ہی لام آیا ہے، مگر یہ درست نہیں۔ "لِلّٰہ" میں دو لام ہیں، ایک نمایاں اور ایک شوشے کی صورت میں۔ اچھا یہ ہوگا کہ "اللّٰہ" کو نستعلیق کے مطابق اِسی طرح لکھا جائے اور الجھن کو بچانے کے لیے "لِلّٰہ" کو نسخ میں "لِلّٰہ" لکھا جائے اور پہلے لام پر زیر بھی لگا دیا جائے۔ اس سے اشتباہ ختم ہو جائے گا۔

"اللّٰہ" کی طرح "الٰہ" بھی "الف" کے بغیر لکھا جاتا ہے، اسی سے "الٰہی" بنتا ہے۔ ان دونوں لفظوں کی یہ نہایت مانوس صورت ہے، اس لیے اِن کو بھی اسی طرح لکھنا چاہیے۔ اسی ذیل میں ایک اور لفظ بھی آتا ہے، وہ ہے "لہٰذا"۔ یہ لفظ استعمال میں آتا رہتا ہے اور اسی طرح لکھا جاتا رہا ہے، اس لیے اِس کو بھی اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اب ایسے مستثنا لفظ یہ ہوتے :

اللّٰہ، لِلّٰہ، الٰہ (الٰہ آباد)، الٰہی، (الٰہیات)، لہٰذا۔

۸

عربی میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لفظ کے آخر میں "ی" لکھی جاتی ہے، مگر پڑھنے میں "الف" آتا ہے، جیسے : اعلیٰ۔ انجمن کی یہ تجویز تھی کہ ایسے سب لفظوں کے آخر میں، اُردو کے قاعدے کے مطابق "الف" لکھنا چاہیے۔ ایسے کچھ لفظوں کو اردو میں "الف" کے ساتھ لکھا بھی

جاتا ہے۔ مثلاً اب "مولیٰ" کی جگہ عام طور "مولا" لکھا جاتا ہے وغیرہ
ایسے سب لفظوں کو اب اُردو میں "الف" کے ساتھ لکھنا چاہیے۔
ایسے لفظوں کی فہرست یہ ہے:

ادنا، اعلا، اقصا، بُشرا، تعالا، تقوا، تولّا، حُسنا، دعوا، سلوا، شورا (مجلسِ شورا)، صغرا، طوبا، طولا (یدِطولا)، عقبا، عظما، فتوا، قوا، کبُرا، کسرا، لیلا، ماجرا، ماوا، متبنّا، مثنّا، مجتبا، محشا، محلّا، مخلا، مدعا، مربا، مرتضا، مستثنا، مسمّا، مصطفا، مصفّا، مصلا، معلا، معمّا، مقفا، منادا، منقا، مولا، نصارا، وسطا (مشرقِ وسطا)، ہُدا، ہیولا۔

تین لفظ اور ہیں: عیسا، موسا، یحیا۔ یہ خاص نام ہیں۔ اِن کو بھی کسی تکلّف کے بغیر "الف" کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے۔ "عیسائی" اور "موسائی" میں تو "الف" آہی جاتا ہے۔ پھر بھی اگر کچھ لوگ ان کو پُرانے طریقے کے مطابق لکھنا چاہیں تو اُس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اچھا یہی ہوگا کہ ایسے اور الفاظ کی طرح، ان تینوں لفظوں کو بھی "الف" کے ساتھ لکھا جائے۔

بدرالدجا، شمس الہدا، نورالہدا، شمس الضحا، نام ہیں۔ عربی کے قاعدے سے تو "بدرالدجیٰ" لکھا جانا چاہیے، مگر اُردو میں اِن کو سادہ طور پر "الف" کے ساتھ ہی لکھنا چاہیے۔

مولانا، علاحدہ، علاحدگی؛ ان تینوں لفظوں کو بھی اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اِن کا پرانا املا "مولینا، علیحدہ، علیحدگی" ہے۔

(فائدہ) — عربی کے جملوں اور عبارتوں کو، عربی کے مطابق لکھا جائے گا۔ اچھا یہ ہوگا کہ عربی کے ایسے ٹکڑوں کو خطِ نسخ میں لکھا جائے، تاکہ وہ ممتاز رہیں۔ عربی کے کئی دعائیہ جملے اُردو میں مستعمل ہیں، جیسے: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، مَضٰى مَا مَضٰى، اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن، غَفَرَ اللهُ لَهٗ وغیرہ

علیٰ، حتیٰ، الیٰ؛ عربی کے یہ تین کلمے، ترکیب کی صورت میں اُردو میں مستعمل ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایسی ترکیبیں اور اُن کا استعمال، دونوں محدود ہیں؛ مگر بہ ہر طور کبھی کبھی اِن کو استعمال ضرور کیا جاتا ہے۔ ایسے مقامات پر ان مرکبات کی اصل صورت کو برقرار رکھا جائے گا اور ان کو عربی کے مطابق ہی لکھا جائے گا۔ ایسے کچھ مرکبات یہ ہیں:

علیٰ حالہٖ، علی الرغم، علی الصباح، علی العموم، علی الخصوص، علی الحساب، علی الاطلاق، علی الترتیب، علی الاتصال، علی الاعلان، علی التواتر، علی الدوام، علیٰ ھذا القیاس، علیٰ سبیل التعین، علیٰ وجہ البصیرت، علیٰ وجہ الکمال، حتی الامکان، حتی المقدور، حتی الوسع، الی اللہ، الی الآن۔

اِن سب اجزا کو اِسی طرح لکھا جائے گا۔ اِس کا خیال رکھا جاسکتا ہے کہ امکان بھر ایسے ٹکڑوں کو عبارت میں نہ لایا جائے، اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ مثلاً "حتی المقدور" کی جگہ بہ آسانی "مقدور بھر" لکھا جاسکتا ہے۔ وغیرہ۔

۹

نیچے جو لفظ لکھے جا رہے ہیں، ان سب کے آخر میں "الف" ہے۔ اِن کو کچھ لوگ "ہ" سے بھی لکھ دیا کرتے ہیں، یہ غلط ہے۔ ان کے آخر میں ہمیشہ "الف" آئے گا:

الغوزا، الجبرا، بقایا، تماشا، تقاضا، تمغا، ٹھپا، حلوا، خرما، سقا، شوربا، عاشورا، طغرا، کوکا، قورما، معما، ملغوبا، مچلکا، مربا، ناشتا۔

10

"طالب" کی جمع "طلبہ" ہے۔ اِس کو "طلبا" نہیں لکھنا چاہیے۔ مثلاً: "درجۂ پنجم کے طلبہ نے یہ فیصلہ کیا ہے"؛ اِس کو اس طرح لکھنا کہ "درجۂ پنجم کے طلبا نے یہ فیصلہ کیا ہے" غلط ہوگا۔ اِسی طرح "صوفی" کی جمع "صوفیہ" ہے۔ جیسے: "صوفیۂ کرام نے کہا ہے"؛ اس کو "صوفیا" لکھنا ٹھیک نہیں۔ اِسی طرح "دوا" کی جمع "ادویہ" ہے۔ البتہ "عزیز" کی جمع "اعزہ" بھی ہے اور "اعزا" بھی۔ اِس کو دونوں طرح لکھا جاسکتا ہے۔

11

کچھ لفظ ایسے ہیں جو ایک معنی میں "الف" سے اور ایک معنی میں "ہ" سے صحیح ہیں۔ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ جملے میں صحیح لفظ کو استعمال کیا جائے۔ بے احتیاطی کی وجہ سے معنی بدل سکتے ہیں اور ختم بھی ہوسکتے ہیں۔ یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ غلط املا کے سبب سے، معنی ہی چوپٹ ہو جائیں۔ ایسے خاص خاص لفظ یہ ہے:

آسیا: چکی — آسیہ: فرعون کی بی بی کا نام ہے
پارا: جسے فارسی میں "سیماب" کہتے ہیں۔ پارہ: ٹکڑا

پَلّا : جس سے "پلے دار" بنتا ہے (حمّال کے معنی میں) نیز ٹوپی کا ایک بازو وغیرہ ـــ

پلّہ : درجہ، مرتبہ۔ جیسے : ہم پلّہ۔ ہاں، "پَلّا" ایک تیسرا لفظ ہے۔

چارا : جانوروں کی خوراک کے کام آتا ہے۔ چارہ : تدبیر۔

خاصا : جیسے : اچھا خاصا۔ خاصہ : وہ نفیس چیز جو بادشاہوں یا اُمَرا و وزرا کے لائق ہو۔ (وغیرہ)۔

دانا : عقل مند، جاننے والا ۔ دانہ : جیسے : آب و دانہ

سایا : ایک معروف پوشاک ۔ سایہ : جیسے : دیوار کا سایہ

شیوا : فصیح و بلیغ، جیسے : شیوا بیان شاعر۔ شیوہ : ناز و کرشمہ، طرز و روش وغیرہ۔ جیسے : بُتِ ہزار شیوہ۔

زُہرا : حضرت فاطمہؓ کا لقب ۔ زَہرہ : پِتّا۔ زُہرہ : ایک مشہور ستارے کا نام۔

کلّا : کونپل، یا کرم کلّا ۔ کَلّہ : جبڑا یا رخسار

لالا : روشن، چمک دار، موتی کی صفت، جیسے : لولوے لالا۔ غلام ـــ لالہ : مشہور پھول ـــ لالا کرم چند؛ یہ "لالا" بھی "الف" سے لکھا جائے گا۔

میانا : ایک طرح کی پالکی ۔ میانہ : جیسے : میانہ قد، میانہ روی۔

نالا : ندی نالا نالہ : نالہ و فریاد

نا : تاکید کے لیے، جیسے : جاؤ نا، کھاؤ نا۔ دیکھو نا وہ کیا کر رہے ہیں۔ یا جیسے : ہم تو کہتے تھے، اب دیکھو، روپے مِل گئے نا۔ نہ : نفی کے لیے، جیسے : نہ کرو، نہ جاؤ۔

اِسی قسم کے دو اور لفظ بھی ہیں : اَش اَش اور لال اور لعل۔ اَش اَش : اَش اَش کرنا یا اَش اَش کر اُٹھنا، اِسی سے بنتے ہیں۔ اِس میں دونوں جگہ "الف" ہے۔ اِس کو "ع" سے "عش عش" لکھنا صحیح نہیں۔

لال : مشہور رنگ، ایک چھوٹا سا خوبصورت پرندہ ــ بیٹے اور لڑکے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایک اور لفظ ہے : لعل۔ اب اِن دونوں لفظوں کے استعمال میں اِس طرح امتیاز کرنا چاہیے کہ رنگ، پرندے اور لڑکے کے معنوں میں "لال" لکھنا چاہیے۔ جیسے : میرے لال، لال رنگ، لال اُڑ گئے اور مشہور قیمتی پتھر کے معنی میں "لعل" لکھنا چاہیے، جیسے : لعل و گوہر، لبِ لعلیں، لعلِ لب۔ ناموں میں "لال" لکھنا چاہیے۔ جیسے : موتی لال، جواہر لال، پنّا لال، لال بہادر، لال سنگھ، لال شاہ، لال محمد۔ "لالو" اسی "لال" سے بنا ہے۔

۱۲

ایسے مرکّب لفظ اُردو میں اچھی خاصی تعداد میں ہیں جنھوں نے عربی قاعدے کے مطابق "الف لام" کے ساتھ ترکیب پائی ہے، جیسے : عظیم الشّان، اخترالایمان۔ ایسے مرکّب لفظوں کی دو صورتیں ہیں : کچھ لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں تلفّظ میں نہیں آتے، جیسے : عظیم الشّان (عظیمُ۔ ال۔ شّان)، اور کچھ مرکّبات میں "لام" شاملِ تلفّظ رہتا ہے، جیسے : شمس الہدا (شمسُ۔ الْ۔ ہُدا)۔ الف لام کی ترکیب کے لحاظ سے حروفِ تہجی کی دو قسمیں کی گئی ہیں : حروفِ شمسی، حروفِ قمری۔ حروفِ شمسی وہ حروف ہیں کہ اُن سے پہلے جب "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفّظ میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ حرف ہیں : ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن۔ جیسے : بالتّرتیب، مسیحُ الزّماں، عبدُ السّمیع۔

حروفِ قمری، وہ حرف جن سے پہلے اگر "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفّظ میں شامل رہتا ہے۔ یہ حرف ہیں : ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی۔ جیسے : عبدالجبّار، بالفعل، انا الحق۔

مناسب یہ ہوگا کہ نصابی کتابوں میں ایسے مرکب لفظوں میں "لام" اگر ساکن ہو تو اُس پر جزم لگا دیا جائے اور "الف" سے پہلے والے حرف پر زبر زیر جو بھی ہو، اُس کو لگا دیا جائے، جیسے : ملکُ الموت۔ اور جن لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں "خاموش حروف" کے طور پر آتے ہیں، اُن میں "الف" سے پہلے حرف پر اُس کی حرکت کو واضح کیا جائے اور "لام" کے بعد جو حرف ہو اُس پر تشدید لگائی جائے، جیسے : بِالتّرتیب، وَالشّمس۔

ہاں، ایک لفظ ہے : اَنَا الحق۔ یہ عربی کا ٹکڑا ہے، مگر اُردو میں مستعمل ہے، اِس میں دو الف یک جا ہیں، ایک لفظ "انا" کے آخر میں ہے جو اِس لفظ کا جُز ہے اور دوسرا الف "الحق" کے

باقی صفحہ ۱۸ پر

جاتا ہے۔ مثلاً اب "مولیٰ" کی جگہ عام طور "مولا" لکھا جاتا ہے وغیرہ ایسے سب لفظوں کو اب اُردو میں "الف" کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ ایسے لفظوں کی فہرست یہ ہے:

ادنا، اعلا، اقصا، بُشرا، تعالا، تقوا، تولّا، حُسنا، دعوا، سلما، شورا (مجلسِ شورا)، صغرا، طوبا، طولا (یدِطولا)، عقبا، عظما، فتوا، قوا، کبُرا، کسرا، لیلا، ماجرا، مادا، متبنّا، مُثنّا، مجتبا، محشا، محلّا، مخلّا، مدّعا، مربا، مرتضا، مستثنا، مسمّا، مصطفا، مصفّا، مصلّا، معلّا، معمّا، مقفّا، منادا، منقّا، مولا، نصارا، وُسطا (مشرقِ وُسطا)، ہُما، ہیولا۔

تین لفظ اور ہیں: عیسّا، موسّا، یحیّا۔ یہ خاص نام ہیں۔ اِن کو بھی کسی تکلّف کے بغیر "الف" کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے۔ "عیسائی" اور "موسائی" میں تو "الف" آ ہی جاتا ہے۔ پھر بھی اگر کچھ لوگ ان کو پُرانے طریقے کے مطابق لکھنا چاہیں تو اُس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اچھا یہی ہوگا کہ ایسے اور الفاظ کی طرح، ان تینوں لفظوں کو بھی "الف" کے ساتھ لکھا جائے۔

بدرالدّجا، شمس الہدا، نورالہدا، شمس الضحا؛ نام ہیں۔ عربی کے قاعدے سے تو "بدرالدجیٰ" لکھا جانا چاہیے، مگر اُردو میں اِن کو سادہ طور پر "الف" کے ساتھ ہی لکھنا چاہیے۔

مولانا، علاحدہ، علاحدگی؛ ان تینوں لفظوں کو بھی اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اِن کا پرانا املا "مولینا، علیحدہ، علیحدگی" ہے۔

(فائدہ) — عربی کے جملوں اور عبارتوں کو، عربی کے مطابق لکھا جائے گا۔ اچھا یہ ہوگا کہ عربی کے ایسے ٹکڑوں کو خطِ نسخ میں لکھا جائے، تاکہ وہ ممتاز رہیں۔ عربی کے کئی دعائیہ جملے اُردو میں مستعمل ہیں، جیسے: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، مَضیٰ مامَضیٰ، اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن، غَفَرَاللهُ لَهٗ وغیرہ

علیٰ، حتیٰ، الیٰ؛ عربی کے یہ تین کلمے، ترکیب کی صورت میں اُردو میں مستعمل ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایسی ترکیبیں اور اُن کا استعمال، دونوں محدود ہیں؛ مگر بہ ہر طور کبھی کبھی اِن کو استعمال ضرور کیا جاتا ہے۔ ایسے مقامات پر ان مرکبات کی اصل صورت کو برقرار رکھا جائے گا اور ان کو عربی کے مطابق ہی لکھا جائے گا۔ ایسے کچھ مرکبات یہ ہیں:

علیٰ حالہ، علی الرغم، علی الصباح، علی العموم، علی الخصوص، علی الحساب، علی الاطلاق، علی الترتیب، علی الاتصال، علی الاعلان، علی التواتر، علی الدوام، علیٰ ھذا القیاس، علیٰ سبیل التعین، علیٰ وجہ البصیرت، علیٰ وجہ الکمال، حتی الامکان، حتی المقدور، حتی الوسع، الی اللہ، الی الآن۔

اِن سب اجزا کو اِسی طرح لکھا جائے گا۔ اِس کا خیال رکھا جا سکتا ہے کہ امکان بھر ایسے ٹکڑوں کو عبارت میں نہ لایا جائے، اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ مثلاً "حتی المقدور" کی جگہ بہ آسانی "مقدور بھر" لکھا جا سکتا ہے۔ وغیرہ۔

۹

نیچے جو لفظ لکھے جا رہے ہیں، ان سب کے آخر میں "الف" ہے۔ اِن کو کچھ لوگ "ہ" سے بھی لکھ دیا کرتے ہیں، یہ غلط ہے۔ ان کے آخر میں ہمیشہ "الف" آئے گا:

الغوزا، الجبرا، بقایا، تماشا، تقاضا، تمغا، چُغا، حلوا، خرُما، سقّا، شوربا، عاشورا، طغرا، کوکا، قورما، معمّا، ملغوبا، مچلکا، مربّا، ناشتا۔

۱۰

"طالب" کی جمع "طلبہ" ہے۔ اِس کو "طلبا" نہیں لکھنا چاہیے۔ مثلاً: "درجۂ پنجم کے طلبہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔" اِس کو اس طرح لکھنا کہ "درجۂ پنجم کے طلبا نے یہ فیصلہ کیا ہے" غلط ہوگا۔ اِسی طرح "صوفی" کی جمع "صوفیہ" ہے۔ جیسے: "صوفیۂ کرام نے کہا ہے۔" اس کو "صوفیا" لکھنا ٹھیک نہیں۔ اِسی طرح "دوا" کی جمع "ادویہ" ہے۔ البتہ "عزیز" کی جمع "اعزّہ" بھی ہے اور "اعزّا" بھی۔ اِس کو دونوں طرح لکھا جا سکتا ہے۔

۱۱

کچھ لفظ ایسے ہیں جو ایک معنی میں "الف" سے اور ایک معنی میں "ہ" سے صحیح ہیں۔ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ جملے میں صحیح لفظ کو استعمال کیا جائے۔ بے احتیاطی کی وجہ سے معنی بدل سکتے ہیں اور ختم بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ غلط املا کے سبب سے، معنی ہی چوپٹ ہو جائیں۔ ایسے خاص خاص لفظ یہ ہے:

آسیا: چکی — آسیہ: فرعون کی بی بی کا نام ہے

پارا: جسے فارسی میں "سیماب" کہتے ہیں۔ پارہ: ٹکڑا

پَلّا : جس سے "پلے دار" بنتا ہے (حمّال کے معنی میں) نیز ٹوپی کا ایک بانو وغیرہ۔

پلہ : درجہ، مرتبہ۔ جیسے : ہم پلہ۔ ہاں، "پلّا" ایک تیسرا لفظ ہے۔

چارا : جانوروں کی خوراک کے کام آتا ہے۔ چارہ : تدبیر۔

خاصا : جیسے : اچھا خاصا۔ خاصہ : وہ نفیس چیز جو بادشاہوں یا امراء و وزرا کے لائق ہو۔ (وغیرہ)۔

دانا : عقل مند، جاننے والا ۔ دانہ : جیسے : آب و دانہ

سایا : ایک معروف پوشاک ۔ سایہ : جیسے : دیوار کا سایہ

شیوا : فصیح و بلیغ، جیسے : شیوا بیان شاعر۔ شیوہ : ناز و کرشمہ۔ طرز و روش وغیرہ۔ جیسے : بُتِ ہزار شیوہ۔

زَہرا : حضرت فاطمہؓ کا لقب ۔ زَہرہ : پِتّا۔ زُہرہ : ایک مشہور ستارے کا نام۔

کلّا : کوپل، یا کرم کلّا ۔ کلّہ : جبڑا یا رخسار

لالا : روشن، چمک دار، موتی کی صفت، جیسے : لولوے لالا۔ غلام ــــ لالہ : مشہور پھول ــــ لالا کرم چند ؛ یہ "لالا" بھی "الف" سے لکھا جائے گا۔

میانا : ایک طرح کی پالکی ۔ میانہ : جیسے : میانہ قد، میانہ روی۔

نالا : ندی نالا نالہ : نالہ و فریاد

نا : تاکید کے لیے، جیسے : جاؤ نا، کھاؤ نا۔ دیکھو نا وہ کیا کر رہے ہیں۔ یا جیسے : ہم تو کہتے تھے، اب دیکھو، روپے مِل گئے نا۔ نہ : نفی کے لیے، جیسے : نہ کرو، نہ جاؤ۔

اِسی قسم کے دو اور لفظ بھی ہیں : اَش اَش اور لال اور لعل۔ اَش اَش ، اَش اَش کرنا یا اَش اَش کر اُٹھنا، اِسی سے بنتے ہیں۔ اِس میں دونوں جگہ "الف" ہے۔ اِس کو "ع" سے "عش عش" لکھنا صحیح نہیں۔

لال : مشہور رنگ، ایک چھوٹا سا خوبصورت پرندہ ۔ بیٹے اور لڑکے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایک اور لفظ ہے "لعل"۔ اب اِن دونوں لفظوں کے استعمال میں اِس طرح امتیاز کرنا چاہیے کہ رنگ، پرندے اور لڑکے کے معنوں میں "لال" لکھنا چاہیے۔ جیسے : میرے لال، لال رنگ، لال اُڑ گئے اور مشہور قیمتی پتھر کے معنی میں "لعل" لکھنا چاہیے، جیسے : لعل و گوہر، لبِ لعلیں، لعلِ لب۔ ناموں میں "لال" لکھنا چاہیے۔ جیسے : موتی لال، جواہر لال، پنا لال، لال بہادر، لال سنگھ، لال شاہ، لال محمد۔ "لالو" اسی "لال" سے بنا ہے۔

۱۲

ایسے مرکّب لفظ اُردو میں اچھی خاصی تعداد میں ہیں جنھوں نے عربی قاعدے کے مطابق "الف لام" کے ساتھ ترکیب پائی ہے، جیسے : عظیم الشّان، اختر الایمان۔ ایسے مرکّب لفظوں کی دو صورتیں ہیں : کچھ لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں تلفّظ میں نہیں آتے، جیسے : عظیم الشّان (عظیمُ - ال - شّان)، اور کچھ مرکّبات میں "لام" شاملِ تلفّظ رہتا ہے، جیسے : شمس الہدا (شمسُ - الْ - ہُدا)۔ الف لام کی ترکیب کے لحاظ سے حروفِ تہجی کی دو قسمیں کی گئی ہیں : حروفِ شمسی، حروفِ قمری۔ حروفِ شمسی وہ حروف ہیں کہ اُن سے پہلے جب "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفّظ میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ حرف ہیں : ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن۔ جیسے : بالتّرتیب، مسیحُ الزّماں، عبدُ السّمیع۔

حروفِ قمری، وہ حرف جن سے پہلے اگر "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفّظ میں شامل رہتا ہے۔ یہ حرف ہیں : ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی۔ جیسے : عبدالجبار، بالفعل، انا الحق۔

مناسب یہ ہوگا کہ نصابی کتابوں میں ایسے مرکب لفظوں میں "لام" اگر ساکن ہو تو اُس پر جزم لگا دیا جائے اور "الف" سے پہلے والے حرف پر زبر زیر جو بھی ہو، اُس کو لگا دیا جائے، جیسے : ملکُ الموت۔ اور جن لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں "خاموش حروف" کے طور پر آتے ہیں، اُن میں "الف" سے پہلے حرف پر اُس کی حرکت کو واضح کیا جائے اور "لام" کے بعد جو حرف ہو اُس پر تشدید لگائی جائے، جیسے : بِالتّرتیب، وَالشّمس۔

ہاں، ایک لفظ ہے : اَنَا الحق۔ یہ عربی کا ٹکڑا ہے، مگر اُردو میں مستعمل ہے، اِس میں دو الف یک جا ہیں، ایک لفظ "انا" کے آخر میں ہے جو اِس لفظ کا جُز ہے اور دوسرا الف "الحق" کے

باقی صفحہ ۱۸ پر

جاتا ہے۔ مثلاً اب "مولیٰ" کی جگہ عام طور "مولا" لکھا جاتا ہے وغیرہ
ایسے سب لفظوں کو اب اُردو میں "الف" کے ساتھ لکھنا چاہیے۔
ایسے لفظوں کی فہرست یہ ہے:

ادنا، اعلا، اقصا، بُشرا، تعالا، تقوا، تولّا، حُسنا، دعوا، سلما، شورا (مجلسِ شورا)، صغرا، طوبا، طولا (ید طولا)، عقبا، عظما، فتوا، قوا، کبرا، کسرا، لیلا، ماجرا، ماوا، متبنا، مثنا، مجتبا، مُحشا، محلا، مُعلا، مدعا، مربا، مرتضا، مستثنا، مسما، مصطفا، مصفا، مصلا، معلا، معا، مقفا، منادا، منقا، مولا، نصارا، وُسطا (مشرقِ وُسطا)، ہُدا، ہیولا۔

تین لفظ اور ہیں: عیسا، موسا، یحیا۔ یہ خاص نام ہیں۔ اِن کو بھی کسی تکلّف کے بغیر "الف" کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے۔ "عیسائی" اور "موسائی" میں تو "الف" آ ہی جاتا ہے۔ پھر بھی اگر کچھ لوگ ان کو پُرانے طریقے کے مطابق لکھنا چاہیں تو اُس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اچھا یہی ہوگا کہ ایسے اور الفاظ کی طرح، ان تینوں لفظوں کو بھی "الف" کے ساتھ لکھا جائے۔

بدرالدّجا، شمس الھدا، نورالھدا، شمس الضحا، نام ہیں۔ عربی کے قاعدے سے تو "بدرالدجیٰ" لکھا جانا چاہیے، مگر اُردو میں اِن کو سادہ طور پر "الف" کے ساتھ ہی لکھنا چاہیے۔

مولانا، علاحدہ، علاحدگی؛ ان تینوں لفظوں کو بھی اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اِن کا پرانا املا "مولینا، علیحدہ، علیحدگی" ہے۔

(فائدہ) — عربی کے جملوں اور عبارتوں کو، عربی کے مطابق لکھا جائے گا۔ اچھا یہ ہوگا کہ عربی کے ایسے ٹکڑوں کو خطِ نسخ میں لکھا جائے، تاکہ وہ ممتاز رہیں۔ عربی کے کئی دعائیہ جملے اُردو میں مستعمل ہیں، جیسے: رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، مَضٰی مَامَضٰی، اَرْحَمُ الرّٰاحِمِیْن، غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وغیرہ

علیٰ، حتیٰ، الیٰ؛ عربی کے یہ تین کلمے، ترکیب کی صورت میں اُردو میں مستعمل ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایسی ترکیبیں اور اُن کا استعمال، دونوں محدود ہیں؛ مگر بہ ہر طور کبھی کبھی اِن کو استعمال ضرور کیا جاتا ہے۔ ایسے مقامات پر ان مرکبات کی اصل صورت کو برقرار رکھا جائے گا اور ان کو عربی کے مطابق ہی لکھا جائے گا۔ ایسے کچھ مرکبات یہ ہیں:

علیٰ حالہ، علی الرغم، علی الصباح، علی العموم، علی الخصوص، علی الحساب، علی الاطلاق، علی الترتیب، علی الاتصال، علی الاعلان، علی التواتر، علی الدوام، علیٰ ھذا القیاس، علیٰ سبیل التعین، علیٰ وجہ البصیرت، علیٰ وجہ الکمال، حتی الامکان، حتی المقدور، حتی الوسع، الی اللہ، الی الآن۔

اِن سب اجزا کو اِسی طرح لکھا جائے گا۔ اِس کا خیال رکھا جا سکتا ہے کہ امکان بھر ایسے ٹکڑوں کو عبارت میں نہ لایا جائے، اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ مثلاً "حتی المقدور" کی جگہ بہ آسانی "مقدور بھر" لکھا جا سکتا ہے۔ وغیرہ۔

۹

نیچے جو لفظ لکھے جا رہے ہیں، ان سب کے آخر میں "الف" ہے۔ اِن کو کچھ لوگ "ہ" سے بھی لکھ دیا کرتے ہیں، یہ غلط ہے۔ ان کے آخر میں ہمیشہ "الف" آئے گا:

الغوزا، الجبرا، بقایا، تماشا، تقاضا، تمغا، چُغا، حلوا، خرُما، سقا، شوربا، عاشورا، طغرا، کوکا، قورما، معما، ملغوبا، مچلکا، مربا، ناشتا۔

۱۰

"طالب" کی جمع "طلبہ" ہے۔ اِس کو "طلبا" نہیں لکھنا چاہیے۔ مثلاً: "درجۂ پنجم کے طلبہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔" اِس کو اس طرح لکھنا کہ "درجۂ پنجم کے طلبا نے یہ فیصلہ کیا ہے" غلط ہوگا۔ اِسی طرح "صوفی" کی جمع "صوفیہ" ہے۔ جیسے: "صوفیۂ کرام نے کہا ہے۔" اس کو "صوفیا" لکھنا ٹھیک نہیں۔ اِسی طرح "دوا" کی جمع "ادویہ" ہے۔ البتہ "عزیز" کی جمع "اعزّہ" بھی ہے اور "اعزا" بھی۔ اِس کو دونوں طرح لکھا جا سکتا ہے۔

۱۱

کچھ لفظ ایسے ہیں جو ایک معنی میں "الف" سے اور ایک معنی میں "ہ" سے صحیح ہیں۔ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ جملے میں صحیح لفظ کو استعمال کیا جائے۔ بے احتیاطی کی وجہ سے معنی بدل سکتے ہیں اور ختم بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ غلط املا کے سبب سے، معنی ہی چوپٹ ہو جائیں۔ ایسے خاص خاص لفظ یہ ہے:

آسیا: چکی — آسیہ: فرعون کی بی بی کا نام ہے
پارا: جسے فارسی میں "سیماب" کہتے ہیں۔ پارہ: ٹکڑا

پلّا: جس سے "پلے دار" بنتا ہے (حمّال کے معنی میں) نیز ٹوپی کا ایک بازو وغیرہ۔

پلہ: درجہ، مرتبہ۔ جیسے: ہم پلہ۔ ہاں، "پلا" ایک تیسرا لفظ ہے۔

چارا: جانوروں کی خوراک کے کام آتا ہے۔ چارہ: تدبیر۔

خاصا: جیسے: اچھا خاصا۔ خاصہ: وہ نفیس چیز جو بادشاہوں یا اُمرا و وزرا کے لائق ہو۔ (وغیرہ)۔

دانا: عقل مند، جاننے والا۔ دانہ: جیسے: آب و دانہ

سایا: ایک معروف پوشاک۔ سایہ: جیسے: دیوار کا سایہ

شیوا: فصیح و بلیغ، جیسے: شیوا بیان شاعر۔ شیوہ: ناز و کرشمہ، طرز و روش وغیرہ۔ جیسے: بُتِ ہزار شیوہ۔

زہرا: حضرت فاطمہؓ کا لقب۔ زَہرہ: پِتّا۔ زُہرہ: ایک مشہور ستارے کا نام۔

کلّا: کونپل، یا کرم کلّا۔ کَلّہ: جبڑا یا رخسار

لالا: روشن، چمک دار، موتی کی صفت، جیسے: لولوے لالا۔ غلام ـــ لالہ: مشہور پھول ـــ لالا کرم چند؛ یہ "لالا" بھی "الف" سے لکھا جائے گا۔

میانا: ایک طرح کی پالکی۔ میانہ: جیسے: میانہ قد، میانہ روی۔

نالا: ندی نالا نالہ: نالہ و فریاد

نا: تاکید کے لیے، جیسے: جاؤ نا، کھاؤ نا۔ دیکھو نا وہ کیا کر رہے ہیں۔ یا جیسے: ہم تو کہتے تھے، اب دیکھو، روپے مل گئے نا۔ نہ: نفی کے لیے، جیسے: نہ کرو، نہ جاؤ۔

اِسی قسم کے دو اور لفظ بھی ہیں: اَش اَش اور لال اور لعل۔ اَش اَش؛ اَش اَش کرنا یا اش اش کر اُٹھنا، اِسی سے بنتے ہیں۔ اِس میں دونوں جگہ "الف" ہے۔ اِس کو "ع" سے "عش عش" لکھنا صحیح نہیں۔

لال: مشہور رنگ، ایک چھوٹا سا خوبصورت پرندہ ـ بیٹے اور لڑکے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایک اور لفظ ہے لعل۔ اب اِن دونوں لفظوں کے استعمال میں اِس طرح امتیاز کرنا چاہیے کہ رنگ، پرندے اور لڑکے کے معنوں میں "لال" لکھنا چاہیے۔ جیسے: میرے لال، لال رنگ، لال اُڑ گئے اور مشہور قیمتی پتھر کے معنی میں "لعل" لکھنا چاہیے، جیسے: لعل و گوہر، لبِ لعلیں، لعل لب۔ ناموں میں "لال" لکھنا چاہیے۔ جیسے: موتی لال، جواہر لال، پنّالال، لال بہادر، لال سنگھ، لال شاہ، لال محمد۔ "لالو" اسی "لال" سے بنا ہے۔

۱۲

ایسے مرکب لفظ اُردو میں اچھی خاصی تعداد میں ہیں جنھوں نے عربی قاعدے کے مطابق "الف لام" کے ساتھ ترکیب پائی ہے، جیسے: عظیم الشان، اختر الایمان۔ ایسے مرکب لفظوں کی دو صورتیں ہیں: کچھ لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں تلفظ میں نہیں آتے، جیسے: عظیم الشان (عظیمُ۔ ال۔ شّان)، اور کچھ مرکبات میں "لام" شاملِ تلفظ رہتا ہے، جیسے: شمس الھدا (شمسُ۔ ال۔ ہُدا)۔ الف لام کی ترکیب کے لحاظ سے حروفِ تہجی کی دو قسمیں کی گئی ہیں: حروف شمسی، حروف قمری۔ حروفِ شمسی وہ حروف ہیں کہ اُن سے پہلے جب "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفظ میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ حرف ہیں: ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن۔ جیسے: بالترتیب، مسیحُ الزّماں، عبدُ السّمیع۔

حروفِ قمری، وہ حرف جن سے پہلے اگر "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفظ میں شامل رہتا ہے۔ یہ حرف ہیں: ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی۔ جیسے: عبدالجبار، بالفعل، انا الحق۔

مناسب یہ ہوگا کہ نصابی کتابوں میں ایسے مرکب لفظوں میں "لام" اگر ساکن ہو تو اُس پر جزم لگا دیا جائے اور "الف" سے پہلے والے حرف پر زبر زیر جو بھی ہو، اُس کو لگا دیا جائے، جیسے: ملکُ الموت۔ اور جن لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں "خاموش حروف" کے طور پر آتے ہیں، اُن میں "الف" سے پہلے حرف پر اُس کی حرکت کو واضح کیا جائے اور "لام" کے بعد جو حرف ہو اُس پر تشدید لگائی جائے، جیسے: بِالتّرتیب، وَالشّمس۔

ہاں، ایک لفظ ہے: اَنَا الحق۔ یہ عربی کا ٹکڑا ہے، مگر اُردو میں مستعمل ہے، اِس میں دو الف یک جا ہیں، ایک لفظ "انا" کے آخر میں ہے جو اِس لفظ کا جُز ہے اور دوسرا الف "الحق" کے

باقی صفحہ ۱۸ پر

جاتا ہے۔ مثلاً اب "مولیٰ" کی جگہ عام طور "مولا" لکھا جاتا ہے وغیرہ ایسے سب لفظوں کو اب اُردو میں "الف" کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ ایسے لفظوں کی فہرست یہ ہے:

ادنا، اعلا، اقصا، بُشرا، تعالا، تقوا، تولّا، حُسنا، دعوا، سلما، شورا (مجلسِ شورا)، صغرا، طوبا، طولا (یدِطولا)، عقبا، عظما، فتوا، قوا، کبرا، کسرا، لیلا، ماجرا، ماوا، متبنّا، مُثنّا، مجتبا، مخشا، محلّا، مخلّا، مدعا، مربا، مرتضا، مستثنا، معمّا، مصطفا، مصفّا، مصلّا، معلّا، معمّا، مقفّا، منادا، منقّا، مولا، نصارا، وسطا (مشرقِ وسطا)، ہُدا، ہیولا۔

تین لفظ اور ہیں: عیسا، موسا، یحیا۔ یہ خاص نام ہیں۔ اِن کو بھی کسی تکلف کے بغیر "الف" کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے۔ "عیسائی" اور "موسائی" میں تو "الف" آ ہی جاتا ہے۔ پھر بھی اگر کچھ لوگ ان کو پُرانے طریقے کے مطابق لکھنا چاہیں تو اُس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اچھا یہی ہوگا کہ ایسے اور الفاظ کی طرح، ان تینوں لفظوں کو بھی "الف" کے ساتھ لکھا جائے۔

بدرالدجا، شمس الہدا، نورالہدا، شمس الضحا، نام ہیں۔ عربی کے قاعدے سے تو "بدرالدجی" لکھا جانا چاہیے، مگر اُردو میں اِن کو سادہ طور پر "الف" کے ساتھ ہی لکھنا چاہیے۔

مولانا، علاحدہ، علاحدگی: ان تینوں لفظوں کو بھی اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اِن کا پرانا املا "مولینا، علیحدہ، علیحدگی" ہے۔

(فائدہ) — عربی کے جملوں اور عبارتوں کو، عربی کے مطابق لکھا جائے گا۔ اچھا یہ ہوگا کہ عربی کے ایسے ٹکڑوں کو خطِ نسخ میں لکھا جائے، تاکہ وہ ممتاز رہیں۔ عربی کے کئی دعائیہ جملے اُردو میں مستعمل ہیں، جیسے: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، مَضٰى مَامَضٰى، اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن، غَفَرَاللهُ لَهٗ وغیرہ

علیٰ، حتیٰ، الیٰ: عربی کے یہ تین کلمے، ترکیب کی صورت میں اُردو میں مستعمل ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایسی ترکیبیں اور اُن کا استعمال، دونوں محدود ہیں؛ مگر بہرطور کبھی کبھی اِن کو استعمال ضرور کیا جاتا ہے۔ ایسے مقامات پر ان مرکبات کی اصل صورت کو برقرار رکھا جائے گا اور ان کو عربی کے مطابق ہی لکھا جائے گا۔ ایسے کچھ مرکبات یہ ہیں:

علیٰ حالہ، علی الرغم، علی الصباح، علی العموم، علی الخصوص، علی الحساب، علی الاطلاق، علی الترتیب، علی الاتصال، علی الاعلان، علی التواتر، علی الدوام، علیٰ ھٰذا القیاس، علیٰ سبیل التعین، علیٰ وجہ البصیرت، علیٰ وجہ الکمال، حتی الامکان، حتی المقدور، حتی الوسع، الی اللہ، الی الآن۔

اِن سب اجزا کو اِسی طرح لکھا جائے گا۔ اِس کا خیال رکھا جا سکتا ہے کہ امکان بھر ایسے ٹکڑوں کو عبارت میں نہ لایا جائے، اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ مثلاً "حتی المقدور" کی جگہ بہ آسانی "مقدور بھر" لکھا جا سکتا ہے۔ وغیرہ۔

۹

نیچے جو لفظ لکھے جا رہے ہیں، ان سب کے آخر میں "الف" ہے۔ اِن کو کچھ لوگ "ہ" سے بھی لکھ دیا کرتے ہیں، یہ غلط ہے۔ ان کے آخر میں ہمیشہ "الف" آئے گا:

الغوزا، الجبرا، بقایا، تماشا، تقاضا، تمغا، چُغا، حلوا، خرُما، سقّا، شوربا، عاشورا، طغرا، کوکا، قورما، معمّا، ملغوبا، مچلکا، مربا، ناشتا۔

۱۰

"طالب" کی جمع "طلبہ" ہے۔ اِس کو "طلبا" نہیں لکھنا چاہیے۔ مثلاً: "درجۂ پنجم کے طلبہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔" اِس کو اس طرح لکھنا کہ "درجۂ پنجم کے طلبا نے یہ فیصلہ کیا ہے" غلط ہوگا۔ اِسی طرح "صوفی" کی جمع "صوفیہ" ہے۔ جیسے: "صوفیہ کرام نے کہا ہے۔" اس کو "صوفیا" لکھنا ٹھیک نہیں۔ اِسی طرح "دوا" کی جمع "ادویہ" ہے۔ البتہ "عزیز" کی جمع "اعزّہ" بھی ہے اور "اعزا" بھی۔ اِس کو دونوں طرح لکھا جا سکتا ہے۔

۱۱

کچھ لفظ ایسے ہیں جو ایک معنی میں "الف" سے اور ایک معنی میں "ہ" سے صحیح ہیں۔ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ جملے میں صحیح لفظ کو استعمال کیا جائے۔ بے احتیاطی کی وجہ سے معنی بدل سکتے ہیں اور ختم بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ غلط املا کے سبب سے، معنی ہی چوپٹ ہو جائیں۔ ایسے خاص خاص لفظ یہ ہیں:

آسیا: چکی — آسیہ: فرعون کی بی بی کا نام ہے

پارا: جسے فارسی میں "سیماب" کہتے ہیں۔ پارہ: ٹکڑا

پَلّا: جس سے "پلے دار" بنتا ہے (حمّال کے معنی میں) بزلڑپی کا ایک بازو وغیرہ ـــ
پلہ: درجہ، مرتبہ۔ جیسے: ہم پلہ۔ ہاں، "پلا" ایک تیسرا لفظ ہے۔
چارا: جانوروں کی خوراک کے کام آتا ہے۔ چارہ: تدبیر۔
خاما: جیسے: اچھا خاصا۔ خاصہ: وہ نفیس چیز جو بادشاہوں یا اُمَرا و وزرا کے لائق ہو۔ (وغیرہ)۔
دانا: عقل مند، جاننے والا۔ دانہ: جیسے: آب و دانہ
سایا: ایک معروف پوشاک۔ سایہ: جیسے: دیوار کا سایہ
شیوا: فصیح و بلیغ، جیسے: شیوا بیان شاعر۔ شیوہ: ناز و کرشمہ، طرز و روش وغیرہ۔ جیسے: بُتِ ہزار شیوہ۔
زَہرا: حضرت فاطمہؓ کا لقب۔ زَہرہ: پِتّا۔ زُہرہ: ایک مشہور ستارے کا نام۔
کَلّا: کونپل، یا کرم کلا۔ کَلّہ: جبڑا یا رخسار
لالا: روشن، چمک دار، موتی کی صفت، جیسے: لولوے لالا۔ غلام ـــ لالہ: مشہور پھول ـــ لالا کرم چند! یہ "لالا" بھی "الف" سے لکھا جائے گا۔
میانا: ایک طرح کی پالکی۔ میانہ: جیسے: میانہ قد، میانہ روی۔
نالا: ندی نالا　　　نالہ: نالہ و فریاد
نا: تاکید کے لیے، جیسے: جاؤ نا، کھاؤ نا۔ دیکھو نا وہ کیا کر رہے ہیں۔ یا جیسے: ہم تو کہتے تھے، اب دیکھو، روپے مِل گئے نا۔ نہ: نفی کے لیے، جیسے: نہ کرو، نہ جاؤ۔
اِسی قسم کے دو اور لفظ بھی ہیں: اَش اَش اور لال اور لعل۔ اَش اَش: اَش اَش کرنا یا اش اش کر اُٹھنا، اِسی سے بنتے ہیں۔ اِس میں دونوں جگہ "الف" ہے۔ اِس کو "ع" سے "عش عش" لکھنا صحیح نہیں۔
لال: مشہور رنگ، ایک چھوٹا سا خوبصورت پرندہ ـــ بیٹے اور لڑکے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایک اور لفظ ہے: لعل۔ اب اِن دونوں لفظوں کے استعمال میں اِس طرح امتیاز کرنا چاہیے کہ رنگ، پرندے اور لڑکے کے معنوں میں "لال" لکھنا چاہیے۔ جیسے: میرے لال، لال رنگ، لال اُڑ گئے اور مشہور قیمتی پتھر کے معنی میں "لعل" لکھنا چاہیے، جیسے: لعل و گوہر، لبِ حلیں، لعلِ لب۔ ناموں میں "لال" لکھنا چاہیے۔ جیسے: موتی لال، جواہر لال، پنّا لال، لال بہادر، لال سنگھ، لال شاہ، لال محمد۔ "لالو" اسی "لال" سے بنا ہے۔

۱۲

ایسے مرکّب لفظ اردو میں اچھی خاصی تعداد میں ہیں جنھوں نے عربی قاعدے کے مطابق "الف لام" کے ساتھ ترکیب پائی ہے، جیسے: عظیم الشان، اختر الایمان۔ ایسے مرکّب لفظوں کی دو صورتیں ہیں: کچھ لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں تلفظ میں نہیں آتے، جیسے: عظیم الشان (عظیمُ۔ ال۔ شّان)، اور کچھ مرکبات میں "لام" شامل تلفظ رہتا ہے، جیسے: شمس الہدا (شمسُ۔ الْ۔ ہُدا)۔ الف لام کی ترکیب کے لحاظ سے حروفِ تہجی کی دو قسمیں کی گئی ہیں: حروفِ شمسی، حروفِ قمری۔ حروفِ شمسی وہ حروف ہیں کہ اُن سے پہلے جب "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفظ میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ حرف ہیں: ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن۔ جیسے: بالترتیب، میح الزماں، عبدُ السّمیع۔

حروفِ قمری، وہ حرف جن سے پہلے اگر "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفظ میں شامل رہتا ہے۔ یہ حرف ہیں: ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی۔ جیسے: عبدالجبار، بالفعل، انا الحق۔

مناسب یہ ہوگا کہ نصابی کتابوں میں ایسے مرکب لفظوں میں "لام" اگر ساکن ہو تو اُس پر جزم لگا دیا جائے اور "الف" سے پہلے والے حرف پر زبر زیر جو بھی ہو، اُس کو لگا دیا جائے، جیسے: ملکُ الموت۔ اور جن لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں "خاموش حروف" کے طور پر آتے ہیں، اُن میں "الف" سے پہلے حرف پر اُس کی حرکت کو واضح کیا جائے اور "لام" کے بعد جو حرف ہو اُس پر تشدید لگائی جائے، جیسے: بِالتّرتیب، وَالشّمس۔

ہاں، ایک لفظ ہے: اَنَا الحق۔ یہ عربی کا ٹکڑا ہے، مگر اُردو میں مستعمل ہے، اِس میں دو الف یک جا ہیں، ایک لفظ "انا" کے آخر میں ہے جو اِس لفظ کا جُز ہے اور دوسرا الف "الحق" کے

باقی صفحہ ۱۸ پر

جاتا ہے۔ مثلاً اب "مولیٰ" کی جگہ عام طور "مولا" لکھا جاتا ہے وغیرہ ایسے سب لفظوں کو اب اُردو میں "الف" کے ساتھ لکھنا چاہیے۔

ایسے لفظوں کی فہرست یہ ہے:

ادنا، اعلا، اقصا، بُشرا، تعالا، تقوا، تولاّ، حُسنا، دعوا، سلما، شورا (مجلسِ شورا)، صغرا، طوبا، طولا (یدِطولا)، عقبا، عظما، فتوا، قوا، کبُرا، کسرا، لیلا، ماجرا، مادا، متبنّا، مُثنّا، مجتبا، محشا، محلّا، مخلّا، مدّعا، مربّا، مرتضا، مستثنا، مسمّا، مصطفا، مصفّا، مصلّا، معلّا، معمّا، مقفّا، منادا، منقّا، مولا، نصارا، وُسطا (مشرقِ وُسطا)، ہُدا، ہیولا۔

تین لفظ اور ہیں: عیسا، موسا، یحیا۔ یہ خاص نام ہیں۔ اِن کو بھی کسی تکلف کے بغیر "الف" کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے۔ "عیسائی" اور "موسائی" میں تو "الف" آ ہی جاتا ہے۔ پھر بھی اگر کچھ لوگ ان کو پُرانے طریقے کے مطابق لکھنا چاہیں تو اُس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اچھا یہی ہوگا کہ ایسے اور الفاظ کی طرح، ان تینوں لفظوں کو بھی "الف" کے ساتھ لکھا جائے۔

بدرالدجا، شمس الہدا، نورالہدا، شمس الضحا؛ نام ہیں عربی کے قاعدے سے تو "بدرالدجیٰ" لکھا جانا چاہیے، مگر اُردو میں اِن کو سادہ طور پر "الف" کے ساتھ ہی لکھنا چاہیے۔

مولانا، علاحدہ، علاحدگی؛ ان تینوں لفظوں کو بھی اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اِن کا پرانا املا "مولینا، علیحدہ، علیحدگی" ہے۔

(فائدہ) — عربی کے جملوں اور عبارتوں کو، عربی کے مطابق لکھا جائے گا۔ اچھا یہ ہوگا کہ عربی کے ایسے ٹکڑوں کو خطِ نسخ میں لکھا جائے، تاکہ وہ ممتاز رہیں۔ عربی کے کئی دعائیہ جملے اردو میں مستعمل ہیں، جیسے: رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، مَضٰی مَامَضٰی، اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن، غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وغیرہ

علیٰ، حتیٰ، الیٰ؛ عربی کے یہ تین کلمے، ترکیب کی صورت میں اُردو میں مستعمل ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایسی ترکیبیں اور اُن کا استعمال دونوں محدود ہیں؛ مگر بہرطور کبھی کبھی اِن کو استعمال ضرور کیا جاتا ہے۔ ایسے مقامات پر ان مرکبات کی اصل صورت کو برقرار رکھا جائے گا اور ان کو عربی کے مطابق ہی لکھا جائے گا۔ ایسے کچھ مرکبات یہ ہیں:

علیٰ حالہ، علی الرغم، علی الصباح، علی العموم، علی الخصوص، علی الحساب، علی الاطلاق، علی الترتیب، علی الاتصال، علی الاعلان، علی التواتر، علی الدوام، علیٰ ھذا القیاس، علیٰ سبیل التعین، علیٰ وجہ البصیرت، علیٰ وجہ الکمال، حتی الامکان، حتی المقدور، حتی الوسع، الی اللہ، الی الآن۔

اِن سب اجزا کو اِسی طرح لکھا جائے گا۔ اِس کا خیال رکھا جا سکتا ہے کہ امکان بھر ایسے ٹکڑوں کو عبارت میں نہ لایا جائے، اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ مثلاً "حتی المقدور" کی جگہ بہ آسانی "مقدور بھر" لکھا جا سکتا ہے۔ وغیرہ۔

۹

نیچے جو لفظ لکھے جا رہے ہیں، ان سب کے آخر میں "الف" ہے۔ اِن کو کچھ لوگ "ہ" سے بھی لکھ دیا کرتے ہیں، یہ غلط ہے۔ ان کے آخر میں ہمیشہ "الف" آئے گا:

الغوزا، الجبرا، بقایا، تماشا، تقاضا، تمغا، چُغا، حلوا، خرُما، سقّا، شوربا، عاشورا، طغرا، کوکا، قورما، معمّا، ملغوبا، مچلکا، مربّا، ناشتا۔

۱۰

"طالب" کی جمع "طلبہ" ہے۔ ...

مثلاً: "درجۂ پنجم کے طلبہ نے ...

لکھنا کہ "درجۂ پنجم کے طلبا نے ...

"صوفی" کی جمع "صوفیہ" ہے۔ ...

کو "صوفیا" لکھنا ٹھیک نہیں ...

البتہ "عزیز" کی جمع "اعزہ" بھی ...

طرح لکھی جا سکتی ہے۔

۱۱

کچھ لفظ ایسے ہیں جو ایک ...

معنی میں "ہ" سے صحیح ہیں۔ اس کا ...

صحیح لفظ کو استعمال کیا جائے ...

بدل سکتے ہیں اور ختم بھی ہو سکتے ہیں ...

املا کے سبب سے، معنی ہی چوپٹ ہو جاتے ہیں ...

لفظ یہ ہے:

آسیا: چکی آسیہ: ...

مارا: ... "...

پلّا : جس سے "پلے دار" بنتا ہے (حمّال کے معنی میں) ترازو کا ایک بازو وغیرہ ــــ
پلّہ : درجہ، مرتبہ ـ جیسے : ہم پلّہ ـ ہاں، "پلّا" ایک تیسرا لفظ ہے ـ
چارا : جانوروں کی خوراک کے کام آتا ہے ـ چارہ : تدبیر ـ
خاصا : جیسے : اچھا خاصا ـ خاصہ : وہ نفیس چیز جو بادشاہوں امرا و وزرا کے لائق ہو ـ (وغیرہ) ـ
دانا : عقل مند، جاننے والا ـ دانہ : جیسے : آب و دانہ
سایا : ایک معروف پوشاک ـ سایہ : جیسے : دیوار کا سایہ
شیوا : فصیح و بلیغ، جیسے : شیوا بیان شاعر ـ شیوہ : ناز و رشمہ، طرز و روش وغیرہ ـ جیسے : بُتِ ہزار شیوہ ـ
زُہرا : حضرت فاطمہؓ کا لقب ـ زُہرہ : پتّا ـ زُہرہ : ایک مشہور ستارے کا نام ـ
کلّا : کونپل، یا کرم کلّا ـ کلّہ : جبڑا یا رخسار
لالا : روشن، چمک دار، موتی کی صفت، جیسے : لولوے [illegible] ـ لالہ : مشہور پھول ـــ لالا کرم چند؛ یہ "لالا" بھی لکھا جائے گا ـ
[illegible] : ایک طرح کی پالکی میانہ : جیسے : میانہ قد،
[illegible] نالہ : نالہ و فریاد
[illegible] کے لیے ـ جیسے : جاؤ نا، کہا [illegible] نا ـ دیکھو نا وہ [illegible] : ہم تو کہتے تھے، اب دیکھو، روپے مِل [illegible] کے لیے ـ جیسے : نہ کرو، نہ جاؤ ـ
[illegible] قسم کے دو اور لفظ بھی ہیں : اَش اَش اور [illegible] اور [illegible] اَش کرنا یا اش اش کر اُٹھنا، اِسی سے [illegible] اس میں دونوں جگہ "الف" ہے ـ اِس کو "ع" سے "عش [illegible] لکھنا [illegible] صحیح نہیں ـ
لال : مشہور رنگ، ایک چھوٹا سا خوبصورت پرندہ ـ [illegible] اور لڑکے کے معنی میں بھی آتا ہے ـ ایک اور لفظ ہے : لعل ـ [illegible] اِن دونوں لفظوں کے استعمال میں اِس طرح امتیاز کرنا چاہیے کہ رنگ، پرندے اور لڑکے کے معنوں میں "لال" لکھنا چاہیے ـ جیسے : میرے لال، لال رنگ، لال اُڑ گئے اور مشہور قیمتی پتھر کے معنی میں "لعل" لکھنا چاہیے، جیسے : لعل و گوہر، لب لعلیں، لعلِ لب ـ ناموں میں "لال" لکھنا چاہیے ـ جیسے : موتی لال، جواہر لال، پنّا لال، لال بہادر، لال سنگھ، لال شاہ، لال محمد ـ "لالو" اسی "لال" سے بنا ہے ـ

۱۲

ایسے مرکّب لفظ اُردو میں اچھی خاصی تعداد میں ہیں جنھوں نے عربی قاعدے کے مطابق "الف لام" کے ساتھ ترکیب پائی ہے، جیسے : عظیم الشّان، اختر الایمان ـ ایسے مرکّب لفظوں کی دو صورتیں ہیں : کچھ لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں تلفّظ میں نہیں آتے، جیسے : عظیم الشّان (عظیمُ ـ ال ـ شّان)، اور کچھ مرکّبات میں "لام" شامل تلفّظ رہتا ہے، جیسے : شمس الہدا (شمسُ ـ ال ـ ہُدا) ـ الف لام کی ترکیب کے لحاظ سے حروفِ تہجّی کی دو قسمیں کی گئی ہیں : حروفِ شمسی، حروفِ قمری ـ حروفِ شمسی وہ حروف ہیں کہ اُن سے پہلے جب "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفّظ میں شامل نہیں ہوتا ـ یہ حرف ہیں : ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن ـ جیسے : بالترتیب، مسیح الزّماں، عبدُ السّمیع ـ

حروفِ قمری، وہ حرف جن سے پہلے اگر "الف لام" آتا ہے تو "لام" تلفّظ میں شامل رہتا ہے ـ یہ حرف ہیں : ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی ـ جیسے : عبدالجبّار، بالفعل، انا الحق ـ

مناسب یہ ہوگا کہ نصابی کتابوں میں ایسے مرکّب لفظوں میں "لام" اگر ساکن ہو تو اُس پر جزم لگا دیا جائے اور "الف" سے پہلے والے حرف پر زبر زیر جو بھی ہو، اُس کو لگا دیا جائے، جیسے : ملکُ الموت ـ اور جن لفظوں میں "الف" اور "لام" دونوں "خاموش حروف" کے طور پر آتے ہیں، اُن میں "الف" سے پہلے حرف پر اُس کی حرکت کو واضح کیا جائے اور "لام" کے بعد جو حرف ہو اُس پر تشدید لگائی جائے، جیسے : بالتّرتیب، وَالشّمس ـ

ہاں، ایک لفظ ہے : اَنَا الحق ـ یہ عربی کا ٹکڑا ہے، مگر اُردو میں مستعمل ہے، اِس میں دو الف یک جا ہیں، ایک لفظ "انا" کے آخر میں ہے جو اِس لفظ کا جُز ہے اور دوسرا الف "الحق" کے

باقی صفحہ ۱۸ پر

نقد و نظر

اردو قواعد

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

اردو زبان برعظیم پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش سے نکل کر مشرقِ وسطیٰ، افریقہ، انگلستان اور کنیڈا تک پہنچ چکی ہے۔ دنیا کی اکثر یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں اس کی تدریس کا انتظام ہے جس سے اس کی اہمیت و مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خوشی کی یہ بات ہے کہ اردو زبان کی عظیم لغت وجود میں آچکی ہے۔ اس کی چار جلدیں طبع و شائع ہو چکی ہیں۔ ترقی اردو بورڈ (کراچی) یہ کام انجام دے رہا ہے۔ اسی طرح اردو زبان کی قواعد کی ترتیب و تدوین کی طرف بھی اب توجہ ہوئی ہے۔ مرکزی اردو بورڈ لاہور نے قواعدِ اردو یعنی علم صرف اور علمِ نحو پر ملک کے دو ممتاز استاذ ادیب اور عالم ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب (کراچی) اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب (حیدرآباد سندھ) سے مرتب کرا کے شائع کی ہیں۔

ابھی حال میں ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم کے باقیات الصالحات میں سے ایک کتاب قواعدِ اردو کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر سبزواری مرحوم اردو زبان کے مسلم الثبوت استاد، مصنف، مورخ اور لغت نویس تھے۔ انھوں نے اپنے دورِ آخر میں اردو زبان کی قواعد لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور یہ کام شروع بھی کر دیا تھا۔ افسوس ان کی زندگی نے وفا نہ کی ورنہ مکمل ہونے پر یہ کام یقیناً قابلِ قدر ہوتا۔ انھوں نے علمِ صرف پر لکھنے کا آغاز کیا تھا اور اسم کا بیان بھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ ان کی صحت نے جواب دے دیا اور ڈاکٹر سبزواری نہ صرف اسم کا بیان مکمل نہ کر سکے بلکہ مرحوم کو اس پر نظرِ ثانی کا بھی موقع نہ مل سکا۔

مشفق خواجہ صاحب نے ڈاکٹر سبزواری مرحوم کی اس کتاب کو شائع کر کے علمِ قواعد کے طلبہ و محققین پر احسان کیا ہے اور ان کو مزید دعوتِ غور و فکر دی ہے۔ اس کتاب پر نظرِ ثانی، حواشی نگاری اور اضافات کا کام قدرت نقوی صاحب نے انجام دیا ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر مرحوم، نقوی صاحب سے مشورہ بھی فرماتے تھے۔ نقوی صاحب نے جن حواشی کا اضافہ کیا ہے ان میں انھوں نے سبزواری مرحوم کے بعض نظریات کی توضیح و تشریح کی ہے اور کہیں کہیں دلائل و براہین کی روشنی میں ڈاکٹر سبزواری سے اختلاف بھی کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم قواعد پر قدرت نقوی صاحب کی گہری نظر ہے۔

جب درس گاہوں میں اردو زبان کی تدریس کا آغاز ہوا تو اس دور کے اساتذہ باقاعدہ عربی فارسی کے عالم ہوتے تھے لہٰذا بڑی حد تک ان ہی زبانوں کے انداز پر اردو زبان کی قواعد کی تدوین و تالیف کا آغاز ہوا۔ اول اول غیر ملکیوں نے اپنی ضرورت کے تحت اس کام کو شروع کیا، ان میں سے بعض کتابیں پچھلے چند برسوں میں ازسرِ نو بھی شائع ہو چکی ہیں۔ مشرقی عالموں میں پہلے شخص انشاء اللہ خاں انشاؔ ہیں جنھوں نے دریائے لطافت لکھ کر صحت مند بنیادوں پر اس کام کا آغاز کیا۔ صوبہ شمالی مغربی (یوپی) میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے چند سال قبل جب شعبۂ تعلیم کی ترتیب و تنظیم ہوئی تو نصابی ضرورت کے تحت شعبہ تعلیم کی طرف سے اردو قواعد کی چار کتابیں مرتب ہوئیں جن میں سے دو مؤلفین مولوی نثار علی بیگ (اکبرآبادی) اور مشہور عالم و مصنف مولانا محمد احسن نانوتوی پروفیسر عربی و فارسی بریلی کالج (ف ۱۸۹۵ء) تھے۔ یہ حضرات عربی و فارسی کے مستند عالم تھے۔ انھوں نے اردو زبان کی قواعد عربی و فارسی

کے انداز پر مرتب کر دیں۔ یہاں تفاصیل وامثلہ پیش کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی اردو قواعد پر جو کتابیں لکھی گئیں ان کا انداز کم و بیش یہی رہا۔ امتداد زمانہ کے ساتھ جب ملک میں مغربی تعلیم کا چرچا عام ہوا تو انگریزی زبان دانوں سے بھی اُردو زبان وادب کا واسطہ پڑا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے انگریزی قواعد کے انداز و اساس پر اردو قواعد کو مدوّن کیا۔ اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ اردو قواعد نہ تو عربی و فارسی قواعد کے انداز پر کلیتاً مرتب ہونی چاہیے اور نہ اس باب میں تمام تر انگریزی قواعد کی پیروی کی جاسکتی ہے۔

اردو زبان عربی، فارسی اور پراکرت وغیرہ سے عبارت ہے۔ افعال تمام تر ہندی (پراکرت) ہیں۔ چند افعال عربی و فارسی سے دخیل ہو گئے ہیں۔ اسماء عربی، فارسی اور ہندی وغیرہ کے ہیں۔ حروف زیادہ تر ہندی ہیں کچھ عربی و فارسی کے بھی ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اردو قواعد کی تدوین کے وقت عربی، فارسی، ہندی بلکہ انگریزی قواعد کے اصول و ضوابط پیش نظر رہنے چاہئیں اور ایسے علماء کا ایک بورڈ اردو قواعد کی تدوین کا کام انجام دے جس میں مندرجہ بالا زبانوں اور قواعد کے عالم و ماہر ہوں ورنہ یوں ہی نقل در نقل کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اب ہم قواعد اردو مرتبہ ڈاکٹر سبزواری مرحوم کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ یہ قواعد اسم کے نامکمل بیان پر محتوی ہے۔ اس میں اجزائے کلام، اسم، اسم ماخوذ، اسم مرکب، تغیراتِ اسم، جنس، عدد، حالت اور اسمائے مطلقہ پر بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر سبزواری نے بلاشبہ یہ کتاب لکھ کر دقتِ نظر کا ثبوت دیا ہے۔ کہیں کہیں مغربی مصنفین کا حوالہ بھی دیا ہے اور کہیں کہیں یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ ان کے سامنے ہندی قواعد (بیاکرن) کے اصول و ضوابط بھی رہے ہیں۔ یہ باتیں بالوضاحت حوالوں کے ساتھ بیان نہیں ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر سبزواری نے نئی نئی اصطلاحات وضع کی ہیں۔ اس سے اس علم میں دلچسپی رکھنے والوں اور قواعد اردو کے طلبہ کو دقت و وحشت ہوگی وہ قدیم اصطلاحات سے متعارف ہیں۔ اس کی تعریف و مفہوم سے آشنا ہیں لہٰذا نئی اصطلاحات ذہن پر ایک نوع کا بار ہوں گی۔ مثلاً اسم مشتق کے لیے اسم ماخوذ، اسم نکرہ کے لیے اسم عام، اسم معرفہ کے لیے اسم خ۔ کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ لقب یا عرف کو انھوں نے ایک ہی ذیل میں رکھا ہے حالانکہ قدیم قواعد دانوں نے ان کی جداگانہ تعریف کی ہے اور جداگانہ مثالیں دی ہیں۔ مصدر مفعل کے وزن پر ہے۔ اس کا مفہوم صادر ہونے کی جگہ ہے۔ اسماء اور افعال اس سے صادر ہوتے ہیں لیکن ڈاکٹر سبزواری نے اس کو اسم مشتق قرار دیا ہے۔ مادہ کو اصل قرار دیا ہے اس پر "نا" کا اضافہ کرکے مصدر بنایا ہے مثلاً "کر" مادہ پر "نا" اضافہ کرکے "کرنا" مصدر بنایا گیا ہے اور اس کو اسم مشتق گردانا ہے۔ ایسی صورت میں "مصدر" نام بدلنا چاہیے۔ عربی میں ف ع ل مادہ ہوتا ہے مگر اس کے تتبع میں اُردو میں مادہ اختیار کرنا عجیب سی بات ہے۔ اسی طرح فارسی مصادر میں مادہ کی کیا صورت قرار پاتے گی۔

حاصل مصدر کی اصطلاح قائم رکھی گئی ہے۔ دلیل یہ دی ہے کہ عبدالرحیم فرخ (ص۲۲) نے اسی طرح اختیار کیا ہے۔ معلوم نہیں فرخ کون بزرگ ہیں کہ جن کا نام لکھنا کافی سمجھا گیا ہے۔ کتاب کا نام یا حوالہ ہوتا تو بہتر تھا۔

ڈاکٹر سبزواری نے صفت یا اسم صفت پر "ی" یا "یت" کا اضافہ کرکے بقول خود "حاصل مصدر" بنایا ہے۔ مثلاً کم ہمتی، سستی (ص۳۱) اور قابلیت و کیفیت (ص۲۸)۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جب اس کی اصل مصدر نہیں ہے تو اس کو ہم "حاصل مصدر" کیسے کہیں گے۔ یہ لفظ صفت یا اسم صفت سے بنایا گیا ہے تو اسے "حاصل صفت" کہہ سکتے ہیں نہ کہ حاصل مصدر، بہر حال اس کے لیے کوئی ایسا اصطلاحی لفظ وضع ہونا چاہیے جو اس کے لیے مناسب ہو۔ اگر ڈاکٹر سبزواری "صفت" کو "اسم صفت" نہ قرار دیں تو آسانی سے اس کو اسم صفت کہا جاسکتا ہے اور اکثر لوگوں نے ایسا کہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ہرا، ہری، سنہرا اور روپہلا کو اسم فاعل قرار دیا ہے (ص۱۳۵) حالانکہ اس میں صفت کا اظہار ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو (بقول خود) اسم صفت قرار دے سکتے تھے (ص۱۳۵)۔

اسی طرح اسم مشتق میں ایک نیا اسم "اسم استقبالیہ" قرار دیا ہے۔ اسم مصغر و مکبر کو اسم تصغیر و تکبیر لکھا ہے۔ سابقہ نام ہی رہتے تو کیا حرج تھا۔ عربی "اسم آلہ" کے تتبع میں اردو میں اسم آلہ

قرار دیا ہے حالانکہ یہ اسم نکرہ یا حاصل مصدر میں شامل ہونا چاہیے۔ دراصل اردو میں عربی قواعد کی ہو بہو نقل یا پابندی ضروری نہیں ہے ورنہ بات اور الجھ کر رہ جائے گی۔ اسم مرکب کے ذیل میں ایک "مرکب اسمی" قرار دیا ہے اور بقول خود "جو ذات با معنی پر دلالت کرے" مثال دی ہے "خاک، دھول" اس کے بعد مرکب ترادفی کی چار قسمیں قرار دے کر (ص۳ ص۵۲) میں "دھن دولت، دن دہاڑے" مثال میں لکھتے ہیں حالانکہ دونوں جگہ مرادف الفاظ ہیں لہٰذا دو شقوں میں تقسیم کیا معنی رکھتی ہے۔

عامۃ الورود کو عام الورود (ص۵۴) لکھا ہے۔ جنس کی بحث (ص۶۴) میں لاہوری، پنجابی، شہری، جنگلی کو بالکلیہ مذکر قرار دیا ہے حالانکہ یہ صفت ہے اور اس کا موصوف مونث بھی آسکتا ہے جیسے پنجابی عورت، جنگلی گائے۔ مولوی کی مونث "مولون" لکھی ہے (ص۶۴)۔ تفعیل کے وزن پر عربی الفاظ کو بلا استثناء مونث لکھا ہے (ص۶۷) حالانکہ تعویذ بالاتفاق مذکر ہے۔ اسی طرح بعض حضرات نے "توقیع" کو بھی مذکر لکھا ہے۔

مٹر (ص۶۹) کو مذکر لکھا ہے حالانکہ مٹر (دال) مونث استعمال ہوتی ہے۔ لگن (برتن) ص۶۹ کو بھی مونث بولتے ہیں۔ آواز (ص۷۲) بحوالہ رام پور مذکر لکھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہم نے رام پور کے اہلِ علم کو مونث بولتے نہ صرف سُنا ہے بلکہ انھوں نے شعری و نثری نوشتوں میں مونث لکھا ہے چنانچہ دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

کبھی آئی ہے مگر اس طرح آواز صاف
دُور جیسے کہ بہت دُور صدا دی جائے
(جلیل خاں نعمانی)

چونک کر میں نے اُسے آواز دی
خواب میں مجھ سے وہ جب رخصت ہوا
(رضوان عنایتی)

ڈاکٹر سبزواری نے ایک حاشیہ (ص۸۰) میں لکھا ہے کہ بعض زبانوں میں تین اور بعض میں چار کے لیے (تثنیہ کی طرح) جداگانہ صیغہ ہے مگر اس کی مثال نہیں دی ہے۔

◆◆

"اردو زبان کی قواعد اب تک تفصیل، تجزیے اور موازنے کے ساتھ نہیں لکھی گئی ہے۔ اردو ہند و پاکستان کی بڑی زبانوں میں سے ہے۔ اس کی مفصل اور مکمل قواعد کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کی جارہی ہے اور اگر اس کام کو ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے ماہر لسانیات مل کر قواعد نویسی کے نئے رجحانات کے مطابق پورا کریں تو اچھا ہوگا۔

قواعد زبان کی دولت کے پیشِ نظر مرتب کیے جاتے ہیں۔ لیکن وہ نہ صرف جو کچھ زبان میں ہے بتاتے ہیں بلکہ درست اور غلط چیزوں میں فرق ظاہر کرتے ہیں اور زبان دانوں کو بھی صحیح زبان سکھاتے ہیں۔ ان کے جاننے سے زبان زیادہ صاف ہو جاتی ہے اور زیادہ روانی کے ساتھ ترقی کرتی ہے۔"

سونیا چرنیکووا
"اردو کے صیغے" (مطبوعہ ماسکو) صفحہ ۲۴

افکار حاضرہ

قومی زبان اردو کی ہمہ گیری اور افادیت

از سید الطاف علی بریلوی (علیگ)

۱۹۲۵ء میں دارالعلوم علی گڑھ کی پنجاہ سالہ طلائی جوبلی کے موقع پر ایک وفد افغانستان سے وہاں کے وزیرِ تعلیم کی قیادت میں آیا تھا۔ وزیر موصوف ایک سجیلے، خوشرو اور خوش بیان آدمی تھے۔ معلوم ہوا کہ انگلستان کے تعلیم یافتہ اور کئی یورپین زبانوں کے ماہر ہیں لیکن متعدد بار جب ان کی تقریریں ہوئیں تو وہ فارسی میں بولے، ہماری طرف سے انگریزی میں ایڈریس دیا گیا۔ اور انھوں نے فارسی ہی میں جواب دیا۔ اسی طرح یہاں کراچی میں موتمرِ عالمِ اسلامی، شعوب المسلمین اور احتفال العلماء کے اجلاس ہوئے۔ مصر، ٹیونس، الجیریا، شام، سعودی عرب، عراق، ایران اور انڈونیشیا وغیرہ ہر ایک ملک کے نمائندوں نے اپنے اپنے ملک کی قومی زبان میں تقریریں کیں چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔

ان مواقع پر پاکستان کے نمائندے کسی ایک زبان کے پابند نہ تھے، وزرائے کرام کی تقاریر انگریزی میں تو مولوی حسن الاعظمی اور مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی مرحوم عربی اور اردو میں بولتے تھے۔ ملتِ پاکستان کی کوئی ایک زبان ہی نہ تھی جس کو وہ ملی فخر کے ساتھ ذریعۂ اظہار بناتے۔

جس طرح اسلامی عہدِ حکومت میں ہندو رعایا فارسی دانی اور اس کو افہام و تفہیم کا ذریعہ بنانا بڑی بات سمجھتی تھی۔ اسی طرح قریب ڈیڑھ سو سال سے مسلمانوں نے اپنے انگریز حاکموں کی زبان انگریزی کو ذریعۂ اظہار بنا کر اس کو حد درجہ تفاخر کی چیز سمجھا۔ اور اگرچہ آزادی کو حاصل ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہے لیکن ہم ابھی تک اپنے آپ کو زیرِ سایۂ برطانیہ عظمیٰ سمجھتے ہیں اور اس کی زبان، لباس اور معاشرت کو کلیجے سے لگائے ہوئے ہیں۔

ایک لالہ جی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن جب مندر کے پاس سے گزرتے تو اس میں رکھی ہوئی مورتی کو بھی پرنام کر لیتے۔ کسی نے کہا اجی یہ کیا کرتے ہو؟ تو اُن لالہ جی نے کہا "بھیا رے! کسی سے بگاڑ اچھا نہیں کیا معلوم کبھی ان سے بھی کام پڑ جائے۔"

آزاد ہوتے ہی انڈونیشیا والوں نے ڈچ کو، برما والوں نے انگریزی کو، شام والوں نے فرانسیسی کو چھوڑ دیا۔ مگر اپنی آزادی پر ہمارا "یقینِ محکم" ملاحظہ ہو کہ ہم ابھی تک انگریز کا انگریزی میں خواب دیکھتے ہیں۔

دور نہ جایئے پاکستان میں مختلف ممالک کے سفارت خانے موجود ہیں ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ملکی و قومی زبان میں اپنا کاروبار چلا رہا ہے اور کسی دوسری طاقت کی خوشنودی یا اس کی سہولت کی غرض سے اپنی زبان کو ترک نہیں کرتا۔ کیونکہ قومی جھنڈے کی طرح اپنی قومی زبان ——— بھی قومی غیرت و حمیت اور ملکی آزادی کا ایک امتیازی نشان ہوتی ہے۔

ہمارا اوڑھنا بچھونا انگریزی ہے حالانکہ دورِ غلامی کی دو سو سالہ جدوجہد کے باوجود ہماری آبادی کا صرف دو فی صدی انگریزی داں ہو سکا ہے اور اگر ہم اسی ولایتی زبان کو ذریعۂ نجاتِ دنیوی سمجھتے رہے تو ساڑھے چھ ہزار سال میں کہیں ہم پورے انگریز یا امریکی بن سکیں گے آج ایران کے تمام سرکاری محکموں حتیٰ کہ ایرانی اور غیر ملکی بنکوں تک کو فارسی میں اپنا کاروبار چلانا پڑتا ہے۔ یہی حال شام، برما اور انڈونیشیا وغیرہ کا ہے۔

ہمیں اپنے ملک کے کالے، پیلے چپٹے اور بے ہنگم ڈیل ڈول کے آدمی انگلستان، امریکہ اور دوسرے یورپین ممالک کے گورے چٹے خوبصورت آدمیوں کے مقابلہ میں پسند

ہیں۔ اپنے یہاں سے بے آب و گیاہ ریگستان، چٹیل میدان اور بنجر پہاڑ، اسکاٹ لینڈ، سوئٹزر لینڈ اور کیلیفورنیا کے مرغزاروں کے بہ نسبت زیادہ عزیز ہیں۔ اسی طرح ترقی یافتہ غیر ملکی زبانوں کے مقابلہ میں اپنی ملکی زبان بدرجہا زیادہ محبوب ہے۔

ایک غیر ملکی زبان کے اختیار کرنے کا انجام وہی ہوتا ہے جو انگریزی کی بدولت ہوا کہ اس کو انگریزی اقتدار کے زمانے میں بھی ۲½ فیصد سے زائد لوگ نہ سمجھ سکے۔ یا اس سے پہلے فارسی کا ہوا کہ آج اس کے جاننے والے ایک فی دس ہزار بھی موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا زبانوں کی پسند کے معاملہ میں اولیت کا درجہ صرف اپنی قومی زبان کو حاصل ہے۔ اور اس کا یہ مقام لازوال ہے۔

قومی زبان کی مندرجہ بالا اہمیت کے کے پیشِ نظر ہم اس امر کے پُرزور منادی ہیں کہ ہم کو بلا تاخیر کسی بھی غیر ملکی زبان کے مقابلہ میں اپنی قومی زبان کو ہی پاکستان کی سرکاری و دفتری زبان بنانا چاہیے۔ اور حکومت کے تمام ذرائع و وسائل کو کام میں لاکر اس قدر ترقی دینا چاہیے کہ وہ جلد از جلد دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں آجائے۔

قیامِ پاکستان سے قبل پاک و ہند کے تمام صوبوں کے مسلمان اردو کی ترقی میں حصہ لے کر اس کو اپنی قومی زبان تسلیم کر چکے تھے۔ تفصیل سے قطع نظر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد سے قریب پون صدی تک مسلم قوم کی تمام تعمیرِ ملّی کی تحریکات اور اداروں کا کاروبار اُردو میں چلتا تھا۔

مسلم لیگ اور قیامِ پاکستان کی ساری جدوجہد بھی ملک کے گوشہ گوشہ میں اُردو کے ذریعہ ہوئی لیکن ہمارے کسی بنگالی یا سندھی بھائی نے نہ کبھی کوئی اعتراض کیا اور نہ یہ مطالبہ کیا کہ بنگالی اور سندھی وغیرہ کو بھی استعمال کیا جائے۔ سرسید علیہ الرحمۃ، نواب محسن الملک اور ان کے جانشینوں نے پچاس سال تک ہندی کے مقابلہ میں تحفظِ اُردو کی جو مہم چلائی اس کو کراچی سے ڈھاکہ اور پشاور سے مدراس تک مسلمانوں کی تائید حاصل رہی۔

برصغیر پاک و ہند سے باہر کی دنیا میں نہ کوئی ہندی کو جانتا ہے اور نہ بنگلہ اور نہ مرہٹی وغیرہ کو۔ ممالکِ اسلامیہ، ممالک یورپ، مشرقِ بعید اور امریکہ وغیرہ میں سب جگہ اُردو ہی چلتی ہے۔ ہز رائل ہائی نس آغا خاں کی خود نوشت سوانح حیات جو کتابی صورت میں شائع ہوچکی ہے اس میں آپ نے لکھا کہ جب وہ پہلی مرتبہ ملکہ وکٹوریہ کے حضور میں حاضر ہوئے تو رخصت کے وقت ملکہ نے اپنے قلم سے لکھی ہوئی اردو کی ایک تحریر آپ کو دی۔

اسی طرح ایڈورڈ ہشتم ۱۹۲۲ء میں بحیثیت پرنس آف ویلز ہندوستان کے طویل دورہ کے لیے روانہ ہوئے تو ان کو نہایت تاکید کے ساتھ اس قدر اردو سکھائی گئی کہ وہ چھوٹی چھوٹی تقریریں کر سکیں۔ جارج ششم آنجہانی نے بھی ایک مرتبہ لندن میں لے۔ آر۔ پی کے دستہ کا معائنہ کیا اور سلامی لی تو سکھ سردار رام سنگھ کے پاس سے گزرتے ہوئے اردو میں فرمایا۔

"کیوں سردار جی! اچھے ہو؟"

پچھلی جنگِ عظیم میں جس وقت ہٹلر کا حملہ انتہائی شدت اختیار کیے ہوئے تھا اور فرانس کا خاتمہ آناً فاناً ہونے والا تھا تو پیرس سے مسٹر چرچل نے لارڈ اسمے کو جو پیغام لندن بھیجا وہ اُردو میں تھا۔

اپنے زمانہ حکومت میں برٹش گورنمنٹ انگریز فوجیوں اور آئی۔ سی۔ ایس کے لوگوں کو عام اس سے کہ ان کا تقرر بنگال میں ہو۔ دکن میں ہو یا سندھ و سرحد میں لازماً اردو سکھا کر بھیجتی تھی۔

انگریزوں نے مغلوں سے جب حکومت لی تو فارسی کے بجائے اردو کو سارے ملک کی عدالتوں اور سرکاری دفاتر کی زبان بنایا اور انگریز افسروں کو اردو سکھانے کے لیے فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں قائم کیا۔ جس کے نتیجہ میں مغربی بنگال میں کلکتہ اور مرشد آباد اور مشرقی بنگال میں ڈھاکہ اردو زبان کی ترقی و اشاعت کے بہت بڑے مرکز بن گئے۔ اردو کے بنگالی شاعر اور ادیب پٹنہ، عظیم آباد، لکھنؤ اور دہلی کے شعراء سے برابر کی ٹکر لینے لگے۔

قرآن شریف کا سب سے پہلے اردو ترجمہ حکیم شریف خاں دہلوی نے کیا۔ اس کے بعد شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب نے اردو میں کلامِ پاک کے ترجمے کیے۔ حدیث و فقہ کی مستند کتابوں اور جملہ اسلامی علوم و فنون کی ہزارہا کتابیں اردو میں اس قدر بڑے پیمانے پر منتقل ہوئیں کہ خیر و برکت کے لیے قرآن شریف ناظرہ پڑھنے کے سوا مذہبی معلومات کے لیے عربی سے بالکلیہ بے نیازی ہوگئی۔ اس وقت تک اُردو کی دو لاکھ سے زائد کتابیں طبع ہوچکی ہیں جن میں سے تقریباً ۲۵ ہزار انجمن ترقی اُردو کے کتب خانہ کراچی میں موجود ہیں۔ ابتدائی

نوشت و خواند سے لے کر یونیورسٹی کے ہر ایک مضمون کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم اردو میں دیے جانے کے کامیاب ترین تجربے ہو چکے ہیں۔ الغرض اردو کی وسعت و ہمہ گیری اور اس کی ترقی کی خداداد صلاحیت پر کہاں تک دلائل و براہین پیش کیے جائیں۔ اس کی مثال "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کی سی ہے لہٰذا پاکستان کے تمام دور افتادہ علاقوں میں رشتۂ اتحاد و یگانگت، بھارت کے مسلمانوں سے بھائی چارہ اور کروڑوں آبادی کے عرب ممالک سے رابطۂ محبت قائم رکھنے کے لیے اردو اور صرف اردو کو پاکستان کی قومی و سرکاری زبان کا ناگزیر درجہ ملنا چاہیے۔ رہا یہ سوال کہ وہ کسی علاقہ کی مادری زبان نہیں ہے تو یہ ایسی ہی چھوٹی بات ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ چونکہ مرزا غالب میٹرک پاس نہیں تھے لہٰذا ہم ان کو بڑا شاعر نہیں مانتے۔

("العلم" جون ۱۹۵۲ء)

....: تاریخ شاہد ہے کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اردو کے تحفظ و بقا کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ سر سیّد اپنی زندگی کے آخری ایام تک جد و جہد کرتے رہے۔ ان کے جانشین نواب محسن الملک نے تو گورنر یو۔ پی تک سے ٹکر لی۔ نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں، حسرت شروانی بھی مدت العمر اردو کی توسیع و اشاعت کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔ ان اکابر کی کم و بیش ایک صدی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج بدلتے ہوئے حالات میں ہر طرف سے شدید مخالفت کے باوجود نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے گوشہ گوشہ میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی اردو کی مضبوط جڑیں ہلائے نہیں ہلتیں، اردو کو بین الصوبائی افہام و تفہیم کی قومی زبان بنانے کے لیے ہر طبقۂ خیال کے بزرگ ہم رائے تھے چنانچہ جسٹس سید امیر علی کلکتہ کے اجلاس منعقدہ ۱۸۹۹ء میں فرماتے ہیں:۔

"یہ امر جس کو میں ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اردو زبان بنگال اور بمبئی کے اسکولوں میں بطور اختیاری زبان کے رہنی چاہیے مگر یہ معاملہ زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے"

اسی طرح آگرہ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۳ء میں جسٹس محمد شاہ دین نے فرمایا:۔

"اُردو جس کو عام طور سے ہندوستانی کہتے ہیں مسلمانانِ ہند کی بلکہ ہندوستان کے بیشتر حصہ کی زبان ہے اور اس کو ہندوستان میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو فرانسیسی زبان کو یورپ میں حاصل ہے۔"

علی گڑھ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۶ء میں سر محمد شفیع نے فرمایا:۔

"اُردو جو درحقیقت ہندوستان کی عام زبان ہے، ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی اتحاد سے صدیاں گزریں، پیدا ہوئی تھی۔ ہر وہ کوشش جو اردو زبان کے خلاف ہوگی وہ نااتفاقی پر منتج ہوگی اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لیے برباد کن ثابت ہوگی۔"

کلکتہ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۷ء میں سر اکبر حیدری نے فرمایا:۔

"اردو کی اشاعت اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں ایک خاص مناسبت ہے جن جن مقامات پر اردو زیادہ رائج اور شائع ہے اسی قدر وہاں کے مسلمان زیادہ سرگرم اور مستعد معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح جس نسبت سے اُردو مختلف مقامات میں داخل ہوتی جاتی ہے اسی نسبت سے وہاں کے مسلمانوں کا جمود ٹوٹتا جاتا اور ان میں وُسعتِ نظر اور احساسِ قومی پیدا ہوتا جاتا ہے۔"

امرتسر کا اجلاس منعقدہ ۱۹۰۸ء میں نواب خواجہ سر سلیم اللہ (ڈھاکہ) کی زیرِ صدارت منعقد ہوا اور اس میں سر شیخ عبد القادر (مخزن) نے پنجاب سے متعلق اُردو کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل تجویز پیش کی:۔

"اس کانفرنس کی رائے میں اردو صوبہ پنجاب میں تعلیمی اغراض کے لیے بالعموم اور ابتدائی تعلیم کے لیے بالخصوص نہایت مناسب اور موزوں زبان ہے اور بحیثیت زبانِ درسی جو مرتبہ اُسے مدارس میں حاصل ہے اُسے قائم رکھنا ترقی کے لیے ضروری ہے۔"

اسی اجلاس میں سر محمد شفیع نے دوسری تجویز پیش کی:۔

"یہ کانفرنس ڈاکٹر پی۔ سی چیٹرجی۔ سی۔ آئی۔ ای کی اس تجویز سے جو انھوں نے حال میں پنجاب یونیورسٹی کے جلسۂ کانووکیشن میں پیش کی ہے کہ زبان پنجابی کا کورس صوبے میں بجائے اُردو کے رواج دیا جائے، اختلاف کرتی ہے، اور اس تجویز کو بہ لحاظ قلت لغات پنجابی و اختلافِ محاورہ ناممکن العمل اور اس صوبے کے حق میں سخت مضر سمجھتی ہے۔"

کلکتے کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۷ء میں سر اکبر حیدری کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ مولوی اسمٰعیل حاجی برہانی کی تحریک اور فضل رحیم کی تائید سے مندرجہ ذیل تجویز پاس ہوئی:۔

"یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے کہ جن طلبہ کی مادری زبان اُردو نہیں ہے، ان کے لیے بطور سیکنڈ لینگوئج کے صوبہ بنگال اور

بمبئی میں اُردو کو شامل کیا جائے نیز اس کانفرنس کی رائے ہے کہ ایسے طلبہ کے لیے زبان اُردو میں کتب درسیہ موجود ہیں جو بلحاظ وقعت زبان و باعتبار تہذیب آموزی کے زبان فارسی اور عربی کی رائج الوقت کتب درسیہ کے ہم پلہ ہیں۔"

چنانچہ اس کوشش کے نتیجہ میں صوبہ بمبئی میں ـــــ اُردو سیکنڈ لینگویج کی فہرست میں شامل ہوگئی۔ کانفرنس کے اجلاس کراچی ۱۹۰۷ء، راولپنڈی ۱۹۱۴ء، خیرپور ۱۹۱۹ء اور لاہور ۱۹۳۲ء کی بدولت سندھ، بلوچستان اور سرحد میں بھی اردو کا کام زور شور سے ہوا۔ بکثرت اُردو مدارس قائم ہوئے۔ اخبارات و رسائل جاری ہوئے اور ہر دور میں یہاں کے شعراء اور مصنفین نے اُردو زبان و ادب کو فروغ دینے میں اس قدر کام کیا کہ آج دلی، یوپی، بہار اور ریاست حیدرآباد (دکن) سے آئے ہوئے مہاجرین اپنے وطنِ ثانی میں بہت کم لسانی اور ثقافتی اجنبیت محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح بنگال میں سلہٹ سے چٹاگانگ تک ہر جگہ بنگالی کی نشاۃِ ثانیہ کے باوجود اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

(مقدمہ "علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں)

اداریہ "العلم" (کراچی، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء)

صفحہ ۷ سے آگے

(متقاضی، متناسب، متفاوت وغیرہ)۔ عندلیب شادانی کہتے ہیں (شرح چہار مقالہ، نظامی عروضی سمرقندی) کہ یہ لاشئ سے اسم فاعل ہے۔ اصولاً یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ علم الصرف عربی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ متلاشی جدید اردو میں کافی مستعمل ہے لیکن خوش ذوق لکھنے والے اس سے پرہیز ہی کرتے ہیں۔

۱۰۔ مسیت: مسجد کی عوامی اور موزوں صورت ہے۔ یہ اس طرح بنائی گئی ہے کہ 'ج' کو 'یائے' میں بدل دیا گیا ہے اور آخر کے دال کو اس کے قریب المخرج 'ت' سے بدل لیا گیا ہے۔ اس طرح مسجد مسیت کی شکل اختیار کر گیا۔ اقبال نے "بانگِ درا" میں اسی سے لفظ مسیتا بنا لیا ہے بمعنی مسجد نشین،

ع مسجد سے نکلتا نہیں ضدی ہے مسیتا

صفحہ ۱۱ سے آگے

شروع میں ہے۔ جلدی میں کبھی اس کو "انا لحق" لکھ دیا جاتا ہے یہ ٹھیک نہیں۔ اسی انداز کا ایک لفظ "انا البحر" ہے جو غالب کے اس شعر میں آیا ہے:

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اُس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا

اِسی طرح "عبداللطیف" کو کبھی "عبدالطیف" لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اس میں "عبد" اور "لطیف" کے بیچ میں "الف لام" ترکیب کا ہے ـــ (عبدُ۔ ال۔ لطیف)۔

بارات۔ داوات: اِن دونوں لفظوں کی صحیح صورت "الف" کے بغیر "برات" اور "دوات" ہے۔

"اگر ہندی اُردو کے تنازعہ کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دو قومی نظریہ اردو کی بدولت وجود میں آیا۔ اس لیے ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حقیقت میں سب سے اوّل اردو ہی پاکستان کی بنا کی باعث ہوئی۔"

بابائے اُردو مولوی عبدالحق

مسائل و مباحث

جون کے شمارے میں پروفیسر جابر علی سید نے تحقیقِ لفظی کے سلسلے میں کچھ الفاظ پر تحقیق فرمائی ہے۔ مجھے اس وقت ایک لفظ امیرالبحر کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں" ADMIRAL مولانا حالی مقدمہ شعروشاعری میں اسے عربی کے امیرالبحر کی شکل بتاتے ہیں لیکن نیم صداقت ہے"۔

میرے خیال سے پروفیسر موصوف کی بات خالی از صداقت نظر آتی ہے۔ اور مولانا کی توجیہہ صحیح ہے۔ سابق ریاست بہاول پور میں دریائے سندھ دُور تک بہتا چلا گیا ہے اور اس کے جنوب میں چاچڑاں شریف سے لے کر ماچکہ تک اکثر و بیشتر لوگ ملاح کہلاتے ہیں۔ لیکن سرائیکی میں وہ امیر بحر یا موہانڑیں (موہانے) کہلاتے ہیں۔ ان موہانڑوں (موہانوں) سے جب ان کی ذات پوچھی جائے تو وہ خود کو امیر بحر بتاتے ہیں۔ صوبہ سندھ میں بھی امیر بحر بے شمار آباد ہیں۔ کسی زمانے میں جب دریائے سندھ یا اُس کے معاونین پر پل نہیں بنے تھے تو اس دریا میں کشتی رانی یا جہاز رانی عروج پر تھی۔ جب دریائے سندھ اور اس کے معاونین پر پل تعمیر کیے گئے تو جہاز رانی ختم ہو گئی اور اکثر امیر بحر اس پیشے کو خیرباد کہہ کر اور دھندوں میں لگ گئے، لیکن اُن کی ذاتیں بدستور امیر بحر رہیں۔

ایک زمانے میں تو جہلم سے لے کر کراچی تک جہاز رانی ہوا کرتی تھی اور جہلم سے کراچی تک چیل، دیودار کی لکڑی و ضلع جہلم سے پہاڑی نمک بذریعہ جہاز رانی کراچی تک پہنچایا جاتا تھا۔ اور اس جہاز رانی میں یہی امیر بحر کام کرتے تھے۔ امیر بحر اور امیرالبحر ایک ہی لفظ ہے۔ اور عربی زبان سے سرائیکی میں داخل ہوا ہے نہ کہ انگریزی سے سرائیکی میں آیا ہے۔ ویسے بھی دُنیا کی مادری زبان عربی ہے۔ نیز سب سے پہلے عربوں نے ہی جہاز رانی شروع کی ہے۔ اور عربوں نے ہی سمندری بحری راستے دریافت کیے ہیں۔ میں اس بات پر ضد کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں کہ صرف مسلمانوں ہی نے یہ راستے دریافت کیے ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی عربوں کی زبان عربی تھی۔ اور کئی بحری راستے موجود تھے۔ سوال اس وقت یہ ہے کہ ایڈمرل عربی کے امیرالبحر سے لیا گیا ہے۔ نہ کہ ایڈمرل سے امیرالبحر لیا گیا ہے اس لیے پروفیسر جابر علی سید کو مولانا حالی کی توجیہہ کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ بلکہ اسی طرح کمانڈر، کمانڈنگ آفیسر، آفیسران کمانڈ وغیرہ کی حالت ہے۔ سب سے پہلے جنگیں تیر کمان کے ہتھیاروں سے لڑی جاتی تھیں اور ملک فارس میں تیر کمان سے لیس جوانوں کے سردار کماندار کہلاتے تھے اور کمانڈر وغیرہ انگریزی الفاظ بھی اس کماندار کے مرہونِ منت ہیں۔

خلیق ملتانی

رحیم یار خاں

حکومت کا واضح اعلان ہے کہ ملک میں انگریزی ذریعۂ تعلیم کے ابتدائی مدرسے قائم نہیں ہو سکتے اور ہر مدرسے میں انگریزی چھٹی جماعت سے پڑھائی جائے گی، اس سے پہلے نہیں لیکن عملاً حالت اس کے برعکس ہے۔ ہر شہر اور قصبے میں انگریزی ذریعہ تعلیم کے ابتدائی مدرسے "بے تحاشہ" قائم ہو رہے ہیں اور نئی نسل کو اس باطنی بدبو رکھنے والی زبان یعنی انگریزی کے ذریعے گندہ بنایا جا رہا ہے۔ اس کے ثمرات قوم کو اس وقت بھگتنے پڑیں گے جب ان ابتدائی مدارس میں پڑھنے والے بچے اور بچیاں جوان ہوں گے۔

ہم حیران ہیں کہ حکومت کے مرکزی، صوبائی اور ضلعی افسروں نے (جو تعلیم سے متعلق ہیں) اس صورتِ حال کو کس طرح برداشت کر رکھا ہے۔ منظور شدہ مدرسوں میں سے بھی بعض کی حالت یہ ہے کہ وہ امتناعِ تدریس انگریزی کے تحت مدرسے میں تو انگریزی نہیں پڑھاتے لیکن ان بچوں کو اگلی جماعت میں نہیں چڑھایا جاتا تاوقتیکہ ان کا انگریزی قاعدے اور کتاب سے امتحان نہیں لے لیا جاتا جن کے پڑھنے اور تیار کرنے کی ذمہ داری ان کے گھر والوں کے سپرد کی جاتی ہے یعنی بچے غائبانہ طور پر گھر میں انگریزی پڑھتے ہیں اور امتحان مدرسے کا صدر مدرس یا مدرس لیتا ہے اور جب وہ اس میں پاس ہوتا ہے تو اُسے اگلی جماعت میں چڑھایا جاتا ہے۔

مدرسوں کی ایک قسم وہ ہے جو حکومت کے منظور شدہ تو نہیں لیکن حکومت کے ہاں رجسٹرڈ شدہ ہیں۔ وہ بلا خوف و خطر ابتدائی جماعت سے چھٹی جماعت تک انگریزی

کو ذریعۂ تعلیم اور انگریزی لباس کو ذریعۂ تعمیر شخصیت بناتے ہوئے ہیں۔ ضلعی حکام تعلیم یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ یہ تو بالکل نجی ہیں ہم اس میں دخل نہیں دے سکتے۔ یہ عذر محض چشم پوشی کے مترادف ہے۔ اول تو حکومت کا جو بھی محکمہ ہے وہ ایسے مدرسوں کو رجسٹر کرتے وقت یہ شرائط لکھوائے کہ ان میں انگریزی ذریعۂ تعلیم نہیں ہوگا اور انگریزی پہلی جماعت سے چھٹی جماعت تک نہیں پڑھائی جائے گی۔ دوسرے ملک، قوم اور نظریے کی حفاظت کے پیشِ نظر ہر ضلع اور ہر علاقے کے محکمۂ تعلیم کے افسرانِ اعلیٰ کا فرض ہے کہ وہ ایسے مدرسوں کو حکومت کے علم میں لا کر ان کے بند کرنے یا کرانے کا بندوبست کریں۔

ہمیں امید ہے کہ آج کے بعد محکمہ تعلیم کے جملہ اور علاقائی حکام مجاز اس طرف فوراً توجہ دیں گے۔

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم صدر انجمن تحفظ اردو
۱۷۸۔ حالی روڈ ساہیوال

شمارہ جولائی کے دو اہم مقالات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اولاً جناب نور احمد خاں فریدی کے مقالے "سرائیکی اور اردو" میں ایک شعر درج ہے۔

من کہ بر سر نہادہ بودم گل
تو برہ بر سرم نہادہ و گفت چل

اصل لفظ چل نہیں بلکہ "چُل" ہے۔ سرائیکی میں چِل کو چُل کہتے ہیں۔ یہ غلطی غالباً سہو کتابت سے ہوئی ہے۔

ثانیاً مجھے وارث سرہندی صاحب کے مقالے "اردو میں اصطلاحی انتشار" کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ انھوں نے اپنے مقالے میں بہت مفید تجاویز دی ہیں اور ساتھ ہی جناب عرفان علی یوسف کے تراجم میں اصلاح فرمائی ہے۔ مجھے درج ذیل انگریزی الفاظ کے ترجمے کے سلسلے میں جناب وارث سرہندی سے اختلاف ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کی اصلاح میں غلطیوں کی نشاندہی بروقت نہ کی گئی تو اس سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہونے کا خدشہ ہے اور اس طرح "انتشار" میں اضافہ ہونے کا احتمال۔

۱۔ PLANT کے دو ترجمے "تنصیب" اور "نصب کاری" یوسف صاحب نے دیے تھے لیکن وارث صاحب نے ان کو مسترد کرتے ہوئے "کارخانچہ" اور "پودا" تجویز کیے ہیں جو بہتر ہیں لیکن یوسف صاحب کے تراجم کو بالکل ہی مسترد کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں مجلس زبانِ دفتری پنجاب کی لغت میں ایک ترجمہ "نصبیہ" بھی دیا گیا ہے جو بہت ہی مناسب ہے۔

۲۔ STORAGE کے لیے یوسف صاحب نے دو تراجم "ذخیرہ کاری" اور "ترخیز" لکھے تھے۔ ان میں سے ترخیز کو جناب وارث سرہندی نے بجا طور پر غلط قرار دیا ہے۔ غالباً جناب عرفان علی یوسف صاحب نے تذخیر کو غلطی سے ترخیز لکھا ہوگا۔ تذخیر (نہ کہ ترخیز) کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ WELDING کا ترجمہ جناب عرفان علی یوسف صاحب نے مجلس زبان دفتری پنجاب کی لغت سے لے کر "تپا جڑائی" کیا تھا لیکن اسے جناب وارث سرہندی نے پسند نہیں فرمایا بلکہ اس کی بجائے "ٹانکا" کو اختیار کرنے کی سفارش کی ہے۔ ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ "ٹانکا" تو ایک دوسرے انگریزی لفظ SOLDERING کا ترجمہ ہے لہٰذا WELDING کا ترجمہ "تپا جڑائی" ہی موزوں ہے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

۴۔ WATER PROOF کا ترجمہ جناب عرفان علی یوسف نے مجلس زبان دفتری پنجاب کے تتبع میں "آب رد" کیا تھا لیکن جناب وارث سرہندی نے اسے مسترد کر کے اس کی بجائے "آب رُبا" تجویز کیا ہے۔ میری ناچیز رائے میں یہ ترجمہ نہ صرف غلط ہوگا بلکہ الٹ ہوگا۔ مذکورہ لغت میں اس لفظ کے تین تراجم دیے گئے ہیں، یعنی "پن روک، آب رد اور برساتی" اور یہی ترجمے صحیح ہیں۔

پروفیسر نیاز عرفان
پرنسپل گورنمنٹ حشمت علی اسلامیہ کالج راولپنڈی

جناب عالی! "کیمیائی عناصر اور ان کی اردو علامتیں" کے عنوان سے میرا ایک مضمون ماہنامہ "قومی زبان" بابت ماہ فروری ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا تھا۔ امید ہے آپ کی نظر سے گزرا ہوگا جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کیمیائی عناصر کے نام اور ان کی علامتیں یونانی لاطینی اور انگریزی زبان میں ہیں ان کا اردو میں ترجمہ کرنا اگرچہ ممکن نہیں تو انتہائی دشوار مرحلہ ہے حالانکہ کچھ نامیاتی اور غیر نامیاتی عناصر کے نام اردو میں موجود ہیں اور تقریباً اتنے ہی ہیں جتنے انگریزی میں ان کی چند مثالیں یہاں درج کرتا ہوں۔

اردو : چاندی
یونانی : ARGENTUM

انگریزی : SILVER
علامتیں : Ag
اردو : سونا
یونانی : AURUM
انگریزی : GOLD
علامتیں : Au
اُردو : لوہا
یونانی : FERRUM
انگریزی : IRON
علامتیں : Fe
اُردو : تانبا
یونانی : CUPRUM
انگریزی : COPPER
علامتیں : Cu
اُردو : گندھک
یونانی : SULPHURUM
انگریزی : SULPHUR
علامتیں S
اور بہت سے وغیرہ۔

لیکن ہم ان چند ناموں کو سمیٹ کر جدید کیمیا (CHEMISTRY) کو اردو میں سمو نہیں سکتے تاہم اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ جن عناصر کے ناموں کی اردو مترادفات موجود نہیں ان کی علامتیں اردو حروف میں مقرر کر دی جائیں اور انہی علامتوں کو انگریزی علامتوں یا عناصر کے ناموں کے ساتھ مربوط اور منسلک کر دیا جائے تو نہ صرف ہم ان علامتوں کے ذریعہ عناصر کے نئے نام ایجاد کر سکتے ہیں بلکہ ان علامتوں کو کیمیائی کلّیات میں استعمال کر کے فرصت پڑنے پر اپنے کیمیائی نسخوجات محفوظ بھی کر سکتے ہیں اور اردو کی وسعت و ترقی کے لیے کیمیائی سائنس میں ایک قدم اور بڑھا سکتے ہیں۔ اس خیال کے پیشِ نظر میں نے چند کیمیائی عناصر کی اُردو علامتیں ترتیب دی ہیں۔ امید ہے کہ ماہرین اور صاحبِ فکر و نظر اردو میں اس ترکیب کو پسند فرمائیں گے۔ ان علامتوں کو کیمیائی کلّیات میں استعمال کیا جا سکتا ہے

اور سائنس کے طلبہ کو آسانی ہو سکتی ہے۔ مثلاً پانی جو دو اجزا کا مرکب ہے اور اس کے لیے کیمیائی علامت (SYMBOL H_2O مقرر ہے۔ میرے ترتیب کردہ علامات کے مطابق پانی کے لیے "ح" اور "د" کی علامت بنتی ہے چنانچہ کلّیات میں جب پانی کے لیے (H_2O) کی علامت لکھی جائے تو اس کے متبادل ح۲د کی علامت ہوگی جس کو کلّیہ میں اس طرح لکھا جا سکتا ہے۔

س۲ ور ک ۳ ۱۰ ح۲ د ← $Na_2CO_3 10H_2O$

سوڈیم کاربونیٹ SODIUM CARBONAT

بدقسمتی سے تیرھویں صدی کے بعد علم کیمیا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر یورپیوں کے ہاتھ آ گیا اُس وقت سے جو ترقی ہوئی اس کا سہرا یورپیوں کے سر باندھا جاتا ہے اور یہ بات صحیح بھی ہے کہ مسلمانوں نے اس علم میں جو کمال پیدا کیا تھا وہ اب قصّۂ پارینہ ہو کر رہ گیا ہے۔

حبیب صدیقی کراچی

"یہ ظلم آخر اردو پر کب تک جاری رہے گا کہ جس لفظ کو وہ چاہے جتنا اپنا لے، لیکن اُسے بولتے ہوئے وہ پابند دوسری زبانوں کی رہے گی اور اس کی تذکیر و تانیث میں، اس کے اعراب میں اس کی جمع بنانے میں، اسے حالتِ ترکیب میں لانے میں اردو والے بے بسی سے منہ دوسروں ہی کا دیکھتے رہیں گے۔ ذرا کسی دوسری زبان والے کے سامنے یہ اصول بیان کر کے تو دیکھیے کہ لفظ آپ کا لیکن اس کا املا، اس کا تلفظ، اس کی گرامر سب دوسروں کی!"

مولانا عبدالماجد دریا بادی

ماہنامہ "تحریک" (دہلی) جولائی ۱۹۶۴ء

افکارِ معاصرین

نفاذِ اردو کا مسئلہ صرف صدر ضیا حل کر سکتے ہیں!

مُلک میں 'اردو' کے نفاذ کا مرحلہ بڑی تیاریوں اور اعلانات کے باوجود دُور ہی نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک ادارے نے جو اُردو کے نفاذ اور فروغ سے متعلق ہے، مایوسی کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ انجمن ترقی اُردو، ترقی اُردو بورڈ، مجلس زبانِ دفتری، مرکزی اُردو بورڈ اور مقتدرہ قومی زبان کے اندر بھی یہی تاثر پایا جاتا ہے کہ چاہے کتنا ہی کام کیوں نہ کر لیا جائے اور اُردو کی اہلیت کو چاہے کتنا ہی ثابت کیوں نہ کر دیا جائے۔ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور اُسے سرکاری سطح پر نافذ کرنے کا کام اس وقت تک نہیں ہو سکے گا جب تک کہ اعلیٰ ترین افسران بھی تہِ دل سے اس کے حق میں نہیں ہوں گے اور مستقبل قریب میں ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔

دل چسپ لیکن مایوس کُن حقیقت یہ ہے کہ نفاذِ اُردو کے لیے سرکاری رقومات کا صرف برابر ہو رہا ہے، اجلاس برابر منعقد ہو رہے ہیں، مراسلت برابر جاری ہے۔ لیکن صاف نظر آتا ہے کہ راستے میں ایک بہت ہی بڑی اور انتہائی مستحکم دیوار کھڑی ہے، جس کی دیکھ بھال اہم ترین معاملات کا فیصلہ کرنے والے کچھ اعلیٰ افسران نے اپنے ذمّے رکھی ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ یہ دیوار گرے تو قافلہ آگے بڑھے — لیکن اس دیوار کو گرنے نہیں دیا جائے گا۔ اس کے نگراں و محافظ کاریگر — اسے ڈھانے کے خواہش مندوں کے مقابلے میں بہت زیادہ قوی اور با اختیار جو ہیں۔

ان کاریگروں کی کاریگری یہ ہے کہ ملک میں نفاذِ اُردو سے متعلق طرح طرح کے شوشے چھوڑے جاتے رہتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ 'اُردو نافذ کر کے ہم ساری دنیا سے کٹ جائیں گے'، کبھی فرمایا جاتا ہے کہ 'ہم ٹیکنالوجی سے محروم ہو جائیں گے' اور کبھی اُردو کی غربت کا رونا رویا جاتا ہے۔ یہ شوشہ پرداز ان دلائل کا جواب نہیں دیتے کہ ۳۵ سال میں ٹیکنالوجی سے "مالا مال" رہ کر پاکستان نے کیا کمالات کر دکھائے ہیں؟ جاپان سب کچھ جاپانی زبان میں کر کے دنیا سے کٹ کر علیحدہ کیوں نہیں ہو گیا؟ اور یہ کہ اگر اُردو زبان "غریب" ہی ہے تو اس میں ایم۔ ایس سی تک تعلیم آخر کس طرح ہوتی رہی ہے؟

اصل معاملہ شاید دلائل کا نہیں ہے بلکہ ان بیانوں کا ہے جن سے کام لے کر اُردو کے نفاذ کو ٹالنا اور اس کی راہ میں روڑے اٹکانا ہے۔ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ اس ضمن میں کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس کا بھرپور اور مسکت جواب نہ دیا گیا ہو اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی نہ کر دیا ہو۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُردو کو سرکاری سطح پر نافذ کرنے کے لیے وہ پختہ عزم ہر سطح پر موجود نہیں ہے، جس کے بغیر کوئی معمولی سا کام بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ان تمام حالات کے پیشِ نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُردو کا نفاذ اگر ممکن ہے تو صرف اس طرح کہ صدرِ مملکت جنرل ضیاء الحق خود اس محاذ پر ڈٹ جائیں، جس طرح انھوں نے تن تنہا تمام تر دلچسپی لے کر اور تمام مزاحمتوں کو دُور کر کے ملک میں بلاسود بینکاری اور نظامِ زکوٰۃ کی بُنیاد ڈالی ہے اور بلدیاتی نظام کی بحالی کرائی ہے۔ اسی طرح صرف وہی اُردو کو بھی نافذ کر سکتے ہیں — جب تک وہ یہ مورچہ خود نہیں سنبھالیں گے تب تک تمام چھٹ بھیّے، کاریگر اور شوشہ پرداز اِدھر اُدھر گولے داغتے رہیں گے اور ایک بھی گولہ صحیح نشانے پر نہیں پڑنے دیں گے۔ صدرِ مملکت اس صورتِ حال کا جس قدر جلد مطالعہ کر لیں، اتنا ہی اچھا ہوگا — اور ملک میں 'اُردو' کے نفاذ کا سہرا بھی ان ہی کے سر پر سج جائے گا۔ اس کے سوا اس انتہائی اہم، انتہائی ضروری دور رس اور نتیجہ خیز کام کی تکمیل کی کوئی دوسری صورت ممکن نہیں۔

"اخبارِ جہاں" کراچی
۲۳ر اگست ۱۹۸۲ء

اُردو کے نفاذ میں مایوسی

انجمن ترقی اردو لاہور کے جاری کردہ ایک بیان میں جس کے آخر میں ناظم عمل درآمد کمیٹی انجمن ترقی اُردو، صدر انجمن ترقی اُردو سرگودھا اور ڈاکٹر عبداللہ ناظم انجمن ترقی اُردو لاہور کے دستخط ہیں، کہا گیا ہے کہ پاکستان کے اقتدار پسند مفاد پرست طبقے کی ظالمانہ قید سے قومی زبان کی رہائی کے لیے ۱۴ اگست کو اجتماعی نمازیں ادا کی جائیں اور دعائیں کی جائیں کہ خداوند تعالیٰ دورِ غلامی کی یادگار انگریزی کی بالادستی سے نجات دلائے۔ بیان میں جن باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہیں ۔ اُردو کو سرکاری حیثیت اور تعلیم میں اثر و رسوخ ملنے کی جو کچھ توقعات پیدا ہوئی تھیں وہ اب یکسر ختم ہو گئی ہیں۔ بااثر طبقے پاکستان کو انگریزی کا ایک جزیرہ یا کالونی یا قلعہ بنا دینا چاہتے ہیں جس کا مقصد اپنے طبقے کو ہمیشہ ہمیشہ بااختیار و بااقتدار رکھنے کے سوا کچھ نہیں ۔ ترقی کا ذریعہ صرف انگریزی کو بنایا جا رہا ہے ۔ بااثر طبقوں کے تازہ ترین فیصلوں نے تو انگریزی کو دائمی طور پر قابض بنا کر دفتروں میں اُردو کے چلنے کے تمام دروازے عملاً بند کر دیے ہیں۔ انجمن نے اس صورتِ حال کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا ہے کہ اب ہر ہر گلی کوچے سے فوری نفاذ اُردو کی آواز اٹھنی چاہیے ۔ لیکن یہ سب کچھ آئینی اور غیر سیاسی انداز میں تحریکِ محبت کے ذریعہ کرنا ہوگا۔

جو لوگ اردو کو پاکستان میں اس کا حقیقی مقام دلانے کی جدوجہد کر رہے ہیں، ان کی طرف سے انتہائی مایوسی کو ظاہر کرنے والا یہ بیان فی الواقع تشویش انگیز ہے ۔ غالباً یہ مایوسی بااثر طبقوں کے ان تازہ ترین فیصلوں کے بعد پیدا ہوئی ہے جن کا بیان میں صرف حوالہ دیا گیا ہے اور یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ فیصلے کیا ہیں اور کن بااثر طبقوں کی جانب سے کیے گئے ہیں؟ تاہم ایسے ذمے دار افراد کی جانب سے یہ حوالہ بے بنیاد نہیں ہو سکتا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع ایسے کچھ فیصلے کیے گئے ہیں تو کیا بااثر طبقوں نے صدر ضیاء کی فروغ اُردو کی کوششوں اور موجودہ حکومت کی اس سلسلے میں پالیسیوں اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں اُردو کو سرکاری زبان بنانے کے متعلق جو مدت کا تعین کیا گیا ہے ان سب کو نظر انداز کر کے ایسے فیصلے کیے ہیں اور یہ بااثر طبقے اس قدر بااقتدار ہو گئے ہیں کہ وہ ملک و قوم کے وسیع ترین مفاد کو نظر انداز کر کے اس نوعیت کے فیصلے کر سکتے ہیں؟ انجمن ترقی اُردو کے اس بیان کو پڑھنے کے بعد یہ وہ سوالات ہیں جو ذہن میں لازماً پیدا ہوتے ہیں ۔ ان سوالات پر حکومت کی کوئی وضاحت ہی عوام کو مطمئن کر سکتی ہے ۔

اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ملک کی بیورو کریسی میں ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو اُردو کے دفتری زبان بنائے جانے کو پسند نہیں کرتا اور گزشتہ ۳۵ سال کے دوران اردو زبان کی راہ میں یہی طبقہ رکاوٹیں ڈالتا رہا ہے ۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں قومی زبان اُردو سے متعلق واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے اور اُسے دفتری زبان بنانے کے لیے ۱۵ سال کے اندر اندر انتظامات کیے جائیں گے۔ اس دستوری فیصلے کو تقریباً دس سال ہو رہے ہیں لیکن اس عرصے میں اُردو کو دفتری زبان بنانے کی رفتار بہت سُست رہی ہے ۔ اگر اسی رفتار سے کام کیا گیا بلکہ جیسا کہ انجمن ترقی اُردو کے بیان کے مطابق "بااثر طبقے" کی طرف سے رکاوٹیں ڈالی جاتی رہیں تو اردو کو مکمل طور پر سرکاری زبان بنانے کی توقعات کبھی پوری نہیں ہو سکیں گی ۔ ہم اُردو کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے والوں کو قائدِ اعظم کا وہ بیان یاد دلائیں گے جو آپ نے ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے دیا تھا۔ قائدِ اعظم نے کہا تھا: "میں واضح الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو اور صرف اردو ہوگی ۔ جو شخص آپ کو اس سلسلے میں غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کرے وہ پاکستان کا پکا دشمن ہے ۔ ایک مشترک قومی زبان کے بغیر کوئی قوم نہ تو پوری طرح متحد رہ سکتی ہے اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔" اُردو کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے قائدِ اعظم کے اس بیان کی روشنی میں دیکھ لیں ان کا مقام کن صفوں میں ہے ۔ ہم صدر ضیاء سے یہ اپیل کریں گے کہ اُردو کو مکمل طور پر دفتری زبان بنانے کے بارے میں ایک ایسا اعلان جاری کریں جو عوام کو مطمئن کرنے کے ساتھ اُردو کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والوں کے لیے موثر انتباہ کا ذریعہ بنے اور ایک ایسے لائحہ عمل کی تیاری کی بنیاد بنے جس میں اُردو کو مکمل طور پر دفتری زبان بنانے کے واضح ہدف مقرر کیے گئے ہوں۔

روزنامہ "جنگ" کراچی

۹ اگست ۱۹۸۲ء

اُردو اور علاقائی زبانیں

انجمن ترقی اُردو پنجاب کے صدر اور مقتدرہ کی تشکیل کردہ مجلس برائے زبان دفتری کے داعی ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے کراچی میں مقتدرہ کے دفتر میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں اُردو کے نفاذ کے لیے مختلف رکاوٹوں کو بہانہ بنایا جا رہا ہے جن میں سے ایک علاقائی زبانوں کا مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے اس خدشے کو مسترد کر دیا کہ اردو علاقائی زبانوں کے لیے خطرہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خدشے کی حیثیت محض ایک بہانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے اردو زبان خود برصغیر کی مختلف زبانوں سے مل کر بنی ہے۔ دوسری زبانوں کے ساتھ اس کا رشتہ محبت اور اخوت کا ہے۔ یہ علاقائی زبانوں سے گہرا تعلق ملتی ہے تو علاقائی زبانیں اس کے چشمے سے فیضیاب ہوتی ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ جو لوگ علاقائی زبانوں اور اُردو کے درمیان مغائرت کی بات کرتے ہیں وہ شرانگیز ہیں۔ امید ہے کہ اُردو اور علاقائی زبانوں کے ماہرین مل کر فتنہ انگیزی کا مقابلہ کریں گے۔

روزنامہ "جنگ" کراچی، ۲۰ اگست ۱۹۸۲ء

تازہ مطبوعات

"الزبیر" بہاول پور نمبر

اردو اکیڈمی بہاول پور کا علمی مجلہ "الزبیر" مسعود حسن شہاب کی ادارت میں ایک عرصہ سے مفید علمی و تحقیقی شمارے اور خصوصی اشاعتیں پیش کر رہا ہے۔ حال میں اس مجلہ کا "بہاولپور نمبر" شائع ہوا ہے، جو اپنی افادیت اور اپنے موضوع کے لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ متنوع خصوصی اشاعت بہاولپور کے تاریخی، تہذیبی، علمی و ادبی، تعلیمی اور معاشی و سیاسی پہلوؤں کے بھرپور جائزوں پر مشتمل ہے۔ ممتاز اہلِ قلم حضرات کے مضامین نے اس خصوصی اشاعت کو مستند اور قابلِ اعتبار بنا دیا ہے۔ اپنے موضوعات کے لحاظ سے اس خصوصی اشاعت کو بہاول پور کے تعارف اور تاریخی و علمی ارتقا کے باب میں ناگزیر کہا جا سکتا ہے۔ ۲۶۴ صفحات کے اس مجلہ کی قیمت ۲۵ روپے ہے۔

"کتاب نُما" کا ڈاکٹر سید عابد حسین نمبر

مکتبۂ جامعہ (دہلی) کے اہتمام سے شائع ہونے والا ماہنامہ "کتاب نما" ہر ماہ باقاعدگی سے معاصر اردو ادب اور تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں سے پوری اُردو دنیا کو متعارف کراتا رہتا ہے۔ اس نے اب تک ایسی متعدد خصوصی اشاعتوں کا اہتمام بھی کیا ہے جو اہم بھی ہیں اور مفید بھی۔ اس کی ایک حالیہ خصوصی اشاعت ممتاز ادیب، فلسفی اور مترجم ڈاکٹر سید عابد حسین کی شخصیت، سوانح اور ان کے علمی و فکری کارناموں کے جائزے پر مشتمل ہے۔ اسے ڈاکٹر صغرا مہدی نے مرتب کیا ہے۔ اس میں جو تحریریں شامل کی گئی ہیں انھیں ممتاز اور معروف اہلِ قلم نے تحریر کیا ہے اور یہ سب اپنے اپنے موضوعات کا حق ادا کرتی ہیں۔ اس کا ایک حصہ خود ڈاکٹر عابد حسین کی نمایندہ ادبی تخلیقات کے انتخاب اور ان کے چند منتخب خطوط پر مشتمل ہے۔ ۱۵۶ صفحات کے اس شمارہ کی قیمت ۱۶ روپے ہے۔

غالب کے نئے خطوط

معروف نقاد، محقق، شاعر اور انشائیہ نگار انور سدید کی ایک تازہ تصنیف "غالب کے نئے خطوط" مکتبۂ اردو زبان (سرگودھا) نے شائع کی ہے۔ یہ دراصل غالب کے انداز میں تحریر کیے گئے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو لاہور سے شائع ہونے والے ادبی مجلہ "تخلیق" میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان خطوط پر طنز و مزاح کا عنصر حاوی ہے اور ان کے موضوعات موجودہ ادبی مسائل و معاملات اور شخصیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ انداز نہایت شگفتہ اور دلنشین ہے اور اس میں غالب کے مخصوص طرز

کو اختیار کرنے کی بڑی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ ان خطوط سے جہاں مصنف کی زبان پر دسترس اور طنز و مزاح میں خوش اسلوبی کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ موجودہ ادبی صورتِ حال کے جائزے کے لحاظ سے بھی مفید ہیں۔ طنز و مزاح کے موجودہ عہد میں جو کامیاب اور نمایندہ کاوشیں سامنے آئی ہیں ان میں انور سدید کی یہ کتاب اور ان کا اسلوب بھی اپنی انفرادیت اور جاذبیت کے لحاظ سے پہچانا جائے گا۔ ۱۳۶ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۲۰ روپے ہے۔

افکارِ رومی

مولانا محمد عبدالسلام خاں (سابق پرنسپل مدرسۂ عالیہ رامپور) کی کتاب "افکارِ رومی" مکتبۂ جامعہ (دہلی) نے شائع کی ہے۔ ۳۴۸ صفحات کی اس مبسوط کتاب میں مولانا روم کے عہد، ان کی سوانح اور اُن کے افکار کا مفصل اور تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب سے قبل اردو میں مولانا روم کے حالات اور افکار کے جائزوں پر مشتمل مولانا شبلی، قاضی تلمذ حسین اور خلیفہ عبدالحکیم کی اہم اور مؤثر تصانیف موجود ہیں لیکن زیرِ نظر کتاب اس اعتبار سے ان تمام اکابر کی تصانیف سے مختلف اور ممتاز ہے کہ اس میں مولانا روم کے افکار کو فقط ان کی مثنوی کے براہِ راست مطالعے سے اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح فکرِ رومی کے بعض نئے زاویے سامنے آئے ہیں۔ مثلاً مصنف نے اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا روم وحدت الوجود کے قائل نہیں تھے بلکہ ان کا عقیدہ اشعری تھا۔ اس حوالے سے مصنف جن دیگر نتائج تک پہنچے ہیں ان سے مزید غور و فکر کی راہ کھلتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک فکر انگیز کاوش ہے۔

تنقید اور اُس کا فن

ممتاز نقاد اور مصنف ڈاکٹر عبدالسلام کی نئی تصنیف "تنقید اور اُس کا فن" حال میں قمر کتاب گھر (اردو بازار) کراچی کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ ۱۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ۲۱ روپے ہے۔ یہ دراصل تنقید کے اصول اور اسلوب پر مشتمل مضامین کا مجموعہ ہے جس میں تنقید کے ان ضروری مسائل، مباحث اور نظریات کا احاطہ کیا گیا ہے جو اس ضمن میں عام طور پر زیرِ بحث آتے رہتے ہیں۔ اردو میں ان موضوعات پر ویسے تو بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن پھر بھی ایک ایسی کتاب کی ضرورت بہرحال موجود تھی جس میں بہت آسان پیرائے میں ان موضوعات کو پیش کیا جائے جو اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے علمائے ادب کے علاوہ عام قارئین کی توجہ بھی حاصل کر سکیں۔ یہ کتاب اس اعتبار سے مفید ہے کہ اس میں ادق مباحث کو سلیس انداز میں بطور تعارف لکھا گیا ہے۔ پھر اس میں اس کے نظری مباحث کے علاوہ اس کے فن پر اظہارِ خیال کرکے اسے نہ صرف مزید افادیت کا حامل بنا دیا گیا ہے بلکہ اس کے مختلف ضروری پہلوؤں کا احاطہ بھی کیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ اس کتاب میں شامل ان عنوانات سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ادب کی ماہیئت، تخلیقی عمل، تخئیل، اسلوب، ادب اور زندگی، ادب اور اخلاق، ادب اور احتساب، فنِ تنقید، تخلیق و تنقید، تنقید کی زبان، اصولِ تنقید کا تصور، نقاد کے اوصاف و فرائض۔

جگر — ہماری نظر میں

جگر مراد آبادی پر متعدد اہم کتابوں کے مرتب مصطفیٰ راہی کی ایک اور کتاب "جگر ہماری نظر میں" اشاعتِ ادب (سید پور روڈ) راولپنڈی نے شائع کی ہے۔ یہ جگر پر ان مبسوط مقالات اور نگارشات کا مجموعہ ہے، جنھیں مرزا احسان احمد، رشید احمد صدیقی اور آل احمد سرور نے مختلف وقتوں میں لکھا تھا۔ ان اکابر کی یہ نگارشات جگر کی شخصیت اور ان کی شاعری کے مطالعہ میں اپنی خاص اور اساسی اہمیت کی حامل ہیں۔ مرتب نے ان کو یکجا کرکے جگر سے نہ صرف اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے بلکہ مطالعۂ جگر کو نئی نسل کے لیے بھی آسان اور ممکن بنا دیا ہے۔

"ابنائے ملک اسی وقت ترقی کر سکتے ہیں جب کہ وہ اپنی اس عام زبان (اردو) کو تازہ رکھیں۔ مغربی سیلاب کے ساتھ اس آواز کی ترقی اس مجنونانہ بڑ کی تکذیب کرتی ہے کہ ایک دن مغربی زبان (انگریزی) ہماری اصلی زبان ہو جائے گی۔ ایسا خیال قدرت کے ساتھ بے سُود جنگ کی تیاری ہے جس میں ناکامی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔"

محمد مرتضیٰ "روحِ ترقی"

مطبوعہ ۱۹۰۴ء

نفاذِ اُردو

۱۴ اگست کو نفاذِ اُردو کا اعلان نہ ہونے سے ہم مایوس نہیں، ہم اپنی جد و جہد جاری رکھیں گے

ہمیں انگریزی سے استفادے کی حد مقرر کرنا ہوگی۔ مقتدرہ کے دفتر میں تقریر

انجمن ترقیٔ اُردو لاہور کے صدر اور مجلس مقتدرہ کے رکن پروفیسر ڈاکٹر سید سید عبداللہ نے کہا ہے کہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق ملک میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اُردو کے نفاذ کے سلسلے میں انتہائی مخلص ہیں اور وہ اُردو کو معاشرے میں اس کا جائز مقام دینے کے لیے اقدامات کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ ۱۴ اگست کو انگریزی کی جگہ اُردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے نافذ کرنے کا اعلان نہیں ہو سکا لیکن نہ ہم اس سے مایوس ہیں اور نہ قوم کو مایوس ہونا چاہیے بلکہ ہمیں اس سلسلے میں اپنی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔ وہ ۱۷ اگست کو مقتدرہ قومی زبان کے دفتر میں تقریر کر رہے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ نے مقتدرہ کی گزشتہ تین برسوں کی کارکردگی کو سراہتے ہوئے کہا کہ مقتدرہ نے اس مختصر مدت میں اُردو کے نفاذ کی بنیادیں رکھ دی ہیں اور اس طرح اس نے اپنے قیام کے مقصد کو اچھی طرح انجام دیا ہے انھوں نے کہا کہ ملک میں اُردو کے نفاذ میں اس وقت چار رکاوٹوں کا بہانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان میں پہلی رکاوٹ علاقائی زبانوں کا مسئلہ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر اُردو کو نافذ کیا گیا تو علاقائی زبانوں کو ردِ عمل کے طور پر شکایات پیدا ہو جائیں گی۔ ڈاکٹر عبداللہ نے کہا کہ ہم نے علاقائی زبانوں کے خلاف کبھی تعصب سے کام نہیں لیا اور علاقائی زبانوں کی ترقی و ترویج کے اسی طرح حامی ہیں جس طرح اُردو کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔ انھوں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں چاہیے کہ اس رکاوٹ کو دُور کرنے کے لیے علاقائی زبانوں کے لوگوں کے ساتھ باقاعدہ رابطہ قائم کریں۔ اور ان سے مل کر لائحۂ عمل طے کریں اور انھیں قائل کریں کہ اردو ان کے خلاف نہیں ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا ہے اور کوئٹہ میں پشتو اور بلوچی زبان سے متعلق افراد سے ملاقات کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جس دوسری رکاوٹ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سرکاری اور دفتری زبان کی حیثیت سے اُردو کے نفاذ کے بعد متعلقہ مشینری کی کمی بیان کی جاتی ہے لیکن بقول میجر آفتاب حسن یہ رکاوٹ بھی دُور کر لی گئی ہے اور اب اس اعتراض میں کوئی جان باقی نہیں رہی۔ پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ نے مزید کہا کہ تیسری رکاوٹ جسے بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے انگریزی کا مسئلہ ہے جسے ہمیں زیادہ عقلی انداز میں پیش کرنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ پہلے انگریزی کی حمایت ضرورت کے تحت کی جاتی تھی اور اب اس کے حق میں جذباتیت پیدا ہو گئی ہے انھوں نے کہا کہ اس کی ایک وجہ غالباً ہماری جانب سے انگریزی کی زیادہ مخالفت ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں ملک میں انگریزی کی عمل داری رہے گی اسے کم یا ختم نہیں کیا جا سکتا انگریزی اگر نحوست ہے تو یہ ایک ناگزیر نحوست ہے اس لیے ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ہمیں انگریزی کی کتنی اور کہاں کہاں ضرورت ہے ہم انگریزی کے مخالف نہیں اس کے استفادے کے قائل ہیں لیکن اس کے استفادے کی حد مقرر ہونی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں معاشرے میں انگریزی کی بجائے اُردو کے استعمال کی ترغیب محبت کے ساتھ دینی چاہیے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بتایا کہ لاہور میں انھوں نے تاجروں کے ساتھ مل کر ایک تحریک کا بندوبست کیا ہے جس کے تحت لاہور شہر میں تمام اشتہاری تختے اردو میں منتقل کیے جائیں گے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے کہا کہ ان کے خیال میں ایک اور بڑی رکاوٹ اُردو کی ترویج و نفاذ کے لیے کام کرنے والے سرکاری و نجی اداروں میں رابطے کی کمی بھی ہے اور یہ ذمہ داری مقتدرہ کی ہے اور اُسے یہ کام انجام دینا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ رابطے کی اس کمی کی وجہ سے ہر ادارہ اپنی مرضی سے ایک جیسا کام انجام دے رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مقتدرہ کو نصابی کتب کا بھی جائزہ لینا چاہیے کیونکہ نصاب سازی کے بغیر ہم تعلیم میں کوئی پیش رفت نہیں کر سکتے۔ اگر ہم یہ کام نہیں کریں گے تو یہ بات آپ کے خلاف جائے گی۔ انھوں نے ایک ایسی مجلس کے قیام کی ضرورت پر بھی زور دیا جو اُردو میں لکھی جانے

والی تمام کتب کا جائزہ لے کر ان کے معیاری ہونے کی سند جاری کرے تاکہ اس طرح اس اعتراض کو رفع کیا جا سکے کہ اُردو میں کوئی معیاری کتاب لکھی ہی نہیں جا سکتی۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں اپنے جذبۂ قومیت اور حب الوطنی پر بھروسہ کر کے کام جاری رکھنا چاہیے۔ انشاءاللہ اردو نافذ ہو کر رہے گی۔ اس میں تاخیر ہو سکتی ہے لیکن اس کے نفاذ کو روکا نہیں جا سکتا۔

اُردو کو رائج کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں

انجمن اساتذہ علوم شرقیہ و دینیہ کے معتمد عمومی ضیاء الحق صدیقی نے مطالبہ کیا ہے کہ انگریزی ذریعہ تعلیم کے تمام اسکولوں کو بتدریج اردو ذریعۂ تعلیم اسکولوں میں تبدیل کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ زندہ قومیں اپنی قومی زبان کے ذریعہ ہی متحد رہتی ہیں۔ اور اگر اس ملک کو قائم و دائم رکھنا ہے تو یہاں ہر سطح پر اُردو کو رائج کرنا پڑے گا۔ انھوں نے کہا کہ کراچی میں انگریزی ذریعۂ تعلیم اسکول وبا کی صورت میں پھیلتے چلے جا رہے ہیں اور محکمہ تعلیم ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایک طرف تو اُردو کو دفتری زبان بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور دوسری طرف شہر میں بڑی تعداد میں انگریزی ذریعۂ تعلیم اسکول قائم کیے جا رہے ہیں۔ انھوں نے وزیر تعلیم جناب غوث علی شاہ سے گزارش کی ہے کہ اُردو کو ہر سطح پہ رائج کرنے کی حکمت عملی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ذاتی طور پر دلچسپی لیں اور مناسب احکامات جاری کیے جائیں۔

اُردو کا نفاذ عوام کی خواہشات اور امنگوں کے عین مطابق ہوگا۔ سید عبداللہ

ہمیں یقین ہے کہ صدر ضیاء مناسب موقع پر اُردو کے نفاذ کا اعلان کریں گے، قومی زبان کانفرنس سے خطاب

ڈاکٹر سید عبداللہ نے کہا ہے کہ اُردو کا نفاذ قوم کی خواہشات اور امنگوں کے مطابق ہوگا لہٰذا اس مطالبہ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ۱۸ اگست کو کراچی میں انجمن اسلامیہ پاکستان کے زیر اہتمام قومی زبان کانفرنس کے ایک اجلاس سے خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اُردو کے نفاذ سے متعلق اعلان ۱۴ اگست کو اگر کسی مصلحت کے تحت نہیں کیا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صدر جنرل ضیاء الحق اردو کے خیرخواہ نہیں ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ صدرِ مملکت مناسب موقع پر اُردو کے نفاذ کا اعلان کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ میجر آفتاب حسن اُردو کے وہ مجاہد ہیں جنھوں نے ہر محاذ پر اُردو کے مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سائنس والوں کا شمار اُردو کے شدید مخالفین میں ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سائنس کی تعلیم صرف انگریزی میں حاصل کی جا سکتی ہے۔ میجر آفتاب حسن نے ان تمام مخالفین پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ سائنس کی تعلیم اُردو میں نہ صرف ممکن ہے بلکہ یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی صورت میں طلبہ زیادہ بہتر طور پر سائنسی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ انگریزی ہماری زبان نہیں ہو سکتی لیکن ہم اس سے استفادہ ضرور کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ اُردو زبان حالات کے ساتھ بدل رہی ہے انگریزی کے الفاظ اردو میں شامل ہو رہے ہیں اور علاقائی زبانوں کے الفاظ بھی شامل رہے ہیں لہٰذا ہمیں زبان کے بولنے والوں پر الفاظ کے استعمال کے سلسلے میں پابندی نہیں لگانی چاہیے۔ انھوں نے کہا اگرچہ میں نے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی ہے لیکن یہ مشیتِ ایزدی ہے کہ میں اُردو کے لیے کچھ کام کر رہا ہوں۔ انھوں نے کہا اردو ادب کا تفصیلی مطالعہ میں نے اُردو کا لیکچرار مقرر ہونے کے بعد شروع کیا تھا۔ اور ۱۹۶۶ء میں اس عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد اُردو کے سپاہی کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ اور میں نے اس مقصد کے لیے اردو انجمنوں کی مجلس مشاورت قائم کی اور نتائج کے اعتبار سے یہ تنظیم انتہائی کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری جدوجہد میں اخبارات نے بھی بھرپور تعاون کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ محدود وسائل کے باوجود ہماری کانفرنس معیاری اور عظیم الشان ہوئی ہے۔ قبل ازیں جناب رئیس امروہوی اور صبا اکبرآبادی نے انھیں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ سید محمد تقی نے کہا کہ اُردو زبان کے فروغ میں تقسیم سے قبل برصغیر کے ہر علاقے کے لوگوں نے بھرپور حصہ لیا تھا اور سندھ کے لوگوں نے بھی قیامِ پاکستان سے قبل اُردو کی بے پناہ خدمت کی تھی۔ لیاری کے باشندوں نے تو یہ اعلان بھی کیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے تعلیمی اداروں میں داخل نہیں کرائیں گے جہاں اُردو اور اسلامی تعلیم کا انتظام نہیں ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ لوگوں نے اپنی نسلوں کو بے علم رکھنا تو گوارا کر لیا لیکن ایسے اداروں میں تعلیم

نہیں دلائی جہاں اردو اور اسلامی تعلیم کا انتظام نہیں تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے کہا کہ وہ قومیں جو اپنے مذہب، اپنی تہذیب اور اپنی ملی اور اجتماعی تاریخ سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہیں وہ اپنا حافظہ کھو بیٹھتی ہیں۔ حافظہ کھونے کے بعد جس طرح کوئی شخص پاگل ہو جاتا ہے اسی طرح معاشرہ بھی پاگل ہو جاتا ہے انھوں نے کہا کہ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جہاں دو ذریعۂ تعلیم بیک وقت رائج ہیں۔ انگریزی تعلیم حاکم پیدا کرتی ہے جو لارڈ میکالے کے تصورات کی حقیقی تصویر ہیں اردو تعلیم کے ذریعہ رعیت اور محکوم طبقہ وجود میں آتا ہے۔ قبل ازیں انجمن اسلامیہ پاکستان کے معتمد الحاج ریاض الدین احمد نے مہمانِ خصوصی اور دیگر مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

اردو کے ٹیلی پرنٹروں کی پہلی کھیپ تیار ہو گئی

محکمہ ٹیلی فون و ٹیلیگراف اسلام آباد کو ٹیلی پرنٹر فراہم کر دیے گئے

جرمنی کی فرم سیمنز نے اردو کے ٹیلی پرنٹر تیار کرنا شروع کر دیے ہیں اور ان ٹیلی پرنٹروں کی پہلی کھیپ اسلام آباد میں محکمہ ٹیلیفون و ٹیلی گراف کے حوالے کر دی گئی ہے۔ سیمنز کمپنی کے تیار کردہ یہ ٹیلی پرنٹر بیک وقت دو زبانوں یعنی اردو اور انگریزی میں پیغامات وصول اور ارسال کر سکتے ہیں اردو ٹیلی پرنٹر کی تیاری اردو زبان کے لیے تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اس اقدام سے انگریزی زبان سے نابلد اور ناواقف افراد کو اردو میں تار دینے کی سہولت حاصل ہو جائے گی اور ریڈیو، ٹیلی وژن، اخبارات اور خبر رساں اداروں کو تمام خبریں اردو میں فراہم ہو سکیں گی جس سے اداروں کو ترجمہ کی مشکلات سے مکمل نجات حاصل ہو جائے گی۔

مقتدرہ نے مختصر نویسی اور ٹائپ کاری کی تربیت کا آغاز کر دیا

مقتدرہ کے زیرِ اہتمام اردو مختصر نویسی اور ٹائپ کاری کے تربیت کے شعبہ میں داخلے شروع ہو گئے ہیں۔ خواہش مند امیدواروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے ناموں کا اندراج کرالیں۔ داخلوں میں سرکاری ملازموں کو ترجیح دی جائے گی۔ داخلے کے فارم دفتر مقتدرہ میں دستیاب ہیں۔

۱۵، اردو انگریزی کمپیوٹرائزڈ ٹیلی پرنٹر جرمنی سے کراچی پہنچ گئے

اسی طرز کے ٹیلی پرنٹر ملک میں بنائے جائیں گے، اردو سرکاری زبان بنانے کے لیے اقدامات

قومی زبان اردو کو سرکاری زبان بنانے کے سلسلے میں پیش رفت کے لیے مغربی جرمنی سے اردو انگریزی کے جو پندرہ کمپیوٹرائزڈ ٹیلی پرنٹر منگائے گئے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ گزشتہ دنوں کراچی کی بندرگاہ پر پہنچ گئے ہیں۔ باوثوق ذرائع کی اطلاع کے مطابق یہ ٹیلی پرنٹر ضروری کاغذی کارروائی میں مبینہ طور پر غیر معمولی تاخیر کے باعث بندرگاہ پر پڑے ہیں اور لاکھوں روپے مالیت کے ٹیلی پرنٹروں کے خراب ہو جانے کا اندیشہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ان ٹیلی پرنٹروں میں نصب شدہ کمپیوٹر مغربی جرمنی میں پاکستانی سائنس داں ڈاکٹر صلاح الدین حیدر نے تیار کیا ہے۔ ڈاکٹر صلاح الدین حیدر جناب سجاد حیدر یلدرم کے بھتیجے اور ممتاز ادیبہ محترمہ قرۃ العین حیدر کے چچازاد بھائی ہیں جو مانٹریال یونیورسٹی کے شعبہ کمپیوٹر سائنس کے سربراہ ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ ٹیلی پرنٹر نمونے کے طور پر مغربی جرمنی سے منگائے گئے ہیں اور ان کی مدد سے ہری پور ہزارہ میں واقع صنعت ٹیلی فون پاکستان میں اسی طرز کے ٹیلی پرنٹر تیار کیے جائیں گے دریں اثنا معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں برقیاتی ٹائپ رائٹر صنعت ٹیلی فون پاکستان میں تیار کیا جائے گا۔ اس کی تیاری میں فنی تعاون پاکستانی سائنس داں ڈاکٹر صلاح الدین حیدر سے اور مالی تعاون بی سی سی آئی کے توسط سے متحدہ عرب امارات سے حاصل کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ابتدائی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

ملک میں سائنسی ترقی کے لیے اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے

سائنسی تعلیم و تحقیق میں جامعات کے کردار کے بارے میں جامعہ کراچی کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے حالیہ قومی مذاکرہ کی خصوصی مجلس نے سفارش کی ہے کہ سائنسی ترقی کے لیے قومی زبان کو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت دی جائے۔ مجلس نے اپنے ایک اجلاس میں مرتبہ اپنی سفارشات میں کہا کہ مختلف جامعات میں سائنسی تحقیق کے لیے ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں سائنسی تعلیم کو بہتر بنانے اور فروغ دینے کے لیے خصوصی اقدامات کیے جائیں۔

اُردو کے نفاذ کیلیے مقتدرہ کی سفارشات وفاقی کابینہ میں جلد پیش کیجائیں

صدر ضیاء کی خواہش کے باوجود اُردو کو صحیح مقام نہ ملنے پر مجلس قومی زبان کا اظہارِ حیرت

مجلس قومی زبان کے ایک اجلاس میں جو ۲۷ر جولائی کو کراچی میں منعقد ہوا ملک میں اردو کے نفاذ کے سلسلے میں ہونے والی تاخیر پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ صدر مملکت کی خواہش کے باوجود اب تک اردو کو اس کا صحیح مقام نہیں مل سکا ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری نوکر شاہی پر عائد ہوتی ہے جو اپنے مفادات کے پیشِ نظر انگریزی کی جگہ اُردو کے نفاذ میں رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے۔ اجلاس نے ۲۹ر جولائی کو اسلام آباد میں قومی زبان کے نفاذ کی سفارشات پر غور کرنے کے لیے کابینہ کمیٹی کے اجلاس کے انعقاد کا خیر مقدم کیا اور اس کمیٹی کے صدر نشین اور وزیر دفاع میر علی احمد تالپور کو ایک برقیہ روانہ کیا گیا جس میں ان سے گزارش کی گئی کہ مقتدرہ کی سفارشات کو فوری طور پر وفاقی کابینہ کو پیش کیا جائے تاکہ ۱۴ر اگست کو یوم آزادی پاکستان کے موقع پر دفتروں میں قومی زبان کے نفاذ کا اعلان ہو سکے۔ دریں اثناء ۲۹ر جولائی کو اسلام آباد میں کابینہ کمیٹی کا اجلاس اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے وزیر دفاع کی صدارت میں منعقد ہوا۔

تمام خط وکتابت اُردو میں

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ہدایت دی ہے کہ آیندہ عشر و زکوٰۃ کے نظام کی کارکردگی سے متعلق تمام خط وکتابت اردو میں کی جانے اور عشر و زکوٰۃ آرڈیننس کا اردو ترجمہ بھی سرکاری طور پر کیا جائے۔ انھوں نے یہ ہدایت ۵ر اگست کو اسلام آباد میں مرکزی اور صوبائی زکوٰۃ کونسلوں کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے دی۔

پبلک سروس کمیشن کے امتحانات قومی زبان میں لینے کی سفارشات کابینہ ڈویژن کو بھیجدی گئیں

اُردو کو متبادل ذریعۂ امتحان کی حیثیت سے رائج کیا جائے

وفاقی کابینہ کے آیندہ اجلاس میں ان سفارشات پر غور کیا جائے گا

مقابلوں کے امتحانات کے پرچے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں چھاپے جائیں

پبلک سروس کمیشن کے امتحانات قومی زبان اردو میں لینے کے بارے میں مقتدرہ قومی زبان کی ذیلی کمیٹی نے اپنی سفارشات تیار کر کے کابینہ ڈویژن کو بھیج دی ہیں اور توقع ہے کہ وفاقی کابینہ کے آیندہ اجلاس میں اپنی سفارشات پر غور کیا جائے گا۔ باخبر ذرائع کی اطلاع کے مطابق پبلک سروس کمیشن کے تحت مقابلوں کے امتحانات قومی زبان اُردو میں لینے کے بارے میں سفارشات تیار کرنے کے لیے گزشتہ سال وفاقی پبلک سروس کمیشن کے رکن شیخ منظور الٰہی کی سربراہی میں پانچ رکنی مجلس قائم کی گئی تھی۔ مجلس میں پلاننگ ڈویژن کے زائد معتمد (ایڈیشنل سیکریٹری) سید حبیب حسین سندھ پبلک سروس کمیشن کے چیرمین جسٹس امداد علی آغا پنجاب پبلک سروس کمیشن کے رُکن پروفیسر ایم اے رشید اور سرحد پبلک سروس کمیشن کے رکن بریگیڈیر فقیر محمد خاں شامل ہیں۔ اس مجلس نے اپنے اجلاس میں مقابلوں کے امتحانات اردو میں لینے کے بارے میں ان امتحانات کے تاریخی پس منظر پر غور کیا جس میں مجلس کے سربراہ شیخ منظور الٰہی نے بتایا کہ قیامِ پاکستان سے قبل مقابلے کے امتحانات میں اُردو زبان اور ادب کے دو سو نمبر ہوتے تھے اور آزادی کے بعد نومبر ۱۹۴۸ء میں جو امتحانات ہوئے اس میں اردو اور بنگالی کے کل نمبر ۲ سو تھے اس کے بعد ان امتحانات کے طریقہ کار اور نمبروں کی تقسیم میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں جس کی تفصیلات پر مکمل غور و خوض کے بعد مجلس نے سفارش کی ہے کہ اردو کو بحیثیت زبان دیگر زبانوں سندھی، پنجابی، پشتو یا بلوچی کے ساتھ لازمی طور پر قائم رکھا جائے جس کے نمبر سو ہوں گے۔ اردو ادب کا دو سو نمبر کا اختیاری پرچہ رکھا جائے۔ قومی زبان کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر انگریزی کی طرح عملی اُردو کا لازمی پرچہ ۵۰ نمبر کا رکھا جائے۔ اردو کو فوری طور پر انگریزی کے ساتھ متبادل ذریعۂ امتحانات کی حیثیت سے رائج کیا جائے اور مقابلوں کے امتحانات کے پرچے انگریزی اور اُردو دونوں میں چھاپے جائیں۔

قارئین کی رائے

"اخبار اردو" مسلسل پابندی کے ساتھ مل رہا ہے۔ اس دوران بعض موضوعات پر بحث میں مَیں خود شریک ہونا چاہتا تھا۔ لیکن میری علالت ہر بار مانع آئی۔ دیکھیے اتنی توانائی کب پیدا ہو کہ معمول کے مطابق کام کر سکوں۔ اس بار ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب کے مضمون نے ہماری دلچسپیوں اور توجہ میں خاصا اضافہ کیا۔ غیر ملکی، بالخصوص مغربی زبانوں کی اصطلاحات اور وہاں کے ناموں کے سلسلہ میں کوئی معیار اختیار کرنا چاہیے۔ میرے خیال میں ان ملکوں میں جس انداز سے لفظ بولا جاتا ہے اسی طرح اردو میں املا لکھنا چاہیے۔ مثلاً JUNG جرمن نام ہے۔ اس زبان میں 'J' کی آواز 'ی' کی طرح ہوتی ہے۔ فرانسیسی میں بالعموم 'J' کا تلفظ 'ژ' کی طرح ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر دو VOWEL یونانی لاطینی، المانی اور فرنگی (فرانسیسی) زبان میں ایک ساتھ آتے ہیں تو آخری VOWEL کی آواز قائم رہتی ہے لیکن انگریزی میں ان دونوں کی آواز ایک ہی میں ضم ہو جاتی ہے۔ اب اگر المانی (جرمن) زبان میں JUNG لکھا جائے گا تو اسے یُنگ ہی پڑھا جائے گا۔ JASPER کو یاسپر بولا جائے گا۔ DURKHEIM کو فرانسیسی تلفظ کے لحاظ سے درخائم یا دُرخائم کہا جائے گا۔ (تلفظ کا یہ فرق شمال و جنوب فرانس کے تلفظ کے فرق کی وجہ سے ہے) اہلِ فرانس JEAN کو اسی وجہ سے ژان پڑھتے ہیں۔ یہاں 'J' کا تلفظ المانی نہیں فرنگی ہو گا۔ اگر اصطلاحات کا ترجمہ وہ حضرات کریں جو مغرب کی زبانوں سے مانوس ہیں تو نراجیت بڑی حد تک دُور ہو جائے گی۔ ہمارے یہاں تو ایسے ایسے حضرات وضعِ اصطلاحات پر مسند ہیں جو تین تین جملوں میں بھی ہائی اسکول کا امتحان فتح نہ کر سکے۔"

(ڈاکٹر) ابن فرید

علی گڑھ (بھارت)

۲۸ جولائی ۱۹۸۲ء

"اخبار اردو" کا تازہ شمارہ ملا۔ شکریہ۔ "اخبار اردو" جیسے دقیع پرچہ میں کتابت کی اغلاط دیکھ کر بہت کوفت ہوتی ہے۔ اس کے ازالہ کے لیے کچھ کیجیے۔ تازہ شمارہ میں شائع شدہ میرے مضمون "اردو زبان میں اصطلاحی انتشار" میں متعدد اغلاطِ کتابت در آئی ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ صفحہ ۱۸، کالم ۲، سطر ۲۶ میں "ٹریلین" کی بجائے "ٹریلین" کتابت ہوا ہے۔

۲۔ اسی صفحہ اور اسی کالم کی سطر ۳۱ میں "ایک معیّن تعداد" کی جگہ "ایک حسین تعداد" مرقوم ہے۔

۳۔ صفحہ ۱۹، کالم ۳، سطر ۶ میں "طالبہ کار" کو "طالجہ کار" بنا دیا ہے اور اس سے دو سطریں آگے پھر "طالبہ" کو "طالحبہ" لکھا ہے۔

اردو زبان کی قومی سطح پر ترویج و ترقی کے لیے مقتدرہ جو کوششیں کر رہی ہے وہ لائقِ تحسین ہیں اور اسے پوری قوم کی تائید و حمایت حاصل ہے۔ میرے خیال میں پاکستان کی تاریخ میں اس مقصد کے حصول کے لیے اب حالات بہت سازگار ہیں۔ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو ایسا موقع شاید ہی دوبارہ نصیب ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی مساعی میں مزید شدت اور تیزی پیدا کریں تاکہ جلد از جلد یہ مقصد حاصل ہو سکے۔ ہمارے یہاں ایک طبقہ موجود ہے جو بوجوہ انگریزی سے چمٹا رہنا چاہتا ہے۔ اس طبقہ کو کاروبارِ حکومت میں دخل حاصل ہے، اس لیے یہ طبقہ کسی نہ کسی بہانہ سے انگریزی کو قائم رکھنے میں کوشاں ہے اور اردو کی ترویج میں رکاوٹیں کھڑی کرتا رہتا ہے۔ اس ذہنی طور پر غلام طبقہ کی سازش کو ناکام بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوں اور ہمارے قدم سست نہ پڑیں۔

اصولی طور پر جس بات کی تلقین کی جائے پہلے خود اس پر عمل کرنا چاہیے۔ آپ بھی یہ تلقین کرتے رہے ہیں کہ ہمیں اپنی تحریر و تقریر میں اردو الفاظ استعمال کرنے چاہییں مگر غیر شعوری طور پر ہمارا عمل اس کے برعکس ہے۔ "اخبار اردو" میں ایسے موقع پر بھی انگریزی الفاظ استعمال ہو رہے ہیں جہاں بہ آسانی اردو الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرف توجہ ضرور دیجیے اور یہ روش ترک کرنے کی کوشش کیجیے۔

مکانات کے شمار اور محلوں کے ناموں میں انگریزی کا استعمال ختم کرنے کے لیے بھی کچھ کیجیے۔ مثلاً آپ کے پتے میں "ڈی" اور "بلاک" کے الفاظ شامل ہیں۔ ان کے لیے اردو متبادل الفاظ استعمال کیجیے۔ اور بلدیہ کراچی کے ذریعے ایسے محلوں اور سڑکوں کے ناموں کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کیجیے۔ والسلام۔

وارث سرہندی

میں کافی عرصے سے "اخبار اردو" کا خریدار ہوں اور اسے دل چسپی سے پڑھتا ہوں۔ اُردو کی ترقی کے بارے میں دنیا بھر میں جو کچھ ہو رہا ہے اخبار اردو کے مطالعے سے علم ہو جاتا ہے۔ جولائی ۱۹۸۲ء کا اخبار اُردو نظر سے گزرا۔ نور احمد خاں فریدی کا مضمون "سرائیکی اور اردو" اُردو کی بنیاد کے بارے اصل حقائق کی نشان دہی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرائیکی ہی نے اُردو کو ابتدائی ڈھانچہ عطا کیا ہے۔ سرائیکی ایک ایسی زبان ہے جو پاکستان کے تمام صوبوں میں کسی نہ کسی نام سے سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ اُردو کی بنیاد پنجاب میں پڑی ہو، سندھ میں، بلوچستان میں یا سرحد میں، اُس نے سرائیکی (سرحد میں ہندکو) سے اپنی تعمیر و ترقی کے لیے مواد حاصل کیا ہے۔

"پنجاب میں اُردو" میں محمود شیرانی نے واضح طور پر تسلیم کیا ہے کہ اُردو کی تعمیر میں ملتانی (سرائیکی) کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ انھوں نے عبدالحکیم اچوی کے ابتدائی کلام کو اُردو کے ابتدائی نمونے کے طور پر پیش کیا۔ اُچوی، سرائیکی علاقہ اُچ (بہاولپور) کے رہنے والے اور سرائیکی بولنے والے تھے۔ انھوں نے اپنی مثنوی جسے اُردو کی ابتدائی شکل کہا جاتا ہے، سرائیکی میں لکھی تھی۔

دکن میں اُردو کے جو ابتدائی نمونے ملتے ہیں، وہ دراصل سرائیکی زبان ہی ہے کیونکہ ملتان کے علاقے کے بے شمار لوگ محمد تغلق کے نئے دارالخلافہ دولت آباد میں بسنے کے لیے اُس علاقے میں جا کر آباد ہوئے تھے۔ قدیم اُردو کے سینکڑوں الفاظ آج بھی سرائیکی میں ہو بہو بولے جاتے ہیں۔ اس لیے اس میں شک کرنے کی گنجائش کم ہے کہ اردو کی ابتدا سرائیکی ہی سے ہوئی۔ صرف اس موضوع پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

محمد اسلم رسول پوری
ضلع راجن پور (پنجاب)

AKHBAR-E-URDU
"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"
34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK—7, KARACHI-47
Registration No. S. 3195——VOL: 2—NO: 9 —— September 1982

اخبارِ اردو

اکتوبر ۱۹۸۲ء

"اب اُردو میں وہی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے جو دوسری بڑی زبانوں میں ہے۔ طبیعی، عمرانی، اقتصادی اور حیاتیاتی ہر قسم کے علوم کے لیے اُردو بخوبی ذریعۂ تعلیم بن سکتی ہے۔ اگر اُردو پڑھنے پڑھانے والے، دونوں کی اپنی زبان ہو اور وہ اچھی طرح واقف ہوں تو اس کو ذریعۂ تعلیم بنانے سے وہی فوائد مرتّب ہوں گے جو ایک انگریز کو انگریزی زبان میں اور ایک جرمن کو جرمن زبان میں تعلیم دینے سے حاصل ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل ونفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ـــــــ قوم کے حساس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ـــــــ

ماہنامہ

اخبارِ اردو

کراچی

فہرست

جلد ۲ شمارہ ۱۰

ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ اکتوبر ۱۹۸۲ء

آفتاب حسن
مدیر مسئول

ڈاکٹر معین الدین عقیل
مدیر (اعزازی)

مقتدرہ قومی زبان

۳۴۔ ڈی، بلاک ۷، گلشنِ اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون ۲۲-۴۶۴۱۲۱

قیمت: ایک روپیہ، سالانہ چندہ دس روپے

طابع: المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

بسمہٖ تعالیٰ

معروضات

یہ مصالحانہ رویّہ کیوں؟

سندھ کے صوبائی وزیرِ تعلیم جناب جسٹس غوث علی شاہ نے گزشتہ ماہ ۹ر ستمبر کو کراچی کے انگریزی ذریعۂ تعلیم کے ایک نامور تعلیمی ادارے "ماما پارسی اسکول" کے سالانہ جلسۂ تقسیم انعامات سے اپنے خطاب کے دوران اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "اُردو ذریعۂ تعلیم کے ساتھ انگریزی کی حیثیت بھی برقرار رہے گی۔ انگریزی کی حیثیت مسلّمہ ہے، اس لیے اسے لازمی مضمون کے طور پر برقرار رکھا گیا ہے اور قومی زبان کو اس کا جائز مقام دینے کے لیے اُردو کو بتدریج ذریعۂ تعلیم بنایا جا رہا ہے۔"

یہ ارشاد مملکت کی ایک اہم وزارت کے صوبائی سربراہ اور حکومت کے ایک اہم اور ذمہ دار رکن کا ہے، جسے ہم قومی زندگی اور قومی زبان کے تعلق سے نہایت اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں — اور پوری اہمیت دیتے ہیں۔ جناب جسٹس صاحب کو قومی زبان سے جو لگاؤ ہے اور اس کے رواج اور نفاذ سے انھیں جو دلچسپی ہے، وہ سب پر واضح ہے۔ اس کے تعلق سے خود اخبار اردو میں موصوف کے ارشاداتِ عالیہ وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے وزیرِ موصوف کے خیالات قومی زبان کے نفاذ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بڑے حوصلہ افزا اور امید افزا ہیں۔ لیکن قومی زبان کے نفاذ کی موجودہ تاخیری صورتِ حال میں موصوف کا مذکورہ حالیہ بیان قوم کے لیے اضطراب اور الجھن کا باعث ہوا ہے۔

وزارتِ تعلیم اس اعتبار سے ایک اہم وزارت ہوتی ہے کہ مملکت کے بہتر مستقبل کا دارومدار ایک بڑی حد تک اسی سے وابستہ ہوتا ہے۔ ذہنی اصلاح اور تعمیر کا جو انقلاب تعلیم کے ذریعہ رونما ہو سکتا ہے وہ کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قومی زبان کے استعمال کے جو فوائد تعلیم کے توسط سے حاصل کیے جا سکتے ہیں، وہ دوسرے ذرائع سے اس حد تک ممکن نہیں۔ ہر قوم کے اہلِ دانش نے ذریعۂ تعلیم کو جو اہمیت دی ہے، اس کا یہی بنیادی سبب ہے۔ ہمارے ملک میں سابقہ حکومتوں کے دور میں قومی زبان کے نفاذ اور اُردو ذریعۂ تعلیم کی اہمیت کو بجا طور پر تسلیم تو کیا گیا، لیکن اس کے لیے کوئی موثر پیش رفت نہیں کی گئی۔ محض چند تعلیمی اداروں اور اکا دکا جامعات نے اپنے طور پر اُردو کو بحیثیت ذریعۂ تعلیم اختیار کیا۔ موجودہ حکومت نے جہاں دیگر کئی مثبت اقدامات کیے ہیں، وہیں قومی زبان کو سرکاری حیثیت دینے اور ذریعۂ تعلیم بنانے کے واضح اعلانات بھی کیے اور اس سلسلہ میں پیش رفت کا آغاز بھی کیا۔

ذریعۂ تعلیم کی حد تک ۱۹۷۹ء میں تدریجی طریقۂ کار کو وضع کیا گیا تھا اور یہ تجویز کیا گیا تھا کہ ۱۹۸۰ء

سے پہلی جماعت میں اُردو کو مکمل ذریعۂ تعلیم کی حیثیت دی جائے گی اور پھر یہ سلسلہ ہر سال بتدریج اگلی جماعتوں تک بڑھایا جائے گا۔ حکومتِ سندھ کے محکمۂ تعلیم نے اس ضمن میں تمام تعلیمی اداروں کو واضح احکامات بھی جاری کر دیے۔ کراچی اور سندھ کے دیگر شہروں میں انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اسکولوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ متعدد اسکول مشنری اداروں کے ماتحت چلتے ہیں، جن کی ایک خاصی تعداد کو ۱۹۷۲ء میں دوسرے تعلیمی اداروں کی طرح قومی ملکیت میں نہیں لیا گیا۔ پھر بعض اسکول ایسے بھی ہیں، جو مغربی ممالک کی درسگاہوں کے طریقِ تدریس اور نصاب کو اختیار کر کے تعلیم دیتے ہیں، لیکن ان کی شرائط اس حد تک سخت ہیں کہ ان میں صرف اہلِ ثروت اور امراء کے بچے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ اسکول بھی قانونی طور پر محکمۂ تعلیم کے ماتحت آتے ہیں۔

اردو ذریعۂ تعلیم کے احکامات اصولاً تمام تعلیمی اداروں کے لیے تھے اور ان کی تعمیل تمام درس گاہوں کا فرض تھی، لیکن ایسی متعدد اطلاعات سامنے آئیں کہ سوائے ایک دو اسکولوں کے ــــ کسی انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اسکول نے محکمۂ تعلیم کے مذکورہ حکم کی تعمیل نہیں کی اور جن اسکولوں نے وقتی طور پر اُردو ذریعۂ تعلیم کو اختیار کیا تھا، انھوں نے بھی بہت جلد اردو کو خیر باد کہہ کر دوبارہ انگریزی کو اختیار کر لیا۔ یہ شکایتیں قومی اخبارات کے توسط سے بھی عام ہوئیں، لیکن ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی جس سے معلوم ہوتا کہ محکمۂ تعلیم نے اپنے احکامات کی خلاف ورزی پر کسی ادارے سے باز پُرس کی ہو یا کسی کے خلاف کوئی تادیبی قدم اٹھایا ہو اگر مذکورہ حکم پر عمل کیا جاتا تو اب تیسری جماعت کے طلبہ اردو میں تعلیم حاصل کر رہے ہوتے۔ ایسی ذہنیت اور طرزِ فکر کو جس میں حکومت کے واضح احکامات سے انحراف بھی شامل ہو، اس قسم کے مصالحانہ رویہ سے مزید تقویت پہنچ سکتی ہے اور اس سے قومی زبان کے رواج کی منزل اور دُور جا سکتی ہے۔ جس ذہنیت نے قوم کو ۳۵ سال پیچھے ڈھکیل دیا ہے ــــ اس کے ساتھ یہ مصالحانہ رویہ آخر کب تک؟

اس امر سے کسی کو انکار نہیں کہ "انگریزی زبان کی اہمیت مسلّمہ ہے"؟ آج کے دور میں ہر نیا دن انگریزی کے ایک نئے لفظ کو ہم پر مسلّط کر کے غروب ہوتا ہے۔ اور ہم مغرب سے مستعار فنی اور تکنیکی ترقی کے اثر سے مغلوب ہوتے جاتے ہیں۔ یہ ناگزیر بھی ہے۔ ترقی کی تیز رفتار دوڑ میں ہمیں خود کو کسی قابل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم انگریزی کی اس حیثیت کو تسلیم کریں۔ لیکن محض اس جائز حد تک کہ اس کے وسیلہ سے ہمارا رابطہ مغرب کی فنی اور تکنیکی دنیا سے استوار ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا سیکھنا اور اسے اپنی ترقی کا ایک ذریعہ سمجھنا درست اور مناسب ہے۔ لیکن افسوس کہ اُردو اور انگریزی کی جائز حدود کے معاملہ میں واضح اور دو ٹوک حکمتِ عملی اختیار نہ کرنے کے سبب آج ہم اس دوراہے پر کھڑے ہیں کہ کوئی بھی منزل ہمارے زیرِ قدم نہیں۔ ہم انگریزی سے بھی اتنا ہی دُور ہیں جتنا کہ اُردو سے۔ نہ ہم نے اردو کو اختیار کر کے اس کا حق ادا کیا اور نہ اِس کے فوائد سے بہرہ مند ہوئے اور نہ انگریزی میں مہارت پیدا کر کے کسی قابل ہو سکے۔ ڈیڑھ سو سال سے انگریزی کو اوڑھنا بچھونا بنا کر ہم نے کیا پایا؟ آج ہم میں، محض دو تین مستثنیات کے علاوہ، ایسا کوئی نہیں جس نے انگریزی زبان میں مہارت پیدا کر کے اس کے وسیلہ سے کوئی بڑا اور وقیع علمی کارنامہ انجام دیا ہو اور اس کا ذکر تاریخ کے کسی حاشیہ ہی پر رقم ہُوا ہو۔ ہماری آیندہ نسلوں سے تو ہمیں کوئی بھی امید افزا صورت نظر نہیں آتی۔ ان کا اظہار ناپختہ ہے اور انگریزی

باقی صفحہ ۳۱ پر

پاکستان کی ایک نئی جناتی زبان!

ڈاکٹر سید عبداللہ

ابن خلدون اور ٹوائن بی ـــــ ماہرینِ معاشرت اس امر پر متفق ہیں کہ غلامی اور محکومی وہ مذموم اور منحوس صورتِ حال ہوتی ہے جو اچھے بھلے افراد اور گروہوں سے ان کی خودی اور ان کا تشخص چھین لیتی ہے اور اس کی قبیح ترین شکل یہ ہے کہ محکوم اقوام غالب اقوام کی غلامانہ نقالی کے عمل شنیع کو بھی اپنے لیے ایک طرۂ افتخار و امتیاز سمجھ لیتی ہیں بلکہ بنا لیتی ہے۔ اگرچہ غالب اقوام محکوموں کی اس اخلاقی پستی کو حقارت آمیز مسکراہٹ سے دیکھ کر خوش بھی ہوتی ہیں مگر یہ غلام لوگ انھیں اچھے پھر بھی نہیں لگتے کیونکہ یہ ان کے کلچر کو دراصل مسخ کر رہے ہوتے ہیں۔ ٹوائن بی نے اسے بابو کلچر یا بابو ذہنیت قرار دیا ہے۔ دوسرے ماہر ابنِ خلدون نے اسے امر فطری قرار دیا ہے اور یہ اس وقت ظہور میں آتا ہے جب نقال معاشرے اپنے تشخص کو کھو کر غیر کی خودی کے ترجمان بن جاتے ہیں اور غیروں کی ظاہری عادات کو اپنا کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے غالب اقوام کا کمال بھی حاصل کر لیا ہے۔ حالانکہ کمال کی ترقی و نشوونما اپنی عصبیت یا بقول علامہ اپنی خودی کے استحکام پر منحصر ہوتی ہے۔

اس اصول پر زیادہ لکھنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ عیاں را چہ بیاں۔ علامہ اقبال کی ساری شاعری نہ سہی اس کا ½ حصہ اسی اصول کی تشریح و تفصیل کے لیے وقف ہے۔

اس وقت میں اس لیے سرگرم تحریر ہوا ہوں کہ مجھے پاکستان کی موجودہ معاشرتی صورتِ حال کے مضحکہ خیز تضادات کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے اور اس کا خصوصی تعلق لسانی شعبے سے ہے۔ اس ضمن میں کچھ باتیں اینگلو محمڈنزم کے بارے میں بھی لکھی جا سکتی ہیں مگر میں اسلامی معاشرتی شعبے کی موجودہ گنگا جمنی اور ناقابلِ فہم تصویر کی موجودہ ترکیبی ہیئت کے متعلق (جس میں دیر و حرم کے فاصلے کچھ مٹتے نظر آتے ہیں) مستقل شذرہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں ـــ فی الحال میں ایک عجیب الخلقت زبان کا کچھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو پاکستان میں بڑی تیزی سے (حکام کی سطح پر کم، نجی معاشرتی سطح پر زیادہ) رواج پذیر ہو کر پھیلتی جا رہی ہے۔

میں نے اس کا نام انگلی اردو یا انگاردو رکھا ہے۔ جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں ایک خاص زبان "ہابسن جابسن" ظہور میں آئی تھی اور اس پر فصیح انگریزی زبان کے حامیوں نے بڑے تکدر کا اظہار کیا تھا۔ مذکورہ زبان پر فصاحت پسند انگریز اس لیے برافروختہ ہوتے تھے کہ حاکمانہ مجبوریوں کے تحت انڈیا سے تعلق رکھنے والے انگریزوں کی انگریزی میں ہندوستان کے مُروّج دیسی الفاظ زبردستی داخل ہو رہے تھے جن سے "کنگز انگلش" کے تصور کو نقصان پہنچنے کے علاوہ اس عصبیت کو بھی نقصان پہنچ رہا تھا جس کی قوت سے انگریز اس ملک میں حکمرانی کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی انفرادیت اور تشخص کو محفوظ کرنے کے لیے جو جو تدبیریں اختیار کیں ان کا حال جان کیری کی کتاب "گڈ اولڈ ڈیز آف جان کمپنی" سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ہابسن جابسن انگریزی کو زوالِ اقتدار کا اولین نشان قرار دیا گیا تھا۔

میری رائے میں انگلی اردو یا انگاردو کا حادثہ بھی زوالِ اقتدار کا نشان نہ سہی اس عصبیت خودی کے زوال کی علامت ضرور ہے جس کی قوت سے ہم نے ہندوؤں کی قومیت سے اپنی جداگانہ قومیت کا اقرار کرایا تھا، ہمیں وِدیا مندر سکیم (بلکہ خود لفظ ہندوستانی پر اعتراض یہ تھا کہ اس میں غیر اردو (یعنی سنسکرت) اور ہندوستان کی دوسری بولیوں کے الفاظ شامل ہونے کا اندیشہ

تھا جس کے باعث اردو کے تشخص کو نقصان پہنچنا لازمی سمجھا گیا تھا اور اس کے امکانات حقیقی تھے۔ خصوصاً جبکہ ہم نے ایک مرحلے پر اردو کو مسلم تشخص کی علامت قرار دے دیا تھا اور ہم اردو میں غیر عناصر کی آمیزش کو اپنی قومیت کے خلاف سمجھتے تھے۔

لیکن زمانے کی گردش بھی بڑی عبرت آموز شے ہے۔ کل تک ہم جس زبان کو قومی تشخص کا نشانِ اعظم سمجھتے تھے اس کے حالِ زبوں کو کوئی اب آکر دیکھے۔ جو سلوک اس کے ساتھ ہو رہا ہے اس پر کیا لکھیے اور کیا کہیے۔ ناطقہ سر بگریباں ہی نہیں خود گریبان کی جستجو میں ہے کہ کہیں سراغ ملے تو اس کے چاک میں سر کو چھپا سکے اور خامہ انگشت بدنداں ہونا بھی چاہے تو لب و دنداں ہیں کہاں کوئی انگلی رکھے تو کہاں رکھے، کوئی الطاف حسین حالی ہوتا تو شکوۂ اردو لکھتا، کوئی اقبال ہوتا تو جواب شکوہ کے پردے میں اپنے درسِ خودی کی اس توہین پر ماتم کرتا۔ اور لطف یہ ہے کہ قومیت قومیت کا نقارہ بھی ساتھ ساتھ بجتا جا رہا ہے اور شکوہ ہند بھی ترنم سے مسلسل پڑھا جا رہا ہے۔ قومیت کے نعرے کا استعمال اب جس طریق سے ہو رہا ہے اسے مرقع عبرت ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس سے بہتر ترکیب اس وقت میرے پاس موجود نہیں۔

ے فریبِ شوق میں ہم جسے منزل سمجھتے تھے
وہی اب آہ گردِ کارواں معلوم ہوتی ہے

اور اب قصہ گردِ کارواں کا یہ ہے کہ انگلش پرستی کی بیماری پورے معاشرے پر محیط ہو گئی ہے۔ ہم اب تک دفتر شاہی کا رونا روتے رہے کہ ان کا وجود میکالے ازم کا پیکر محسوس ہے۔ ہم نے (اپنی بے حسی کے باوجود) حلقۂ اربابِ اقتدار کی گریباں گیری کی اور بہت برا بھلا کہا مگر اب آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ یہاں باسامان اور بے سامان کا فرق مٹتا جا رہا ہے۔ اب وہ لوگ بھی انگریزی کی اے بی سی سے نابلد ہیں (ہرچند کہ انگلش میڈیم کی برکت سے اب یہ ناخواندہ طبقہ بھی "بابا بلیک شیپ" کی حد تک انگریزی خواندہ ہو گیا ہے) تاہم یہ لوگ انگریزی کی ابجد سے ہنوز ناواقف ہی ہیں مگر اپنی دکانوں، کارخانوں، فرموں، گھروں اور گلیوں کے نام انگریزی میں رکھنے لگے ہیں، جنھیں ہندی کے چند لفظ (اور بجا طور پر) چبھتے تھے اب ان کے کاروبار زندگی میں انگریزی ڈھیروں، منوں اور ٹنوں کے حساب سے (اور بلا سبب) دخیل و کفیل رہی ہے اور قومیت کے آبگینے کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی۔ لاہور کے کسی بھی ایک بازار سے گزر جائیے دھوبی، نائی اور درزی کی "پیپے" سے کر کریانہ اور پنساری کی دکان تک ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط اتنا غالب نظر آئے گا کہ انگریز اسے دیکھ کر کفِ افسوس مل رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہم کتنے غلط کار نکلے۔ ادھر تو محبت (تا بحد جنونِ عشق) کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے مگر ہم غلط فہمی میں ہیں، ان لوگوں کو غیر سمجھ بیٹھے اور نکل آنے کی ٹھانی۔ ع

ہم بگولا جسے سمجھے وہ مرا گھر نکلا

سوال یہ ہے کہ کیا پنساری کی دکان کا نام اردو میں نہیں رکھا جا سکتا۔ کیا یہ بھی کوئی نیوکلیر سائنس ہے جس کے الفاظ ہمیں دستیاب نہیں اس لیے مجبوری ہے۔

معاملہ پنبہ کجا کجا نہم کا ہے، جسے دیکھو اپنی کلاہِ بے وقار میں پھسپھسی انگریزی کا بے رنگ دیوگل ٹانک رہا ہے۔ شعبہ تحریر میں عجیب عجیب الفاظ ہماری بے زبانی اور عجزِ اظہار کا ماتم کر رہے ہیں۔ شکایات سیل سے لے کر فوکس تک اور بریفنگ سے لے کر سویٹ تک ـــ اور کیا کیا لکھوں۔ سب کو خود معلوم ہے کہ فطری مادری زبان کی طرح الفاظ، اصطلاحات اور عامیانہ امریکی لفظ بے ساختہ ہر خواندہ و ناخواندہ کی زبان کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ وجہ ایک تو عربی و فارسی کا زوال، دوم قومی احساس کی فوتیدگی، سوئم اینگلو محمڈنزم، چہارم کم ہمتی اور سہل انگاری کہ کون اردو الفاظ کو تلاش کرتا رہے۔

ملک بھر کی فرمیں اور بڑے بڑے کاروباری ادارے انگریزی نام رکھتے ہیں اور جب کبھی مجبوری سے ان لمبے لمبے ناموں کو اردو عبارت میں جذب کرنا ہوتا ہے تو اتنی عجیب و غریب شکل بنتی ہے کہ ہنسی آتی ہے (نام اس لیے نہیں لکھتا کہ کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں) پھر ان فرموں کی طرف سے جب کسی قسم کے اشتہارات اردو میں چھاپے جاتے ہیں تو گلابی اردو کا مزا آجاتا ہے۔ مثلاً یونائیٹڈ فارمیسوٹکل و ایڈیٹا لوجیکل و سرجیکل انسٹی ٹیوٹ (گزیٹڈ) کی طرف سے نوٹس دیا جاتا ہے کہ پریمیم کا ایڈوانس پے منٹ جن جن کمپنیوں کے کریڈٹ میں ہے۔ انھیں اوور ڈیو سے بچانے کے لیے وِدن ٹائم اپنی انسٹالمنٹ، بذریعہ سن لائف انشورنس کمپنی آف

پاکستان اینڈ ابراڈ، کیش کراکر ایک ایلفے ڈیوٹ کے ہمراہ جلد از جلد سنٹر آفس (پلازہ ایونیو، برٹی مارکیٹ کی لین نمبر فارٹی) میں جمع کرا دیں تاکہ باقی پارٹنر حضرات کو کسی قسم کا ان کنوینی الینس نہ ہو ورنہ تمام ارینجمنٹ کے ڈسٹرب ہونے کا ڈر ہے۔ اس نوٹس کو فائنل وارننگ سمجھا جائے وغیرہ وغیرہ۔

استغفراللہ ثم استغفراللہ! کیا یہ وہی اُردوئے معلّیٰ ہے جس کے لیے ہم لڑتے رہے اور جس کے لیے بہت سے لوگوں نے بقدر طاقت قربانیاں بھی دیں۔ سرکاری محکمے تو کلاہِ خسروی پہن کر نکلتے ہیں اور بچ جاتے ہیں مگر کاروباری لوگوں کی قلندری ملاحظہ ہو کہ وہ بھی اونچے اڑنے لگے ہیں۔ حالانکہ یہ مال و دولت آنی جانی چیز ہے، انھیں اس روز سے ڈرنا چاہیے، جس روز دیکھتے دیکھتے یہ سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔ ان حضرات کی حالت یہ ہے کہ ساری دولت (اور فرنگی ادویہ) کے باوجود کھانا تو اب بھی ہضم نہیں ہوتا مگر کل کیا ہونے والا ہے اس کے لیے قرآن مجید کی سورۃ تکاثر کا مطالعہ کریں، تحریکِ پاکستان میں خدا اور مسلمانوں سے کیے ہوئے وعدوں سے انحراف کی سزا مل کر رہے گی۔

سیاسی جماعتوں کا حال کچھ اس سے بہتر نہیں، پرانے نام تو سب کے علم میں ہیں مگر یہ بھی دیکھیے کہ جب کوئی سیاسی جماعت ظہور میں آتی ہے تو انگریزی کے پروں پر اُڑتی ہوئی آتی ہے۔ ابھی ابھی ایک مشترک جماعت نکلی تھی اس کا نام ایم آر ڈی رکھا گیا۔ طلبہ اور عام کارکن جب اپنی مجالس کے نام رکھتے ہیں تو صرف انگریزی ہی سے انھیں قوت ملتی ہے اور اس پر مخففات جب طاری کیے جاتے ہیں تو تماشائے دگر سامنے آتا ہے، سرکاری مخففات ایل ڈی اے۔ کے ڈی اے۔ واپڈا۔ واسا (بروزن بدحواسا)..... غرض کہاں تک گنتے جائیے۔ مجھے تو کچھ یوں لگتا ہے کہ ساری پاکستانی قوم انگریزوں سے بڑھ کر انگریز بنتی جا رہی ہے۔ یوں بے حیائی یہ بھی جاری ہے کہ دبی زبان سے اُردو کو ابھی تک قومی زبان ہی کہا جا رہا ہے۔

یہ سب اس ذہن کا نتیجہ ہے جس کے خلاف اکبر، شبلی اور اقبال صدائے احتجاج بلند کرتے رہے۔ مگر اس وقت کے اکابر تسلیم نہیں کرتے تھے کہ میکالے ازم کا نتیجہ واقعی یہ نکلے گا کہ کالے انگریزوں کی ایک قوم ظہور میں آجائے گی جو سائنس تو خیر اونچی چیز ہے عام امور میں بھی ملکی اور دیسی ناموں اور لفظوں سے نفرت کرکے غلامی کی یادگار کو اپنے لیے علامتِ افتخار بنالے گی۔ ممکن ہے یہ فطرت یونانی دور سے اندر ہی اندر متوارث چلی آئی ہو تاہم میکالے کا اثر تاریخی طور سے ثابت ہے۔

مقصد اس گفتگو کا یہ ہے کہ اس نئی حرکت سے جو عوام کی طبیعت کا جزو بنتی جا رہی ہے، پاکستانی قومیت اور پاکستانی تشخص کا رہا سہا وقار بھی ختم ہو رہا ہے اور ہر کوئی بے نقاب ہو رہا ہے۔

اس حقیقت کا بار دیگر اعلان غیر متعلق نہ سمجھا جائے گا کہ اقوام کی زندگی استحکامِ خودی (یا بقول خلدون) استحکامِ عصبیت سے وابستہ ہے ورنہ محض جغرافیائی لکیریں خود اپنا دفاع نہیں کر سکتیں۔ ان کی حفاظت کے لیے عقائدِ راسخہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بدقسمتی یہ ہے انہیں میں اب ضعف پیدا ہوگیا ہے

آخر میں گزارش ہے کہ اگر پاکستان کے لوگ اب اُردو سے واقعی اتنے بیزار ہیں اور انگریزی ہی کو مادری زبان کی حیثیت دینے پر تلے ہوئے ہیں تو یہ ڈھونگ بھی ختم ہو جانا چاہیے کہ اردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔ صاف صاف اقرار کر لیجیے کہ ہم انگریز ہیں اور خواہ اصلی انگریز مانیں یا نہ مانیں ہم خود کو انگریز ہی سمجھیں گے۔ بہرصورت صاف بیانی سے کام لے کر معاملہ ختم ہو جانا چاہیے ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دولت می باید کرد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

اصطلاحاتِ زبان و قواعد

(انگریزی - اردو)

ذیل میں ہم لسانیات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے استفادہ اور نقد و نظر کے لیے زبان و قواعد کی ۔۔۔۔ ایک فرہنگ پیش کر رہے ہیں۔ اس فرہنگ کو ممتاز مصنف اور مترجم عتیق احمد صدیقی نے لسانیات کے موضوع پر انگریزی کی ایک تازہ تصنیف "انٹروڈکشن ٹو ڈسکرپٹو لنگوسٹکس" مصنفہ ایچ اے گلیسن کا ترجمہ کرتے ہوئے تیار کیا ہے۔

ABSTRACT	مجرّد
ACCENT	لہجہ
ACCENTED	لہجہ دار
ACCUSATIVE CASE	حالتِ مفعولی
ACOUSTIC	سمعی
ACOUSTICS	سمعیات
ACTIVE VOICE	طورِ معرفت
ACTIVITY	سرگرمی، عمل
ADESSIVE CASE	قربی حالت
ADJECTIVE	صفت
ADJUSTMENT MODEL	توافق نمونہ / ماڈل
ADVERB	تمیز
AFFIX	تعلیقیہ
AFFRICATES	بند صفیری
ALLATIVE CASE	جہتی حالت
ALLOGRAPH	ذیل ترسیمیہ
ALLOMORPH	ذیل مارفیم
ALLOPHONE	ذیلی فونیم
ALLOPHONIC	ذیلی فونیمی
ALPHABETIC	ابجدی
ALPHABETIC WRITING	ابجدی تحریر
ALPHABETS	ابجد
ALVEOLAE	لثہ
ALVEOLAR	لثوی
ALVEOPALATAL	لث تالوی
AMPLITUDE	فراخی
ANALOGIC CHANGE	مماثلتی تبدیلی
ANALOGICAL	مماثلتی
ANALOGY	مماثلت
ANIMATE	جاندار
ANTHROPOLOGY	بشریات
APEX (OF THE TONGUE)	نوک (زبان کی)

مبدل منہ	APPOSITION
حرفِ تعریف	ARTICLE
تلفظ	ARTICULATION
تلفظ کار	ARTICULATORS
تلفظی (صوتیات کے ساتھ)	ARTICULATORY
ہکار	ASPIRATE
ہکاری	ASPIRATED
ہکاریت	ASPIRATION
تماثل	ASSIMILATION
سمعیت	AUDIBILITY
سمع	AUDITION
سمعی	AUDITORY
امدادی فعل	AUXILIARY VERB
زبان کا پچھلا حصہ	BACK OF TONGUE
پچھلا مصوتہ	BACK VOWEL
پٹی	BAND
اساس، بنیاد	BASE
اساسی شکل/ بنیادی روپ	BASE FORM
ذو لسانی	BILINGUAL
زبان کا پھل	BLADE OF TONGUE
مستعاریت	BORROWING
مستعار لینے والی زبان	BORROWING LAGUAGE
پابند روپ/ متعین شکل	BOUND FORM
فصل	BREAK
تنفسی گروہ	BREATH GROUP
فونیمی تحریر	BROAD TRANSCRIPTION
معیاری مصوتہ	CARDINAL VOWEL
حالت	CASE
حالتی (لاحقہ)	CASE ENDING
جوف	CAVITY
درمیانی	CENTRAL
درمیانی مصوتہ	CENTRAL VOWEL
تبدیلی، تغیر	CHANGE
جدول/ چارٹ	CHART
درجہ بندی کرنا	CLASS
درجہ بندی، گروہ بندی	CLASSIFICATION
فقرہ	CLAUSE
اختتامِ فقرہ	CLAUSE TERMINAL
چٹکار اصوات	CLICK SOUNDS
بند مصوتہ	CLOSED VOWEL
خوشہ	CLUSTER
مقررہ اشارہ/ کوڈ	CODE
ہم اصل	COGNATE
روزمرہ کا، عام بول چال کا	COLLOQUIAL
معیتی حالت	COMITATIVE CASE
ترسیل	COMMUNICATION
صفت تفضیلی	COMPARATIVE ADJECTIVE
تقابلی لسانیات	COMPARATIVE LINGUISTICS
مکافاتی طول	COMPENSATORY LENGTHENING
تکمیلی تقسیم/ متمم تقسیم	COMPLEMENTARY DISTRIBUTION
لفیف جملہ	COMPLEX SENTENCE
مرکب	COMPOUND
تطابق	CONCORD
مشروط/ شرطیہ	CONDITIONAL
مشروط	CONDITIONED
گردان	CONJUGATION
عطف	CONJUNCTION
مصمتہ	CONSONANT
مصمتی فونیم	CONSONANT PHONEME
مصمتی	CONSTANTAL
جز	CONSTITUENT
اجزائی قسم	CONSTITUENT CLASS
اجزائی ساخت	CONSTITUENT STRUCTURE
ساخت، ترکیب، تعمیر	CONSTRUCTION

CONSTRUCTION PATTERN	ترکیبی سانچہ/تعمیری سانچہ
CONSTRUCTIONAL	ترکیبی/تعمیری
CONSTRUCTIONAL HOMONYMITY	ترکیبی/تعمیری تجنیس
CONTACT	لمس
CONTACT SOUND	لمسی اصوات
CONTENT	مضمون، معنی
CONTIGUOUS	مقرون
CONTINUANT	جاریہ
CONTRAST	تضاد، تخالف
CONTRASTIVE GRAMMAR	تخالفی قواعد
CORPUS	نظیری مواد
CORRESPONDENCE	مطابقت
COUNT NOUNS	شماری اسم
CROSS-REFERENCE	حوالۂ داخلی
CURRENT RELEVANCE	کیفیت جاریہ
DATIVE CASE	نصبی حالت
DEGREE	درجہ
DEMONSTRATIVES	کلمات اشارہ
DENSITY OF COMMUNICATION	ثقل ترسیل کا
DENTAL	دندانی
DERIVATION	اشتقاق
DERIVATIVE	اشتقاقی
DERIVE	مشتق کرنا
DESCRIPTIVE	توضیحی
DESCRIPTIVE GRAMMAR	توضیحی قواعد
DESCRIPTIVE LINGUISTICS	توضیحی لسانیات
DESCRIPTIVE ROOT	توضیحی مادہ
DIACRITICAL (MARKS)	امتیازی نشان
DIALECT	بولی
DIASYLLABIC	دو رکنی
DIASYLLABIC ROOT	دو رکنی مادہ
DIAGRAPH	دہری ترسیم
DIPHTHONGS	دہرے مصوتے
DISSIMILATION	خلاف تماثل افتراق
DISTANT ENVIRONMENT	بعید ماحول
DISTRIBUTION	تقسیم
DISTURBANCE	خلل
DOME OF PALATE	تالو کا قبہ
DORSAL (= VELAR)	غشائی
DUAL	تثنیہ
ELATIVE CASE	استنباتی حالت
ELEMENT MODEL	عنصری نمونہ/ماڈل
ENVIRONMENT	ماحول
ESSIVE CASE	استقراری حالت
ETYMOLOGY	استقاقیات
EXCLUSIVE CASE	اخراجی حالت
EXCLUSIVE FIRST PERSON	متکلم اخراجی
EXPERIMENTAL PHONETICS	تجربی صوتیات
EXPRESSION	بیان، اظہار
EXTRA HIGH (OF PITCH)	زیادہ اونچا (زور)
FADING (OF CLAUSE TERMINAL)	ماند (اختتام فقرہ)
FALLING DIPHTHONG	گرتا دُہرا مصوتہ
FALSE ANALOGY	غلط مماثلت
FEMININE GENDER	جنس مونث
FLAP	تکریری
FLOW OF SPEECH	رفتارِ کلام/کلام کا بہاؤ
FORM	شکل، روپ
FORMANT	پیکرساز
FORMATION	تشکیل
FORMATIVE	تشکیلی
FORTIS	قوی
FREE VARIATION	آزاد تباین
FREQUENCY	تکرار، تعداد ارتعاش
FREQUENTATIVE	تکراری

HOMONYMITY	تجنیس
HOMONYMS	ہم جنس الفاظ
HOMOPHONOUS	ہم صوت
HOMORGANIC	ہم مخرج
HYPOTHESIS	مفروضہ
HYPOTHETICAL	فرضی
IDENTICAL	یکساں
IDENTICAL PAIR	یکساں جوڑا
ILLATIVE CASE	درونی حالت
IMMEDIATE CONSTITUENT	جزو متصل
IMMEDIATE CONSTITUENTS	اجزائے متصل
IMMEDIATE ENVIRONMENT	قریبی ماحول
IMPERFECT	ناتمام
IMPLOSIVE	درکشیدہ
INANIMATE	بے جان
INCLUSIVE	شمولی
INCLUSIVE FIRST PERSON	متکلم شمولی
INDIVATIVE	بیانیہ
INESSIVE	مدخولی
IMAGE	تصور
INFIX	وسطیہ
INFLECTION	تصریف
INFLECTIONAL	تصریفی
INFORMANT	اطلاع دہندہ
INFORMATION	اطلاع
INSTRUCTIVE CASE	ذریعی حالت
INSTRUMENTAL CASE	آلی حالت
INTENSITY REPRESENTATION	شدت نمائی
INTENSIVE	شدید
INTERDENTAL	بین دندانی
INTERJECTION	فجائیہ

FRICATIVE	صفیری/صفیریہ
FRICTION	رگڑ، صفیر
FRONT OF TONGUE	زبان کا اگلا حصہ
FRONT VOWEL	اگلا مصوتہ
FUNCTION	تفاعل، عمل
FUNCTION WORDS	تفاعلی الفاظ
GENDER	جنس
GENEOLOGICAL CLASSIFICATION	نسلی تقسیم
GENERATE	تخلیق کرنا
GENITIVE CASE	اضافی حالت
GLIDE	تدریجیہ
GLIDING TONE	تدریجی سر
GLOSSEMATICS	علم کلمات
GLOTTAL	حلقی
GLOTTAL STOP	حلقی بندش
GLOTTALIZED	حلقیایا
GLOTTOCHRONOLOGY	علم تاریخ لسان
GOVERNMENT	متابعت
GRADE	درجہ
GRAMMAR	قواعد
GRAMMATICAL GENDER	قواعدی جنس
GRAMMATICALNESS	قواعدیت
GRAPH	ترسیم
GRAPHEME	ترسیمیہ
GROOVED FRICATIVES	نالی دار صفیری آواز و صفیریے
HAMITIC LANGUAGES	حامی زبانیں
HARMONIC	ہم آہنگیہ
HARMONIOUS	ہم آہنگ
HIGH (OF PITCH)	اونچا (زور)
HIGH-FRONT	اگلو نچا
HIGHER-LOW (VOWEL)	اونچا نچلا
HISTORICAL LINGUISTICS	تاریخی لسانیات

MECHANISM	ساخت، نظام، میکنزم
MEDIAL VOWEL	بچلا مصوتہ
MEDIAN RESONANT	وسطی گمک دار
METATHESIS	تقلیب
MID (OF PITCH = /2/)	وسطی
MINIMAL PAIR	اقلی جوڑا
MODIFICATION	ترمیم
MONOSYLLABIC	یک رکنی
MONOSYLLABIC ROOT	یک رکنی مادہ
MOOD	طور
MORPHEME	مارفیم
MORPHEMIC	مارفیمی
MORPHOLOGICAL CLASSIFICATION	مارفیمیاتی تقسیم
MORPHOLOGICALLY CONDITIONED	مشروط مارفیمیاتی
MORPHONEMIC CHANGES	مارفونیمی تبدیلیاں
MUTUALLY EXCLUSIVE	باہم اخراجی
NARROW TRANSCRIPTION	صوتیاتی تحریر
NASAL	انفی
NASALIZATION	انفیت
NASALISED	مغنونہ، انفیائی
NATIVE SPEAKER	اہل زبان
NATURE	ماہیت
NEUTER GENDER	بے جان جنس
NOMINAL PHRASE	اسمی ترکیب
NOMINATIVE CASE	حالت فاعلی
NON-CONTIGUOUS	مفروقی
NON-RECURSIVE RULE	غیر بازو قوعی قاعدہ
NON-VOCOID	غیر مصوتہ نما
NORMAL GRADE	معمولی درجہ
NOTATION	علامتی نشان / نگارش
NOUN	اسم
NOUN PLURAL	جمع اسمی

INTERNATIONAL PHONETIC ALPHABET	بین الاقوامی صوتی ابجد
INTONATION	سُر لہر
INTONATION CONTOUR	سُر لہری خط
ISOGLOSS	لسانی خط فاصل / لفظی متنا وبہ
LABIAL	لبی
LABIALIZE	لبیانا
LABIALIZED	لبیائی
LABIODENTAL	لب دندانی
LABIOVELAR	لب غشائی
LANGUAGE	زبان
LARYNGAL	حنجری
LARYNX	حنجرہ
LATERAL	پہلوئی
LAX	خفیف
LENIS	ضعیف
LEVEL DIPHTHONG	ہموار دہرا مصوتہ
LIMITED DURATION	محدود عرصہ
LINEAR REPRESENTATION	خطی اظہار
LINGUIST	ماہر لسانیات
LINGUISTIC	لسانی، لسانیاتی
LINGUISTICS	لسانیات
LIP	لب
LOAN-WORD	مستعار لفظ
LOVATIVE CASE	مکانی حالت
LOW	نچلا، نیچا
LOWER ARTICULATION	نچلا تلفظ
LOWER-HIGH (VOWEL)	نچلو نچا (مصوتہ)
MARKER	نشان گر
MASCULINE GENDER	جنس مذکر
MASS NOUNS	اسمائے مادہ
MEAN-MID	درمیانی وسطی

NUCLEUS	مرکزہ
OBLIGATORY RULE	لازمی قاعدہ
OBLIQUE CASE	غیر فاعلی حالت
OPEN TRANSITION	بعید/کھلا عبوری تبدل/تغیر
OPEN VOWEL	کھلا مصوتہ
OPTIONAL RULE	اختیاری قاعدہ
ORAL	دہنی
PALATALIZE	حنکیانا
PALATALIZED	حنکیائی
PALATE	حنک، تالو
PARADIGM	گردان، نقشہ گردان
PARADIGM MODEL	گردانی نمونہ/ماڈل
PARADIGMATIC CLASS	گردانی اقسام
PARTITIVE CASE	تخصیصی حالت
PARTS OF SPEECH	اقسام کلمہ/اجزائے کلام
PASSIVE VOICE	طورِ مجہول
PATTERN	نمونہ
PAUSE	وقفہ
PERFECT	تمام
PHARYNGAL	حلقوی
PHARYNX	حلقوم
PHENOMENON	واقعہ، صورت
PHONEME	فونیم
PHONEMIC	فونیمی
PHONEMICALLY	فونیمیاتی طور پر
PHONEMICS	فونیمیات
PHONETIC	صوتی
PHONETIC CHANGE	صوتی تبدیلی
PHONETIC CHART	صوتی جدول/چارٹ
PHONETICALLY	صوتیاتی طور پر
PHONETICS	صوتیات
PHONOLOGICALLY CONDITIONED	مشروط صوتی
PHONOLOGY	علم اصوات
PHRASE	ترکیب
PHYSICAL ACOUSTICS	طبیعی سمعیات
PHYSICIST	ماہر طبیعیات
PHYSIOLOGICAL	عضویاتی
PHYSIOLOGY	عضویات
PITCH	سُر
PITCH ACCENT	سُر لہجہ (زور دار لہجہ)
POINT OF ARTICULATION	مخرج
POSTPOSITION	موخر اسمیہ/جار موخر
PREDICATE	خبر
PREFIX	سابقہ
PREPALATAL	قبل حنکی/تالوی
PREPOSITION	حرفِ ربط، حرفِ جار، جار مقدم
PREPOSITIONAL	مجرور/جار مقدمی
PRESCRIPTIVE GRAMMAR	ہدایتی قواعد
PRIMARY	ابتدائی
PRIMARY BIL	ابتدائی بل
PRINCIPAL PARTS	اجزائے خاص
PROCESS	عمل
PRODUCTIVE SUB-CLASS	پیداکار ذیلی قسم
PROGRESSIVE	ارتقائی
PRONOUN	ضمیر
PROXIMATE THIRD PERSON	صیغہ غائب قریب
PURE TONE	خالص تان
REACT	متاثر ہونا/ردِّ عمل ہونا
RECIPROCAL PRONOUN	ضمیر تفاعلی
RECONSTRUCTION	بازتعمیر/تشکیل
RECORD	قلم بند کرنا/ریکارڈ
RECURSIVE RULE	بازتکراری قاعدہ
REDUNDANCIES	فاضلات، حشو و زوائد
REDUPLICATIONS	مکررات

REFERENCE GRAMMAR	حوالہ جاتی قواعد
REGRSSIVE	رجعی
RELEASED STOP	واگزاشت بندشی آواز/رہا بندشیہ
REPLACIVE	مبدل
RESEMBLANCE	مشابہت
RESOLVE	تحویل کرنا
RESONANCE	گمک
RESONANT	گمک دار (آوازیں)
RETROFLEX	معکوسی
RE-WRITE RULES	بازتحریری قاعدے
RISING	ابھرتا
RISING DIPHTHONG	ابھرتا دوہرا مصوتہ
ROOT	مادہ
ROOT OF TONGUE	زبان کی جڑ
ROUNDED VOWEL	مدور مصوتہ
RYTHM	آہنگ
SCIENCE OF LANGUAGE	علم زبان
SCRIPT	رسم خط
SECONDARY	ثانوی
SEGMENT	قطعہ/قطع کاری کرنا/تقطیع کرنا
SEGMENTAL PHONEMES	تقطیعی/قطعی فونیم
SEGMENTATION	قطع کاری/تقطیع
SEMENTICS	معنیات
SEMI-VOWEL	نیم مصوتہ
SEMITIC LANGUAGES	سامی زبانیں
SENTENCE GRAMMAR	جملہ قواعد
SENTENCE INTERPRETING GRAMMAR	جملہ تشریحی قواعد
SENTENCE PRODUCING GRAMMAR	جملہ ساز قواعد
SEQUENCE	زنجیرہ، تسلسل
SETS	(۱) مجموعے (۲) تختی
SHADE	شائبہ
SHEWA	شوا
SIBILANT	سسکار/سینیہ
SLIT-FRICATIVES	درز دار صفیری آوازیں/صفیریہ
SIGNIFICANT	معنی خیز
SIMILAR PAIR	مشابہ جوڑا
SITUATION	صورتِ حال
SOUND	صوت
SOUND APPARATUS	صوتالہ
SOUND CHANGE	صوتی تبدیلی
SOUND IMAGE	صوت تصور
SOUND JUMBLE	صوت گڈمڈ
SOUND PICTURE	صوتی تصویر
SOUND WAVE	صوت لہر
SPECROGRAPH	طیف نگار/اسپیکٹروگراف
SPEECH	تکلم، کلام
SPEECH HABIT	کلامی عادت
SPEECH ORGANS	اعضائے نطق/تکلم
SPEECH SOUNDS	کلامی آوازیں (اصوات)
SPIRANT	صفیری
STEM	ساق
STEM FORMATIVES	ساق سازیے
STOP	بندش، بندشی، بندشیہ
STRSS	بل
STRESS ACCENT	بل دار لہجہ
STRING	تسلسل
STRUCTURAL SKETCH	ترکیبی خاکہ
STRUCTURE	ترکیب، ساخت
STRUCTURED STRING	ترکیبی تسلسل/زنجیرہ
SUB-MEMBER	ذیلی ممبر
SUB-SELECTION MODEL	ذیلی انتخاب ماڈل
SUBSTITUTE	قائم مقام
SUBSTITUTABILITY	قائم مقامیت
SUFFIX	لاحقہ

SUPPLETION	مکمل تبدیلی
SUPRASEGMENTAL PHONEMES	فوق تقطیعی فونیم
SUPRA-SENTENCE GRAMMAR	فوق جملہ قواعد
SUSPICIOUS PAIR	مشکوک جوڑا
SUSTAINED	قائم
SYLLABARY	رکنی مجموعہ
SYLLABARY WRITING	رکن واری رسم خط
SYLLABIC	رکنی ، رکن وار
SYLLABLE	رکن
SYLLABLE NUCLEUS	رکنی مرکزہ
SYMBOL	علامت
SYNTACTIC CLASS	نحوی قسم
SYNTACTICAL	نحوی
SYNTAX	علم نحو
SYNTHETIC	مرکبی
TEETH	دندان
TEETH-RIDGE	اوپر کے مسوڑھے
TENSE (VOWEL)	شدید (مصوتہ)
TENSE	زمانہ
TERMINAL	اختتام ، اختتامیہ
TERMINAL STRING	اختتامی تسلسل
TERTIARY STRESS	ثلاثی بل
THEORY	نظریہ
TIP OF TONGUE	زبان کی نوک
TONE	تان
TONE LANGUAGE	تانی زبان
TONGUE	زبان
TRANSCRIPTION	تحریر
TRANSFORMATION	تبادل
TRANSFORMATIONAL GRAMMAR	تبادلی قاعدہ
TRANSFORMATION RULES	تبادلی قواعد
TRANSLATIVE CASE	تغیری حالت
TRILL	ارتعاشی/ارتعاشیہ
TUNE	لے
UNASPIRATED	غیر ہکاری
UNIT	اکائی
UNIVERSAL	عمومی
UNVOICED	غیر مسموع
UTTERANCE	ملفوظ، تکلم
UPPER ARTICULATOR	بالائی تلفظ کار
UVULA	لہات
UVULAR	لہاتی
VARIATION	تباین
VELAR (= DORSAL)	غشائی
VELARIZE	غشائیانا
VELICE	ناک کا راستہ
VELUM	غشا، نرم تالو
VERB	فعل
VERB AUXILIARY	فعل امدادی
VOCAL APPARATUS	صوتالہ
VOCAL CHORDS	صوتِ تانت
VOCAL LIPS	صوتِ لب
VOCAL ORGANS	اعضائے صوت
VOCATIVE CASE	ندائی حالت
VOCOID	مصوتہ نما
VOICE	طور (قواعد)
VOICE	مسموعیت
VOICED	مسموع
VOWEL	مصوتہ
VOWEL GRADATION	مصوتہ کی تدریج
VOWEL HARMONY	مصوتی ہم آہنگی
VOWEL TRIANGEL	مصوتی مثلث
WEAK GRADE	ضعیف درجہ

باقی صفحہ ۱۷ پر

صحیح املا : رشید حسن خان

✓ ت اور ۃ

(١)

عربی میں ت کی دو صورتیں ہیں، ت اور ۃ۔ اِسی لیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لفظوں کے آخر میں گول تے لکھی ہوئی ملتی ہے (جیسے: صلوٰۃ)۔ انجمن ترقی اردو نے یہ طے کیا تھا کہ: "عربی کی ۃ کو اُردو میں ہمیشہ ت لکھنا چاہیے۔" اور یہ نہایت مناسب فیصلہ تھا۔ اب ایسے سب لفظوں کے آخر میں ت لکھنا چاہیے، جیسے: صلات، زکات، مشکات، بابت، مسمات، اَمَتُ الزہرا، ردمتُ الکبرا، طرفتُ العین، رحمت اللعالمین۔

(٢)

عربی کا قاعدہ یہ ہے کہ جس لفظ کے آخر میں ت ہوتی ہے تو تنوین کے دو زبر اِس طرح لگائے جاتے ہیں کہ اُس ت کے بعد ایک الف بڑھا دیتے ہیں، جیسے: دقتاً۔ اور جن لفظوں کے آخر میں ۃ ہوتی ہے تو اُن میں الف کا اضافہ نہیں کیا جاتا، اُسی ۃ پر دو زبر لگا دیتے ہیں، جیسے: عادۃً، نسبۃً۔

اُردو میں اب ایک طریقہ اختیار کیا جارہا ہے کہ ایسے لفظوں کے آخر میں الف بڑھایا جائے، اِس لیے کہ اُردو میں صرف ایک حرف ت ہے، جیسے: نسبتاً، حقیقتاً، مروّتاً، نتیجتاً، عادتاً، ضرورتاً، شکایتاً، فطرتاً، قدرتاً، امانتاً۔

تنوین کا عام قاعدہ یہی ہے کہ دو زبر کے لیے لفظ کے آخر میں الف بڑھا دیا جاتا ہے، جیسے: مثال سے مثالاً، اور اتفاق سے اِتفاقاً۔

(٣)

عورتوں کے ناموں کے آگے ن لکھا جائے، جیسے: سلیمن، کریمن، تمیزن، علیمن، شبراتن، عظیمن وغیرہ۔ یہاں تنوین کا کچھ کام نہیں۔ یعنی "سلیمًا" غلط املا ہوگا۔ صحیح املا "سلیمن" ہوگا۔

(٤)

کچھ لفظ ایسے ہیں جن کو کبھی ت سے لکھا جاتا ہے اور کبھی ط سے۔ ان کی صرف ایک لکھاوٹ کو اختیار کرنا چاہیے، اور اِن سب کو ت سے لکھنا چاہیے۔ زیادہ استعمال ہونے والے لفظ یہ ہیں:

تپش، تپنچہ، تشت، تشتری، تماچا یا تمانچا، تمنچا، تنبورہ، توتا، توتیا، تہران، تہماسپ، تیّار، تیاری، غلتیدن، غلتاں، ناتا۔

"طوطا" اور "طوطیا" غلط املا ہوگا۔ صحیح املا ہوگا، "توتا اور توتیا"۔ ایک لفظ ہے "تلاطم"۔ اِس میں پہلا حرف ت ہے، اور چوتھا حرف ط ہے۔ اِس کو کبھی "طلاطم" بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ اِس کا صحیح املا "تلاطم" ہے — اِس کا خیال رہے کہ ط سے "طیّار" کے معنی ہیں: اُڑنے والا — اِسی سے "طیارہ" بنتا ہے، ہوائی جہاز کے معنی میں۔ آمادہ، مستعد، تندرست وغیرہ کے معنوں میں "تیّار" لکھنا چاہیے۔ جیسے: میں بازار جانے کے لیے تیّار ہوں۔ سفر کی تیاری۔ یہ پٹھا تو اب خوب تیّار ہو گیا ہے۔ وغیرہ۔

◆◆◆

صفحہ ١٦ سے آگے

WEAK STRESS	ضعیف بل
WHISPER	پھس پھساہٹ
WHISPERED	پھس پھسا
WIND-PIPE	سانس نالی
WORD	لفظ
WORD GRAMMER	لفظ قواعد
WRITING	تحریر، رسم خط

یارانِ نکتہ داں کے لیے

اردو کی تشکیل و تاسیس

ریاض ملک

اخبارِ اردو کے جولائی ۱۹۸۲ء کے شمارے میں مولانا نور احمد خاں فریدی ملتانی نے اردو کی تشکیل و تاسیس کو پہلی بار سرائیکی زبانوں کا مرہونِ منت بتایا ہے؛ اور سرائیکی دوستی کے جذبے سے مغلوب ہو کر بعض ایسی باتیں بھی لکھی ہیں جن کی تاریخی حیثیت محلِ نظر ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے اپنے اس مقالے میں ایک جگہ فرمایا ہے کہ اردو میں بلوچی زبان کے جو الفاظ پائے جاتے ہیں وہ اصل کے اعتبار سے بلوچی زبان کے اپنے الفاظ نہیں۔ بلوچی میں سرائیکی کے راستہ داخل ہوئے ہیں۔ لیکن اتنے بڑے دعوے کے باوجود حضرت مولانا نے اپنے اس مقالے میں محض زبانی دعوے پر اکتفا کیا ہے اور مثال میں کوئی ایسا لفظ پیش نہیں کیا جو ان کے دعوٰی کی صحت پر مہرِ توثیق ثبت کرتا ہو اور جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اردو میں جو لفظ بلوچی زبان کے حوالے سے داخل ہوا ہے وہ بلوچی زبان کا لفظ نہیں بلکہ اصل کے اعتبار سے سرائیکی زبان کا لفظ ہے اور بلوچی میں سرائیکی کے راستے در آیا ہے۔

یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ مولانا محترم نسلاً رند بلوچ ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی مادری زبان بلوچی ہونی چاہیے تھی لیکن بلوچستان سے اول ڈیرہ غازی خان اور بعد ازاں ڈیرہ غازی خان سے ملتان جا کر یا بلوچستان سے براہِ راست ملتان میں بس جانے کی وجہ سے اپنی مادری زبان بلوچی کو لفظاً اور معناً بھلا کر سرائیکی زبان کو اختیار کر چکے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ تبدیلیِ زبان کے اس نقطۂ نظر میں مولانا فریدی تنہا نہیں، ڈیرہ غازی خان، ملتان، مظفر گڑھ اور بہاول پور میں جا بسنے والے بے شمار "بلوچ" بلوچی زبان بھلا کر سرائیکی کو مادری زبان کے طور پر اپنا چکے ہیں۔ دراصل اس میں نہ مولانا کا کوئی قصور ہے اور نہ دوسرے کسی بلوچ کا۔ کیونکہ یہ قانونِ فطرت ہے کہ اقلیت ابتدائے آفرینش سے زبان، لباس اور دوسرے ثقافتی مظاہر میں ہمیشہ اکثریت کی زبان، لباس اور ثقافتی اقدار سے متاثر ہوتی رہی ہے اور شاید آیندہ بھی متاثر ہوتی رہے گی!

ماہرینِ لسانیات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اردو، برصغیر پاک و ہند میں بولی جانے والی زبانوں کے مجلسی میل جول سے وجود میں آئی ہے۔ اسے کسی ایک زبان کی اولاد قرار دینا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ اردو کی تشکیل میں سنسکرت سے لے کر عربی، فارسی کے ساتھ پنجابی (سرائیکی) سندھی، پشتو اور بلوچی میں سے ہر زبان نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حصہ لیا ہے اور آج بھی یہ زبانیں اردو کی سائنسی پیش رفت میں قابلِ قدر کردار ادا کر رہی ہیں۔ اسی طرح پاکستان کی علاقائی زبانوں پر اردو زبان کے صحت مند سایے پڑ رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں علاقائی زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اصل میں الفاظ کے لین دین کا یہ عمل صدیوں سے جاری ہے اور آیندہ بھی یہ اسی طرح جاری و ساری رہے گا۔ اس احوالِ واقعی میں زبان دوستی کے جذبات سے مغلوب ہو کر دوسری زبانوں کے اشتراک کا انکار کرنا اور اول سے آخر تک اردو کو ایک زبان کا مرہونِ منت بتانا زبردست غلط اندیشی ہے۔

مولانا فریدی نے دوسری غلطی یہ کی ہے کہ بلوچی زبان کے جو الفاظ اردو کا حصہ بن چکے ہیں انھوں نے سرائیکی الفاظ کا نام دیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ میں یہاں بلوچی کے بے شمار الفاظ کو چھوڑ کر صرف اردو کے لفظ سے استشہاد کروں گا۔ بعض لوگ اردو کو ترکی زبان کے

اُرد بمعنی لشکر لفظ کا اشتقاق بتاتے ہیں جس کو کم از کم میں تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اُرد خالص بلوچی زبان کا لفظ ہے جو آج بھی لشکر کے لیے بلوچی میں عام بولا جاتا ہے۔ بلوچی میں لشکر کے لیے اُرد کے علاوہ ایک اور لفظ 'اولس' بھی عام بولا اور برتا جاتا ہے جبکہ لفظ لشکر بھی بلوچی میں انبوہِ کثیر کے معنوں میں مستعمل ہے۔

اُرد کے علاوہ اردو میں اسم کے لیے 'نام' کا جو لفظ بولا جاتا ہے وہ بلا شرکتِ غیرے خالص بلوچی لفظ ہے جسے اُردو نے بلوچی سے لیا ہے کیونکہ 'نام' کے لیے عربی اور فارسی میں اسم بولا جاتا ہے۔ اسی طرح پنجابی اور سرائیکی میں 'ناں' پشتو میں 'نُم'، سندھی میں 'نالو' اور براہوئی میں 'پن' نام کے معنوں میں مستعمل ہے اور نام اسم معرفہ کے لیے بلوچی کے علاوہ اور کسی زبان میں نہیں بولا جاتا۔ عربی، فارسی، پنجابی، سرائیکی، پشتو، سندھی اور براہوئی کے اس تقابل سے اربابِ دانش کو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ بلوچی کے 'نام' کے ساتھ مولانا فریدی کی سرائیکی کے 'اسم معرفہ' 'ناں' کا کوئی علاقہ نہیں۔ اسی طرح لشکر کے لیے سرائیکی کے علاوہ پنجابی، پشتو، سندھی، براہوئی اور عربی فارسی میں 'اُرد' 'نام' کا سرے سے کوئی لفظ موجود ہی نہیں۔ اس کے باوجود اگر کسی دوسری زبان میں ارد، لشکر کے معنوں میں بولا جاتا ہے تو اُسے ہم اس زبان پر بلوچی کے اثر سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا پھر اس قدر مشترک کو حسن توارد کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ مجلسی اور معاشرتی میل جول کے نتیجے میں ایک سے زیادہ بولی جانے والی زبانیں ایک دوسرے سے الفاظ کا تبادلہ کرتی رہتی ہیں۔ اس فطری عمل کو نہ کسی زبان کی وسعت پذیری پر محمول کیا جا سکتا ہے، اور نہ اسے کسی زبان کی تنگ دامانی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

لسانی نقطۂ نظر سے ایک ترقی پذیر زبان کی منجملہ نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی یہی ہوتی ہے کہ وہ معاصر زبان کے الفاظ کو باآسانی اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ انگریزی کے بے شمار الفاظ کو من و عن قبول کرنا اُردو کی وسعت پذیری اور کشادہ دامنی ہی پر دلالت کرتا ہے۔ یہی کلیہ اُردو کے علاوہ دوسری زبانوں پر بھی منطبق ہوتا ہے۔

بلوچی کے 'ارد' اور 'نام' کی ان ناقابلِ تردید مثالوں سے مولانا فریدی کے ساتھ اخبار اردو کے قارئین پر یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ 'ارد' اور 'نام' کے جو الفاظ اردو میں مروّج ہیں وہ خالصۃً بلوچی زبان کے الفاظ ہیں جن کے ساتھ سرائیکی کا کوئی تعلق نہیں۔

"املا اور رسم الخط دونوں زبان کے جسم کا لباس نہیں بلکہ عین جسم و جلد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا حسن و جمال ان کی نفاست و شائستگی اور ان کی صحت و پختگی نہ صرف یہ کہ زبان کے حسن و جمال اور نفاست و شائستگی پر دلالت کرتی ہے بلکہ جو لوگ اس زبان کو استعمال کرتے ہیں ان کے ذوق و ذہن کو پڑھنے میں بھی مدد دیتی ہے۔"

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

"اُردو املا اور رسم الخط" صفحہ ۵

افکار حاضرہ

حوادثِ افکار

"اخبارِ اُردو" میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کا مضمون نظر نواز ہوا۔ میرے لیے ان کا موقف انوکھا نہیں ہے کہ ہمارے ہاں ادب، صحافت اور دانشورانہ سطح پر یہ طرزِ فکر پیدا ہو چکا ہے کہ زبان کو بے مہار چھوڑ دیا جائے۔ ہر لکھنے والا جس طرح سہولت محسوس کرے، لکھتا جائے اور بولتا جائے۔ گرامر، تلفظ، روزمرہ اور محاورے پر زیادہ توجہ نہ دی جائے۔

دست بستہ گزارش ہے کہ اس میں ہمارے عجزِ فکر و فن کے سوا اور کسی چیز کو دخل نہیں۔ ہر زبان اپنی مرکزیت بھی رکھتی ہے اور معیار بھی۔ اسے نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پچھلے دس سال سے ہمارے ریڈیو اور ٹیلی وژن کی خبروں میں بالخصوص اور تقریروں، مباحثوں میں بالعموم جِد و جَہد کو جد وجُہد پڑھا اور بولا جا رہا ہے۔ فَضا کو فِضا، خَزاں کو خِزاں، تبادلۂ خیالات کو تبادلہ خیالات، شُرکا کو شُرَکا اور وُزَرائے خارجہ کو وُزرائے خارِجہ ادا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ بعض اجلاسوں میں سرکاری سطح پر بھی اس سلسلے میں گفتگو ہوئی لیکن بے سود۔ کچھ حضرات جنھیں اُردو گرامر اور تلفظ سے بجا طور پر الجھن محسوس ہوتی ہے وہ اِسے اپنے ڈھب پر لانا چاہتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اُردو، پاکستان کے جن صوبوں میں بولی جاتی ہے وہاں اس کا تلفظ، یوپی کے لب و لہجہ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ یہ بات صحیح ہے۔ اور اس پر زیادہ زور دینا بھی نہیں چاہیے۔ لیکن سوال معیاری اور مرکزی زبان کا ہے۔ اُردو کی تمام تر لغات میں مذکورہ الفاظ کا تلفظ اُسی طرح درج ہے جس طرح اوپر کی سطور میں لکھا گیا ہے۔ اگر تلفظ اور الفاظ کی ادائیگی کو بے مہار چھوڑ دیا جائے تو پھر کس لغت سے سند لی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ ابھی مذکورہ رجحانات کے تابع کوئی نئی لغت تو مرتب ہوئی نہیں۔ ہم اپنی ذاتی سہولتوں کے تحت نئی نسل کا ناس مارنا چاہتے ہیں اور اس میں بفضلہ، میدان پر میدان مارتے چلے جا رہے ہیں۔

ذرا سوچیے کہ خاص لاہوری لب و لہجہ رکھنے والے حضرات "ر" کا تلفظ "ڑ" اور "ڑ" کا تلفظ "ر" ادا کرتے ہیں۔ مثلاً وہ "مرد" کو "مڑد" کہیں گے اور "بڑا مزہ آیا" کو "برا مزہ آیا"۔ اب اصل حروف اور الفاظ کو اگر نئے تلفظ کا جامہ پہنا دیا جائے تو پھر زبان میں اور بھی بہت سی گنجائشیں نکالنا پڑیں گی۔ پھر یہ گنجائشیں، زبان میں جو افراتفری پیدا کریں گی اس کا تصور ابھی سے کر لینا چاہیے۔

یہ بات درست ہے کہ کوئی زبان جامد نہیں ہوتی اور وہ جس ماحول میں فروغ پاتی ہے اس کے مزاج کو از خود اپنا لیتی ہے۔ لیکن زبانوں کی نشوونما اور ترقی خودرو بیل کی طرح ہوتی ہے۔ عمداً تراش خراش سے نہیں۔ ہمارے بعض ادیب، اردو زبان کے مروجہ الفاظ کو چھوڑ کر ان کی جگہ مختلف صوبائی زبانوں کے الفاظ جان بوجھ کر لکھ رہے ہیں اور بزعم خود اردو کا دامن وسیع کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ لسانی انتشار کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا۔ اردو زبان وحدتِ تاثر، وحدتِ فکر، وحدتِ اسلوب، غرضیکہ اپنا سب کچھ کھو دے گی۔

قاعدہ یہ ہے کہ علاقائی لب و لہجہ کسی زبان کے مرکزی معیار پر مسلط نہیں کیا جاتا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ نشوو ارتقا کے منازل طے کرتے رہتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غیر محسوس طور پر ان میں ردو بدل ہوتا رہتا ہے۔ جو الفاظ یا محاورے زیادہ توانا ہوتے ہیں اور معانی کے اعتبار سے اپنے اندر زیادہ وسعت رکھتے ہیں وہ آہستہ آہستہ مروجہ لیکن ناتواں اور محدود معانی کے حامل لفظوں اور محاوروں کی جگہ لے لیتے ہیں۔

صحیح زبان اور تلفظ کو عام کرنے میں ریڈیو، ٹیلی وژن اور اخبارات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن جب ریڈیو اور ٹیلی وژن پر خبریں پڑھنے والوں کا تلفظ درست نہیں ہوگا اور اخبارات میں ترجمہ کرنے والوں کو زبان لکھنا نہیں آئے گی تو معیار کیسے وضع ہوگا۔ ہمارے ہاں صحافتی سطح پر اردو اخبارات میں خبروں کے جو تراجم پیش کیے جاتے ہیں وہ انتہائی ناقص اور غلط زبان کے حامل ہوتے ہیں۔ مجھے معاف فرمایا جائے، اکثر سب ایڈیٹروں کو تو مترجم اور مترجَم کے فرق کا بھی علم نہیں اور گرامر

کے اس معمولی سے اصول سے بھی نابلد ہیں کہ کسی جملے میں مبتدا اور خبر کی ترتیب کیا ہوتی ہے۔ آج سے کم و بیش پچیس تیس سال پہلے تک صورتِ حال مختلف تھی۔ اُن دنوں ابلاغِ عامہ کے اداروں سے ایسے افراد وابستہ تھے جن کی ادبی و صحافتی حیثیت مسلمہ تھی۔ وہ اُردو زبان کے تقاضوں سے بخوبی واقف تھے۔ تراجم کی صحت کا خیال رکھتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سب یو پی سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ان میں ایک وصف یہ بھی تھا کہ وہ نوکر شاہی کے خلاف اپنے جسموں میں قوتِ مدافعت رکھتے تھے۔

پھر ایسا ہوا کہ نوکر شاہی ذہنیت ابلاغِ عامہ کے اداروں پر غالب آگئی اور ان اداروں سے وابستہ افراد کے لیے ادیب یا صاحبِ علم ہونے کی غیر تحریری شرط ختم ہو گئی۔

ڈاکٹر عبد السلام خورشید کے مضمون میں "ہم پوچھتے ہیں اس متوازی اُردو سے کیا مراد ہے؟" کا جملہ جس لب و لہجہ میں ادا کیا گیا ہے اُس کا جواب اوّلاً تو یونہی دیا جا سکتا ہے کہ "حضور! جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔" پھر سوچتا ہوں کہ جب ذبح کرنے والے ہی کو الٹا ثواب ملتا ہے تو جان کی امان ملے نہ ملے، کیا فرق پڑتا ہے۔ تاہم "متوازی اردو" کے ذکر سے پہلے ایک بات "اسکول" اور "سکول" کے بارے میں بھی عرض کرتا چلوں ـــــ اُردو زبان میں اتفاق سے ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے جس کا پہلا حرف ساکن ہو۔ فارسی اور عربی کے ساتھ بھی یہی مجبوری ہے۔ لہٰذا قاعدہ وضع کر لیا گیا کہ غیر ملکی زبان کے ایسے الفاظ کو جن کا حرفِ اوّل ساکن ہو، موزّد، مفرّس یا معرّب بنانے کے لیے، ابتدا میں الف لگا کر، متحرک کر لیا جائے۔ اس کا ان لوگوں کے لب و لہجہ سے کوئی تعلق نہیں جن کی مادری زبان اُردو ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر "انٹرمیڈیٹ" اور "ایگزیکیٹو" ایسے الفاظ کے تلفظ کی ادائیگی کے لیے بھی انہی کا لب و لہجہ سند قرار پاتا۔ کیونکہ یو پی سے تعلق رکھنے والے بیشتر حضرات انٹرمیڈیٹ کا تلفظ "انٹرمیجی ایٹ" اور ایگزیکٹو کا تلفظ "ایگزی کیوٹیو" ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسے سہولت پر نہیں، گرامر کے قاعدے پر محمول کرنا چاہیے۔

اب آخر میں "متوازی اُردو" کی نشان دہی کرتا چلوں۔ یوں تو اِس بارے میں مذکورہ بالا سطور میں عرض کر چکا ہوں۔ تاہم چند معروضات اور پیش کرتا ہوں ـ ابلاغِ عامہ کے اداروں میں ریڈیو اور ٹیلی وژن موثر ترین ادارے ہیں۔ یہاں خبریں پڑھنے والوں کا تلفظ اور ان اداروں کے شعبۂ مخابرات میں انگریزی گرامر کے تابع اردو تراجم (مثلاً، اخباری نمایندوں سے بات چیت کرتے ہوئے صدر نے کہا؟ یا، "گفتگو جاری رکھتے ہوئے انھوں نے مزید کہا ـــــ) اردو زبان کا ایک متوازی معیار پیش کر رہے ہیں جس سے خود اعلیٰ حکام کی زبان بھی متاثر ہو رہی ہے اور وہ اپنی تقاریر میں وہی تلفظ ادا کرتے ہیں جو ریڈیو یا ٹیلی وژن پر سنتے ہیں۔ اُردو اخبارات بھی زبان، الفاظ کے اِملا اور خبروں کے تراجم سے بے اعتنائی کے باعث یہی کام انجام دے رہے ہیں۔ (ان میں سرکاری و غیر سرکاری دفاتر کے "برائے مہربانی" کے سائن بورڈ بھی شامل ہیں۔)

ڈاکٹر صاحب اردو صحافت پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس لیے مثالوں سے عمداً اجتناب کر رہا ہوں۔ اور مضمون کے بلاوجہ طویل ہو جانے کا اندیشہ بھی ہے۔ اور ادب ڈاکٹر صاحب کا موضوع نہیں ہے۔ ورنہ جدید اُردو افسانوں اور انشائیوں کی زبان بھی پیش کرتا جو "متوازی اُردو" کی راہ ہموار کر رہی ہے۔ ٹیلی وژن کے اردو ڈراموں کی اُردو تو یقیناً اُن کے پیش نظر ہو گی۔

بہرکیف یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر الگ باب باندھا جا سکتا ہے۔

امین راحت چغتائی
راولپنڈی

مسائلِ و مباحث

قائدِ اعظمؒ اور اُردو

اخبار اردو کا سابقہ شمارہ پیشِ نظر تھا (جون ۱۹۸۲ء کا) سرورق پر قائدِ اعظمؒ کا فرمان اُردو کی اہمیت کے بارے میں تھا جو موصوف نے ۱۹۴۷ء میں کل پنجاب اردو کانفرنس کے موقع پر پیغام کی حیثیت سے ارسال کیا تھا۔

اردو، قائدِ اعظم اور ۱۹۴۷ء کی یکجائی نے ایک اور تاریخی واقعہ یاد دلا دیا جو تنظیم اساتذہ حیدرآباد کے ایک اجلاسِ عام میں ناظم تعلیمات حیدرآباد جناب وائی ایم کھوکھرا صاحب نے سنایا تھا۔

کھوکھرا صاحب نے اپنی تعلیمی زندگی کے اہم ترین واقعے کی حیثیت سے یہ واقعہ سنایا کہ یہ ۱۹۴۷ء کا سال تھا۔ میں مُسلم ہائی اسکول دھوراجی (کاٹھیاواڑ) میں میٹرک کا طالب علم تھا۔ ایک سال قبل قرار دادِ پاکستان منظور ہو چکی تھی اور قائدِ اعظمؒ مسلم لیگ کے اخبار "ڈان" کے لیے چندہ جمع کرنے کی مہم پر کاٹھیاواڑ آئے ہوئے تھے، دھوراجی کے قصبے میں تشریف لائے تو مسلم اسکول کے مسلمان طلبہ سے ملنے اسکول چلے آئے۔ اسکول کی سماعت گاہ میں دسویں جماعت کے طلبہ کو بلایا۔ سب سے ہاتھ ملایا۔ ہم لوگ اس اعزاز پر پھولے نہیں سما رہے تھے۔ ہاتھ ملانے کے بعد قائدِ اعظمؒ نے اپنی مخصوص پُراعتماد آواز میں ہم لوگوں سے سوال کیا "آپ لوگوں کی مادری زبان کیا ہے؟"

"گجراتی" ہم سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔ "میری اپنی مادری زبان بھی گجراتی ہے" قائدِ اعظمؒ نے فرمایا۔ پھر چہرے پر کبھی سنجیدگی کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا "میں اس وقت آپ لوگوں سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں اور آپ کو مجھ سے وہ وعدہ کرنا پڑے گا۔" پھر ہمارے چہروں پر طاری سوالیہ کیفیت کے پیشِ نظر فرمایا "میں کسی غلط بات کا وعدہ نہیں لوں گا۔" اس کے بعد پھر نہایت واضح انداز سے سوال کیا "آپ لوگ میٹرک کے امتحان فارم پر مادری زبان کے خانے میں کیا لکھیں گے؟"

"گجراتی!" ہم سب نے ایک بار پھر جواب دیا۔

"نہیں! گجراتی نہیں! اُردو!! جو پاکستان کی قومی زبان اور... قومی ضرورت ہوگی.... علاقائی زبانیں وہاں جا کر سیکھنا۔"

ہم لوگوں پر قائدِ اعظم کی شخصیت کا جو طلسم طاری تھا اس نے زبان سے کچھ کہنے کی مہلت نہ دی لیکن ہم میں سے ہر ایک کا چہرہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ ہماری اس پریشانی کے جواب میں قائدِ اعظم نے "تیاری کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا۔"

اس وقت ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن چند ہی دن بعد سفید شیروانی میں ملبوس دو استاد ہمیں اُردو پڑھانے دھوراجی پہنچ گئے (غالباً علی گڑھ سے) یہ ان استادوں کی استادی اور ہمارے شوق کا معجزہ تھا کہ دس سال کا کورس تین ماہ میں اس خوبی سے مکمل کیا کہ کل کے کل طلبہ اُردو میں نہایت اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے اور نصاب میں شامل خطوطِ غالب کے جملے تو اب تک زبانی یاد ہیں۔ آج بھی جب میرے اس وقت کے ہم سبق کہیں ملتے ہیں تو اُس یادگار واقعے کا تذکرہ ضرور چھڑتا ہے۔

عنایت علی خان، حیدرآباد

(قوسین) [عکفین] {زلفین}

اخبار اردو اگست ۸۳ میں جناب رشید حسن خاں صاحب کی تحریر رموز اوقاف سے متعلق شائع ہوئی اس سلسلے میں آپ کے توسط سے رشید حسن صاحب اور آپ کے قارئین کرام کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ اُردو میں بریکٹ کی دو قسمیں رائج ہیں۔ ان میں سے پہلی یعنی ( ) کے لیے قوسین درست ہے اس لیے کہ اس کی شکل قوس ہی کی طرح ہوتی ہے لیکن دوسری شکل جو کُہنی کے مانند ہے یعنی [ ] کے واسطے قوسین کا استعمال غلط ہے اسے عَکَفَین کہا جانا چاہیے۔ عکف کے معنی کہنی ہی ہیں چونکہ عکفین کا استعمال بھی قوسین سے مختلف مقام پر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا نام بھی الگ ہی ہونا چاہیے یعنی جہاں کسی عبارت کی تکمیل کی غرض سے کوئی لفظ یا کچھ الفاظ مصحح اضافہ کرتا ہے وہاں انھیں عکفین میں درج کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ منقول عنہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور قیاس کی بنیاد پر یا کسی دوسرے معتبر مآخذ کے پیشِ نظر اضافہ کیے گئے ہیں۔

ایک اور تیسری شکل بریکٹ کی { } یہ بھی استعمال میں آتی ہے گو بہت کم۔ مگر اس کے لیے اُردو میں کوئی مخصوص نام نہیں ہے۔ اگر علمائے فارسی عربی اردو کو ایک آزاد زبان کی حیثیت دینے کی اجازت عطا فرمائیں تو میں اس تیسری شکل کو زلفین نام دوں گا۔ کیونکہ یہ شکل زلف سے ملتی جلتی ہے۔

امید ہے میری گزارشات کو قبولیت نصیب ہوگی۔

اکبر علی خاں عرشی زادہ
رامپور (بھارت)

رموزِ اوقاف

رموزِ اوقاف ہماری کتابت کا لازمی جزو ہیں، جنھیں نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ ان کی پابندی کی جائے تو شعر یا فقرے کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اور میرے خیال میں ان کی وجہ سے کتابت میں ایک خاص قسم کی زینت بھی آجاتی ہے۔

اخبارِ اردو کے شمارۂ اگست میں "افکارِ حاضرہ" کے عنوان کے تحت جناب شان الحق حقی صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے، کہ "اپنے رسالے میں رموزِ اوقاف کی پابندی کرائیے، جدید دور میں وقفہ کی علامات کے بغیر عبارت کا کوئی تصور نہیں۔" خوشی کی بات ہے، کہ اسی شمارے میں جناب رشید حسن خاں صاحب نے اس سلسلے میں رہنمائی کے لیے عملی اقدام کرتے ہوئے، رموزِ اوقاف کا خاکہ پیش کیا ہے۔ میں ان کی تائید میں چند سطور پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ میری اس گزارش کو مختصر سا تکملہ سمجھ لیجیے، یا مجمل سا اضافہ۔ میری یہ چند سطور سکتہ، ختمہ، رابطہ اور قوسین ہی سے متعلق ہیں، جن کا ذکر جناب رشید حسن خاں صاحب نے اپنے مقالے میں کیا ہے۔

سکتہ

حروفِ علت: فقروں یا شعروں میں حروفِ علت (تاکہ، کیونکہ، لہٰذا، بنابریں، اس لیے، سو، پس) آئیں، تو ان سے پہلے سکتہ کی علامت لگانی چاہیے، جیسے: وہ آج نہیں آسکیں گے، کیونکہ ان کی طبیعت ناساز ہے۔

جو بوئے گا، سو کاٹے گا۔

آج صبح بادل گھرے ہوئے تھے، اس لیے میں سیر کو نہ جا سکا۔ وغیرہ۔

کافِ بیانیہ: (کہ) دو جملوں یا مصرعہ کے دو حصوں کو ملانے کے لیے بیانیہ طور پر "کہ" آئے تو اس سے پہلے سکتہ لگانا چاہیے، جیسے:

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم، کہ تُو کیا ہے
تمھیں کہو، کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

انھوں نے کہا ہے، کہ وہ کل نہیں آ سکیں گے۔

حروفِ استدراک: (لیکن، پر، مگر) جملوں میں آئیں، تو ان سے پہلے بھی سکتہ لگانا چاہیے۔

مینہ برسا، لیکن حبس کی وجہ سے گرمی کی شدت بدستور ہے۔

نہ ہوا، پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

دو نہیں، بلکہ چار، وغیرہ۔

حروفِ شرط: دو جملوں یا شعر کے دو حصوں کو ملانے والے حروفِ شرط اگر سے پہلے سکتہ لگایا جائے گا، جیسے: سب دوست آگئے، اگر آپ بھی آجاتے، تو محفل کی رونق بڑھ جاتی۔

دو جملوں میں، پہلے میں جب آئے تو اس کے آخر میں سکتہ آئے گا۔

جب بھی میں آپ کے ہاں گیا، آپ نہیں ملے۔

پہلے حصے میں اگر آئے، تو اس کے آخر میں سکتہ لگایا جائے گا۔

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
وہ اگر چاہیں، تو پھر کیا چاہیے

جزا: شرط کے جواب میں جزا (تو، ورنہ، نہیں تو) آئے تو اس سے پہلے سکتہ آئے گا۔

کچھ کہتے ہو، تو کہو، نہیں تو کسی اور کو بلایا جائے گا۔

وہ آیا تو آیا، ورنہ مجھے خود جانا پڑے گا۔

بدل اور مبدل منہ فقرے میں آئیں، تو ان کے درمیان سکتہ آئے گا، جیسے:

آپ کا چھوٹا بھائی، اصغر بہت اچھا مصور ہے۔

ختمہ

ختمہ کے سلسلے میں میں جو گزارش کرنا چاہتا ہوں، غور طلب ہے۔ ہر فقرے کے ختم ہونے پر ختمہ کی علامت (۔) تو لگائی جاتی ہے، لیکن یہی علامت ہر پیراگراف کے ختم ہونے پر بھی لگائی جاتی ہے۔

میری رائے میں فقرے اور پیراگراف میں نمایاں فرق ہے، اس لیے پیراگراف کے اختتام کی علامت، ختمہ کی علامت سے

مختلف ہونی چاہیے۔ پیراگراف کے آخر میں ختمہ (۔) کے بجائے فل اسٹاپ کی علامت (٠) ہو، تو اس علامت کی معنویت میں اضافہ ہوگا اور دونوں کا فرق بھی ظاہر ہو سکے گا۔ اس علامت کو "ختمۂ کلاں" کہا جائے، تو مضائقہ نہیں۔

رابطہ

رابطہ (:) کا ذکر مقالہ "رموزِ اوقاف" میں آیا ہے۔ مجھے اس سلسلے میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ رابطہ کو "تفسیریہ" بھی کہتے ہیں۔ رابطہ کی ایک اور قسم بھی ہے، جسے "تفصیلیہ" کہتے ہیں۔ تفصیلیہ کے لیے رابطہ کے آگے چھوٹا سا خط کھینچ دیا جاتا ہے (:۔) یہ علامت عموماً اس وقت آتی ہے، جب حسبِ ذیل یا مندرجہ ذیل کہہ کر کوئی چیز بیان کی جاتی ہے، جیسے:

پاکستان کے مشہور شہر مندرجہ ذیل ہیں:۔

....

رابطہ (تفسیریہ) اور رابطہ (تفصیلیہ) کا فرق برقرار رہنا چاہیے۔

قوسین

قوسین کے متعلق مجھے صرف یہ گزارش کرنا ہے، کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ مدیر صاحب کسی تحقیقی مقالے میں ادارے کی طرف سے حسبِ موقع چند سطور کا اضافہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس قسم کی سطور کو خطوطِ مستطیل [.....] میں بند کیا جا سکتا ہے۔

مرزا مقبول بیگ بدخشانی
لاہور

افکارِ معاصرین

رپورٹ اور سفارشات شائع کر دیں

ایک اخباری اطلاع کے مطابق اردو کو سرکاری و دفتری زبان کے طور پر رائج و نافذ کرنے کے سلسلے میں وزارتی کمیٹی نے اپنی سفارشات پر مبنی رپورٹ صدرِ مملکت کو پیش کر دی ہے جن کی طرف سے رسمی منظوری حاصل ہو جانے کے بعد عمل درآمد کا آغاز کر دیا جائے گا۔ یہ وزارتی کمیٹی وفاقی وزیرِ دفاع جناب میر علی احمد تالپور کی سربراہی میں قائم کی گئی تھی اور کچھ عرصہ قبل اس کے اجلاس میں "مقتدرہ قومی زبان" کے اس مرحلہ وار پروگرام کا جائزہ لیا گیا تھا جو ۸۷ ـ ۱۹۸۶ء تک ہر سطح پر اور ملک بھر میں اردو کو سرکاری اور دفتری زبان کے طور پر نافذ کرنے کے سلسلے میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس کمیٹی کے نتائجِ فکر کے سلسلے میں صرف یہ بات منظرِ عام پر آئی تھی کہ اردو کے بہی خواہ حلقے صدرِ مملکت سے یومِ آزادی ۱۴ اگست کو قومی زبان کے سلسلے میں اپنا واضح حکم جاری کرنے کا جو مطالبہ کر رہے تھے کمیٹی نے اس پر صاد نہیں کیا۔ صدرِ مملکت کمیٹی کی رپورٹ پر اپنا فیصلہ صادر کرنے میں کتنا وقت لیں گے؟ اس اہم سوال سے قطع نظر یہ بات ضروری ہے کہ "مقتدرہ قومی زبان" کے مرحلہ وار پروگرام اور اس کی رپورٹ پر وزارتی کمیٹی کی سفارشات کو شائع کر دیا جائے تاکہ عام لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ قومی زبان کی ترویج اور نفاذ کے سلسلے میں کیا سوچا جا رہا ہے اور اس ضمن میں کیا اقدامات زیرِ تجویز ہیں؟ قومی زبان کی سرکار دربار میں پذیرائی سب لوگوں کی دلچسپی کا معاملہ ہے اور انھیں اس سلسلہ میں رفتارِ کار سے بھی آگاہ اور باخبر رکھنا چاہیے۔ یہ مقصد مقتدرہ قومی زبان کی رپورٹ اور وزارتی کمیٹی کی سفارشات کے منظرِ عام پر لانے سے خوش اسلوبی سے پورا ہو سکتا ہے۔

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی
۱۵ ستمبر ۱۹۸۲ء

"جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا۔ خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے خلاف ہو تو بھی صحیح۔ اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔ کیونکہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے، گو اصل میں صحیح ہو۔ اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو۔"

انشاء اللہ خاں انشاء
"دریائے لطافت" صفحہ ۲۵۳

نفاذِ اردو

مقتدرہ کے وفد نے ہری پور میں ذولسانی ٹیلی پرنٹر کی کارکردگی کا معائنہ کیا

اس ٹیلی پرنٹر کے ذریعہ تمام اسلامی ممالک اور مغربی ممالک سے رابطہ آسان ہوجائے گا

ٹیلی پرنٹر پر تربیت کا کام شروع ہوگیا۔ عربی اور فارسی میں بھی پیغام بھیجے جاسکتے ہیں

مقتدرہ قومی زبان کے ایک وفد نے مقتدرہ کے صدر نشین میجر آفتاب حسن کی قیادت میں ۴ ستمبر کو ٹی اینڈ ٹی اسٹاف کالج ہری پور کا دورہ کیا اور نئے اردو انگریزی ذولسانی ٹیلی پرنٹر کی کارکردگی کا مظاہرہ دیکھا جس کا کلیدی تختہ مقتدرہ نے تیار کیا ہے۔ اس اردو انگریزی ٹیلی پرنٹر کی پندرہ مشینیں ہری پور میں کارکنوں اور انجنیئروں کو تربیت دینے کے لیے استعمال کی جارہی ہیں۔ مشین کی تفصیلات بتاتے ہوئے اسٹاف کالج کے مہتمم تربیت جناب عبدالرحمٰن بنگش نے وفد کو بتایا کہ یہ اردو انگریزی ٹیلی پرنٹر بین الاقوامی رمز (کوڈ) کے مطابق کام کرتا ہے اور اس کے ذریعہ پاکستان کا رابطہ صرف یورپ امریکہ ہی سے نہیں بلکہ عربی رسم الخط استعمال کرنے والی پوری اسلامی دنیا سے قائم ہوجائے گا کیونکہ اس ٹیلی پرنٹر سے اردو انگریزی کے علاوہ عربی اور فارسی زبانوں میں بھی پیغامات کی ترسیل کی جاسکتی ہے۔ اس ٹیلی پرنٹر کی تکمیل کے بعد یہ مفروضہ بھی غلط ثابت ہوگیا ہے کہ اُردو زبان کو حاسب (کمپیوٹر) کے حافظے میں پیغامات محفوظ کرانے کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس ٹیلی پرنٹر میں جو حاسب (کمپیوٹر) لگا ہوا ہے وہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے پیغامات کو اپنے حافظے میں جمع کرسکتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس وقت ملک بھر سے منتخب ٹیلی پرنٹر کارکنوں کو اس مشین سے پیغامات بھیجنے کی تربیت دی جارہی ہے۔ دوسرے مرحلے میں مشین کی دیکھ بھال اور مرمت کے لیے انجنیئروں کو تین ماہ کی تربیت دی جائے گی۔ انھوں نے بتایا کہ اس مشین کی ملک بھر میں تنصیب کا کام اس وقت تک شروع نہیں کیا جاسکتا جب تک کافی مقدار میں انجینیئروں کی تربیت نہ ہوجائے۔

صنعتِ ٹیلیفون پاکستان کے منتظم عمومی جناب اطہر ممتاز نے وفد کو بتایا کہ اس ٹیلی پرنٹر کی صنعت ٹیلیفون پاکستان کے ہری پور کے کارخانے میں تیاری کے لیے انتظامات کیے جارہے ہیں۔ خیال ہے کہ جنوری سنہ ۱۹۸۳ء میں یہ مشینیں باقاعدہ بننا شروع ہوجائیں گی۔ انھوں نے کہا کہ پہلے مرحلے میں ہر ماہ سو ٹیلی پرنٹر مشینیں تیار ہوں گی۔ بعد میں ان کی تعداد بڑھادی جائے گی۔

صنعت ٹیلیفون پاکستان کے ناظم منصوبہ جناب انعام اللہ بیگ نے وفد کو بتایا کہ ملک میں اس ٹیلی پرنٹر کی تیاری ایک بڑا اور اہم واقعہ ہے۔ ملک سے باہر تقریباً ۵۲ ملکوں میں اس ٹیلی پرنٹر کی فروخت کے لیے بڑے امکانات موجود ہیں۔

وفد میں صدر نشین مقتدرہ جناب آفتاب حسن کے علاوہ جناب پروفیسر انور بھٹی، صدر شعبہ فلکیات جامعہ پنجاب، جناب پروفیسر خادم علی ہاشمی، نائب ناظم ادارۂ تحقیق و ترقی نصاب حکومت پنجاب اور عرفان علی یوسف معاون عمرانی علوم و ادبی مقتدرہ قومی زبان شامل تھے۔

سڑکوں اور علاقوں کے انگریزی نام ترک کیے جائیں

مقتدرہ قومی زبان کا مطالبہ

مقتدرہ قومی زبان نے علاقوں اور سڑکوں کے انگریزی نام ترک کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ مقتدرہ کے ایک ترجمان نے کہا ہے کہ اگر ادارہ ترقیات کراچی (کے ڈی اے) چاہے تو اس شہر میں اردو کا بول بالا ہوسکتا ہے کیونکہ جو نئے رہائشی علاقے تعمیر ہورہے ہیں ان کی منصوبہ بندی اس ادارہ کے ذمہ ہے۔ ترجمان نے کہا کہ جن علاقوں اور سڑکوں کے نام انگریزی میں ہیں اردو میں تبدیل کیے جاسکتے ہیں اور جو نئے رہائشی علاقے تعمیر ہورہے

ہیں ان کے لیے اسکیم، ٹاؤن، ہیڑو ول اور سوسائٹی جیسے الفاظ اور عمارتوں کے لیے کمپلیکس، پلازہ، آرکیڈ، سنٹر، اپارٹمنٹس اور بنگلوز جیسے الفاظ متروک ہو سکتے ہیں بلکہ آیندہ کے لیے ممنوع کیے جا سکتے ہیں۔ مقتدرہ کے ترجمان نے کہا کہ ادارہ ترقیات کراچی جب تمام تعمیرات کے لیے قانونی، فنی اور تکنیکی پابندیاں عائد کر سکتا ہے تو صرف قومی زبان میں نام رکھنے کی پابندی بھی لگائی جا سکتی ہے۔

محکمۂ ڈاک میں اُردو نافذ کی جائے

نیشنل آرگنائزیشن آف پوسٹل ایمپلائز (نوپ) کے مرکزی نائب معتمد (عمومی) سید تجمل مہدی نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ مادرِ وطن کو قائم ہوئے ۳۵ سال کا عرصہ ہوا ہے لیکن قومی زبان کے نفاذ کے سلسلے میں کوئی کام نہیں ہوا۔ انھوں نے کہا کہ محکمہ میں اردو نافذ کی جائے۔

نام اُردو کا لیا جا رہا ہے، ترقی انگریزی کی ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ

صدرِ ضیا، اس تضاد کو دُور کرنے کی جانب توجہ دیں۔ بابائے اُردو کی برسی کے موقع پر آرٹس کونسل میں خطبہ

ممتاز دانش ور، مصنف اور ادیب ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے کہا ہے کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق ہمیشہ میدانِ جنگ ہی میں رہے۔ وہ ۱۶ راگست کی شام آرٹس کونسل میں بابائے اُردو کی ۲۱ ویں برسی کے موقع پر اپنا یادگاری خطبہ پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں اپنی زندگی میں بڑے بڑے جلیل القدر رہنماؤں سے ملا ہوں لیکن جو اطمینان، حوصلہ اور ولولۂ عمل بابائے اُردو کے ساتھ مل کر کام کرنے اور ان سے ملاقات کرنے سے پیدا ہوتا تھا اس میں ان کا نظیر کوئی نہیں پایا۔ بابائے اُردو آہن بھی تھے اور مقناطیس بھی۔ وہ اُردو کے معاملے میں کسی کو نہیں بخشتے تھے۔ پاکستان میں اُردو کے مکمل نفاذ کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ آج اُردو کی سرپرستی، ماضی کے مقابلے میں بہتر ہے۔ خصوصًا موجودہ صدرِ مملکت کی اُردو نوازی بڑی امید افزا ہے لیکن اصل مسائل و مشکلات تقریبًا وہی ہیں اور اعتراضات و عذرات بھی بدستور وہی ہیں تاہم انھوں نے کہا کہ یہ مقامِ تشکر ہے کہ قوم نے اُردو کا دامن ابھی تک نہیں چھوڑا۔ انھوں نے کہا کہ بابائے اُردو کی وفات کے بعد بھی جدوجہد جاری ہے انھوں نے کہا کہ عملی اقدامات سرکاری سطح پر مایوس کن نہ سہی بے دلانہ ضرور ہیں۔ نام اُردو کا اکثر لیا جاتا ہے لیکن ترقی انگریزی کی ہو رہی ہے انھوں نے یقین ظاہر کیا کہ صدرِ مملکت اس تضاد کو دُور کرنے کی جانب ضرور توجہ دیں گے۔ انھوں نے کہا کہ اُردو کا نفاذ سطحی، غیر حقیقی اور مصنوعی شکوک کی بنا پر التوا کا شکار ہے، شکوک نئے نہیں پرانے ہیں۔ میکالے کے پرستار ہر دور میں اردو کو پیچھے دھکیلتے رہے ہیں۔ اصطلاحات کے مسئلہ پر انھوں نے کہا کہ ہمیں بابائے اُردو کی یہ تلقین یاد رکھنی چاہیے کہ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجدوں کا رواج ختم کر کے یکساں اصطلاحات کا فیصلہ کیا جانا چاہیے۔

ثانوی تعلیمی مجلس نے تمام فارم اُردو میں تیار کر لیے

کراچی اعلیٰ ثانوی تعلیمی مجلس نے امتحانی اور فارم اندراجات کے علاوہ دوسرے تمام فارم قومی زبان اردو میں تیار کر لیے ہیں اور ۱۹۸۳ء کے سالانہ امتحانات کے امیدوار قومی زبان میں فارم بھر سکیں گے۔ باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اردو زبان کے ساتھ ساتھ سندھی زبان بھی لکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اردو کے فارم ایک ذیلی مجلس نے تیار کیے ہیں جس میں جامعہ کراچی کے تصنیف و تالیف کے سربراہ ڈاکٹر اسلم فرخی بھی شامل ہیں۔

اُردو میں دستخط سکھانے کی مہم

گزشتہ دنوں تحریک تحفظِ پاکستان کے دفتر ناظم آباد کراچی میں تحریک کے بانی و صدر کی صدارت میں منعقد ہونے والے ایک مشترکہ خصوصی اجلاس میں جس میں کراچی کی پندرہ ادبی ثقافتی اور سماجی تنظیموں نے حصہ لیا، فیصلہ کیا گیا کہ نفاذِ اردو کی مہم کو موثر طور پر چلانے کے لیے مجلسِ قومی زبان کی مہم میں پوری مستعدی سے شرکت کی جائے۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ اجلاس جناب حیدر نے اردو دوستوں سے گزارش کی ہے کہ یکم ستمبر سے شروع ہونے والی نفاذِ اُردو کی ملک گیر مہم کے موقع پر ہر اردو دوست یہ عہد کرے کہ وہ ذاتی اور اجتماعی دونوں شعبہ ہائے زندگی میں اپنے دستخطوں سے لے کر دستاویزوں اور چیکوں تک اردو ہی استعمال کریں گے۔ تحریک تحفظ پاکستان کے سربراہ نے اردو دوستوں سے کہا کہ وہ ستمبر کے مہینہ میں کم از کم پانچ ناخواندہ افراد کو اردو میں دستخط کرنا سکھائیں۔

مجلس زبان دفتری کے اراکین ذاتی رابطے کی مہم شروع کریں گے

سرکاری دفاتر میں قومی زبان کے فروغ کا جائزہ لیا جائے گا

سرکاری دفاتر اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں قومی زبان کی ترویج کے عمل کو تیز کرنے کے لیے مجلس زبان دفتری راولپنڈی نے ذاتی رابطے کی مہم شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس امر کا فیصلہ مجلس کے اجلاس ٣٠ ستمبر میں کیا گیا جو ڈپٹی کمشنر راولپنڈی نذیر احمد چوہدری کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ اجلاس میں پروفیسر نیاز عرفان، حبیب وہاب الخیری بریگیڈیئر گلزار احمد شمس الحق خان شبیر احمد صدیقی اور ثناء اللہ اختر نے شرکت کی۔ اردو کی ترویج کے سلسلے میں پہلے سے کیے گئے اقدامات کے جائزے کے دوران اجلاس کو بتایا گیا کہ تمام سرکاری دفاتر میں زیادہ تر مراسلہ نگاری اور کیفیت نویسی اردو میں کی جا رہی ہے۔ نیز بلدیاتی اداروں جن میں بلدیہ راولپنڈی، ضلعی کونسل ٹیکسلا، گوجر خان اور مری کی بلدیہ شامل ہیں۔ تمام اجلاس کی کارروائیاں خط و کتابت اور ریکارڈ کی تیاری میں قومی زبان کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ محمد حبیب الوہاب خیری نے مجلس کو بتایا کہ بلدیہ کے ایک حالیہ اجلاس میں ایوان نے صدر سے گزارش کی کہ قومی زبان کے نفاذ کے آغاز کی کوئی تاریخ مقرر کی جائے کیونکہ اس مقصد کے لیے آخری تاریخ دستور میں پہلے ہی مقرر کر دی گئی ہے انھوں نے یہ بھی بتایا کہ شیخ غلام حسین نے سرکاری دفاتر میں اردو کی ترویج کے سلسلے میں ڈپٹی کمشنر نذیر احمد چوہدری کی خدمات کو بھی سراہا۔ لوگوں سے ذاتی طور پر رابطے کی مہم کے ضمن میں یہ فیصلہ ہوا کہ مجلس کے ارکان مختلف علاقوں اور کاروباری مراکز میں باری باری جا کر لوگوں سے ملیں گے اور انھیں آمادہ کریں گے کہ وہ اشتہاری بورڈ قومی زبان میں لکھوائیں نیز اپنے اداروں کے احاطے میں اردو کو اپنانے کے سلسلے میں عبارتوں کو بھی آویزاں کریں۔ اجلاس میں متفقہ طور پر ایک تجویز منظور کی گئی کہ سرکاری محکموں کے سربراہوں سے درخواست کی جائے کہ جب بھی وہ اپنے ماتحت دفاتر میں معائنے کے لیے جائیں تو وہاں اردو کے نفاذ کے ضمن میں کیے جانے والے اقدامات کا جائزہ لیں اور معائنہ کی کتاب میں اس بارے میں پیش رفت کو بھی قلمبند کریں۔ صدر مجلس نے اجلاس کو بتایا کہ وہ بھی اسسٹنٹ کمشنروں اور اپنے ماتحت دفاتر کے انچارج صاحبان کو ہدایات جاری کر رہے ہیں کہ وہ بھی اسی طرح کی کارروائی کریں۔ پروفیسر نیاز عرفان نے بتایا کہ انگریزی فارموں کے اردو میں ترجمے کی ایک بڑی تعداد انھوں نے صوبائی مجلس کو روانہ کر دی ہے۔

اردو کو دفتری سطح پر نافذ کرنے کے لیے سنجیدگی سے اقدامات کی ضرورت ہے

قومی زبان کے لیے جدوجہد کرنا جہاد کے مترادف ہے۔ مجلس قومی زبان کے اجتماع سے مقررین کا خطاب

مجلسِ قومی زبان کے داعی نے کہا کہ قومی زبان کے لیے جدوجہد کرنا جہاد کے مترادف ہے۔ وہ گزشتہ دنوں مجلس کے زیرِ اہتمام تحریک نفاذِ اردو کے پہلے دن لیاقت آباد میں ایک اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ نوکر شاہی اردو کو دفتری سطح پر نافذ کرنے کے لیے سنجیدہ نہیں ہے جبکہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق اردو سے اپنی محبت کا عملی ثبوت دے چکے ہیں تاہم قومی زبان کے نفاذ کی رکاوٹ کی وجہ سے اردو کے لیے تحریک چلانے کی ضرورت پیش آئی ہے اور اس کی تمام تر ذمہ دار نوکر شاہی ہے جو اپنے تاخیری ہتھکنڈوں سے قومی زبان کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کے لیے ہماری جدوجہد اس وقت تک جاری رہے گی جب تک قومی زبان کے عملاً نفاذ کا اعلان نہیں کیا جاتا۔ اس سے قبل صدر، نئی کراچی، ناظم آباد اور لانڈھی کے علاقوں میں مجلسِ قومی زبان کے اراکین نے دستخطی مہم شروع کی۔ مہم میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ تحریک تحفظ پاکستان کے بانی صدر سید ذیشان حیدر ذیشان نے تحریک نفاذ اردو کے سلسلے میں ایک ہنگامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قومی زبان نہ صرف ہماری شناخت ہے بلکہ یہ ہمارے قومی تشخص کی علامت بھی ہے اسے ختم کرنے کی ہر کوشش ناکام بنا دی جائے گی۔ اردو کے لیے کام کرنے والی بیشتر تنظیموں نے بھی شہر کے مختلف علاقوں میں کتابچے تقسیم کیے۔ دریں اثنا بزم خواتین پاکستان کی صدر ڈاکٹر جہاں آرا نے اپنے بیان میں قومی زبان کے لیے چلائی جانے والی تحریک میں اپنی بھرپور تائید کا یقین دلایا اور کہا کہ ماضی کی طرح خواتین قومی زبان کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں مردوں کے شانہ بشانہ ہیں۔

تازہ مطبوعات

ایک مسافر چار ملک

حکیم محمد سعید ملک کے ممتاز معالج، منتظم اور دانشور ہیں۔ اردو اور انگریزی میں متعدد اہم علمی و طبی کتابوں کے مصنف اور مرتب ہونے کے ساتھ ساتھ کئی اہم رسالوں کے مدیر اور مہتمم بھی ہیں۔ متعدد ملکی اور بین الاقوامی علمی و طبی کانفرنسوں میں انھوں نے پاکستان کی نمائندگی بھی کی ہے۔ اپنے ان مفید مقاصد کے تحت انھوں نے تقریباً ساری دنیا دیکھ ڈالی ہے اور ایک علم دوست سیاح کی حیثیت سے تقریباً تمام ہی اقوام اور ممالک کی تاریخ و تہذیب اور علمی و تہذیبی نشیب و فراز ان کے سامنے رہے ہیں۔ ان کا اظہار ان کے ان سفرناموں کے ذریعہ ہوتا ہے جو وہ دنیا کے مختلف ممالک کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔ "یورپ نامہ"، "جرمنی نامہ"، "شب و روز"، "ماہ و روز"، "سوئٹزر لینڈ میں میرے چند شب و روز" ان کے ایسے سفرنامے ہیں جو دنیا کے ان خطوں کے بارے میں بھرپور علمی، تہذیبی اور تاریخی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ان کا حالیہ سفرنامہ "ایک مسافر چار ملک" آسٹریلیا، سوئٹزرلینڈ، فرانس اور انگلستان کے بارے میں ہے، جسے ہمدرد اکیڈمی پاکستان نے شائع کیا ہے۔ یہ ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ساٹھ روپے ہے۔ اسے ٹائپ میں عمدہ کاغذ اور مضبوط اور دیدہ زیب جلد میں شائع کیا گیا ہے۔ اس سفرنامے سے جہاں ایک طرف ان ممالک میں حکیم صاحب کی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے وہیں یہ ان ممالک اور مقامات کے بارے میں، جہاں جہاں حکیم صاحب تشریف لے گئے ایک مکمل اور واضح تصویر بھی پیش کرتا ہے جس میں وہاں کی علمی اور تہذیبی زندگی کی تمام ضروری تفصیلات قاری کے سامنے آجاتی ہیں۔ اسلوب نگارش اس قدر سادہ اور فطری ہے کہ مصنف کے تاثرات و احساسات اور مناظر و واقعات اور قاری کے درمیان کوئی فاصلہ باقی نہیں رہتا۔ قاری خود کو بھی مصنف کے ساتھ اسی ماحول میں محسوس کرتا ہے۔ مصنف نے اپنے اسلوب کو خیال و فکر کی مبالغہ آرائی سے بچائے رکھا ہے اور اس طرح اسے افسانہ اور رپورتاژ بننے نہیں دیا۔ اس اعتبار سے اپنے منفرد اسلوب نگارش کے سبب سفرناموں کے باب میں یہ ایک مفید اضافہ ہے۔

اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ

اکبرالہ آبادی کی شاعری کے تنقیدی جائزے پر مبنی ڈاکٹر صغرا مہدی کی یہ ایک ضخیم اور جامع تصنیف ہے، جو دراصل ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جس پر جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) نے انھیں ڈگری تفویض کی ہے۔ اسے مکتبہ جامعہ دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ ۳۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت پچیس روپے ہے۔ اس کتاب میں اکبر کی شاعری کا مبسوط تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور عصری تقاضوں اور ماحول کے پس منظر میں ان کی حقیقی قدر و قیمت متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف نے اکبر کے دور اور ان کی سوانح اور شخصیت کے جائزے کے بعد ان کی شاعری کے ادوار متعین کیے ہیں، اور پھر ان کا تجزیہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اردو میں طنز و مزاح کی روایات کا جائزہ بھی لیا ہے اور ان کی روشنی میں اکبر کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا تجزیہ کیا ہے اور اس کے بعد مجموعی طور پر ان کی شاعری کا فنی تجزیہ پیش کیا ہے اور شاعری میں ان کی حیثیت و اہمیت کو متعین کیا ہے۔

کتاب دلچسپ اور مفید ہے اور اکبر کی شخصیت اور شاعری پر حال میں جو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ان میں ایک وقیع اور اہم اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

روزنِ دیوار سے

ممتاز کالم نگار، شاعر اور سفرنامہ نگار عطاء الحق قاسمی کے فکاہی کالموں کا انتخاب "روزنِ دیوار سے" ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا تھا۔ اب اس کی اشاعت ثانی حال میں عمل میں آئی ہے۔ عطاء الحق قاسمی ایک عرصہ سے ملک کے ممتاز روزنامے "نوائے وقت" میں "روزنِ دیوار سے" کے عنوان سے فکاہی کالم تحریر کر رہے ہیں۔ ان کے کالموں کا یہ اولین انتخاب شائع ہو کر ادبی دنیا

میں شہرتِ عام حاصل کر چکا ہے۔ اس انتخاب میں اُن کے وہ کالم شامل تھے جو انھوں نے ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۷ء کے درمیانی عرصہ میں تحریر کیے تھے۔ اب اس کی اشاعتِ ثانی میں مزید چند کالموں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے جو پہلی اشاعت کے بعد تحریر کیے گئے ہیں۔ یہ سارا انتخاب ممتاز مزاح نگار محمد خالد اختر نے کیا ہے۔ کتاب نہایت اہتمام کے ساتھ نفاست اور سلیقہ سے شائع کی گئی ہے۔

عطاء الحق قاسمی نے اردو کے موجودہ فکاہی کالم نگاروں کے دور کو اپنے منفرد اسلوب سے نئی زندگی، توانائی اور جاذبیت عطا کی ہے۔ ان کا یہ اسلوب جس میں شگفتگی بھی ہے اور تنوع بھی ہے، طنز و مزاح کے روایتی اسالیب سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ ان کے مزاح میں ان کی شخصیت کا مزاج بھی کارفرما محسوس ہوتا ہے اس اعتبار سے ان کی مزاح نگاری ان کے مزاج کے زیرِ اثر فطری نظر آتی ہے اور اس پر بے ساختگی کا عنصر حاوی ہے۔ موضوعات ان کے اسلوب کی گرفت میں رہتے ہیں اور وہ انھیں بڑی آسانی اور مہارت کے ساتھ اپنے طنز اور مزاح کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جملوں کی ساخت اور فقرے اُن کے ہتھیاروں کا کام دیتے ہیں۔

باتیں لاہور کی

سوم آنند کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے، جسے مکتبہ جامعہ دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ پونے تین سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت سولہ روپے ہے۔ ان یادداشتوں کا تعلق لاہور سے ہے جہاں مصنف نے اپنے بچپن سے قیامِ پاکستان تک کا عرصہ بسر کیا۔ اور پھر بعد میں بھی کئی مرتبہ لاہور آنے اور قیام کرنے کا موقع ملا۔ یہ یادداشتیں لاہور کے قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد کے تقابلی جائزے کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ مصنف نے جابجا قدیم اور جدید لاہور کا اس کے تہذیبی معاشرتی اور لسانی پہلوؤں کے تعلق سے مقابلہ کیا ہے۔ مصنف کی یہ یادداشتیں اس کے بچپن اور جوانی کے ماحول، اس کے اسلاف، اساتذہ، دوست احباب، ادیب و شعراء اور سیاسی و سماجی کارکنوں کا احاطہ کرتی ہیں۔ مصنف نے معاشرتی اور تمدنی ماحول کی عکاسی کے ساتھ ساتھ لاہور کی ادبی اور صحافتی زندگی کی مختلف جھلکیاں بھی دکھائی ہیں اور جابجا معاشرتی اور سیاسی اقدار کی تبدیلیوں کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ تہذیبی اور لسانی صورتِ حال بھی اس کے تجزیہ اور جائزہ کا موضوع بنی ہے۔ یہ بہرحال ایک دلچسپ اور معلوماتی کتاب ہے جس میں لاہور اپنے قدیم اور جدید دور کی متنوع اقدار کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ مصنف کا تجزیہ اور نقطۂ نظر مختلف مقامات پر اختلاف کی گنجائش رکھتا ہے۔

گردوپیش

رفتارِ تحقیق

حال میں بھارت کی مختلف جامعات نے اردو میں جن موضوعات پر پی ایچ ڈی کی اسناد عطا کی ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے!

موضوع: "غالب کے نقاد"
مصنف: محمد مشتاق خاں
جامعہ: گورکھپور یونیورسٹی
نگراں: ڈاکٹر احمد لاری

موضوع: "بہار میں اردو زبان کا ارتقا"
مصنف: غیاث الرحمٰن خاں
جامعہ: ناگپور یونیورسٹی
نگراں: ڈاکٹر منشا الرحمٰن خاں

موضوع: "شمالی ہند کی اردو مثنوی کی فرہنگ"
مصنف: محمد ضیاء الدین انصاری
جامعہ: علیگڑھ مسلم یونیورسٹی
نگراں: ڈاکٹر نادر علی خاں

موضوع: "نثری نظم رجحانات اور تکنیک"
مصنف: رئیس انور رحمان
جامعہ: کلکتہ یونیورسٹی
نگراں: ڈاکٹر ظفر اوگانوی

قارئین کی رائے

"اخبار اردو پڑھ کر بڑی تشفی ہوتی ہے۔ مقتدرہ قومی زبان نے یہ اخبار شائع کر کے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ایک بڑی کمی پوری ہو گئی ہے۔ ادارہ ٹیلیفون پر بھی زبان کے تعلق سے اطلاع فراہم کرتا ہے۔ اس طرح نہ صرف موثر مضامین کے ذریعہ روشنی پہنچائی جا رہی ہے بلکہ پاکستانی عوام کے لسانی ذوق کی تربیت کا کام بھی جاری ہے۔ اگر یہ سلسلہ چلتا رہا تو تقریر اور تحریر میں اصلاح کے علاوہ پاکستان کی سڑکوں اور بازاروں میں نظر آنے والی بدسلیقہ عبارتیں غائب ہو جائیں گی۔ جیسا کہ "اخبار اردو" (مئی ۱۹۸۲ء) کے اوراق سے ظاہر ہے۔ ہمارے علمی اور ادبی الفاظ کا سرمایہ عربی اور فارسی ہے لیکن وقت آ گیا ہے کہ عوام کی بھلائی اور زبان کے روشن مستقبل کی خاطر ہمارے دانشمند اور اصطلاح ساز ادارے علاقائی زبانوں کے حیات بخش منبع سے بھی فائدہ اٹھائیں۔ عربی فارسی اور انگریزی الفاظ ہمارے "احساس برتری" اور "ذوق مشکل پسندی" کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں، لیکن کسی قوم کی اجتماعی لسانی زندگی کی بقا کے لیے جس آب و دانہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ صرف علاقائی زبانوں کی ملکیت ہے۔"

ڈاکٹر) رحیم رضا

شعبہ اردو، جامعہ رومالئی

'اخبار اردو' اس وقت جہانِ اردو کی اعلیٰ ترقیات کا سب سے اہم ترجمان ہے۔ اس کا مطالعہ یہاں بہت ہی شوق اور دلچسپی سے کیا جا رہا ہے۔ اخبارات و رسائل میں اس کے مندرجات کی نقلیں بھی شائع ہوتی ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس اخبار اور اس کے ادارہ انتظامی کی مساعی سے وہاں دفاتر میں اردو کے استعمال کی موثر تحریک چل رہی ہے، جو اردو کے لیے وقت کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔ یہی کام اس وقت یہاں انجمن ترقی اردو بہار کر رہی ہے۔ اس طرح ہم آپ تحریکِ اردو کے ایک ہی کارواں کے مسافر ہیں۔

عبدالمغنی

صدر انجمن ترقی اردو (بہار)

بھارت

اخبار اردو کی ضرورت، نفاست اور افادیت کے بارے میں دو رائیں تو ہو ہی نہیں سکتی ہیں، ترتیب اچھی، طباعت اچھی، صفحات روشن، مضامین و مندرجات مفید اور موزوں۔ لکھنے والے لائق، ذی استعداد اور سوچنے والے۔ پھر اخبار اردو اچھا کیوں نہ ہو — البتہ یہ گلہ ہو سکتا ہے کہ ضخامت کم ہے اور بعض ضروری علمی مباحث پر قلم اٹھاتے، ممکن ہے کچھ حلقے اس لیے متامل ہوتے ہوں کہ رسالے کی تنگ دامانی اُن کی اشاعت میں آڑے نہ آئے۔ میری ناچیز رائے میں مضامین و مباحث میں اضافہ ہونا چاہیے اور جو ٹھوس علمی تجاویز اُردو کی ترقی، ترویج اور تزئین کے لیے پیش کی جائیں اُن پر تنقید و تبصرہ، ردّ و قدح کے سلسلے کا آہنگ برقرار رکھا جائے۔

مقتدرۂ قومی زبان کے تمام قابلِ احترام ارکان میرے رائے میں مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اتنے اعلیٰ اور عمدہ ترجمان ادارہ کی اشاعت اور استمرار پر، اور ان سے زیادہ مستحقِ تبریک آپ حضرات ہیں یعنی رسالے کے مرتبین، منتظمین اور کارکن جن کی محنت اور دل سوزی سے اُردو کو ایسا مرقّر و مقبول "ذریعۂ تبلیغ" میسر آیا ہے۔

رسالہ فاران کی طرف سے نیز اس عاجز کی جانب سے دُہری مبارک باد قبول کیجیے، اللہ تبارک و تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ اُردو، جو فی الحقیقت پاکستان اور ثقافتِ پاکستان کی اساس اور اس کے استمرار و بقا کی ضمانت ہے جلد اور بغیر کسی مزید لیت و لعل کے واقعی حکومت پاکستان کی سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر لے۔ یہ فرض اگر "مقتدرہ" کے ہاتھوں ہی انجام نہ پا سکا تو پھر کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔

اسمٰعیل احمد مینائی

مدیر "فاران" کراچی

اور اُردو دونوں ان کے لیے غیر زبانیں معلوم ہوتی ہیں، جن میں سے کسی ایک میں بھی وہ اظہار کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔ اس اعتبار سے یہ نسلیں اگر بہری نہیں تو گونگی ضرور ہیں۔ ان کا المیہ یہ ہے کہ کسی ایک زبان کو انھیں بطور وسیلۂ اظہار اختیار کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ ایک ایسے ماحول میں پروان چڑھ رہی ہیں جس میں تیرہ چودہ سال تک انگریزی پڑھنے پر مجبور ہوتی ہیں لیکن اس پر، مختلف وجوہات کے سبب، عبور حاصل نہیں کر سکتیں ـــــ اور اسے مکمل ذریعۂ اظہار نہیں بنا سکتیں۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ وہ سوچتی تو اپنی مادری زبان میں ہیں اور ذریعہ انگریزی کو بنانے پر مجبور ہیں، چنانچہ ان کا اظہار یا تو نامکمل رہتا ہے یا مصنوعی بن کر غیر موثر ہو جاتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ انگریزی پر عبور اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے قلبی آمادگی کے ساتھ نہ سیکھا جائے۔ ایسا صرف چند افراد کر سکتے ہیں ـــــ چنانچہ انھیں اس کی آزادی ملنی چاہیے۔ ساری قوم کو جبری اور لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھانے کا نتیجہ اس سے زیادہ شاید نہیں نکل سکتا، جو اب ہمارے سامنے ہے۔ چنانچہ اُردو اور انگریزی کو ساتھ ساتھ رکھنے والا یہ مصالحانہ رویہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔ قوم نے اس طرزِ فکر کی بہت بڑی قیمت ادا کر دی ہے۔ حکومت کو اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اپنے احکامات کی پابندی کی فضا پیدا کرنی چاہیے ـــــ اور تعلیمی اداروں کو مجبور کرنا چاہیے کہ وہ اردو کو ذریعۂ تعلیم کے طور پر فی الفور اختیار کر لیں۔ قومی زبان سے تعلیمی اداروں کی یہ بے مہار لاتعلقی اور آزادی قوم کو گہرے کھڈ میں ڈھکیلنے اور اس اعتبار سے قتل کرنے کے مترادف ہے۔

AKHBAR-E-URDU

"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"

34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK—7, KARACHI-47

Registration No. S. 3195————VOL: 2—NO:10———— October 1982

مقتدرہ قومی زبان کی اہم مطبوعات

اخبار و اذکار

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

ترتیب و تحشیہ: جلال احمد زبیری

صفحات : ۲۷۲
قیمت : ۳۰ روپے

اردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ

مرتبہ : ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

صفحات : ۳۴۴ ● قیمت : ۶۰ روپے

اردو رسم الخط

مصنفہ : پروفیسر سید محمد سلیم ،

صفحات : ۹۸ قیمت : مجلد ۲۰ روپے
غیر مجلد ۱۵ "

یہ مطبوعات ہمارے علاوہ درج ذیل تاجرانِ کتب سے دستیاب ہیں

کراچی ۱۔ پنجاب بک ہاؤس، اردو بازار ۲۔ البدر کارپوریشن، صدر ۳۔ کراچی بک ڈپو، اردو بازار

کوئٹہ ۱۔ قلات پبلشرز، جناح روڈ

ملتان ۱۔ کاروان بک سینٹر، ملتان چھاؤنی۔

تاجرانہ رعایت، دس کتابوں پر ۳۳ فیصد

ماہنامہ کراچی

اخبارِ اردو ———— کے لیے

قیمت : ایک روپیہ
سالانہ چندہ : صرف دس روپے

ایم۔ ایس نیوز ایجنسی صدر (ریگل) کراچی

اور

البدر بک کارپوریشن صدر، کراچی سے رجوع فرمائیے یا براہِ راست ہم سے طلب فرمائیے۔

ماہنامہ
اخبارِ اردو
کراچی

نومبر ۱۹۸۲ء

A.M. 10-11-82

"آپ جب انگریزی پڑھتے ہیں، یا انگریزی بولتے ہیں، تو نادانستہ طور سے آپ کے جسم و جاں اور ارادہ و روح انگریز کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ اس وقت آپ اپنے اندر انگریزی تاریخ، انگریزی جذبات، انگریزی احساسات، انگریزی خیالات کا سرتاپا مجسمہ بن جاتے ہیں اور خود اپنی تاریخ، اپنے قومی جذبات، اپنے مذہبی احساسات، اپنے ادبی خیالات سے یکسر عاری ہو جاتے ہیں۔ اب ایسی قوم جو قلباً و قالباً، روح و جسم، ظاہر اور باطن دونوں میں دوسری قوم کی نقالی کر رہی ہے، خود اپنی قوم کا وجود اس کے اندر کہاں رہا؟ اب وہ ایسے افراد بن گئے ہیں جو اپنی قومیت کے عناصر کو تو فنا کر چکے ہیں، مگر دوسری قوم جس کی وہ نقالی کر رہے ہیں وہ اپنے اندر ان کو شمار کرنے سے رہی، اس لیے ان کی حیثیت "معزز اچھوت" سے بڑھ کر نہیں۔"

سید سلیمان ندوی

"نقوشِ سلیمانی" صفحہ ۶۹

مقتدرہ قومی زبان

مقاصد

- مقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل و نفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ـــــــ قوم کے حساس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ـــــــ

ماہنامہ
اخبارِ اردو
کراچی

فہرست

جلد ۲ شمارہ: ۱۱
محرم ۱۴۰۳ھ نومبر ۱۹۸۲ء

مقتدرہ قومی زبان
۳۴-ڈی، بلاک ۷، گلشنِ اقبال، کراچی ۴۷ ٹیلی فون ۲۲-۴۶۴۱۲۱
قیمت: ایک روپیہ، سالانہ چندہ دس روپے
طابع: المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

معروضات

ہم نے کیا کھویا؟

زبان بظاہر انسان کی معاشرتی ضروریات کی تکمیل کا ایک وسیلہ ہے، لیکن دراصل یہ ساری معاشرت اور تہذیب و ثقافت کی تشکیل کا محرک اور ایک اہم عامل بھی ہے۔ ذہنی اور معاشرتی ارتقا اسی کے سبب واقع ہوتا ہے ـــــ اور یہی بنیاد ہے جس پر معاشرے کی تہذیب اور تعمیر کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ ایک وسیلہ ہے جس کے طفیل انسان باہم ایک دوسرے کے خیالات اور تجربات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے فکر و عمل میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی ہم آہنگی ایک معاشرے میں تہذیبی و معاشرتی یک جہتی پیدا کر کے ایک مشترک ثقافت کی تشکیل کرتی ہے ـــــ اور اِس طرح ایک مستحکم اور مربوط معاشرہ جنم لیتا ہے۔ اس ضمن میں مذہب بلاشبہ ایک نہایت موثر اور ناگزیر عامل کی حیثیت رکھتا ہے ـــــ لیکن زبان کے بغیر معاشرہ نہ تو مذہبی برکات سے مستفید ہو سکتا ہے اور نہ مذہبی قومیت وجود میں آسکتی ہے۔ معاشرتی انتشار اور فکر و عمل کی عدمِ مماثلت معاشرہ کو ایک مشترک نصب العین سے دور رکھتی ہے، چنانچہ معاشرہ مختلف سمتوں میں بٹ جاتا ہے اور اِس کا اتحاد اور استحکام کمزور ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ اگر اس موقع پر مذہبی رشتہ بھی کسی وجہ سے کمزور ہو جائے تو پھر معاشرہ شکست و ریخت سے نہیں بچ سکتا۔

ہمارے ملک کا معاشرہ ایک مشترک زبان (اردو) سے بہرہ مند ہے۔ متفرق ثقافتی صفات کے باوجود قوم ثقافت کی ہر سطح کے مقابلہ میں ایک مشترک زبان کی سطح پر آپس میں ایک دوسرے کے بہت قریب ہے۔ یہی زبان ہے جس نے قوم کے درمیان افہام و تفہیم کے ایک گہرے رشتہ کو استوار کیا ہے اور اجتماعی اور قومی وجود کے احساس کو جنم دیا ہے۔ اگر مشترک زبان کا یہ رشتہ استوار نہ رہے ـــــ یا اُسے قومی تقاضے کے مطابق مستحکم ہونے کا موقع نہ ملے تو عین ممکن ہے کہ علاقائی، نسلی یا جغرافیائی عناصر مشترک عناصر (مذہب اور زبان) کے مقابلہ میں زیادہ قوت حاصل کر کے معاشرے کے اشتراک و اتحاد کو کمزور کر دیں۔ اگر معاشرے کی قوتِ نافذہ (حکومت) اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے معاشرے کے مشترک عناصر کو قوت عطا کرے اور انھیں فروغ دینے کی سعی کرے تو معاشرہ متحد اور مستحکم رہ سکتا ہے ـــــ اور تعمیر اور ترقی کے تمام مدارج طے کر سکتا ہے۔

گزشتہ ۳۵ برسوں میں ہمارے معاشرہ نے مشترک زبان کی حیات بخش اور تعمیری قوتوں کو استعمال میں نہ لا کر بڑے نقصانات اٹھائے ہیں۔ سیاسی اور قومی سطح پر مشرقی پاکستان کے سقوط ـــــ بلکہ اس کی علیحدگی کے پسِ پشت جو ایک بڑا اور موثر داخلی عامل تھا، وہ علاقائی لسانی قومیت ہے ـــــ جو مذہبی قومیت پر حاوی ہو گیا۔ اگر وہاں کے معاشرے میں مذہب کے ساتھ ساتھ ایک مشترک زبان کے

شعور کو فروغ دیا جاتا اور اسے دانش مندانہ طرزِ عمل سے نفاذ بھی دیا جاتا ـــــ تو صورتِ حال اس سے بہت مختلف ہوتی ـــــ جو رونما ہوئی۔

صرف یہی نہیں بلکہ قومی اور تہذیبی سطح پر مذہب کے حوالہ سے جو یک جہتی نظر آتی ہے ـــــ مشترک زبان کے مکمل نفاذ سے اس میں مزید قوت اور گہرائی پیدا ہو سکتی تھی۔ علاقائی زبانوں اور علاقائی صفات نے اپنے اپنے علاقہ کو جس طرح ایک تشخص دیا ہے ـــــ ایک مشترک زبان کے ذریعے سے ملک گیر سطح پر ایک قومی اور ملکی تشخص پیدا کیا جا سکتا ہے۔ گزشتہ دس پندرہ سالوں کے عرصہ میں بعض گوشوں سے قومی اور ملی تشخص کے مقابلہ میں علاقائی تشخص کی جو غیر موثر سی آواز کبھی کبھی سنائی دیتی رہی ہے ـــــ یہ بھی وجود میں نہ آتی۔

معاشرتی اور علمی سطح پر اردو کی سب سے بڑی اور واحد حریف انگریزی زبان رہی ہے۔ اس نے ہر اس جگہ پر قبضہ جمائے رکھا ہے ـــــ جس کی حق دار اصلاً اردو زبان ہے۔ اردو ہماری تاریخ، ہماری روایات اور ہمارے مزاج سے عین مطابقت رکھتی ہے ـــــ لیکن انگریزی نے ہماری روایات اور ہمارے مزاج پر اپنے مزاج اور اپنے تشخص کی چھاپ لگائی ہے اور اِس طرح اس نے سارے کاروبارِ مملکت، دفتروں، بازاروں اور تمدنی زندگی کے ہر گوشہ پر اپنا سکہ چلا کر ہمارے معاشرے کو انگریزی معاشرت اور انگریزی مزاج کا حامل ایک طفیلی معاشرہ بنا دیا ہے۔

علمی سطح پر بھی انگریزی زبان نے اردو کی جگہ لے کر ہمارے معاشرے کی وحدت کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ انگریزی ذریعۂ تعلیم حاکم پیدا کر رہا ہے اور اردو ذریعۂ تعلیم محکوم۔ انگریزی تعلیم کے سبب ہمارا معاشرہ اپنی بہترین صلاحیتوں سے محروم رہ کر انہی خطوط پر گامزن ہے ـــــ جو انگریزی سامراج کا مطمع نظر تھے۔ ہم اپنی بہترین صلاحیتوں کے باوجود اپنی لسانی منافقت کے سبب تخلیقی سطح پر بھی کوئی قابلِ فخر کارنامہ انجام نہیں دے سکے۔ ڈیڑھ سو سال تک انگریزی زبان کا تعاقب کرنے کے باوجود انگریزی ہماری مکمل دسترس سے دُور رہی اور ہمارے تخلیقی عمل کا حصہ نہ بن سکی۔ اس محرومی کے باعث ہم تخلیق اور تحقیق کی سطحی موجوں کے اسیر رہے اور گہرائیوں تک نہ پہنچ سکے۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ ۳۵ سال سے ہم اپنے معاشرے کی تشکیلِ نو کے خواہاں ہیں اور حصولِ علم اور کاروبار مملکت کے لیے انگریزی کو وسیلہ بنائے ہوئے ہیں لیکن ہمارا اظہار نامکمل ہے اور ہم ابلاغ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت سے بھی عاری ہیں۔ قوم انگریزی سیکھنے پر مجبور ہے لیکن اس میں مہارت سے معذور ہے۔ اس کے الفاظ زبان سے ادا تو ہو جاتے ہیں ـــــ لیکن خیال و فکر کا جزو نہیں بن سکتے۔ لفظ اور خیال کے رشتہ میں لفظ کا ادراک ہمارے لیے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ خیال پر حاوی ہو چکا ہے اور خیال پس پشت چلا گیا ہے۔ چنانچہ ہم تخلیق ہی میں نہیں اظہار و ابلاغ میں بھی ناپختہ رہ گئے ہیں۔

اب ہماری جو نسلیں پروان چڑھ رہی ہیں وہ گونگی اور بہری ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کی قیمت مستقبل کو ادا کرنی ہوگی۔ افسوس کہ ہمیں قوم کو پہنچنے والے ایسے نقصانات کا نہ تو حقیقی احساس ہے اور نہ ان کے سدِ باب کی کوئی مناسب اور موثر کوشش کی جاتی ہے۔

پروفیسر جابر علی سید

تحقیق الفاظ
(۳)

اس مضمون میں بعض ایسے الفاظ کی تحقیق مقصود ہے جو لغت نگاروں نے یا تو تقلیداً غلط لکھے ہیں یا کم تحقیق کا شکار ہوئے ہیں۔ ان الفاظ کی فہرست مندرجۂ ذیل ہے۔

۱۔ بگولا
۲۔ گردباد
۳۔ تقارب
۴۔ داربست۔ دارچینی۔ دیودار
۵۔ ٹھن ٹھن گوپال
۶۔ پائینچہ
۷۔ جیا کرنا
۸۔ چار میخا کرنا

اب ان الفاظ کا ایک ایک کر کے تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

۱۔ بگولا۔ اردو کے اکثر لغت نگار اسے بگولا بروزن ہنڈولا اور بروزن مجوبہ دونوں طرح مستعمل اور صحیح بتاتے ہیں۔ [اردو۔ انگریزی ڈکشنری جان شیکسپئر ۱۸۲۸ء کلکتہ]۔ اردو کے جدید شعرا واؤ معروف سے بولتے ہیں لیکن ہم قافیہ الفاظ کہیں دستیاب یا مستعمل نہیں ہوتے۔ بگولا کی اصل باؤگولا (گولہ) ہے یعنی ہوا کا گولہ۔ صرف کی رُو سے یہ مرکبِ اضافی ہے۔ باؤ، بائے دونوں روپ صحیح ہیں۔ باؤگولہ ایک مرض ہے۔ جو شدتِ غم سے لاحق ہوتا ہے۔ لیکن بگولا یا بگولا انگریزی کے WHIRL- WIND اور فارسی کے گِردباد کا بدل ہے۔ گِردباد بکسرِ اوّل ہی صحیح ہے۔ اسٹائن گاس گَردباد کو بھی درست قرار دیتا ہے جو ٹھیک نہیں۔ گِرد فارسی میں حرفِ جار کے علاوہ اسم صفت بھی ہے بمعنی گول چنانچہ گِردباد بمعنی چکر کھاتی ہوئی ہوا ہے۔ اسٹائن گاس اس میں گَرد کی آمیزش کی بنا پر گَرد باد صحیح بتاتا ہے۔ یہ غلط قیاس آرائی ہے۔

۳۔ تقارب اور متقارب (بحوالۂ نسیم اللغات عکسی طبع لاہور) مولفین نے لکھا ہے کہ بحرِ تقارب میں ۸ دفعہ فعولن آتا ہے اور متقارب میں ۴ دفعہ فعولن۔ حالانکہ دونوں ایک ہی بحر کے مختلف نام ہیں۔ اصل نام متقارب ہے جو ۸ دفعہ فعولن پر مشتمل ہے۔ تقارب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ خوب محمد چشتی دکنی نے اپنی تالیف چھند چھنداں (بحور) میں، جو ہندی عروض پر فارسی نظم میں ہے، ہر بحر کی تشریح اسی بحر میں لکھے ہوئے شعر میں کی ہے۔ چونکہ متقارب کا لفظ بحرِ متقارب (فعولن) میں موزوں نہیں ہوتا اس لیے اسے تقارب بنا لیا۔ ملاحظہ ہو "مقالاتِ شیرانی" جلد دوم مجلس ترقیِ ادب لاہور ۱۹۶۵ء۔

۴۔ داربست، دارچینی اور دیودار۔ تینوں میں دار (سنسکرت = دارو) لکڑی یا درخت کے معنی میں ہے۔

(۱) داربست بمعنی تیر بندی یا چھت ڈالنا ہے۔ دار = لکڑی اور بست بمعنی بستن ہے چنانچہ میر حسن اپنی مثنوی سحر البیان میں کہتے ہیں: "باغ کی تیاری"

کہوں کیا میں کیفیتِ داربست
لگائے رہیں تاک واں مے پرست

انگوروں کے باغ میں پودوں پر چھت ڈالا جا رہا ہے۔ لفظ تاک پر ایہام ہے کہ یہاں مراد غور سے دیکھتے رہنا ہے لیکن اس کے دوسرے معنی انگور کی بیل ہیں جس کا تعلق داربست سے ہے اور مے پرست سے بھی لیکن یہ معنی مقصود نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ ایہامِ تناسب ہے۔

ب ۔ دارچینی : چین کی لکڑی جو گرم مسالے کا ایک حصّہ ہے ۔ اصلاً دارچینی چین کی نہیں بلکہ جنوبی ہند اور انڈونیشیا کی پیداوار ہے ۔ جنوبی ہند سے خاص طور پر یہ مغربی ممالک میں سمندری اور بری راستوں سے جایا کرتی تھی ۔ چین کا نام داستانی بعد کے لیے استعمال ہونے لگا ۔

ج ۔ دیودار : بمعنی دیو قامت درخت ہے ۔ اور صنوبر کے مترادف ہے ۔

د ۔ تختۂ دار : لکڑی کا تختہ ۔ اس میں لکڑی حشو ہے کیونکہ غیر ازیں کوئی تختہ عموماً متصور نہیں ۔ دار پھانسی کے تختے کے علاوہ وہ چوبی آلۂ عقوبت بھی ہے جسے GIBBET کہتے ہیں ۔ یہ قرونِ وسطیٰ میں ظالم حکمران باغیوں کے لیے استعمال کیا کرتے تھے ۔

۵ ۔ ٹھن ٹھن گوپال ۔ بمعنی احق ۔ نسیم اللغات میں ان معنوں میں درج ہے ۔ یہ غلط تو نہیں لیکن اس کے دوسرے معنی بھی ہیں جنھیں نسیم نے نظرانداز کر دیا ہے ۔ ٹھن ٹھن گوپال کھنکتے ہوئے روپے سے استعارۂ مرشحہ ہے ۔ ہمارے اسمائے صوت میں استقلال اور انفرادیت نہیں ۔ روپے کی آواز کو کھنکھنا بھی اور ٹھن ٹھن کرنا بھی کہتے ہیں ۔ پورے استعارے کا مفہوم یہ ہے کہ روپیہ خدا ہے ۔ گوپال = خدا ۔

گیا ہے ۔ ڈاکٹر رشید حسن خاں کے مقالہ " ا اور ہ کا فرق " میں (اخبارِ اردو، کراچی ستمبر ۱۹۸۲ء) میں اس عملِ ابدال پر خاص بحث کی گئی ہے ۔ اس کا موضوع عربی ، فارسی اردو کی مشترکہ یا تقابلی صوتیات ہے ۔

۶ ۔ پائینچہ : نسیم اللغات میں اسے ہندی الاصل قرار دیا گیا ہے ۔ حالانکہ یہ بداہتہً فارسی ہے ۔ پا + این + چہ ، پا = پاؤں ، این ، ئین = لاحقہ نسبتی ، چہ = علامتِ تصغیر اس طرح پائینچہ پاجامے کے سب سے چھوٹے حصّے کو ظاہر کرتا ہے ۔ پا ، پائیں ، پائیں باغ میں اور پاخانہ میں پا مکان کے پاؤں گر یا آخری حصّے کے لیے ہے ۔ پائینچہ کا مخفف پانچہ ہے جو اسی کی طرح مستعمل ہے بلکہ اس سے کچھ زیادہ مقبول و متداول ہے ۔ لاحقہ نسبتی ئین ، این کی جگہ جدید ایران میں "ییں" نے لے لی ہے ۔ چنانچہ آئید اور آئند کو اب آیید اور آیندہ لکھتے ہیں ۔ [پائینچہ میں ئین لاحقہ نسبتی ہے جیسے پائیں ، سیمیں ، زریں وغیرہ میں ہے ۔

۷ ۔ جیا کرنا ۔ نسیم اللغات کی رُو سے جیا معنی جیون یا زندگی ۔ ہے جو اسم معنیٰ ہے ۔ حالانکہ صحیح مفہوم جیتے رہنا یا زندگی گزارنا ہے ۔ وزن کے دباؤ سے بجائے جیتے ہیں ۔ کے جیا کرتے ہیں جو ازروئے صرف مصدرِ تسلسل ہے برتا گیا ہے ، معلوم نہیں مولفین کی اس اپج کا سرچشمہ کیا ہے ۔ مشہور شعر ہے ۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

اور اسی سے نسیم نے جیا بمعنی زندگی اخذ کیا ہے ۔

۸ ۔ چار میخا کرنا ۔ نسیم اللغات کی رُو سے گھوڑے کو سزا دینے کے لیے اس کے چاروں پیروں میں میخیں گاڑ دینا کے معنی میں ہے ۔ یہ غلط نہیں لیکن محدود کر دیا گیا ہے ۔ چار میخ یا چو میخہ کرنا مصلوب کرنے کے مفہوم میں بھی ہے ، چنانچہ حضرت عیسیٰ کو چو میخہ کیا گیا تھا ۔ CRUCIFIXION اہلِ اردو نے میخہ کو مونث کر کے میخا بنا لیا ہے ۔ "ہ" کو "ا" سے مبدل کر لیا

اٹھارویں صدی کے ہندوستان کا لسانی جائزہ

شبیر احمد

مغلوں کا دورِ حکومت ہندوستان کی تاریخ میں سیاست، تعلیم، صنعت و حرفت اور تجارت غرض ہر لحاظ سے ایک ایسا درخشاں دور تھا کہ دنیا کے گوشے گوشے سے سیاح، تاجر اور غیر ملکی حکومتوں کے سفرا یہاں آتے رہے۔ اس وقت مشرق اور مغرب میں دوسری بڑی حکومتیں بھی تھیں جن کی عظمت کے تاریخ کے صفحات گواہ ہیں، لیکن دولت، صنعت، دستکاری اور فراخ دلی کا حسین امتزاج جو یہاں تھا وہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ تعلیم و ثقافت کا لسانیات سے گہرا رابطہ ہے۔ گویا اقتصادی اور معاشی ترقی زبان کی ترقی میں بھی ممد و معاون ہوتی ہے۔

اس تجارت اور دولت کا اثر ملکی زبانوں پر بھی ہونا لازمی تھا۔ آج ہم اسی بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ مغلوں کے دور کی دولت اور خوش حالی سے ان زبانوں نے کیا فائدہ اٹھایا جو آج کل قدامت کی دعوے دار ہیں۔ گریرسن نے ۱۹۰۳ء میں "ہندوستانی زبانوں کا جائزہ" نامی[ہ] ایک کتاب نو[؟] جلدوں میں شائع کی تھی جس کا مقصد لسانی سے زیادہ سیاسی تھا۔ اُس میں ایک سو انیس (۱۱۹) زبانوں کی موجودگی دکھائی گئی تھی۔ گویا اُن تمام بولیوں کو جو برصغیر کے کسی علاقے میں بول جاتی تھیں، خواہ اُن کے بولنے والوں کی تعداد چند سو افراد ہی کیوں نہ رہی ہو اور اُن میں کسی قسم کا ادب بھی موجود نہ ہو زبان کے زمرہ میں شامل کر لیا گیا تھا، حالانکہ زبان اور بولی کے فرق سے اہلِ انگلستان ناواقف نہیں تھے جہاں کی تقریباً ہر کاؤنٹی میں ایک نئی بولی سے سابقہ پڑتا ہے لیکن زبان ہر جگہ ایک ہی ہے یعنی انگریزی۔

یہاں ناممکن ہے کہ ہم اُن تمام بولیوں کو زیرِ بحث لائیں جن کی طرف "ہندوستانی زبانوں کے جائزہ" میں اشارہ کیا گیا ہے اس لیے یہاں صرف ہم ان زبانوں کا جائزہ لیں گے جو یا تو برِصغیر کے مختلف سرکاری دفاتر میں زیرِ استعمال ہیں، یا اُن میں نثری اور منظوم ادب کی تخلیق جاری ہے جیسے پشتو، بلوچی، پنجابی اور سرائیکی وغیرہ۔ آج کل جو زبانیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں وہ یہ ہیں: جنوب میں ملیالم، تامل، تیلگو اور کنڑی، وسطی برصغیر میں اُڑیا، مرہٹی اور گجراتی۔ مشرق میں آسامی اور بنگالی، مغرب میں پنجابی، پشتو، سرائیکی، سندھی، بلوچی اور اردو اور شمال میں ہندی اور اردو۔

تامل، تیلگو، ملیالم اور کنڑی

اٹھارویں صدی میں نہ صرف مغل سلطنت کی دفتری زبان فارسی تھی، بلکہ مرہٹوں، نظام حیدر آباد، کرناٹک اور میسور کی حکومتوں کی دفتری زبان بھی فارسی تھی۔ تامل، تیلگو، ملیالم اور کنڑی بولنے والے علاقے مندرجہ بالا حکومتوں میں منقسم تھے[۲]۔ ان علاقوں کے کسی شخص کو اگر تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت یا خواہش محسوس ہوئی تو فارسی مکتبوں کے دروازے سب کے لیے کھلے تھے۔ اس لیے ان بولیوں کے دامن علم و ادب سے ہمیشہ خالی رہے۔ یہ تو انگریز تھے جنھوں نے ہندوستان کی مختلف بولیوں کے بولنے والوں کو الگ الگ قومیتوں میں تبدیل کرنے کے لیے ہر بولی کو تحریر کر کے پڑھانا شروع کر دیا اور التزام یہ رکھا کہ ایک بولی کی کتابیں پڑھنے والا دوسری بولی کی کتابیں نہ پڑھے اور اپنے تنگ کوئیں میں محدود ہو کر رہ جائے۔ لہٰذا ان بولیوں کے اٹھارھویں صدی یا اُس سے قبل ترقی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اڑیا

تامل اور تیلوگو وغیرہ کے سلسلے میں جو لکھا گیا ہے، وہی اس بولی پر بھی صادق آتا ہے۔

مرہٹی

یہ دکن کے ایک بڑے علاقے کی بولی تھی۔ اس علاقے کے باشندے عموماً کاشت کاری کر کے اپنا پیٹ پالتے، اُن کو علم و ادب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ دفتری زبان فارسی تھی، دفتروں میں صرف فارسی جاننے

والوں کی ضرورت ہوتی اس لیے جو چند اسکول اس علاقے میں موجود تھے، وہ بھی فارسی کے تھے۔ مرہٹواڑے کے بنیے اپنا حساب کتاب موڑی حروف میں لکھتے تھے وہ کسی اسکول میں سکھائی نہیں جاتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ مرہٹی بولی میں بہت کم ادب کی تخلیق ہوئی۔

اس علاقے کے ایک شخص سیواجی نے جو ایک قلعہ دار کا لڑکا تھا جب اپنی حکومت قائم کرلی تو اس کو اپنے عملے کے لیے فارسی داں افراد ہی ملے۔ اس کے علاوہ حکومت کی ساری اصطلاحات بھی فارسی میں ہی تھیں اس لیے سیواجی کی دفتری زبان بھی فارسی ہی قرار پائی۔

گجراتی

اُس وقت اس کو گجری کہتے تھے۔ اس میں علم و ادب کا اچھا ذخیرہ تھا لیکن گجری کا رسم الخط فارسی تھا، ہندی (اُردو) کا رسم الخط بھی فارسی تھا، اس لیے گجری ایک طرح سے ہندی (اردو) ہی کی ایک شاخ تھی۔ انگریزوں نے برصغیر کے باشندوں کو مختلف قومیتوں میں تقسیم کرنے کی حکمتِ عملی چونکہ اپنی حکومت کے قیام کے چند سال بعد ہی اختیار کرلی تھی، اس کی رُو سے اُن کی یہ کوشش تھی کہ ہندو اور مسلمان مختلف زبانیں استعمال کریں جن کے رسم الخط بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ صوبے بھی زبان اور رسم الخط میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ چنانچہ انھوں نے مارواڑی بنیوں کے حروف کی اصلاح کر کے اُس میں گجراتی میں کتابیں لکھواکر اسکولوں میں رائج کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گجری کا سارا ادب موجودہ گجراتی سے کٹ کر ہندی (موجودہ اُردو) کا حصہ بن گیا اور مارواڑی حروف والی گجراتی نے ۱۸۲۸ء سے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا جس میں نہ کتابیں تھیں اور نہ ادب۔

آسامی

بنگالی کی ایک ذیلی بولی تھی۔ بنگالی انگریزوں کی حکومت سے پہلے عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے قیام کے چند سال بعد ہی انگریزوں نے دیوناگری حروف کو سامنے رکھ کر ایک نیا رسم الخط تیار کیا اور بنگالی کو اسی میں لکھنا شروع کر دیا[3]۔ اسی میں آسامی بھی لکھی جانے لگی۔ بنگال کے مسلمانوں نے دیوناگری بنگالی کو قبول نہیں کیا اور بدستور اُردو اور اصلی بنگالی کو جو کہ عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی پڑھتے اور تمام کاموں میں استعمال کرتے رہے چنانچہ انگریزوں نے ایک نیا قدم اٹھایا۔ بنگال کے لیفٹیننٹ گورنر جارج کیمبل نے ایک حکم دیا جس سے اسکولوں میں اردو کی تعلیم کو ممنوع قرار دے دیا۔ اور مزید کہا گیا کہ سرکاری دفاتر میں غیر منظور شدہ زبان استعمال نہ کی جائے۔ اس سے اردو اور بنگالی سرکاری دفاتر اور تعلیمی اداروں سے بالکل کٹ گئیں۔ نتیجتاً بنگالی مسلمانوں کو مجبوراً سرکاری بنگالی کو قبول کرنا پڑا۔ اس کے بعد کیمبل نے ایک نیا رسم الخط، جو انگریزوں کی ذہنی اختراع کا نتیجہ تھا، آسامی کے لیے رائج کرنے کا حکم دیا۔ اب آسامی ایک نئی زبان بن کر ابھری اور بنگالی سے دور ہوگئی۔

بنگالی

بنگال کا علاقہ اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے ایک غیر مہذب ملک مانا جاتا اس لیے اس کا نام بنگا دیش یعنی گنواروں کا ملک پڑ گیا۔ امتدادِ زمانہ سے لفظ 'بنگا' بنگال بن گیا۔ ابتدا میں اس کی ساری آبادی ہندو تھی جو مختلف ذاتوں میں منقسم تھے۔ اعلیٰ طبقہ کے ہندو عوام کی بولی سے متنفر تھے اس لیے وہ مدھ دیش کی شورسینی پراکرت یعنی متھرا کے اردگرد کے علاقے میں بولی جانے والی زبان استعمال کرتے۔ جب مسلمان حکمرانوں نے مقامی بولی کی سرپرستی شروع کی تو عوام بھی اس میں دلچسپی لینے لگے۔ اس زبان کا اپنا کوئی رسم الخط نہ تھا اس لیے اس کے سیکھنے والوں نے جو زیادہ تر مسلمان تھے اُسے عربی رسم الخط میں لکھنا شروع کر دیا۔

مغلوں کے دور میں چونکہ دفتروں کی زبان فارسی تھی، اعلیٰ طبقہ کے ہندو اُسی کو سیکھتے اور اسی کو اپنے نجی امور میں استعمال کرتے۔ جس طرح قدیم زمانے میں اعلیٰ طبقہ کے ہندو شورسینی پراکرت یعنی متھرا کے علاقے کی زبان بولتے تھے، کچھ ایسی ہی صورت انگریزی دور میں بھی نظر آتی ہے، یعنی اعلیٰ طبقے کے ہندو انگریزی بولنے پر زیادہ زور دیتے۔ اس کا ثبوت ہمیں ڈاکٹر جیکسن کی تجویز[4] سے ملتا ہے جو ۱۸۵۴ء میں لکھی گئی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ بنگال میں سول سروس کے شاذ و نادر افسران ہی بنگالیوں سے بنگالی میں گفتگو کرتے ہیں یعنی تقریباً تمام افسران بنگالیوں سے انگریزی میں گفتگو کرتے ہیں لیکن (بقول اُس کے) شمال مغرب میں یہ کیفیت نہیں ہے وہاں اہم ذمہ داریوں کی جگہوں پر وہی لوگ متعین کیے جاتے ہیں جو انگریزی نہیں جانتے تھے[5]

رہ گئے مسلمان تو وہ فارسی کو اپنی مادری زبان سمجھتے حالانکہ ان میں اکثریت اُن لوگوں کی تھی جن کی مادری زبان بنگالی تھی لیکن مغربی مسلمانوں سے میل جول، شادی بیاہ اور دفتروں میں فارسی کے استعمال نے اُن میں اتنی استعداد پیدا کر دی تھی کہ کبھی کسی نے اُن کے دعوے کی تردید نہیں کی۔ اُن کی عورتیں تو گھروں میں بہرحال بنگالی ہی بولتیں، اُن کی تعلیم کے لیے بنگالی میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں جو عربی رسم الخط میں تھیں۔ ان میں زیادہ تر اسلامی تعلیمات یا اخلاقی قصّے کہانیوں پر مبنی تھیں۔ ان کتابوں کی زبان بہت سہل اور میٹھی تھی، جسے بنگالی نہ جاننے والے بلاکسی دقّت کے سمجھ لیتے۔

اٹھارھویں صدی کے اختتام کے قریب انگریزوں نے ہندو بنگالیوں کے لیے دیوناگری حروف سے ملتا جُلتا جو ایک نیا رسم الخط ایجاد کیا تھا۔ اس کا قاعدہ اور ابتدائی کتابیں انگریز مشنریوں اور انگریز افسران نے لکھی تھیں۔ انگریزی حکومت نے اپنے اعلانات وغیرہ اُس میں شائع کرنے شروع کر دیے اور حکم دے دیا کہ سرکاری ملازمت صرف اُسی کو ملے گی جو نئی زبان سے واقف ہوگا۔ مسلمانوں نے اُسے مسترد کر دیا۔ ہندوؤں نے اگرچہ اُسے سیکھنا شروع کیا لیکن با دلِ نخواستہ، اس لیے سرکاری بنگالی کی ترقی کی رفتار بہت سست رہی اور ۱۸۳۰ء تک اُس کو پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ بنگالی میں حکومت کا کام چلانے کے لیے جتنے اہلکاروں کی ضرورت ہوتی، وہ مہیا نہیں کیے جا سکتے تھے، اس لیے جب ۱۸۳۶ء میں دفتروں سے فارسی کا اخراج عمل میں آیا تو دفتروں اور عدالتوں کی زبان اُردو قرار پائی۔

پشتو، پنجابی، سرائیکی، سندھی اور بلوچی ان تمام علاقوں میں جہاں یہ زبانیں بولی جاتی تھیں، مسلمانوں کی اکثریت اور فارسی کی حکمرانی تھی۔ تمام دفتروں اور مدرسوں میں فارسی ہی استعمال ہوتی۔ منظوم ادب میں یہ زبانیں کافی ترقی یافتہ تھیں لیکن نثری ادب کا فقدان تھا، سخت تلاش کے بعد بچوں کی تربیت کے مقصد سے لکھی جانے والی چھوٹی چھوٹی دو ایک کتابوں کا پتہ چلا ہے لیکن دفتری زبان نہ ہونے کی وجہ سے ملک کی اقتصادی اور ثقافتی ترقی کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

ہندی (دیوناگری رسم الخط میں) آج کل بھارت کی قومی زبان ہے۔ اسکولوں، کالجوں، سرکاری دفتروں، اخبارات اور وہاں کے نجی امور میں زیادہ استعمال اسی کا ہوتا ہے۔ لیکن مغل دور کی اقتصادی ترقی کا اس پر کیا اثر پڑتا، اس کی پیدائش تو ۱۸۰۳ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ہوئی تھی وہ بھی فطری طور پر نہیں۔

فطری طور پر تو زبان کی پیدائش اس طرح ہوتی ہے کہ وہ کسی علاقے کی بولی ہو۔ اقتصادی ترقی سے اُس علاقے میں علم و ادب کو فروغ ہو اور وہ بھی ایک ترقی یافتہ زبان بن جائے۔ لَلّو لال جی اردو اور فارسی کے ادیب اور فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں دیگر ادیبوں کے ساتھ تصنیف و تالیف کے سلسلے میں ملازم تھے۔ ایک روز کالج کے سینئر استاد گِل کرسٹ کی ترغیب کے نتیجہ میں انھوں نے بھگت پُران کے دسویں باب کا ترجمہ کیا یا کسی سے کرایا اور عربی اور فارسی الفاظ کی جگہ پر سنسکرت کے انھیں الفاظ کو لکھ دیا جو بھگت پران میں موجود تھے۔ اس طرح ایک ایسی کتاب تیار ہوگئی جس میں فعل اور حرفِ ربط تو وہی رکھ دیے گئے جو عام طور پر لوگ استعمال کرتے تھے اور ہندی (یعنی اُس زمانے کی اردو) میں بھی استعمال ہوتے تھے، بقیہ الفاظ سنسکرت کے بھگت پُران سے نقل کر لیے اور اس طرح ہندی (دیوناگری) زبان کی پہلی کتاب تیار ہوگئی اور اسے انھوں نے گِل کرسٹ کے حوالے کر دیا۔ امپیریل گزیٹیر اس واقعہ کا ذکر جن الفاظ میں کرتا ہے اُس کا ترجمہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

> "ہندوستانی کی قسم ہندی اُس زمانے میں
> فورٹ ولیم کالج کے اساتذہ نے ایجاد کی۔
> اس کا مقصد ہندوؤں کے لیے ایک ہندوستانی
> زبان تیار کرنا تھا۔ اسے اُردو سے تمام عربی
> اور فارسی الفاظ کو نکال کر اُن کی جگہ سنسکرت
> کے الفاظ لکھ کر تیار کیا گیا ہے"

ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اُردو فارسی کے ترمیم شدہ رسم الخط میں لکھی جاتی ہے، لیکن ہندوؤں کی ہندی دیوناگری حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اوّل الذکر نظم اور نثر، دونوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے، لیکن موخر الذکر میں صرف نثر لکھتے ہیں۔

جب کوئی ہندو نظم لکھتا ہے تو وہ اپنی بولی استعمال کرتا ہے۔ جذبات کا صحیح اظہار انسان اپنی زبان میں بہتر کر سکتا ہے۔

سطور بالا میں ہندی کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے اتنا تو واضح ہو ہی جاتا ہے کہ یہ مغلوں کے دور میں موجود ہی نہیں تھی اس لیے اُس دور کی ثقافتی اور اقتصادی ترقی کا اُسے کیا حصہ ملتا۔

اب صرف ایک زبان کا جائزہ لینا باقی رہ گیا ہے، وہ ہے ہندوستان کی زبان قدیم ہندی جسے آج کل اُردو کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وجہی کی کتاب سب رس میں جو ۱۶۳۵ء کی تصنیف ہے اسے زبان ہندوستان لکھا گیا ہے۔ "سترھویں اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں یوروپین اور انگریز مصنفوں کی تحریروں میں ہم اس کا نام اندوستان' یا ہندوستانیز دیکھتے ہیں اور اسی زمانے میں یہ لفظ ہندوستانی ہو جاتا ہے جو آج تک قائم ہے۔[۸]

اٹھارھویں صدی کے آخر میں انگریزوں نے سیاسی مصالح کی بنا پر اس کا نام اردو رکھ دیا۔" لیکن مسلمانوں کی زبانوں پر لفظ اردو انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں بھی پوری طرح رائج نہیں تھا اس لیے کہ سید احمد خاں نے اردو کی جو لغت تیار کی تھی اُس کا نام انھوں نے لغات ہندوستانی رکھا تھا لیکن ہاول اور میرے اصرار پر انھوں نے اس کا نام بدل کر اس کی جگہ لغات اردو رکھ دیا۔"[۹]

اُردو کی قدامت

ہندوستانی زبان کب وجود میں آئی اس پر قلم اٹھانا محض باعثِ طوالت ہوگا۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ جب برطانوی جہاز راں ہاکنز نے جہانگیر کے دربار میں حاضری دی تو اُس نے دربار کی زبان کو فارسی پایا۔ جہانگیر اس کے علاوہ ترکی زبان پر بھی عبور رکھتا تھا۔ لیکن دربار کے دوسرے افراد ہندوستانی میں گفتگو کرتے تھے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس وقت یہ زبان پورے ملک میں استعمال ہو رہی تھی۔ نجی خط و کتابت کی زبان ہندوستانی ہی تھی۔ شاہجہاں جیسا عظیم المرتبت شہنشاہ بھی کبھی کبھی اسی میں نجی خطوط لکھتا۔ اُس کے لڑکوں کے درمیان جب خانہ جنگی ہو رہی تھی اس نے شاہ شجاع کو اپنے دستِ خاص سے ہندوستانی میں ایک خط لکھا جو عالمگیر کے ہاتھ پڑ گیا۔ اور عالمگیر نے اُس کی شکایت کی کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے دستِ خاص سے ہندی میں جو نامہ تحریر فرمایا تھا ...."[۱۰]

ایک قومی زبان کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ملک کے ہر حصہ میں سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ کلکتہ ری ویو بابت سال ۱۸۵۱ء میں مندرجہ ذیل تحریر ملتی ہے:

"ہندوستان میں بہت سی بولیاں ہیں لیکن خاص خاص زبانیں صرف پانچ ہیں جن کے بولنے والوں کی تعداد پندرہ کروڑ ہے (۱) بنگالی کے بولنے والے ڈھائی کروڑ ہیں۔ (۲) اُردو راس کماری سے ہمالیہ تک بولی جاتی ہے۔ بقیہ تین بولیاں تیلگو، تامل اور مرہٹی ہیں۔"[۱۱]

گل کرسٹ اپنی تصنیف ایسٹ انڈیا گائڈ میں لکھتے ہیں:

"راس کماری سے لے کر کابل تک سارا ملک طول میں تقریباً دو ہزار میل میں اور عرض میں چودہ سو میل ہے اس میں شاید ہی کسی بڑے گاؤں، قصبے یا شہر میں جسے مسلمانوں نے فتح کیا ہو یا جہاں مسلمان آباد ہیں کوئی ایسا شخص ملے گا جو اچھی طرح ہندوستانی نہ جانتا ہو۔ گنگا سے بھی بہت پرے نیز مشرقی جزائر کے سواحل پر بھی یہ زبان رائج ہے اور اس قدر معروف ہے کہ بہت آسانی سے سمجھی جاتی ہے۔"[۱۲]

ایس۔ کے۔ ڈے، "انیسویں صدی میں بنگالی ادب، (۱۸۰۰ سے ۱۸۲۵ تک)" کے مصنف لکھتے ہیں کہ اسے بہرحال ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جس زمانے میں بنگالی نثر کی پہلی کتابیں تصنیف کی گئیں، فارسی اور اردو بطور سرکاری اور بازار کی زبانوں کے بہت کثرت سے مطالعہ کی جاتیں اور اُن کی کتابیں بنگالی کی کتابوں کے لیے بطورِ نمونہ استعمال ہوتیں۔ سنسکرت تو تعلیم یافتہ برہمنوں تک محدود تھی۔ لڑکے اپنی مادری زبان کے ساتھ اسکولوں میں فارسی اور اردو پڑھتے اور گفتگو میں فارسی کے الفاظ بہت کثرت سے استعمال کرتے۔[۱۳]

ڈے صاحب نے جو حقائق پیش کیے ہیں اُن میں جو بات خاص طور سے سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ شہروں اور بازاروں کی زبان اُردو تھی۔ یعنی بنگال کے تمام شہروں اور بازاروں میں اُردو رائج تھی اور بنگالی صرف دیہات تک محدود تھی۔ اس میں بھی فارسی کے الفاظ کی کثرت تھی یعنی دیہات میں بولی جانے والی

زبان بھی ایک طرح کی مخلوط اردو ہی تھی۔

پنجاب میں سکھوں کی حکومت قائم تھی جس کی دفتری زبان اردو تھی۔ سندھ کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں۔ اتنا جانتے ہیں کہ وہاں کی دفتری زبان فارسی ہی تھی۔ ۱۸۴۳ء میں سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے وہاں عدالتوں میں اُردو رائج کر دی تھی کیونکہ اُس وقت ہندوستان کے تمام مقبوضات کی عدالتی زبان اردو ہی تھی۔ یوپی، بہار اور سی پی میں تمام دفاتر میں اردو ہی رائج تھی۔ بنگال اور اڑیسہ میں بنگالی کے ساتھ اُردو بھی چلتی تھی۔

سندھ میں دفتروں میں فارسی کی عملداری ہونے کی وجہ سے سندھی میں فارسی کے الفاظ کی کثرت رہی ہوگی پھر سندھی کی پس ماندگی کچھ ایسی تھی کہ جب انگریزوں نے اسے دفتری زبان بنانے کا ارادہ کیا تو خود سندھیوں نے اس شبہ کا اظہار کیا کہ سندھی میں معمولی باتوں کے سوا شاید ہی کچھ لکھا جاسکے۔

انگریزوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ سندھی کے لیے فارسی رسم الخط کی بجائے بنگالی، آسامی، دیوناگری، ہندی اور گجراتی کی طرح کوئی نیا رسم الخط ایجاد کر کے رائج کیا جائے تاکہ سندھ کو دوسرے صوبوں کے مسلمانوں سے کاٹ کر علیحدہ کیا جاسکے۔

سندھ کے دفتروں میں فارسی زبان رائج تھی۔ سندھی لکھنے پڑھنے کے لیے استعمال نہیں ہوتی تھی تو پھر عام شہری کون سی زبان استعمال کرتے تھے، یہ ہمیں نہیں معلوم۔ لیکن ہم اتنا جانتے ہیں کہ اسلامی عہد میں سندھ کے دفتروں میں ہندو ملازمین کی کثرت تھی۔ انگریزی دور میں تو دفتروں کے علاوہ زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی ہندوؤں کو اقتدار حاصل ہوگیا تھا۔ ہندوؤں کے متعلق ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ شستہ اردو بولنے پر قادر ہی نہیں تھے بلکہ اپنی ساری گفتگو میں اسی کو استعمال کرتے تھے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے سندھ کے شہروں میں گفتگو کی زبان اُردو ہی رہی ہو۔

مضمون کے آغاز میں اشارہ کیا گیا ہے کہ برِصغیر نہ صرف معاشی طور پر بہت مالا مال تھا بلکہ تمام چیزوں میں خودکفیل بھی تھا اور پیداوار اُس کی ضرورت سے بہت زیادہ تھی جو اُس کے عظیم الجثہ اور مضبوط جہازوں میں دوسرے ملکوں کو برآمد ہو جاتی۔ ان جہازوں پر عملہ کے ساتھ اور بہت سے لوگ غیر ممالک جاتے اور وہاں سے بے شمار تاجر اور سیاح یہاں آتے۔ نتیجہ یہ تھا کہ برِصغیر کے اردگرد کے ملکوں کے ساحلوں پر اور منڈیوں میں اردو بولنے والے اور سمجھنے والے بکثرت موجود تھے۔

سر بارٹل فریرنے بڑے تعجب سے یہ دیکھا کہ ساحلِ افریقہ پر اور سقوطرہ اور مدغاسکر میں ہندوستانی اسی طرح بولی جاتی ہے جیسے ہندوستان میں۔ ساحلِ عرب پر مسقط اور مکلا میں بھی انھیں ہندوستانی بولنے کا موقع ملا جہاں انھوں نے اپنے رفاہی مقصد کے لیے آسانی سے اس زبان سے کام لیا۔[15]

مسٹر شیفر نے جو شاہ المانیہ کے خاص ترجمان تھے، اس زبان کو عدن میں سنا اور مسٹر ژول اسپیر نے اس زبان کو بصرہ میں بولتے سُنا"[16]

"میں نے حال ہی میں رنگون ٹائمز میں ایک انگریزی مشن کا ذکر پڑھا جو کرنل پیٹر کی سرکردگی میں آوا گیا تھا۔ یہ مشن تجارتی معاہدے کی وجہ سے بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ راجہ کے لڑکے نے اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار ہندوستانی زبان میں کیا اس لیے کہ اُسے انگریزی نہیں آتی تھی"[17]

پروفیسر گارسیں دُتاسی کی پیرس میں مولمین (برما) کے رہنے والے ڈاکٹر مونگ شا لو سے ملاقات ہوئی جنھوں نے پروفیسر موصوف کو بتایا کہ برما میں اردو بولی جاتی ہے۔[18]

جاوا اور سماٹرا میں اُردو سمجھنے اور بولنے والوں کی موجودگی اوپر گِل کرسٹ کے ایک اقتباس سے معلوم ہو چکی ہے۔ ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغلوں کے دور میں صنعتی، اقتصادی اور ثقافتی ترقی کا جس زبان نے پورا اثر لیا وہ اُردو ہی تھی اور یہی برِصغیر کی عوامی زبان تھی جسے برِصغیر کے طول و عرض میں مقبولیت حاصل تھی۔

حواشی

۱۔ LINGUISTIC SURVEY OF INDIA

۲۔ "ہندوستان کے باشندے"، ایشیاٹک سوسائٹی جرنل، مئی تا اگست ۱۸۳۴ء

۳۔ شبیر احمد: "عربی رسم الخط میں بنگالی زبان"، العلم کراچی، اپریل تا جون، ۱۹۶۸ء۔ صفحات ۹ تا ۴۱
۴۔ تجویز = MINUTE
۵۔ ریورینڈ جے۔ لانگ: حکومت بنگال کے ریکارڈ سے انتخاب، کلکتہ، ۱۸۶۹ء، صفحہ ۶۴
۶۔ گریرسن: لنگوسٹک سروے آف انڈیا، جلد پنجم، کلکتہ، ۱۹۰۳ء، صفحہ ۱۰۷۔
۷۔ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، جلد چہارم، ۱۸۸۹ء صفحہ ۳۶۶۔
۸۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی: خطبات عبدالحق، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۵۲ء، صفحہ ۸۲۔
۹۔ گارسیں دتاسی: خطبات گارسیں دتاسی (اردو ترجمہ) انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء، صفحہ ۷۸۵
۱۰۔ ۰۰۰۰، ہندوستانی لسانیات کا خاکہ، مقدمہ صفحہ ۵۵۔
۱۱۔ بی۔ ڈی۔ باسو: ہسٹری آف ایجوکیشن انڈر ایسٹ انڈیا کمپنی، کلکتہ، ۱۹۲۲ء، صفحہ ۱۰۔
۱۲۔ خطبات عبدالحق، صفحہ ۹۸۔
۱۳۔ ایس۔ کے۔ ڈے: انیسویں صدی میں بنگالی ادب (۱۸۰۰ — ۱۸۲۵) کلکتہ یونیورسٹی، کلکتہ، ۱۹۱۹ء، صفحہ ۱۴۹۔
۱۴۔ حمیدہ کھوڑو: "لینگویج اینڈ ایجوکیشن ان سندھ" سندھ یونیورسٹی جرنل آف ایجوکیشن، ۱۹۶۶-۶۷ء، صفحہ ۴۲۔
۱۵۔ گارسیں دتاسی — صفحہ ۳۱۴
۱۶۔ محولہ بالا — صفحہ ۳۷۴
۱۷۔ محولہ بالا — صفحہ ۳۷۴۔
۱۸۔ محولہ بالا — صفحہ ۷۰۱۔

افکارِ معاصرین

رواں تبصرہ اور قومی زبان

پاکستان اور آسٹریلیا کے درمیان ان دنوں کرکٹ کے ٹیسٹ میچ ہو رہے ہیں جن پر رواں تبصرہ نشر اور ٹیلی کاسٹ کیا جاتا ہے۔ یہ تبصرہ اردو اور انگریزی زبانوں میں ہوتا ہے لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں انگریزی کو اردو کے مقابلے پر دوگنا وقت دیا جاتا ہے۔ وقت کی یہ تقسیم کسی طرح قابل فہم اور مستحسن نہیں اس لیے کہ ایک تو اردو ہماری قومی زبان ہے اور فطری طور پر ہمیں اسے انگریزی پر فوقیت دینی چاہیے۔ دوسرے تبصرہ کے سامعین کی غالب اکثریت اردو سمجھتی ہے۔ ان سامعین میں ایسے لوگ تو شاید پانچ فیصد بھی نہ ہوں جو اردو نہ سمجھتے ہوں جبکہ انگریزی نہ سمجھنے والوں کی اکثریت ہے۔ اس لیے اگر ابلاغ کا مقصد بھی پیش نظر رکھا جائے تو بھی اردو کو انگریزی پر ترجیح ملنی چاہیے اور اس کا وقت کم از کم دوگنا ہونا چاہیے۔ موجودہ حکومت یوں بھی قومی زبان کو خصوصی اہمیت دے رہی ہے۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق ذاتی طور پر اردو کا استعمال حتی الوسع ہر موقع پر کرتے ہیں۔ ان کی حکومت بھی سابقہ حکومتوں کے مقابلہ میں قومی زبان کو زیادہ اہمیت دینے کی حامی ہے اور یہ صدرِ مملکت کی ذاتی ہدایت پر ہو رہا ہے۔ اندریں حالات ذرائع ابلاغ کے کارفرماؤں کی یہ پالیسی کہ عوامی دل چسپی کے رواں تبصروں بالخصوص کرکٹ میچوں کی نشریات میں انگریزی کو اردو کے مقابلہ پر دوگنا وقت دیا جاتا ہے، نامناسب اور ناقابل فہم ہے اور اسے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ متعلقہ ارباب اختیار اس مسئلہ کی طرف توجہ دیں گے اور قومی مفاد اور عوامی امنگوں اور خود حکومت کی اعلان کردہ پالیسی کے مطابق اردو کو اس کا جائز مقام دینے کا فیصلہ کریں گے۔

روزنامہ "جنگ" کراچی
۵ راکتوبر ۱۹۸۲ء

صحیح املا : رشید حسن خان

ذ ، ز ، ژ

۱

ذ اور ز : اِن دونوں حرفوں کے سلسلے میں املائی بہت غلطیاں ہوا کرتی ہیں۔ کبھی کبھی تو لفظ کے معنی ہی بدل جاتے ہیں۔ جیسے ایک لفظ ہے "گزارش"، اِس کے معنی ہیں: پیش کرنا، عرض کرنا۔ کہتے نہیں ہیں کہ "میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں"۔ اگر اس کو ذال سے "گذارش" لکھا جائے تو یہ دوسرا لفظ بن جائے گا، جس کے معنی ہوں گے: چھوڑنا۔ یا جیسے "آذر" کے معنی ہیں "آگ"۔ اور "آزر" نام تھا ابراہیمؑ کے والد یا چچا کا۔ اِسی سے "بتانِ آزری" بنتا ہے۔ اِن دونوں حرفوں کے لکھنے میں بہت احتیاط کرنا چاہیے۔

آزر : حضرت ابراہیمؑ کے والد یا چچا کا نام۔ اِس میں زے ہے۔ آزری، صنعتِ آزری، بتانِ آزری، آزر کا خواب (ایک کتاب کا نام)، بت خانۂ آزر؛ سب جگہ ز لکھی جائے گی۔

زرتشت : آتش پرستوں کے پیغمبر کا نام۔

زکریاؑ : مشہور پیغمبر کا نام۔

زخّار : جیسے بحرِ زخّار۔

آزوقہ : تھوڑی سی غذا۔

جَزر : جزر و مد، جس کے معنی ہیں: جوار بھاٹا، اتار چڑھاؤ۔

اوپر جو لفظ لکھے گئے ہیں، اُن سب میں زے ہے ——

اب وہ لفظ لکھے جارہے ہیں جن میں ذال ہے۔

آذر : آگ۔ "آذر پرست" کے معنی ہوں گے: آتش پرست۔ "آذرکدہ" "آتش کدے" کو کہیں گے۔

آذربائجان : ایک شہر کا نام۔

جذب : اِسی سے "جاذب" بنتا ہے، جس کے ایک معنی ہیں "سیاہی چوس"۔ بلاٹنگ پیپر بھی اسے کہتے ہیں۔ مجذوب، جذبہ، جذبات؛ سب اسی سے بنے ہیں۔

ابوذرؓ : ایک مشہور صحابی کا نام۔

ذیابیطس : ایک بیماری کا نام۔

ذی : جیسے: ذی شان، ذی علم، ذی فہم

بذلہ : لطیفہ، چٹکلا، مرغوب بات۔

ذرا : یہ "ذرّہ" سے بنا ہے۔ جیسے: ذرا سی بات

نذیر : یہ رسول اللہؐ کا ایک نام ہے۔ احمد، محمد، حسن، حسین، علی وغیرہ ناموں کے ساتھ ہمیشہ "نذیر" آئے گا، جیسے: نذیر احمد، نذیر حسن، نذیر محمد وغیرہ۔ ایک دوسرا لفظ ہے "نظیر"، اِس کے معنی ہیں: مثل، طرح۔ اسی سے "بے نظیر" بنتا ہے، جس کے معنی ہیں: بے مثل۔ تخلص کے طور پر نظیر آتا ہے، جیسے: نظیر اکبرآبادی۔ "بے نظیر" نام بھی ہوتا ہے، جیسے: بے نظیر شاہ وارثی۔ اِس فرق کو ملحوظ رکھا جائے گا، البتہ عورتوں کا نام "نذیرن" بھی ہوسکتا ہے اور "نظیرن" بھی، مگر اچھا یہ ہوگا کہ "نذیرن" لکھا جائے۔

نذر : نذر، نذرانہ، نذر نیاز، نذر ماننا، نذر چڑھانا، نذر کرنا (جیسے: یہ کتاب آپ کی نذر ہے)؛ اِن سب میں "نذر" ہے۔ ایک اور لفظ ہے "نظر"، "نظرگزر" میں یہ آتا ہے۔ اور "نظری" کے معنی ہیں: وہ چیز جو نا منظور کر دی گئی ہو۔

جذر : علمِ حساب کی ایک اصطلاح ہے۔

جذام : کوڑھ۔ جذامی: کوڑھی۔

رذیل : رذالت، رذالا، ارذل؛ سب میں ذال ہے۔

۲

فارسی کے پانچ مصدر ہیں: گذشتن، گذاشتن، گذاردن، پذیرفتن، گزاردن۔ شروع کے چاروں مصدروں میں ذال ہے اور آخری مصدر میں زے ہے۔ اِن سے جو لفظ بنتے ہیں، اُن

کے لکھنے میں اکثر غلطیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔

گذشتن، گذشتن، گذاردن: یہ تینوں مصدر ایک گروپ کے ہیں۔ اِن سے جتنے لفظ بنیں گے اُن سب کو ہمیشہ ذال سے لکھا جائے گا۔ اس طرح:

گذشتہ، یارانِ گذشتہ، زمانۂ گذشتہ، گذشتگان، رفت و گذشت، سرگذشت، واگذشت۔ گذرگاہ، راہ گذر، درگذر، راہ گذار۔ نیزہ گذار، گذران، عمرِ گذران، گذار

یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ چلنے، چھوڑنے اور پار کر دینے کے معنی میں گذاردن، گذاشتن، گذشتن کو اور اِن کے مشتقات کو ذال سے لکھا جائے گا۔ "گذشتہ" کے معنی ہیں: گزرا ہوا۔ یارانِ گذشتہ: وہ دوست جو اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ سرگذشت: گزری ہوئی باتیں، روداد۔ راہ گذر، راستہ۔ عمرِ گذران: گزرتی ہوئی عمر۔ گذرگاہ: راستہ، گزرنے کی جگہ۔

بوئے گل، رنگِ چمن اور یہ عمرِ گذران
سب ٹھہر جائیں گے، کوئی اُسے روکے تو سہی

گذشتگانِ زمانہ کا ذکر تم نہ کرو
یہی غم و الم اُس روزگار میں بھی تھا

بیٹھے ہیں دل کے بیچنے والے ہزار ہا
گزری ہے اُس کی راہ گذر پر لگی ہوئی

ع: گذشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں

"گزاردن" کو جب زے سے لکھا جائے گا تو اُس کے معنی ہوں گے: پیش کرنا، ادا کرنا، شرح کرنا۔ اِس سے جتنے لفظ بنیں گے، اُن کو لازماً زے سے لکھا جائے گا، جیسے:

گزارش، نماز گزار، تہجد گزار، خدمت گزار، مال گزار، مال گزاری، شکر گزار، عبادت گزار۔

"گزارش" کے معنی ہیں: عرض کرنا، پیش کرنا۔ درخواستوں میں یہ لفظ اکثر لکھا جاتا ہے۔ اِس کو اگر "گذارش" لکھا جائے گا تو پھر اُس کے معنی ہوں گے: چھوڑنا۔ لفظ ہی بدل جائے گا — "نماز گزار" کے معنی ہوں گے: نماز پڑھنے والا۔ اور اِسی کو اگر "نماز گذار" لکھا جائے تو اُس کے معنی ہوں گے: نماز چھوڑنے والا۔

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

کیا پیام اور کیا پیام گزار
جس کی ہر بات وعظِ عرفانی

"پذیرفتن" کے معنی ہیں، قبول کرنا۔ اِس میں ذال ہے۔ اس سے بننے والے سب لفظوں کو ذال سے لکھا جائے گا، جیسے:

پذیرفتہ، پذیرائی، دل پذیر، اثرپذیر، رقم پذیر، خلل پذیر۔

اُردو کے مصدر گزرنا، گزارنا اور گزرانا؛ سب میں زے ہے۔ اِن سے جتنے لفظ بنیں گے، سب میں لازماً زے لکھی جائے گی، جیسے:

گزرا، گزرا ہوا، گزر گیا، گزرتے رہنا، گزار دینا، گزار لینا، گزارا، گزر بسر، گزار دینا، گزرتے رہنا۔

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

اے شمع، تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار، یا اسے رو کر گزار دے

جب تک نہ غلامانِ علیؓ کا ہو گزارا
رضوان پکارے ہے کہ جنت نہیں بھرتی

۳

ایک لفظ ہے "اِزدِحام"، اِس کو کبھی "اِزدہام" کبھی "اژدحام" اور کبھی "اژدہام" بھی لکھا جاتا ہے۔ یہ سب غلط صورتیں ہیں۔ صحیح صورت ہے "اِزدحام"۔

رضائی: اِس کو دو طرح لکھا گیا ہے: رزائی، رضائی۔ زیادہ مستعمل صورت "رضائی" ہے اور اب اِسی کو ترجیح دینا چاہیے۔

۴

ژ، فارسی کا خاص حرف ہے، مگر یہ اور بہت سے

لفظوں میں بھی آتا ہے۔ فارسی کا ایک لفظ ہے "نژاد"۔ جیسے ؛
حورنژاد۔ اِس کو "نزاد" لکھنا ٹھیک نہیں۔
دیکھ انشؔا کہ ایک حور نژاد ہے کھڑی دوں کو چق کی اوٹ کھڑی
یورژدا، ٹیلی ویژن، آندرے ژید (ایک نام) اژدھات ؛
ان سب لفظوں میں ژ ہے۔

منت و زاری سے حسرت کی نہیں ہوتا ہے نرم
دل بُتوں کا سنگ ہے، فولاد ہے، اژدھاتے
اژدر، اژدہا، ارژنگ، پژمردہ، ژالہ (ژالہ باری) ،
ژولیدہ، مژہ، مژگاں، ژولیدگی، واژوں ؛ ان سب میں ژ سے
[illegible]

تازہ مطبوعات

آئینۂ ایام

کرنل غلام سرور معروف اور ممتاز
[illegible] قلم ہیں، جن کی حال میں ایک خود نوشت
[illegible]ئینۂ ایام" شائع ہوئی ہے۔ انھوں نے
[illegible]اہر اس تصنیف کو اپنی زندگی کے حالات
[illegible] واقعات پر منحصر رکھنے کی کوشش کی ہے،
[illegible]ن یہ دراصل ان کے زمانہ، ان کے ماحول
[illegible] ان کے حلقۂ احباب کی جیتی جاگتی زندگی
متنوع کیفیات کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ بظاہر
[illegible] عام اور معمولی انسان کی خود نوشت معلوم
[illegible]ی ہے، جو زندگی میں عزم اور حوصلہ، محنت
[illegible] صداقت کو اہمیت دیتا ہے لیکن اس طرح
[illegible]لواقع یہ انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ
[illegible]ول اور گرد و پیش کی زندگی کی حقیقتوں اور
[illegible] اقتوں کو اپنے کل سیاق و سباق میں
[illegible]منے لے آتی ہے۔ چنانچہ مصنف نے اپنی
[illegible] اور انفرادی زندگی کو موضوع بناکر دراصل
[illegible] سارے ماحول اور حالات و واقعات
[illegible]کاسی کی ہے۔ اندازِ بیان نہایت سلیس
شگفتہ ہے جس میں صناعی اور آورد کا
[illegible] کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ اپنے بے تکلف

اسلوب کے ساتھ انھوں نے اپنی زندگی اور ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے اسے فطری اور حقیقی بنادیا ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے مصنف اور اس کا پیش کردہ ماحول کسی کے لیے اجنبی نہیں رہتے۔ مصنف نے اپنی زندگی کے تمام ادوار اپنی تمام صداقتوں کے ساتھ قارئین کے سامنے بیان کیے ہیں اور کوئی گوشہ مخفی نہیں رکھا۔ انھوں نے اپنی خامیوں کو بھی کہیں کسی سے چھپانے یا ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ اظہار کی یہ سچائی اور اسلوب کی یہ بے ساختگی سوانحی ادب میں ایک یادگار سمجھی جائے گی ——
ایسی بہت کم مثالیں ہمارے ادب کا حصہ ہیں۔

اس کتاب کو نیشنل بک فاؤنڈیشن نے شائع کیا ہے۔ صفحات ۳۸۶ اور قیمت پچاس روپے ہے۔

حسنات الحرمین

یہ تصنیف حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے ان ملفوظات، فرمودات، مکاشفات اور احوال پر مشتمل ہے، جو آغازِ سفرِ حرمین، قیامِ حجاز مقدس اور واپسی ہندوستان کے دوران بیان کیے گئے۔ خواجہ معصومؒ نے جب ۱۶۵۷ء میں حرمین کے لیے بہ غرضِ حج روانہ ہوئے تو ان کے صاحبزادگان، اعزہ اور چند خلفاء بھی ان کی ہمرکابی میں شریک ہوئے۔ ان کے ایک فرزند محمد عبیداللہ آپ کے فرمودات کو عین موقع ہی پر قلم بند کرتے جاتے تھے۔ جب واپس ہندوستان تشریف لائے تو انھوں نے ان فرمودات وغیرہ کو مرتب کر کے خواجہ معصومؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ تصنیف عربی زبان میں تھی۔ مرتب کی خواہش پر شیخ محمد شاکر نے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا جو ۱۶۷۱ء میں مکمل ہوا۔ یہ تصنیف اس سلسلۂ ادب میں نہایت مقبول ہوئی۔ اس سے متعدد اکابر نے استفادہ کیا۔ اس تصنیف کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ عہد اورنگ زیب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک کے ارتقائی دور کے ایک اہم اور مستند ماخذ کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ اس سے اس عہد کا سیاسی، سماجی اور مذہبی پس منظر بھی اجاگر ہوتا ہے۔ اپنی متنوع خصوصیات کے اعتبار سے یہ اس قابل تھی کہ اس کا اُردو ترجمہ کیا جاتا، تاکہ اس سے استفادہ کا دائرہ زیادہ

وسیع ہو سکتا۔ محمد اقبال مجددی نے اِس فریضہ کو حسن و خوبی انجام دیا ہے۔ انھوں نے اس تصنیف کا نہایت مناسب اور معیاری ترجمہ کیا اور ساتھ ہی اس کے تمام دستیاب قلمی نسخوں کی مدد سے اس کا ایک صحیح نسخہ تیار کیا اور مفید حواشی تحریر کیے۔ ان سب سے بڑھ کر ایک نہایت مبسوط معلوماتی تحقیقی اور مفید مقدمہ تصنیف کیا، جو اِس تصنیف کے سارے پس منظر کا احاطہ کرتا ہے۔ اس میں خواجہ محمد معصومؒ کی سوانح اور ان کی تصنیفات، اولاد و خلفاء پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر اس عہد کے مذہبی ماحول کا سیر حاصل جائزہ بھی لیا گیا ہے، جس سے اس عہد کے ممتاز علماء و مشائخ کے عقائد و نظریات پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی سلسلہ میں اورنگ زیبؒ کے مذہبی عقائد اور ان کی دینداری اور علماء و مشائخ سے ان کے روابط محققانہ جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

مقدمہ بجائے خود ایک مستقل تصنیف کی اہمیت کا حامل ہے۔ فاضل مقدمہ نگار نے تحقیق اور دقتِ نظری کا اعلیٰ معیار پیش کیا ہے۔ ان کی مرتبہ یہ تصنیف ایک اعلیٰ درجہ کا تحقیقی کارنامہ ہے جو عہدِ اورنگ زیب کی علمی و فکری تاریخ کے ایک اہم ماخذ کی حیثیت سے مفید اور ناگزیر سمجھا جائے گا۔

اس کتاب کو مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ (موسیٰ زئی شریف) نے شائع کیا ہے۔ قیمت ۳۶ روپیہ ہے اور صفحات ۲۸۸ ہیں۔

عطائیے

عطاءالحق قاسمی کی شگفتہ تحریروں کا تازہ مجموعہ "عطائیے" حال میں شائع ہوا ہے۔ کچھ عرصہ قبل اسی مصنف کی ایسی ہی دل نشین اور شگفتہ تحریروں کا مجموعہ "روزنِ دیوار سے" شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ یہ تازہ مجموعہ موضوعات کے لحاظ سے دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں متنوع موضوعات پر ایسی تحریریں ہیں جو روزمرہ زندگی اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں پہ مصنف کے ذاتی احساسات و تاثرات پر مشتمل ہیں جن میں حالات و واقعات کو طنز و مزاح کے حوالے سے دلچسپ اور دلکش صورتوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مصنف کے شگفتہ اور جاذبِ توجہ اسلوب نے ان موضوعات کو مزید دل چسپ اور پُرکشش بنا دیا ہے۔ ان تحریروں کو کہیں سفرنامے کے انداز میں دیکھا جا سکتا ہے اور کہیں کہانی، انشائیہ اور رپورتاژ کی صورتوں میں۔ صنف چاہے کوئی رہی ہو مصنف نے اسلوب کی دل کشی اور جاذبیت کو ہر جگہ برقرار رکھا ہے۔ موضوعات میں بھی تازگی اور کشش کی صفات بہت نمایاں ہیں اور قاری کو نہ صرف متوجہ کرتی ہیں بلکہ منہمک بھی رکھتی ہیں۔

اس کتاب کا ایک حصہ ایسی تحریروں پر مشتمل ہے جن میں بعض اہم معاصروں کے شخصی خاکے تحریر کیے گئے ہیں۔ ایسی تحریروں میں جن افراد کو موضوع بنایا گیا ہے، ان کی شخصیت پر نہ صرف مصنف نے اپنے ذاتی تاثرات قلمبند کیے ہیں بلکہ ان کے فن پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان شخصی خاکوں کے لکھنے میں بھی مصنف کا فطری اور شگفتہ اسلوب حاوی رہا ہے۔ جن شخصیات پر قلم اٹھایا گیا ہے، ان پر گاہے گاہے چبھتا ہوا طنز بھی کر دیا گیا ہے۔ لیکن انداز کی شگفتگی نے ناگواری کے احساس کو نمایاں ہونے نہیں دیا۔ اسی طرح مصنف نے مزاح کے پیرایہ میں شخصیت پر بڑی کاری چوٹیں بھی لگائی ہیں لیکن تلخی کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔ اپنے مخصوص اسلوب کے ساتھ مصنف نے اپنے موضوع کی کمزوریوں اور خوبیوں دونوں کو اپنے احاطۂ تحریر میں اس طرح جگہ دی ہے کہ شخصیت اجنبی نہیں رہتی بلکہ کہیں کہیں تو دل چسپ اسلوب نے شخصیت کو بھی جاذبِ توجہ بنا دیا ہے اور دراصل یہی اعجازِ فن ہے۔

کتاب صوری حسن سے بھی مزین ہے۔ اسے عمدہ سفید کاغذ پر نفاست کے ساتھ اور حسین گرد پوش کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اسے غالب پبلشرز لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کی قیمت ۳۶ روپے ہے اور صفحات ۲۰۸ ہیں۔

"کسی مضمون کے لیے نصابی کتابیں دو یا تین سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ جامعاتی تعلیم میں اساتذہ کے لیکچروں کی اہمیت کتابوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے اگر موزوں اساتذہ فراہم ہو جائیں تو پھر کتابوں کا سوال زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔"

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی

گردوپیش

بنگلہ دیش کے دس سالہ اردو ادب پر ایک طائرانہ نظر

شعیب عظیم

ماہ و سال کے تغیر کے ساتھ ساتھ اس سرسبز و شاداب خطۂ زمین کا نام بھی بدلتا رہا۔ کبھی مشرقی بنگال، کبھی مشرقی پاکستان، اور اب بنگلہ دیش کہلاتا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا معتدل ہے نہ زیادہ سردی پڑتی ہے نہ زیادہ گرمی، البتہ بارش زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں کی زمین نرم اور بہت زرخیز ہے اس کے باوجود اردو کا پودا نہیں پنپتا۔

نئی پود اردو سے ناآشنا ہو رہی ہے اور کیمپوں کی زندگی نے ننھے ننھے بچوں کے ہاتھوں میں کتابوں کے بجائے کشکول تھما دیے ہیں۔

انجمن ترقی اردو مشرقی پاکستان کی ن منزلہ عمارت جناح ایونیو (اب اس کا ام بنگا بندھو ایونیو ہے) ڈھاکا میں ہے۔ س سے ہزاروں روپے کی ماہانہ آمدنی تھی۔ ئبریری اور دارالمطالعہ تھا، آج اس کے ہاں کسی ادارہ کا دفتر ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان ھاکا کے بانی ڈاکٹر دانی ہیں جو ان دنوں شاید پشاور یونیورسٹی سے وابستہ ہیں اب ں کا نام ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگلہ دیش ہے۔ اس کی نئی عمارت حال ہی میں تیار ہوئی ہے جس کے صدر دروازے کے دائیں جانب دیوار میں سنگِ مرمر پر ادارہ کا نام پانچ زبانوں میں لکھوا کر نصب کرایا گیا ہے۔ پانچ زبانیں یہ ہیں بنگلہ، انگریزی، عربی، ہندی اور چینی۔

ان ناگفتہ بہ حالات کو دیکھتے ہوئے بنگلہ دیش کے ۸۲ سالہ بزرگ شاعر ماہر فریدی نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"اردو زبان کا بنگلہ دیش میں فروغ پانا صرف ایک خیال ہے اور مولانا رومیؒ کا یہ مصرع پڑھا ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں"

اس موسمِ ناساز میں بھی کچھ اردو کے پروانے ایسے ہیں کہ اردو کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور مقدور بھر اردو کی شمع کو آندھیوں کی زد میں فروزاں کیے ہوئے ہیں۔ ایسے اردو کے جیالے پروانے کہاں ملیں گے؟ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ شمع اردو کو روشن رکھنے کے لیے نئے خون کی ضرورت ہے جس کا فقدان ہوتا جا رہا ہے ؎

کاکلِ شب ہی سہی صبحِ عارض نہ سہی

بدرالدین احمد دہ پہلا نڈر، بہادر اور عاشقِ اردو ہے جس نے بنگلہ دیش بننے کے بعد ایشر ڈی سے پہلا قلمی رسالہ "دگھن چکر" نکالا۔ پھر تماشہ ڈھاکا، مصحف چاٹگام، روشنی سیدپور اور سنگِ میل کھلنا وغیرہ نکلے۔

قلمی دور کے بعد سب سے پہلا مطبوعہ رسالہ مصحف چاٹگام سے شائع ہوا۔ اس کے بعد نیا آدم ڈھاکا (دو شمارے)، رفتار ڈھاکا (ایک شمارہ) تنویر ڈھاکا (ایک شمارہ)، سنگ میل کھلنا (ایک شمارہ)، انجمن ڈھاکا (ایک شمارہ)، صبح امید چاٹگام (ایک شمارہ)، ضیائے صبح چاٹگام (ایک شمارہ)، صلیب چاٹگام (ایک شمارہ) صدائے زنداں سیدپور (ایک شمارہ)، صدائے جرس سیدپور (ایک شمارہ)، صدائے بازگشت سیدپور (ایک شمارہ)، صدائے آگہی سیدپور (ایک شمارہ)، افق ڈھاکا (تین شمارے)، محاذ ڈھاکا (دو شمارے)، شعاع ڈھاکا (ایک شمارہ)، فکرِ نو ڈھاکا (ایک شمارہ) کفرِ نو ڈھاکا (ایک شمارہ)، شاہکار ڈھاکا (ایک شمارہ)، روشنی ڈھاکا (دو شمارے)، دین و دانش ڈھاکا (دو شمارے)، ماحول چاٹگام (ایک شمارہ)، تعارف سیدپور (ایک شمارہ)، منزل سیدپور (ایک شمارہ)، پیامِ امت آدم جی نگر زائن گنج (دو شمارے) ہفت روزہ الاخبار ڈھاکا (دو شمارے) وغیرہ شائع ہوتے ہیں یہ تمام رسائل بنگلہ دیش سرکار سے ڈیکلریشن لیے بغیر شائع ہوتے ہیں۔

بنگلہ دیش کی سب سے پہلی کتاب عزالاں حرم ہے۔ یہ حافظ ظہور المبارکی کا مجموعۂ کلام ہے۔ اس کے بعد حسب ذیل شعری مجموعے منظر عام پر آئے۔

۱۔ افکارِ فریدی — اسلم فریدی
۲۔ حسنِ خیال — خوشتر
۳۔ نجم درخشاں — حافظ دہلوی اور شاگردانِ حافظ
۴۔ دیوارِ زنداں — زاہد مظفرپوری
۵۔ قصۂ پارینہ (مشاعروں کی روداد) مرتب، حصیر نوری۔
۶۔ سالارِ کارواں (ماہِ صیام کے قصیدے) مرتب قاضی محی الدین۔
۷۔ سرمایۂ حیات (نعتوں کا مجموعہ) قاری اخلاق احمد سالک
۸۔ زخم زخم نغمہ (فضل شہاب کی بنگلہ نظموں کا ترجمہ) مترجم احمد سعدی۔

مندرجہ ذیل نثری کتابیں شائع ہوئیں۔

۱۔ دیدۂ تر (شمیم احمد مرحوم کی سوانح حیات و کلام نیز شاعروں اور ادیبوں کے تاثرات) مرتب حصیر نوری۔
۲۔ بوئے شمیم (خراجِ عقیدت شمیم احمد مرحوم) مرتب حصیر نوری
۳۔ دو ستارے (ناول) ثمر آروی
۴۔ گلشن گلشن صحرا صحرا (ناول) قاضی محی الدین۔
۵۔ پدما کی موجیں (افسانوں کا مجموعہ) شام بارکپوری۔
۶۔ میگھنا کی لہریں (افسانوں کا مجموعہ) شام بارکپوری۔
۷۔ کرشنا چوڑا (ناول) شام بارکپوری

اردو انگلستان میں غیر ملکی نہیں

برطانیہ کے نسلی فسادات کے کمیشن نے کہا ہے کہ اردو، بنگالی، گجراتی، یونانی، اطالوی اور دیگر ۱۲۵ زبانوں کو جنھیں انگلستان کے بچے بولتے ہیں، "غیر ملکی" قرار دینا غلط ہے۔ کمیشن کی روداد میں کہا گیا ہے کہ یہ غیر ملکی زبانیں نہیں بلکہ یہ تو انگلستان ہی کی مختلف برادریوں کی زبانیں ہیں چنانچہ اسکولوں میں ان زبانوں کی تعلیم ان برادریوں کے طلبہ ہی کو نہیں ان طلبہ کو بھی دینی چاہیے جن کی مادری زبان انگریزی ہے۔ روداد میں تجویز پیش کی گئی ہے کہ حکومت ان زبانوں کی تدریس کا وسیع پیمانے پر انتظام کرے اور مقامی حکام بھی ان زبانوں کی تعلیم کے پروگرام بنائیں۔ روزنامہ ٹیلی گراف میں شائع ہونے والی تفصیلی روداد میں مزید کہا گیا ہے کہ اب تک برطانوی معاشرے کی زبان کی تبدیلی کے معاملے کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔

نفاذِ اردو

ضلع بہاولپور کے دفاتر میں اردو کے نفاذ کی کوششیں تیز کر دی گئیں

حکومت پنجاب کی طرف سے دفاتر کو اردو مختصر نویسی اور اردو ٹائپ اختیار کرنے کی ہدایت

بہاولپور میں اردو زبان کو دفاتر میں رائج کرنے کی کوششیں تیز تر کر دی گئی ہیں اور اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے ضلعی مجلس کا دفتر ضلعی کچہری میں بہت جلد قائم کر دیا جائے گا۔ یہ بات ضلعی مجلس دفتری زبان بہاولپور کے معتمد جناب شہاب دہلوی نے مجلس کے پہلے اجلاس کو بتائی جو محمد خان موہل مجسٹریٹ درجہ اول کی صدارت میں ڈپٹی کمشنر کے کمرۂ مشاورت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں جناب عطش درانی مدیر اردو نامہ لاہور نے بھی شرکت کی۔ انھوں نے اجلاس کو بتایا کہ گورنر پنجاب کی واضح ہدایات کی روشنی میں حکومت پنجاب کی طرف سے تمام محکموں کو ہدایات جاری کی جا چکی ہیں کہ اردو مختصر نویسی، اردو ٹائپ اور خط و کتابت اختیار کی جائے۔ اجلاس میں یہ تجویز بھی پیش ہوئی کہ قومی زبان اردو کو دفاتر میں پوری طرح رائج کرنے کے لیے اردو کی تعلیم و تربیت پر زور دیا جائے اور نئے انگریزی میڈیم اسکولوں کے قیام کی حوصلہ شکنی کی جائے اور مقابلوں کے اعلیٰ امتحانات میں اردو کو رائج کیا جائے۔

اردو ٹائپسٹ اور اسٹینو گرافروں کو ترجیح دینے کی سفارش

ضلعی مجلس زبانِ دفتری راولپنڈی نے حکومت سے سفارش کی ہے کہ سرکاری محکموں میں دستیاب اسامیوں پر تقرر کے لیے اردو اسٹینو ٹائپسٹوں اور اسٹینو گرافروں کو ترجیح دی جائے۔

قارئین کی رائے

تاخیر سے خط لکھنے کی معذرت اور "اخبار اردو" بھیجتے رہنے کا شکریہ۔ اس اخبار کی اشاعت مقتدرہ قومی زبان کا اہم کارنامہ ہے اور اسے شائع ہوتے رہنا چاہیے۔ اس کے متعدد شمارے پہلے ملے، پھر مئی، جون، جولائی، اگست کے شمارے اب پہنچے ہیں۔ مضامین مختصر ہوتے ہیں لیکن بیشتر مفید ہوتے ہیں۔ مختصر شذرات بھی مفید معلومات کے حامل نظر آئے۔

"اشتہارات کا ترجمہ" (عرفان علی یوسف) "اردو زبان میں مزاجیت" ہلال احمد زبیری) "تحقیقِ لفظی" (جابر علی سیّد) "سرائیکی اور اردو" (نور احمد خاں فریدی) "اردو زبان میں اصطلاحی انتشار" (وارث سرہندی) خاص طور پر پسند آئے۔ ان مضمون نگاروں کی بعض آرا سے اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن ان مضامین کی افادیت میں کلام نہیں۔

تحقیقی مضامین کی اشاعت کی آپ کے ماہنامے میں گنجائش نہیں ہوگی لیکن مختصر پُر معلومات مضامین کبھی کبھی شائع کرتے رہیے۔ آپ نے اچھا کیا کہ منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ماہِ رواں کے شمارے میں ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب کا مضمون "اردو کے قدیم اور نادر رسالے" شائع کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس اِس قسم کی معلومات کا اچھا ذخیرہ ہے، کبھی کبھی ان سے لکھواتے رہیے۔ رشید حسن خاں کی رموزِ اوقاف اور ایسے موضوعات پر بہت اچھی نظر ہے، ان سے تفصیلی مضمون لکھوائیے۔

"معروضات" ..... ہر ماہ اُردو زبان کے کسی نہ کسی اہم مسئلے پر ضرور شائع ہونا چاہیے۔ پنجاب کے اصحاب "میں نے جانا ہے" بولتے ہیں۔ یہاں بھی اور آپ کے یہاں بھی کچھ شعراء اور اہلِ قلم اِسے صحیح بھی سمجھتے ہوں گے لیکن اسے درست منوانے کی کوشش کرنے والے بھی خاصی تعداد میں ہوں مجھے اس کا یقین نہیں۔ ویسے آج سے کوئی پینتیس سال پہلے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے جشنِ سیمیں کے موقع پر ڈاکٹر محمد دین تاثیر صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ رسالہ "نیرنگِ خیال" میں ان کی ایک غزل شائع ہوئی تھی اور کافی مشہور ہوئی تھی۔ اس کا ایک مصرع تھا،

تُو نے الفت مجھ سے کرنی ہے تو کر میرے لیے

میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب اس مصرع کو تو آپ بہت آسانی سے زبان کے مروجہ قاعدے کے مطابق اِس طرح کر سکتے ہیں؛

تجھ کو الفت مجھ سے کرنی ہے تو کر میرے لیے

فرمانے لگے ابھی میں نے تو قصداً اس طرح لکھا ہے اور زبان کے قاعدے کے مطابق تو یہی ہونا چاہیے جو میں نے لکھا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ مروج نہیں، اسی کو تو میں رائج کرنا چاہتا ہوں۔

مشکل یہ ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ اس طرح لکھنا زبان کے مسلمہ اصول و قواعد سے انحراف ہے۔ لیکن "میں نے جانا ہے" لکھنے والے اصحاب کے خیال میں یہی صحیح ہے۔ بہرحال اس پر اصرار نہ کیجیے، پاکستان میں بیشتر لکھنے والے اگر اسے غلط سمجھتے ہیں تو اِس طرح لکھنے کا رواج کچھ دنوں بعد کم ہو جائے گا یا خود بخود ختم ہو جائے گا۔ زیادہ اصرار کچھ مفید نہ ہوگا۔ اس طرح "اسٹیشن" کو "سٹیشن" لکھنے اور بولنے والے بھی کم ہوں گے اور "اسکول" کو "سکول" تلفظ تو ان میں سے بھی بیشتر کو پسند نہیں ہوگا، ویسے اصولی طور پر وہ جتنے بھی دلائل چاہیں دیں۔

"اخبار اردو" میں تبصرے ضرور ہوں گو مختصر سہی اس سے بہتوں کو نئی مطبوعات کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ "وفیات" کا عنوان بھی ضروری ہے۔ پاکستان میں کتنے ادیبوں اور شاعروں کی وفات کی خبر ہمیں ہندوستان میں عرصے بعد ملتی ہے۔ پیر حسام الدین راشدی کی وفات کی خبر (اخبار اردو مئی ۱۹۸۲ء)، ہندوستان میں بہت افسوس سے پڑھی گئی اور یہاں کے اہلِ علم کو بڑا صدمہ ہوا۔ مرحوم بڑے ممتاز عالم اور اعلیٰ درجے کے محقق تھے۔ ان کی وفات سے پاکستان کو نہیں، علم و ادب کو نقصان پہنچا ہے۔ ایسے علماء آپ کے یہاں اور ہمارے یہاں بھی خال خال ہیں۔

اس شمارے میں آپ نے ڈاکٹر

جمیل جالبی کے مضمون کا بہت قیمتی اور اہم اقتباس شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں: "انگریزی زبان کو اوڑھنا اور بچھونا بنا کر ..... ایک طرف ہم نے "معنی" کے تصور کو گم کر دیا ہے اور دوسری طرف "تخیل" کو شدید طور پر مجروح کیا ہے۔ اسی لیے ہمارا تخلیقی جذبہ افسردہ، ذہنی قوتیں ضعیف اور تخیل کمزور ہے۔" جالبی صاحب کو اپنی بات مختصر ترین لفظوں میں دل نشین پیرایے میں کہنے پر بڑی قدرت حاصل ہے، ان سے کچھ ضرور لکھواتے رہیے۔

(ڈاکٹر) مختار الدین احمد
علیگڑھ (بھارت)

☼

دو تین دن ہوئے ایک مفصل خط ارسال خدمت کر چکا ہوں مگر آج آپ کے "اخبار" بابت ماہ مئی ۱۹۸۲ء میں جناب ہلال احمد زبیری کا قابلِ قدر مضمون "اُردو زبان میں مزاحیت" میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (سابق کالج) کا نام دو جگہ "اینگلو محمڈن کالج" پڑھ کر نہایت درجہ حیرت ہوئی۔ اس طرح انھوں نے جو عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کی تاسیس ۱۹۱۸ء میں بتائی ہے، اسے پڑھ کر بھی تکلیف ہوئی۔ براہِ کرم انھیں بتا دیں اور اپنے "اخبار" کے ذریعے ان دونوں اغلاط کی تصحیح مشتہر کر دیں کہ علی گڑھ میں سرسید علیہ الرحمۃ نے جو مشہور عالم کالج قائم کیا تھا اس کا نام "مدرسۃ العلوم" تھا اور اُسے انگریزی میں ایم۔اے۔او (محمڈن اینگلو اورینٹل) کالج کا نام دیا گیا تھا۔ اور عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام ۲۸ راگست ۱۹۱۹ء میں عمل میں آیا تھا، نہ کہ ۱۹۱۸ء میں۔

جلیل قدوائی
کراچی

☼

"..... ایک رباعی معلوم نہیں کس کی ہے، میں نے پاک پتن شریف میں ایک عمارت پر کندہ دیکھی تھی۔ تبھی سے ذہن میں ہے۔ شاید "اخبار اردو".... کے لیے مناسب ہو:

اُردو کا رواج عام ہو گا کہ نہیں؟
حکام وطن! یہ کام ہو گا کہ نہیں؟
انگریز کے دور کی ہے لعنت انگلش
کام اس کا کبھی تمام ہو گا کہ نہیں؟

(ڈاکٹر) خورشید رضوی
سرگودھا

اخبار اردو کا دسواں پرچہ موصول ہوا، اس سے پہلے بھی پرچہ باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ اردو کے نفاذ اور فروغ کے بارے میں آپ کی کوششیں لائقِ صد تحسین ہیں۔ اخبار اردو کے مضامین مفید اور دلچسپ ہوتے ہیں

اسلامیان پاکستان کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ملک کے ہر شعبے میں اردو کا نفاذ ہو۔ یوں تو ہمارے دفتری اور عدالتی نظام میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں لیکن اُردو کی بجائے انگریزی میں کارروائی بہت سی مشکلات کا سبب ہے۔

تعلیمی میدان میں بھی انگریزی زبان اپنے مضر اثرات پھیلا رہی ہے۔ پہلے انگریزی زبان سیکھنے کے لیے ایک عرصہ صرف کرنا پڑتا ہے پھر اس کے ذریعے علوم و فنون حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اگر ذریعہ تعلیم اردو ہو تو یہ طویل عرصہ بچ سکتا ہے اور علمی ترقی کے کام آ سکتا ہے۔ انگریزی زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ انگریزی وضع، اور انگریزی فکر و تہذیب بھی اپنائی جاتی ہے اور بحیثیت مسلمان ہونے کے خدا اور رسول سے جتنا قرب ہونا چاہیے وہ نہیں رہتا اور یہ بہت بڑا المیہ ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری
لاہور

☼

اخبارِ اُردو باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ ممنون ہوں۔ آپ نہایت مفید کام کر رہے ہیں۔ اللہ برکت دے۔ پنجاب (ہندوستان) میں اُردو اکادمی کے قیام کا اعلان ہو گیا ہے۔ ہز ایکسیلنسی گورنر پنجاب ڈاکٹر چنا ریڈی ذاتی طور پر دلچسپی لے رہے ہیں۔ انھیں اس زبان سے بے حد محبت ہے۔ امید ہے اردو زبان کو اِدھر بھی نیا موڑ ملے گا۔

میرا ایک مسئلہ ہے۔ شاید آج تک اردو میں "پیروڈی" کے لیے کوئی صحیح اصطلاح متعین نہیں ہو سکی۔ سنا تھا کہ پطرس بخاری (مرحوم) نے "شیخ مضحک" تجویز کیا تھا۔ انگریزی اردو کی ڈکشنری میں اس کے معنی "نقل خندہ انگیز" درج ہیں۔

رام لعل نابھوی
نابھا (بھارت)

مسائل و مباحث

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

اخبارِ اردو کا تازہ شمارہ ملا، الواقع خوب سے خوب ترکی مثال ہے، سوضا مسائل زبان پر جس قسم کے چھوٹے وٹے مضامین و شذرات، آپ شائع کر ہے ہیں وہ بہت ہی مفید ہیں۔ البتہ ہمارے ۔ محترم اور فاضل دوست نے ڈاکٹر شوکت بزواری مرحوم کی قواعد پر اظہارِ خیال تے ہوئے بعض باتیں ایسی کہہ دی ہیں، کی توقع ان کی طرف سے نہ کی جا سکتی کردہ اُن گنے چُنے لوگوں میں سے ہیں ۔دو، فارسی، عربی اور اردو قواعد پر نظر رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر سبزواری صاحب کی کتاب ہری نظر سے نہیں گزری، پھر بھی بعض جن کا تعلق قواعد کے عام مباحث سے اور جو مذکورہ تبصرے کو مغالطہ آمیز ہیں، ان پر مختصرًا اظہارِ خیال ضروری معلوم ہے۔

فاضل تبصرہ نگار نے اسمِ خاص اور ا کی اصطلاحات کو ڈاکٹر شوکت سبزواری د بتایا ہے حالانکہ ان کا چلن بہت ے۔ مولوی صاحب اور استاذی ڈاکٹر ۔صدیقی نے بھی اسمِ عام اور اسمِ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔

مصدر کے سلسلے میں بھی فاضل ن واضح نہیں ہے، اُن کے بیان سے پتہ چلتا ہے جیسے ایک خاص قسم کے الفاظ ہی مصدر ہوتے ہیں اور انھی سے الفاظ مشتق ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، دریائے لطافت سے لے کر جامع القواعد تک مصدر کی بحث آتی ہے اور ان سب میں بتایا گیا ہے کہ ہر لفظ، بشمول ضمیر، فعل، حرف، صفت اور اسم، جس سے دوسرے الفاظ بن سکتے ہوں، مصدر کے زمرے میں شامل ہے۔

اسمِ صفت و حاصل مصدر اور اسمِ کیفیت و اسمِ فعل کے بیان میں بھی تبصرہ نگار نے اسی قسم کی مغالطہ آمیز بحثیں چھیڑی ہیں، اور اُن کے حوالے سے ڈاکٹر شوکت سبزواری کی قواعد پر اعتراضات کیے ہیں۔

تفصیل سے بحث تو ڈاکٹر سبزواری کی قواعد دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے، سردست صرف اس قدر کہنا تھا کہ تبصرے کے آغاز میں اگرچہ اُردو قواعد کی اہمیت اور اہم قواعد نگاروں کا ذکر بھی آیا ہے لیکن یوں لگتا ہے جیسے (انشا کی دریائے لطافت اور مولوی عبدالحق کی قواعدِ اردو سے قطع نظر) استاذی ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی جامع القواعد بھی پوری طرح پیشِ نظر ۔۔۔ ورنہ تبصرے میں ایسی مغالطہ آمیز باتیں جگہ نہ پاتیں۔ ☼

عرشی زادہ (بھارت)

پاکستان میں اردو ٹائپ میں چھپنے والی کتابوں میں پیش والے الف کے لیے جو الف کمپوزیٹر استعمال کرتے ہیں ان پر پیش کی شکل اس طرح بنی ہوتی ہے ﺻ یعنی ص کی مختصر شکل۔ یہ اردو کمپوزیٹروں کی ناواقفیت ہے۔ اس علامت والے الف کا الف مضموم سے کوئی علاقہ نہیں۔ دراصل اردو ٹائپ عربی ٹائپ کی نقل ہیں۔ عربی میں ایسا الف جس پر ﺻ کی شکل بنی ہو ملفوظی نہیں ہوتا۔ یعنی اُسے پڑھا نہیں جاتا۔ اور عربی کتابوں میں بالعموم استعمال ہوتا ہے۔ اس عریضے کے ذریعے اردو ٹائپ میں کتابیں طبع کرانے والوں کو اس غلطی کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ اسے آیندہ پیش والے الف کی جگہ استعمال نہ کیا جائے۔ ☼

پروفیسر جابر علی سید، ملتان

اخبارِ اردو کا تازہ شمارہ ملا مگر گم ہوا جیسے جون کے شمارہ کا حشر ہوا۔ یعنی چرا لیا گیا۔ موجودہ شمارہ بھی سرقہ ہو گیا تھا لیکن مالِ مسروقہ مل گیا۔ جناب خلیق ملتانی کا مکتوب نظر سے گزرا۔ انھوں نے خیال نہیں کیا کہ ہر زبان میں لمبے الفاظ روزمرہ کے تخفیفی عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ نذرالاسلام سے نذرل، زین العابدین سے زینل اور علاءالدین سے علادل رہ جاتا ہے۔ امیرالبحر کا برِصغیر میں مخفف کم برتا جاتا ہوگا۔

ہیولا کی اصل ہیئتِ اولی PRI-MORDIAL MATTER / FORM بھی محمصانی مصری کی تالیف تاریخ فلسفۂ اسلام سے اتفاقًا نظر سے گزری جو بالکل صحیح معلوم

ہوتی ہے۔ عربوں کے ہاں دو عمل بہت دل چسپ ہیں۔ تخفیف اور تعریب۔ موخرالذکر میں تو اعاجیب خاص طور پر پُر لطف ہوتے ہیں۔

مرسلہ مضمون میں نسیم اللغات سے سے بعض جگہ اختلاف کیا گیا ہے۔ لیکن مذکورہ کتاب سے ایک اور انتہائی دلچسپ اُردو ہندی پنجابی لسانیات کا مسئلہ ابھرتا ہے اور وہ ہے متروکاتِ ہندی یعنی وہ پنجابی الفاظ جو ڈیڑھ دو صد سال پیشتر مشرقی ہندی کا حصہ تھے۔ ایک ارتقائی مرحلہ میں اس سے خارج کر دیے گئے لیکن پنجابی (لہندا) میں بدستور متداول ہے اور اب تک ہیں۔ ان میں دھی (بیٹی)، کھبا وغیرہ مثالاً پیش کر رہا ہوں۔ ☼

خلیق ملتانی، رحیم یار خاں

ایک مرتبہ پہلے بھی "تحقیقِ لفظی" کے سلسلے میں امیرالبحر کے بارے میں لکھ چکا ہوں۔ اور اس بحث پر جسے جابر علی سید نے شروع کر رکھا ہے۔ اب اس ضمن میں مزید گزارش یہ ہے۔

امیرالبحر میں امیر مضاف ہے اور بحر مضاف الیہ۔ "اَل" اضافت کا کام دیتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ انگریزی ایڈمرل سے بگڑ کر ایک ایسا لفظ بن جائے جو صَرف و نحو پر پورا اُترتا ہو؟ ☼

وارث سرہندی

"اخبارِ اُردو" کے حالیہ شمارہ میں "مسائل و مباحث" کے تحت پروفیسر نیاز عرفان صاحب کا مراسلہ شائع ہوا ہے۔ موصوف نے میرے مقالہ" اردو میں اصطلاحی انتشار" پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے جہاں میری بعض تجاویز اور تراجم کو پسند کیا ہے وہاں بعض الفاظ کے ترجمہ میں مجھ سے اختلاف بھی کیا ہے۔ میں نیاز عرفان صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس طرف توجہ فرمائی اور اپنی رائے سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔

جہاں تک اختلاف کا تعلق ہے تو موصوف نے میرے دو تراجم سے خاص طور پر اختلاف کیا ہے۔ "WELDING" کا ترجمہ میں نے "ٹانکا" تجویز کیا تھا۔ نیاز عرفان صاحب نے میری اطلاع کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ "ٹانکا" ایک دوسرے لفظ "SOLDERING" کا ترجمہ ہے۔ میں اُن کی اس اطلاع کے لیے شکر گزار ہوں۔ مگر یہ اطلاع اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ "ٹانکا" WELDING کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ ہر زبان میں ایک لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے اگر ٹانکا ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال کیا جائے تو کیا حرج ہے۔ غالباً نیاز عرفان صاحب کو معلوم ہو گا کہ "ٹانکا" "STITCH" کا ترجمہ بھی ہے۔ اگر ایک لفظ کو ایک ہی معنی تک محدود کر دیا جائے تو پھر SOLDERING کے لیے بھی ٹانکا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ کسی اصطلاح کا ترجمہ کرتے وقت جہاں یہ خیال رکھنا ہوتا ہے کہ ترجمہ سے بھی اصلی اصطلاح کا صحیح مفہوم ادا ہو جائے، وہاں یہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ حتی الامکان ایسا ترجمہ اختیار کیا جائے جو پہلے سے رائج اور مستعمل ہو۔ اگر یہ نہیں تو ترجمہ خوش آہنگ ہو اور اُکھڑا اُکھڑا معلوم نہ ہو۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو "ٹانکا" مناسب ترجمہ ہے۔ عام لوگ WELDING کے لیے یہ لفظ استعمال بھی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس "تپا جڑائی" نامانوس اور کسی حد تک بھونڈا معلوم ہوتا ہے ——

اصطلاحات کے تراجم میں عموماً فارسی اور عربی سے مدد لی جاتی ہے۔ ایسے تراجم کثرتِ استعمال سے مانوس بھی ہو گئے۔ اس لیے یا تو WELDING کے ترجمہ میں بھی فارسی اور عربی سے مدد لی جائے یا اگر ٹھیٹھ اردو ترجمہ ہی مقصود ہو تو "ٹانکا" اختیار کر لیا جائے کیونکہ یہ مانوس بھی ہے اور مروّج بھی۔ انگریزی فارسی ڈکشنری میں ہیّم نے WELDING کا ترجمہ "جوشش کاری" کیا ہے۔ اگر "ٹانکا" ناقابلِ قبول ہے تو "جوشش کاری" اختیار کیا جا سکتا ہے، جو "تپا جڑائی" سے بہر صورت بہتر اور خوش آہنگ ہے۔

دوسرا لفظ WATERPROOF ہے۔ اس کا ترجمہ "آب رد" خوش آہنگ نہ ہونے کی بنا پر میں نے اس کا متبادل "آب رُبا" تجویز کیا تھا۔ نیاز عرفان صاحب کی رائے میں یہ ترجمہ درست نہیں ہے۔ چلیے یہ نہ سہی کوئی مناسب ترجمہ سہی اگر یہ مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ ہم نے اس کا ترجمہ "دافعِ آب" کیا ہے۔ ہم بھی "دافعِ آب" قبول کر سکتے ہیں جو "آب رد" اور "پن روک" زیادہ خوب صورت ہے۔

اردو املا کے سلسلہ میں "ا" اور "ہ" کے استعمال پر رشید حسن خاں صاحب کا مضمون معلومات افزا اور وقیع ہے، لیکن کہیں کہیں غلط مبحث بھی ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الف اور ہائے مختفی کے استعمال کے سلسلہ میں انھوں نے مقررہ قاعدہ وضاحت کی ہے اور نہ اسے ملحوظ رکھا ہے۔ یہ امر مسلّمہ ہے کہ ہائے مختفی فارسی سے مخصوص ہے۔ اردو میں ہائے مختفی نہیں ہوتی۔ اگرچہ عربی میں بھی ہائے مختفی نہیں ہوتی، لیکن عربی کی

تائے تانیث کا اردو میں اور بسا اوقات عربی میں بھی ہائے مختفی کا سا تلفظ کیا جاتا ہے چنانچہ خالص اردو اور ہندی الفاظ میں ہائے مختفی کا استعمال غلط ہے۔ لیکن فارسی الفاظ و تراکیب میں بہرحال ہائے مختفی کو برقرار رکھا جائے گا۔ البتہ جن فارسی، عربی الفاظ میں اردو والوں نے تصرف کیا ہے ان میں ہائے مختفی استعمال نہیں ہوگی، مگر جو الفاظ و تراکیب فارسی اور عربی سے بلا تصرف قبول کیے گئے ہیں ان میں ہائے مختفی کا استعمال اصل کے مطابق ہوگا۔ مثلاً بے اصولا، بے فکرا اور بے غرضا قسم کے الفاظ الف ہی سے درست ہیں کیونکہ ان میں تصرف کر کے ان کو اردو بنا لیا گیا ہے، مگر شکر پارہ، نمک پارہ، دورُخہ، دورنگہ میں ہائے مختفی کی جگہ الف کا استعمال غلط ہے کیونکہ یہ خالصتہً فارسی تراکیب ہیں اور فارسی کے قاعدہ کے مطابق ان میں ہائے مختفی ہی ہونی چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو الفاظ کی اصلی صورت برقرار رہنی چاہیے۔ کیونکہ اس سے جہاں ہمیں اصلی زبان سے قریب ہونے میں مدد ملتی ہے وہاں معنوی فرق بھی واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً پارا اور پارہ دو مختلف الفاظ ہیں۔ "پارا" اُردو لفظ ہے اور سیماب کے معنی میں آتا ہے اس کے برعکس "پارہ" فارسی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ٹکڑا۔ اب اگر "شکر پارہ" کو "شکر پارا" لکھا جائے تو جہاں یہ قاعدہ کے خلاف ہوگا وہاں "پارا" اور "پارہ" کا معنوی فرق بھی واضح نہیں رہے گا اور غلط مبحث ہو جائے گا جو گمراہ کُن ثابت ہو سکتا ہے۔

عربی الفاظ کے سلسلہ میں بہتر اور محفوظ طریقہ یہی ہے کہ جو عربی الفاظ اردو میں لفظی تصرف و تغیر کے مستعمل ہیں ان کی اصل صورت برقرار رکھی جائے مثلاً ادنیٰ، اعلیٰ، اقصیٰ، بشریٰ تعالیٰ، تقویٰ، حسنیٰ، دعویٰ اور اسی قبیل کے الفاظ کے املا کو علیٰ حالہٖ قائم و برقرار رکھا جائے۔

اگر حتیٰ، علیٰ، الیٰ کا عربی املا برقرار رکھا جا سکتا ہے تو پھر عربی کے دوسرے الفاظ کا کیا قصور ہے کہ خواہ مخواہ ان کی صورت مسخ کی جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حتیٰ وغیرہ کے اصلی املا کو برقرار رکھنے کی وجہ ان کی کثرتِ استعمال ہے تو بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ وغیرہ بھی صدیوں سے اردو میں اپنے اصلی املا میں مروّج ہیں پھر ان کو تبدیل کرنے کا جواز کیا ہے۔ عربی الفاظ کی اصلی صورت کو برقرار رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہمیں عربی پڑھنے میں اِس سے مدد مل سکتی ہے۔ اس طرح عربی پڑھتے وقت ہمیں یہ الفاظ مانوس معلوم ہوں گے۔ اور عربی پڑھنا اور سیکھنا ہمارے لیے آسان تر ہوگا۔ اگر ان الفاظ کا املا رشید حسن خاں صاحب کی تجویز کے مطابق تبدیل کر دیا جائے تو اس سے دورنگی پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ ایک ہی لفظ کو اردو میں ہم ایک شکل میں دیکھیں گے تو عربی میں دوسری شکل میں، جس سے ایک قسم کا ذہنی خلجان پیدا ہوگا۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری غالب اکثریت عربی سے مانوس ہے۔ جو مسلمان عربی نہیں سمجھتا وہ بھی قرآن مجید پڑھتا ہے، اس لیے عربی الفاظ کی شکل و صورت سے مانوس ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں عربی الفاظ کو اُن کے اصلی املا میں لکھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے البتہ ان کا املا تبدیل کرنے سے ایک طرح کا انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔

رشید حسن خاں صاحب کا یہ مشورہ تو قطعًا غلط ہے کہ عربی تراکیب کے استعمال سے پرہیز کیا جائے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو اُردو میں عربی تراکیب اور الفاظ زیادہ سے زیادہ استعمال کرنی چاہییں، کیونکہ اس طرح عربی اور عرب ممالک سے ہم زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ مشورہ بھارت کے سیاسی پس منظر میں دیا گیا ہو، جہاں عربی الفاظ خارج کر کے اُردو میں زیادہ سے زیادہ ہندی اور سنسکرت الفاظ کے استعمال پر زور دیا جاتا ہے، گویا اردو کو شدھ کرنے کی تحریک چل رہی ہے۔ وہاں تو اردو رسم الخط کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی اور دیو ناگری رسم الخط کو رواج دینے کی کوشش زور شور سے ہو رہی ہے۔ لیکن ہمارے لیے تو یہ مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں تو عربی سے جو قرآنِ حکیم کی زبان ہے، قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم اُردو کی شدھی کی تحریک میں معاون کیوں بنیں؟ ہمیں تو اُردو میں زیادہ سے زیادہ اسلامی اقدار شامل کرنا ہیں۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم عربی کے اردو میں مستعمل الفاظ کا اصلی املا برقرار رکھیں، عربی الفاظ و تراکیب اُردو میں زیادہ سے زیادہ استعمال کریں مگر سلیقہ کے ساتھ تاکہ وہ اجنبی اور غریب محسوس نہ ہوں اور وضعِ اصطلاحات میں بھی عربی زبان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں۔ اسی طرح فارسی الفاظ و تراکیب کو بھی ان کی اصلی صورت میں برقرار رکھنا چاہیے۔ فارسی بھی ہماری تہذیبی زبان ہے اور اس میں اسلامی علوم کا وافر ذخیرہ موجود ہے، اس لیے فارسی سے بھی ہمارا رشتہ استوار رہنا ضروری ہے۔ فارسی الفاظ و تراکیب

کا حلیہ بگاڑنے سے یہ رشتہ کمزور ہوگا اور بے قاعدگی و بے ضابطگی کو رواج بھی ملے گا۔

پروفیسر سید محمد سلیم

اخبار اردو شمارہ ستمبر ۱۹۸۲ء میں رشید حسن خاں صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے۔ موصوف نے اردو رسم الخط کی اصلاح کی خاطر اردو الفاظ کے آخر سے "ہ" کا استعمال ختم کرنے اور اس کی جگہ "الف" کا استعمال عام کرنے کی سفارش کی ہے۔

۱۔ انھوں نے ہندی الفاظ کے آخر میں "ہ" کے استعمال کی سخت مخالفت کی ہے۔ اس قاعدہ میں صرف تین استثنا جائز رکھے ہیں۔ (۱) کلکتہ، آگرہ وغیرہ (۲) ستیہ جیت وغیرہ (۳) پہ (پر کا مخفف)

اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ ہندی رسم الخط میں بھی ایک حرکت ہے۔ گو قلیل الاستعمال سہی۔ اور ایک اعراب ہے۔ ہندی میں کسی لفظ کے آخر میں حرف ساکن نہیں ہوتا۔ اشوک اور بندوسار میں "ک" اور "ر" دونوں متحرک ہیں۔ اِس حرکت کو ظاہر کرنے کے لیے اردو میں دو طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ کثیر تعداد الفاظ میں تو عربی طریقے کے مطابق آخری حرف کو ساکن بنا لیا گیا ہے جیسے اشوک، رام وغیرہ۔ بعض الفاظ کے آخر میں "ہ" کا اضافہ کیا گیا ہے تاکہ آخری حرف کی حرکت ظاہر ہو جائے۔ جیسے پٹنہ۔ یہاں جو خفیف حرکت "ت" پر ہے وہی حرکت درجہ میں "ج" پر ہے۔ اس لیے اس کو "ہ" مختفی سے لکھا جاتا ہے۔ اب محض اس بنا پر کہ درجہ عربی لفظ ہے وہاں "ہ" مختفی کا استعمال جائز ہے۔ اور پٹنہ ہندی لفظ ہے وہاں "ہ" کا استعمال ناجائز ہے حالانکہ دونوں کی صوتی حرکت بالکل یکساں ہے۔ ہمارے قواعد دانوں نے ہندی الفاظ لکھتے وقت رائج الوقت تلفظ کا خیال رکھا ہے۔ جن الفاظ کے آخر میں انھیں حرکت خفیف نظر آئی انھوں نے وہاں "ہ" مختفی لکھ دی۔ اس سے قبل یہی اصول ایک دوسری آریائی زبان فارسی میں استعمال کر چکے تھے۔ ہنگامہ، آدینہ خالص فارسی الفاظ ہیں۔ ہائے مختفی ان کے آخر میں استعمال کر کے آخری حرف کی حرکت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اِس طریقے پر ہندی الفاظ کے ساتھ بھی معاملہ کیا گیا ہے۔ اِس اِمر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کلکتہ، آگرہ، پٹنہ وغیرہ میں حرکتِ خفیف ہے۔ اور بنیا، بیٹا وغیرہ میں حرکت قوی ہے۔ تلفظ کے اندر دونوں کا فرق واضح ہے۔ اِس لیے رسم الخط میں بھی یہ فرق باقی رہنا چاہیے۔ اس لیے یہ خود ساختہ اصول کہ "ہ" مختفی کا استعمال ہندی الفاظ کے ساتھ بالکل ختم کر دینا چاہیے، یہ اصول خود محلِ نظر ہے۔

۲۔ موصوف نے عربی الفاظ کی اصلاح میں بھی بڑی دراز دستی کی ہے۔ یہاں تک کہ تعالیٰ، تقویٰ، عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ، مصطفیٰ، بدرالدجیٰ، شمس الھدیٰ وغیرہ بھی اصلاح کی زد میں آ گئے ہیں۔ جس کے بعد ان کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ ان کا پہچاننا دشوار ہو گیا ہے۔ یہاں بالاتر سطح پر جا کر گفتگو کرنا ہو گی۔ صحیح زبان بولی اور لکھی جائے، زبان کا رسم الخط درست اور موزوں ہو، یہ تمام باتیں اچھی ہیں۔ لیکن زبان سے اور رسم الخط سے بالاتر بھی چند مقاصد ہوتے ہیں جن کا تحفظ بہر حال کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا قومی اور ملی وجود اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسلام ہر شے پر مقدم ہے۔ زبان ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ غزنوی دور کے مشہور شاعر حکیم مجدالدین آدم ثنائیؔ نے ایک شعر میں مسلمانوں کا نقطۂ نظر بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

سخن از بہرِ دیں گوئی چہ عبرانی چہ سریانی
مکاں از بہرِ دیں جوئی چہ جابلقا چہ جابلسا

ہمارے اسلاف نے ایران میں توطن اختیار کیا تو عربی زبان کو ترک کر دیا اور فارسی زبان کو قبول کر لیا۔ جب انھوں نے ہندوستان کو وطن بنا لیا تو فارسی کو ترک کر دیا اور ہندی کو اپنی زبان بنا لیا۔ مگر اسلام کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس کو وہ سینے سے چمٹائے رہے۔ اس پر انھوں نے کسی طرح کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ اسلام کوئی روایات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی کتاب قرآن مجید پر اسلام کی بنیاد ہے۔ اسلام لانے والے تمام افراد و اقوام نے قرآن کو سینوں میں محفوظ کر لیا۔ قرآن سے بعد اور دوری انھیں قطعًا گوارا نہیں ہوئی۔ زبان ضرور انھوں نے فارسی اور ہندی بولی مگر ہندی رسم الخط اختیار نہیں کیا بلکہ اس کو قرآن کے حروف میں اور عربی رسم الخط میں لکھا تاکہ قرآن سے دُوری پیدا نہ ہو۔ بچوں کو یہ رسم الخط مانوس نظر آئے۔ عربی فارسی کے کثیر الفاظ جو اردو میں نظر آتے وہ صرف اس وجہ سے نہیں ہیں کہ مسلمان حاکمِ وقت تھے بلکہ یہ اُن کے ملی وجود کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے دین اور اپنی ثقافت کے الفاظ کو اردو میں داخل کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اوّلاً تو مراکش سے انڈونیشیا اور چین تک مسلمانوں نے ہر جگہ کی زبانوں کو عربی رسم الخط میں لکھا۔ دوئم ان زبانوں میں بھی مسلمانوں کی

زبان قدرے غیر مسلموں سے مختلف رہی ہے۔ مسلمانی بنگالی، ہندو بنگالی۔ مسلمانی مرہٹی، ہندو مرہٹی، مسلمانی تامل اور ہندو تامل میں فرق ہے۔ یہ سب کچھ انھوں نے اپنے ملی وجود کے تقاضوں کے تحت کیا تھا۔

قرآن، اللہ کی کتاب کے متعلق جمہوریت اسلامیہ ــــ سنی، شیعہ، خوارج ــــ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جس رسم الخط میں حضرت عثمانؓ نے اول مرتبہ قرآن مجید کو لکھوایا تھا، اس رسم الخط کو محفوظ رکھا جائے۔ رسم عثمانی میں کسی نوع کا تغیر و تبدل کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو آیا وہ آیتِ مبارکہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کو چیلنج کرے گا۔ اس وجہ سے مسلمانوں نے رسم الخط کی اس قسم کی اصلاح کی ہمیشہ مخالفت کی ہے جو بالآخر قرآن کے رسم الخط سے ربط کاٹنے کا سبب بنے۔ مسلمان تو اس ربط کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان بچہ اپنی مادری زبان کے رسم الخط میں اور قرآن کے رسم الخط میں کوئی دوری محسوس نہ کرے۔ اور قرآن ناظرہ آسانی سے پڑھ لے۔ ممکن ہے بعض لوگوں کے نزدیک یہ پسندیدہ نہ ہوں مگر عام مسلمانوں کے نزدیک یہی بات پسندیدہ ہے۔

آج تو قرآن کے املا میں اصلاح تجویز کی جارہی ہے۔ کل کوئی شخص کھڑا ہو سکتا ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ عربی زبان کے مخصوص حروف کو خارج کر دو، اردو رسم الخط میں یہ زائد ہیں۔ ایک اصلاح دوسری اصلاح کے لیے راستہ کھولے گی۔ حالانکہ یہ نام نہاد اصلاح رسم عثمانی کے تحفظ کو مجروح کرنے والی ہوگی۔ مسلمانوں کی نئی نسلوں کو قرآن سے دُور کرنے والی ہوگی۔ پھر اُردو رسم الخط قرآن مجید کے پڑھنے میں ممد و معاون ثابت نہیں ہوگا۔ اس لیے اِن اصلاحات پر غور کرتے وقت یہ پہلو بھی مسلمانوں کے سامنے رہنے چاہئیں۔

فضلُ من اللہ لاہور

اُردو پڑھتے پڑھتے پچاس برس گزر گئے۔ قیامِ پاکستان سے قبل جہاں اُردو کے تعلق میں جوش و ولولہ پایا جاتا تھا، قیامِ پاکستان کے بعد آہستہ آہستہ سردی اور سرد مہری کا رویّہ پیدا ہوتا چلا گیا۔ قومی زبان ہونے کے ناتے خواص و عوام کی یہی خواہش رہی کہ کوئی اوپر والا آئے، حکومت کے جادو کا ڈنڈا چلائے اور سب کچھ کر گزرے یعنی وہی موسیٰ علیہ السلام و قومِ موسیٰؑ کا رویّہ کہ ہم تو یہاں تشریف رکھیں آپ (اے حضرتؑ) اپنے ربؐ سمیت جائیں اور جہاد فرمائیں۔

قیامِ پاکستان سے قبل مجلس میں برمحل اور دُرست شعر پڑھنا ایک خوبی سمجھی جاتی تھی اور چونکہ برصغیر کی ایک کثیر آبادی کی زبان اُردو نہ تھی اس لیے اُردو سیکھنے اور درست زبان بولنے کو کوئی عار نہ سمجھتا تھا۔ محبانِ اُردو (افراد، جرائد، کتب) ملک بھر میں اپنی سی سعی کرتے تھے کہ صحیح زبان کو فروغ ہو۔ انگریزی زبان ایک غیر زبان تھی اور کوشش کی جاتی تھی کہ انگریزی الفاظ کو اُردوا لیا جائے مثلاً سٹیشن سے اسٹیشن، سکول سے اسکول، وغیرہ۔ مگر قیامِ پاکستان کے بعد وہ کیفیت نہ رہی۔ اب یار لوگ انگریزی میں اُردو بولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر اُردو زبان کے بارے میں آہستہ آہستہ لاپروائی کا رویّہ عام ہوگیا ہے۔ اب یار لوگ اس سلسلہ میں کچھ سننے سے ہی الرجک ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ دُرست اُردو کی تحریک، ملک گیر پیمانے پر، فوری طور پر شروع کی جائے۔

اس سلسلہ میں اس خاکسار کی چند گزارشات ــ اس فقیر کے "اسنادِ سفاہت": (۱) پچاس برس سے اُردو سے تعلق (۲) چالیس برس سے اُردو ادب کا ادنیٰ قاری ہونا (۳) گزشتہ پچیس برس سے اخبارات و جرائد (ادبی) سے بحیثیت ایڈیٹر متعلق رہنے کی وجہ سے اس صنف کا تجربہ رکھنا اور کچھ لکھنے کی حیثیت میں ہونا۔

نادرست اردو کے لیے ذمہ دار کون ہے؟

نادُرست اُردو لکھنے کی ذمہ داری چار افراد پر آتی ہے (۱) کاتب (۲) مصحح (۳) مصنف (۴) قاری/سامع۔

(۱) کاتب۔ کتابت کی اغلاط اتنی واضح ہوتی ہیں کہ بیان کی حاجت نہیں لیکن صورتِ حال بعض اوقات مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔ مثلاً "وزیرِ تعلیم" بجائے زیرِ تعلیم ــ "لیکوریا (بجائے کوریا) میں جنگ چھڑ گئی۔" منگولیا بجائے میگنولیا (پھول)، فرلیٹرڈیشن بجائے فرسٹریشن، اٹکل پچوایل بجائے ــ انٹیلکچوئل ــ اریٹریا بجائے اریٹیریا ــ لانچ بجائے لاج (کہتے ہیں جس شخص نے یہ بنگلہ بنوایا تھا وہ لانچ میں دریا کی سیر کرتے ہوئے اپنی فیملی سمیت ڈوب گیا)۔ آج کل اخبارات میں "ہاجرہ" کو حاجرہ لکھا جا رہا ہے۔ نظم لما لمبائی بجائے نظم طبا طبائی، نذیر صدیقی بجائے نظیر صدیقی، اشا بجائے

حاشا — العُطمہ بجائے الحطمہ ۔ وغیرہ۔

(۲) **مصحح** ۔ اخبارات و جرائد میں مصحح قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی ۔ جو شخص کالم یا مضمون لکھتا ہے وہی اُسے پڑھتا ہے ، یا نہیں پڑھتا۔ جہاں مصحح ہوتا ہے وہاں اغلاط کم سے کم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً شاعری کی ایک بڑی خوبصورت کتاب کے نثری حصہ میں علم عروض کو علم عروج لکھا ہے اور مہتمم بالشان کو مہتم بالشان ۔ اور کم و بیش پچاس صفحوں میں یہی دو غلطیاں سامنے آئی ہیں ۔

(۳) **لکھنے والا** ۔ بظاہر پہلے نمبر پر کاتب آتا ہے لیکن ذرا غور سے دیکھیں تو مصنف پہلے نمبر پر آتا ہے ۔ اگر مصنف صحیح لکھے تو کاتب اور مصحح بھی صحیح نقل کریں گے۔

چونکہ کاتب بدنام زیادہ ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصنفین کی غلطیوں کی نشاندہی کر دی جائے ۔

لکھنے والوں کی غلطیوں کی چند مثالیں ۔

(۱) ایک صاحب جن کے چار شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں ، ایک تحریر میں انھوں نے مُھی الدین خِلوت بجائے محی الدّین خَلوت اور دوسری میں طابع بجائے تابع لکھ دیا۔

(۲) لاہور کے ایک گورنمنٹ کالج میں تاریخ کے ایک پروفیسر نے (جنھیں اُردو ادب سے بھی لگاؤ تھا) ہزیمت بجائے عزیمت اور تنقیہات بجائے تنقیحات لکھا تھا۔

(۳) ایک ادبی مجلّہ میں ہاشا بجائے حاشا چھاپا گیا۔

(۴) ایک دوسرے ادبی مجلّہ میں **اَلعُطَمَۃُ** بجائے **اَلحُطَمَۃُ** (وَمَا اَدرٰكَ مَا الحُطَمَۃُ سورہ الھمزہ آیت نمبر ۵) لکھا گیا تھا۔

(۵) لاہور کے ایک دوسرے کالج کے اُردو کے استاد نے ثِقَہ کو سَقہ لکھا تھا۔

(۶) اسی کالج کے ایک اور استاد اُردو نے اتّا بجائے انا لکھا تھا۔

(۷) ہمارے ایک معروف ادیب لِسانیات کو لسّانیات لکھتے ہیں۔

(۸) مصورِ مشرق حضرت عبدالرحمٰن چغتائی نے گورنر کے سیکرٹری کے نام خط میں غیاث کو غیاس لکھا تھا۔

(۹) ہمارے دور کے ایک نامور مصور نے زرد کو ذرد اور اعوذ کو اعوز لکھا تھا۔

(۱۰) اقتصادیات کے ایم ۔ اے سپرنٹنڈنٹ جیل نے ضِمن کو زِمن لکھا تھا۔

(۱۱) فارسی کے ایک قادر الکلام شاعر (ریٹائرڈ تھانے دار) نے لکھا تھا۔ "اس وقت ایک بجہ ہے" (بجائے بجا ہے)" دوگاناں رنج و عذاب است جان مجنوں را"۔ صحیح ہے دو گونہ ، اصل مصرع یوں ہے ؎

غرض دو گونہ عذاب است جانِ مجنوں را

(۱۲) ادب کے ایک ڈاکٹر نے سوءِ ظن کی جگہ سونئے ظن لکھا تھا۔

(۱۳) میرے بیٹے نے بھی خطوط میں مطلق (بجائے متعلق) التکاف (بجائے اعتکاف) صباح (بجائے صبا) لکھا۔ اُس نے میٹرک تک اُردو کا مطالعہ کیا ہے۔

(۱۴) فارسی اشعار غلط لکھے جاتے ہیں ۔ عسکری مرحوم کی جھلکیاں (ناشر مکتبۂ "الروایت")

غلط :۔ بے سجادہ رنگیں کُن
صحیح :۔ بمے سجادہ رنگیں کُن
جانے کہ دادند دیگر نہ گیرند

غلط :۔ آدم بمیرد از بدیقینی
صحیح :۔ آدم بمیرد از بے یقینی

غلط :۔ ابر و باد و مہ و خورشید
ہمہ در کارند ۔
صحیح :۔ ابر و باد و مہ و خورشید و
فلک در کاراند۔

غلط :۔ تا تو نانے بخوری و
زِحمت نبری ۔
صحیح :۔ تا تو نانے بکف آری
و بہ غفلت نہ خوری۔

(۱۵) انگریزی الفاظ کی عجیب و غریب اردو صورت۔

(۱) سونٹ بجائے سانیٹ (SONNET)۔

(۲) فرائٹ بجائے فرائڈ (FREUD)۔

(۳) کودتا بجائے کودی تا (COUP DE ETAT

(۱۶) انگریزی الفاظ کے عجیب اردو تراجم ۔

(ا) کہانیہ بجائے بیانیہ (NARRATIVE)

(ب) عدلیہ بجائے نیوٹرون (NEUTRONE) عدلیہ (JUDICIARY) کا مقبول عام ترجمہ ہے۔

گفتگو میں غلط الفاظ کی مثالیں

مَعْیَشْت بجائے مُعِیشَت، آے پاکستان بجائے آل پاکستان، جگاہوں بجائے جگہوں، مَنْشِیات بجائے مُنَشّیات، مُلّاں بجائے مُلّا

(۴) قاری/سامع

قاری اور سامع میں ایک عام اخبار بیں سے لے کر صدرِ مملکت تک آجاتے ہیں۔ مگر ظلم کے سلسلہ میں جو فرمانِ نبویؐ ہے کہ اسے ہاتھ سے (زورِ بازو سے، قوت سے) روکو، یا زبان سے منع کرو یا پھر دل میں نفرت رکھو (جو اضعف الایمان ہے) ہمارے ہاں ان میں سے کوئی صورت بھی باقی نہیں۔ ایک زمانہ تھا (۱۹۴۷ء سے پہلے) کہ دہلی، لکھنؤ اور حیدر آباد (دکن) اردو کے مسلّمہ مراکز تھے اور وہاں سے صحتِ زبان کی آوازیں (لوم و لائم کے اندیشہ کے بغیر) اٹھتی تھیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ماہر مرحوم ان آوازوں کی باقیات الصالحات رہ گئے تھے مگر اب وہ بھی نہیں۔ اس سلسلہ کا جو ردِ عمل ہے وہ ملاحظہ فرمائیں ـــ

(۱) صدر شعبۂ صحافت، پنجاب یونیورسٹی۔

محترمی و معظمی فضلُ من اللہ

آداب۔ آپ کس شغل میں پڑ گئے ہیں؟ اس کا تو کوئی انت نہیں ہوگا۔ اچھے اچھوں کی املا غلط ہے، انشا غلط ہے، آپ کس کس کو روئیں گے؟ ...... اور اگر جراتِ رندانہ ہی مقصود ہے تو میدان میں نکلیے۔ "ستارہ" ہی میں لوگوں کی غلطیوں کی نشاندہی فرمائیے۔ اور پھر دشنام طرازی کا ہدف بنیے اور مزہ لیجیے۔ ہم نے تو مدت سے لڑنا بھڑنا بند کر رکھا ہے۔ عمر میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب انسان خواہ مخواہ کی دشمنی مول لینا پسند نہیں کرتا۔

آپ کا مخلص

ڈاکٹر عبد السلام خورشید

(سابق صدر، شعبۂ صحافت، پنجاب یونیورسٹی)

(۲) ایڈیٹر، امروز (قسمت علمی و ادبی)، لاہور

ان صاحب سے میرے معمولی سے مراسم تھے۔ اسی بنا پر حوصلہ ہوا اور ہمت کر کے میں نے "درست اردو" پر اپنے خیالات ان کی خدمت میں بغرضِ اشاعت بھیجے۔ بدقسمتی سے ایک تو اس ادبی جریدہ جس کے یہ مدیر تھے، میں آیت قرآنی کے غلط شائع ہونے کی نشاندہی کر دی۔ دوسرے ان کے اخبار میں حسبِ ذیل مضحکہ عبارت کے شائع ہونے کی جانب بھی اشارہ کر دیا۔

"چنانچہ میں نے افسانے کی ایک نقل ادب لطیف کے لیے مرزا ادیب کے حوالے کر دی۔ اتفاق سے ادبِ لطیف اور مرزا (بجائے امروز) کا سنڈے ایڈیشن ایک ساتھ شائع ہوئے"

(امروز۔ ۸ رفروری ۸۰ء ـــ مضمون سلطان رشک بعنوان اردو ادب کے باکمال مزاح نگار ـــ چراغ حسن حسرت)

اور لکھا کہ اس طرح کی فاحش غلطیاں اب عام ہوگئی ہیں۔ فاضل ایڈیٹر نے "فاحش" کو پکڑا اور فرمایا "فاسش کو فاحش لکھا اور آتی ہے اردو زبان آتے آتے" اس پر پورا استصواب رائے عامہ کیا۔ میں نے فیروز اللغات (جامع) اور علمی لغات (جامع) سے لفظ فاحش کے معنی بھجوائے۔ پر حضرت وارث سرہندی کا خط کہ عزیمت کو ہزیمت اور ثِقہ کو سقہ لکھنا فاحش (شرمناک) غلطی ہے تو جان چھوٹی۔ مگر درست اردو والا مضمون بھی ہضم ہوگیا اور ایڈیٹر کے علم و فضل کا بھرم بھی باقی رہا اور فضل من اللہ جاہل کا جاہل کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے!

غلط اردو کیوں لکھی اور بولی جاتی ہے؟

(۱) کاتب ـــ کاتب اس لیے غلط لکھتا ہے کہ ـــ

بنیادی طور پر اس کی تعلیم بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ اب اردو کا دائرہ بے حد وسیع ہوگیا ہے۔ علوم کے افق وسیع ہو گئے ہیں۔ نئے نئے ممالک وجود میں آرہے ہیں۔ نئی نئی اصطلات اور نئے نئے نام۔ انگریزی کو اردو حروف میں لکھنے کی کوشش میں کاتب کہاں تک چلے گا۔ پھر اگر لکھنے والا بدخط ہو تو اور مصیبت اور اگر وہ لکھے ہی غلط تو ستم بالائے ستم۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی کو فکر ہی نہیں کہ درست زبان لکھی جانی چاہیے اور اگر نہیں لکھی جاتی تو اس کے لیے کیا تدابیر ہونی چاہیے۔

(۲) عام لکھنے والا

آزادی کے بعد ـــ گزشتہ ۳۵ برس میں ـــ علوم کے دروازے اہلِ پاکستان پر چوپٹ کھول دیے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ پاکستان جملہ علوم میں آگے بڑھے (سائنس

کے میدان میں امن کا نوبل پرائز ایک پاکستانی کو ملا) اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، سی ایس پی، پی سی ایس، وغیرہ کی ایک لمبی قطار لگ گئی۔ اس میں اردو کے صحافی، ادیب، اساتذہ وغیرہ کو آخر میں جگہ ملی۔ اردو قومی زبان کہلائی تو مگر نہ وہ ذریعہ تعلیم بنی، نہ سرکاری زبان۔ لہٰذا اردو کے ساتھ اس کے خدمت گار بھی آخری صفوں میں چلے گئے۔ لہٰذا وہ نفسیاتی کیفیت باقی نہ رہی جو اردو کے خادم کو درست اردو کے حق میں آواز اٹھانے کی ہمت دیتی۔ اب اگر وہ بیرسٹر صاحب، انجینئر صاحب، ڈاکٹر صاحب، سیکرٹری صاحب، ڈائریکٹر صاحب، ڈپٹی کمشنر، جج صاحب کسی کو بھی غلط بولنے یا لکھنے پر ٹوکے تو کس برتے پر؟

(۳) ادیب

مغربی ادب کے اثر سے ہمارے ادب میں نئے نئے اسالیب در آئے۔ مغربی ادب کی چمک دمک نے اردو کے اصل سرچشموں (عربی، فارسی) سے نظر ہٹادی۔ اب اہمیت اس کو ہو گئی کہ کیا کہا ہے اور یہ نہیں کہ کیسے کہا ہے۔ لہٰذا مشرق کے فنی تقاضوں کے ساتھ زبان بھی نظر انداز ہو گئی۔ نظر انداز کیا معنی اس سلسلہ میں کچھ کہنے والے نکو بن کر رہ گئے اور وہ بھی ایسے حالات میں جب کہ لکھنے والوں کی ایک اکثریت کی مادری زبان اردو نہ تھی۔ دین کی طرح زبان کے مسئلہ میں اجتہاد کے لیے رَاسِخُونَ فِی الْعِلْم کی ضرورت ہوتی ہے مگر یہاں ہر نتھو خیرا مسندِ اجتہاد پر رونق افروز نظر آنے لگا۔ پچاس برس پہلے پطرس نے لکھا تھا:

"اس انحطاط کے ثبوت میں کوئی ایسی تنقید اٹھا کے دیکھ لیجیے جو کسی یو پی کے مرتب کیے ہوئے رسالہ میں چھپی ہو۔ اگر وہ تنقید ڈرامے پر ہے تو ڈرامہ کے اصولوں سے کچھ بحث نہیں، مناظر کی ترتیب سے کچھ واسطہ نہیں، اسٹیج کی موزونیت سے کچھ تعلق نہیں۔ اگر نظم پر ہے تو شاعری نفسیات درخورِ اعتنا نہیں، اس کی جدت زیرِ غور نہیں، اس کی ذہنی کشمکش پر نظر نہیں۔ اگر افسانہ ہے تو توازن کا ذکر نہیں، فضا کا احساس نہیں، مطلب کا شعور نہیں۔ اگر ترجمہ ہے تو فقروں کی ترتیب پر توجہ نہیں، اصل سے مقابلہ کا حوصلہ نہیں، اجتہاد کو پرکھنے کی استعداد نہیں، صرف زبان کے اعتراضات پر زور ہے، اِس محاورے پر، اُس لفظ پر، اِس حرف پر، اس نقطہ پر نظریں گڑی ہوئی ہیں۔ نگاہ میں یہ وسعت نہیں اور طبیعت میں یہ بلندی نہیں کہ کسی اور چیز کو جانچ سکیں یا اصل مدعا کے متعلق پھوٹے منہ سے دو لفظ بھی کہنے کی توفیق پیدا کر سکیں۔"

(اداریہ — کارواں — ۱۹۳۳)

ان پچاس برسوں میں ہم نے اور تمام باتوں پر توجہ دی ہے، صرف زبان پر ہی توجہ نہیں دی اور نتیجہ یہ ہے کہ آج ہر لکھنے والا مجتہد ہے۔ غلط لکھے تو سبحان اللہ، صحیح لکھے تو سبحان اللہ۔ ہر کس و ناکس یہی کہے گا "اجی زبان تو خیال کے اظہار کے لیے (VEHICLE) ہے اور بس!" یعنی موٹر میں تو بیل گاڑی کا پہیہ کوئی نہیں لگاتا مگر اردو میں جو غلط سلط الفاظ چاہے داخل کرتے جائیں کوئی نہیں پوچھے گا۔

پس چہ باید کرد؟

درست اردو کے سلسلہ میں صدر ضیاء اور ان کی حکومت بہت کچھ کر سکتی ہے۔ مثلاً:-

۱) وزارت تعلیم، حکومتِ پاکستان میں ایک شعبہ صرف اسی مقصد کے لیے قائم کیا جائے جو ملک کی تدریسی ضروریات کے سلسلہ میں درست اردو پر زور دے۔

۲) وزارتِ اطلاعات و نشریات میں ایک شعبہ اسی مقصد کے لیے قائم کیا جائے۔ جو ملک بھر میں اخبارات، جرائد، ریڈیو، ٹی وی، فلم وغیرہ کے سلسلہ میں اس امر کو یقینی بنائے کہ وہ درست اردو پیش کریں۔

۳) کتب اور جرائد کے تعلق میں ایک قانون کے ذریعہ یہ لازمی کیا جائے کہ وہ کتاب اور جریدہ کے آخر میں کسی ایسے صاحب علم (جو اس مقصد کے لیے مقرر ہوں) کا صداقت نامہ شائع کریں کہ کتاب یا جریدہ زبان کی اغلاط سے پاک ہے۔

۴) اردو کے مرکزی ترقیاتی بورڈ (ا) مناسب ریفریشر کورسوں کا انتظام کریں جس سے کاتب، مصحح، ایڈیٹر، ریڈیو نیوز ریڈر، ٹیلی کاسٹر (نیوز) لازمی طور پر استفادہ کریں۔ (ب) انگریزی THE SAURUS کے طرز پر اردو میں بھی کتابیں شائع کی جائیں جن سے عوام استفادہ کر سکیں۔

۵) اردو کے اساتذہ کے لیے لازمی ہو کہ وہ جب تک درست اردو لکھنے کا تحریری اور زبانی امتحان پاس نہ کر لیں، ان کے پروبیشن کی معیاد ختم نہ کی جائے۔

۶) ریڈیو اور ٹی وی سے درست

اُردو کے پروگرام نشر کیے جائیں۔

۷) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی درُست اُردو کی ایک کلاس جاری کرے جس میں کیسٹ (سمعی) کے ذریعہ دُرست اُردو بولنے کی تربیت دی جائے۔ ملازمتوں میں ایسے افراد کو ترجیح دی جائے جنھوں نے دُرُست اُردو کورس (مذکورہ بالا) کامیابی کے ساتھ مکمل کیا ہو۔

۸) اخبارات کے دفاتر میں ایم اے (اردو) مصحح مقرر کیے جائیں۔ ریڈیو اور ٹی وی میں ادبی ایڈیٹر تعینات کیے جائیں جو تمام نشریات پر صحتِ زبان کے لحاظ سے کڑی نظر رکھیں اور دُرست اُردو پیش کریں۔

غیر سرکاری سطح پر اب یہ (مدت سے نظر انداز) کام ایک ہمہ گیر تحریک کی صورت میں ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال کیا جانا ضروری ہے:۔

۱) دُرُست اُردو کے سلسلہ میں وہی رویّہ ہونا چاہیے جو تبلیغِ دین کے سلسلہ میں بتایا گیا ہے یعنی حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ذریعے "مجادلہ" کرنا۔

۲) زبان کے سلسلہ میں ہمارے ذہن نظریہ اصول رہنا چاہیے کہ زبان کوئی جامد چیز نہیں بلکہ حرکت آشنا اور حرکت پذیر چیز ہے۔ اس میں غیر زبانوں کے کثیر الاستعمال الفاظ بھی دخیل ہوں گے اور پاک و ہند کی علاقائی زبانوں کے الفاظ بھی ہوں گے اور عین ممکن ہے کوئی لفظ مقبول ہو جائے لیکن ان الفاظ کے متبادل الفاظ اور غیر ضروری الفاظ کا داخلہ روکا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ زبان میں خواہ مخواہ علاقائی زبانوں کے الفاظ (بطور فیشن) داخل نہ کیے جائیں۔

مثال

ایک ایسی نظم جس میں فارسی عربی الفاظ بکثرت ہوں اس میں پنجابی اشارا بمعنی نیو رکھی اور تعبیر کی بجائے ذہن اشاری (قیدی) کی جانب جائے گا۔ سو اس سے پرہیز لازمی ہے۔

۳) زبان کی طرح محاورات بھی اٹل چیز نہیں، ان میں بھی تبدیلی آسکتی ہے مگر اس تبدیلی کا عمل فطری ہونا چاہیے۔ ایک زمانے میں حضرت اکبرؔ نے تجویز پیش کی تھی کہ پا بہ رکاب کے بجائے ٹکٹ بدست ہونا چاہیے ؎

محاورات کو بدلیں "براہِ ریل" جناب
"ٹکٹ بدست" کہیں اب بجائے پابرکاب

حضرت اکبر کی بزرگی و عظمت مسلّمہ مگر "ٹکٹ بدست" چلا نہیں۔ ایک بار ہمارے ہی کسی بزرگ نے کہا کہ غالب کے شعر کو اگر اس طرح بدل دیں تو یہ آج کے زمانے کا شعر ہو جائے گا ؎

موٹر سجا ہوا جو بہ عزمِ سفر ہے آج
اے جانِ فیضؔ تیرا ارادہ کدھر ہے آج

مگر محمل اور قیس ہماری شعری روایت میں اس درجہ رچ بس گئے ہیں کہ ایسے مواقع پر لوگ اب بھی غالب کا یہی شعر پڑھتے ہیں ؎

محمل سجا ہُوا جو بہ عزمِ سفر ہے آج
اے جانِ قیس تیرا ارادہ کدھر ہے آج

۴) اُردو کے سلسلہ میں جائز عصبیت کا اظہار بہت ضروری ہے۔

مثال

۱۹۴۷ء سے قبل لاہور کی ایک ہندو فیملی (مسلم کلچر سے سرشار) کے ایک رُکن نے فون سُن کر کہا "رابطہ منقطع نہ کریں۔" جب سُننے والے کو تین بار پوچھنے پر بھی مفہوم سمجھ میں نہ آیا تو انھوں نے کہا "پلیز ہولڈ آن ہے (PLEASE HOLD ON)۔

جہاں غیر ملکی زبانوں (اس میں انگریزی سرِفہرست ہے) کے اُردو متبادل موجود ہوں، انھیں ترجیح دی جائے۔ جہاں غیر ملکی زبان کے الفاظ یا نام ہوں، قوسین میں انھیں رومن حروف میں لکھ دیا جائے اس سلسلہ میں عصبیت کا ہونا ضروری ہے تاکہ EDIOT کو ڈیوٹ ہی کیوں نہ کہا جائے۔ اس قسم کی زبان کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے جس میں انگریزی میں اُردو کی ملاوٹ کر کے اُسے اُردو رسم الخط میں لکھا جاتا ہے:"...ممکن ہے کوئی ماہرِ تحلیل نفسی اسے ڈیتھ وِش سے تعبیر کرے لیکن یہ حقیقت ہے کہ جہاز کا سفر مجھ میں ایکس ٹیسی کا احساس بھر دیتا ہے۔ نہ تو مجھے اونچائی کا فوبیا ہے کہ میں ورٹی گو میں مبتلا ہو جاؤں .... ایٹ تو بروٹ...

سفرنامہ گردش میں پاؤں ہے ــ فخر زماں ــ تخلیق

مندرجہ بالا کے ساتھ حسب ذیل عملی اقدام کی بھی ضرورت ہے:۔

غلط اُردو ــ کتاب، رسالہ، اخبار، ریڈیو جہاں بھی پائی جائے متعلقہ ادارہ کو فوراً اس سے مطلع کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں ایک تو لغت کا حوالہ دیا جائے۔ دوسرے اُردو کے کسی سینئر اسسٹنٹ پروفیسر کی تائید و تصدیق بھی ضروری ہو۔

۱) مختلف مقامات پر مجالس اُردو قائم کر لی جائیں، مہینے میں کم از کم

ایک بار ان کا اجلاس ہو اور یہ دُرست اُردو کے سلسلے میں ضروری تجاویز کو عملی جامہ پہنائیں۔ ان تجاویز میں سے ایک تجویز یہ ـــــ غلط اُردو ـــــ کتاب، رسالہ، اخبار، ریڈیو جہاں بھی پائی جائے، متعلقہ ادارے کو فوراً اس سے مطلع کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک تو لغت کا حوالہ دیا جائے دوسرے اُردو کے کسی سینئر پروفیسر کی تائید تصدیق بھی ضروری ہو۔

۳) کتاب، رسالہ اور اخبار کو گہری نظر سے پڑھا جائے، اغلاط کی نشاندہی کی جائے اور متعلقہ ادارے سے درخواست کی جائے کہ وہ آیندہ ایڈیشن میں صحت نامہ چھاپے۔ اخبار اور رسالہ کی صورت میں اگلی اشاعت میں صحت نامہ شائع کیا جائے۔

۳) اخبارِ اُردو یا قومی زبان اِس طرح کے اغلاط ناموں کو وصول اور شائع کرنے کا اہتمام کرے۔ اس سے ایک تو عام پڑھنے والوں کو درست اُردو لکھنے اور پڑھنے کی تربیت ملے گی دوسرے متعلقہ ادارے بھی اس طرح چوکس ہو جائیں گے اور وہ درست زبان کی اشاعت کر سکیں گے۔

۴) اخبارات اور جرائد کو انگریزی جریدہ ریڈرز ڈائجسٹ کی طرح اُن الفاظ کا تلفظ، مفہوم وغیرہ باقاعدہ شائع کرنا چاہیے جو روزانہ اخبارات و جرائد نیز ریڈیو ٹی وی میں استعمال ہوتے ہیں۔

۵) تعلیمی اداروں (یونیورسٹی، کالج وغیرہ) کی طرف سے اساتذہ اور طلبہ کے تعلیمی دوروں کا اہتمام ہونا چاہیے۔ مثلاً لاہور کے اساتذہ اور طلبہ کراچی کی درسگاہوں نیز اکابر اہلِ علم کے پاس جائیں اور زبان کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ اس طرح کراچی کے اساتذہ اور طلبہ لاہور تشریف لائیں اور زبان و ادب کا مطالعہ کریں۔ ان دوروں میں اخبارات، جرائد اور پبلشروں نیز کتب خانوں کا مطالعہ خالص زبان کے نقطۂ نظر سے کیا جانا چاہیے۔

۶) اردو ٹائپ رائٹر خریدنے کے لیے ادیبوں، شاعروں اور اساتذہ کے لیے بلا سُود آسان قسطوں پر قرض کا انتظام ہونا چاہیے۔ ٹائپ رائٹر کی مدد سے اگر مصنفین لکھنا شروع کر دیں تو کم از کم ۹۸ فیصد صحیح اردو لکھی جا سکے گی۔

AKHBAR-E-URDU

"NATIONAL LANGUAGE AUTHORITY"
34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK—7, KARACHI-47

Registration No. S. 3195————VOL: 2—NO: 11 ————November 1982

ماہنامہ

اخبارِ اردو

کراچی

دسمبر ۱۹۸۲ء

"قومی شخصیت کی تعمیر میں یوں تو عقیدہ و
عمل، فکر و فن، آداب و اقدار، رسوم و روایات
سب ہی کا حصّہ ہے ـــــ لیکن اسلام اور
اردو زبان کی زیادہ اہمیت ہے کہ اس
سلسلہ میں انھیں اساسی حیثیت حاصل ہے۔"

ڈاکٹر شوکت سبزواری

مقتدرہ قومی زبان

- مُقتدرہ کے سامنے قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی ہمہ جہت ترقی، توسیع اور قومی زندگی کے تمام سرکاری اور نجی شعبوں میں اس کے عمل و نفاذ کا ایک عظیم الشان نصب العین ہے۔
- اس کی کوشش ہے کہ قومی زبان کے نفاذ اور ترویج میں حائل موانع و مشکلات کو دور کر کے قومی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ ہموار کی جائے۔
- قومی زندگی کے ہر شعبے میں، جہاں جہاں انگریزی زبان کا عمل دخل ہے، اس کی خواہش ہے کہ اردو کو جلد از جلد رائج کیا جائے۔

مقتدرہ کو ان کاموں میں ——— قوم کے حساس اور باشعور طبقے کا تعاون ہمیشہ درکار رہے گا ———

ماہنامہ

اخبارِ اردو

کراچی

فہرست

جلد ۲ شمارہ ۱۲

صفر ۱۴۰۳ھ دسمبر ۱۹۸۲ء

قیمت: ایک روپیہ، زرِ سالانہ: دس روپے

ناشر: مقتدرہ قومی زبان

۳۴ ۔ ڈی، بلاک ۷، گلشنِ اقبال، کراچی ۴۷

ٹیلی فون: ۲۲ ۔ ۴۶۴۱۲۱

طابع: المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی

آفتاب حسن

مدیر مسؤل

ڈاکٹر معین الدین عقیل

مدیر (اعزازی)

مَعرُوضَات

پاکستان میں ادبی تخلیق و تحقیق

جس طرح انفرادی زندگی میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے جسم کے تمام اعضا اپنا اپنا کام صحیح طور پر انجام دیتے رہیں، اسی طرح اجتماعی زندگی میں بھی معاشرے کی صحت مندانہ نشو و نما کے لیے یہ لازم ہوتا ہے کہ اس کے جملہ شعبے یکساں طور پر اپنا ارتقائی عمل جاری رکھیں اور ہر شعبہ سے متعلق ادارے اپنا اپنا کام صحیح طور پر انجام دیتے رہیں۔ اگر کسی قوم کی منصوبہ بندی میں اس قسم کی ہمہ جہتی ترقی مقصود نہیں ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے بعض پہلو جنھیں نظر انداز کر دیا گیا ہے کم زور رہ جائیں گے اور بحیثیت مجموعی اس کی ترقی کا معیار گر جائے گا۔

پاکستان میں سائنسی اور فنی ترقی کے پست معیار کا ذکر اکثر آتا رہتا ہے اور اس کا جو اثر ہماری معاشی پس ماندگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اسے بھی زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ ملک کے مشہور سائنس داں اور غیر ملکی معاشی مشیر سائنسی تحقیق کے معیار کو بلند کرنے اور اس کے نتائج عوام تک پہنچانے پر زور دیتے رہتے ہیں۔ حکومت نے بھی سائنسی و فنی تحقیق کے لیے کچھ نئے منصوبے بنائے ہیں۔ اگرچہ رفتار سست ہے تاہم کم از کم ایک سمت اس کام کے لیے ضرور متعین ہو چکی ہے مگر جہاں تک اس تصویر کے دوسرے رُخ یعنی پاکستان کی ثقافت اور اس کے ادب کے متعلق تحقیق کے معیار کو بلند کرنے اور اسے وسیع پیمانے پر رائج کرنے کا سوال ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے ادبی حلقے اس کی ضرورت کما حقہٗ محسوس نہیں کر رہے ہیں اور اس مسئلے کی اہمیت ترجیحی طور پر زیرِ بحث نہیں آ رہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ حکومت کی منصوبہ بندیوں میں اعلیٰ سطح پر اس کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ہونا چاہیے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عوام و خواص اور حکومت سب اس طرف متوجہ ہوں تاکہ ہماری ترقی کا یہ پہلو جو اوّل الذکر پہلو سے کسی طرح کم درجہ کا نہیں ہے کہیں ماضی کی طرح مستقبل میں بھی نظر انداز نہ ہوتا رہے۔

وہ قومیں جو آج ترقی یافتہ کہی جاتی ہیں ذرا ان پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انھوں نے جو درجہ حاصل کیا ہے وہ تنہا ان کی سائنسی و فنی ترقی ہی کا رہین منت نہیں ہے بلکہ ان کی ادبی و ثقافتی تحقیق کو بھی اس میں بہت بڑا دخل ہے۔ جس طرح انھوں نے اپنی سائنسی تخلیق و تحقیق کے ذریعہ اپنی صنعت و زراعت کو ترقی دے کر معاشی خوش حالی کا اعلیٰ معیار حاصل کیا ہے اسی طرح انھوں نے اپنے ادب اور اپنی ثقافت کو بھی تخلیق و تحقیق کے ذریعہ ایسی بلند سطح پر پہنچایا ہے جو تمام دنیا سے خراجِ تحسین وصول کرتی ہے۔ اُن کی بے شمار گوناگوں لغات، ان کی کثیر التعداد دائرۃ المعارف، انواع و اقسام کی قاموسیں، سوانح، تذکرے، تنقیدات و تبصرے، مشاہیر شاعروں اور ادیبوں کے لاتعداد مجموعے نہ صرف ان کی قومی زندگی اور اس کے تشخص کو استوار کرتے ہیں بلکہ دوسرے ملکوں کے کتب خانوں اور جامعات میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ ان قوموں کا ذاتی وقار و دبدبہ بہت کچھ اس ذخیرۂ ادب پر بھی مبنی ہے جسے ضمنی نہیں بلکہ برابر کا درجہ حاصل ہے۔

اس طرح یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ہم قومی ترقی کا کوئی بھی معیار پیش نظر رکھیں۔ ادبی تخلیق و تحقیق کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جہاں تک پاکستان میں ادبی تخلیق کا تعلق ہے۔ ہم نے اس کے معیار کو تو کافی بلند کیا ہے۔ برعظیم جنوبی ایشیا کی تقسیم کے بعد سے ہمارے ہاں جو ماحول پیدا ہوا ہے وہ ادبی تخلیق کے لیے بہت سازگار ہے۔ شاعری تو ہمارے مزاج میں پہلے ہی سے رچی بسی تھی۔ اسکول کا ہر دسواں طالب علم شروع ہی سے غزل کہنے کی طرف مائل ہوتا تھا۔ تشکیلِ پاکستان کے ساتھ ساتھ جو انقلاب آیا اُس نے جذبات و خیالات کا ایک ایسا طوفان برپا کر دیا کہ موثر و دل آویز افسانے اور ناول خود بخود تخلیق ہونے لگے۔ اس طرح نظم، غزل، افسانے اور ناول کی اصناف میں ہماری بعض ادبی تخلیقات ایک ایسے بلند معیار پر پہنچ گئیں کہ انھیں اقوامِ عالم کی مجلس میں فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ادبی تحقیق کے معاملہ میں ہم ہنوز بہت پیچھے ہیں۔ ہماری تقریباً تمام لغات نظرِ ثانی کی محتاج ہیں۔ کوئی لغت ایسی نہیں ہے جس میں روزمرہ کے استعمال کے بھی تمام الفاظ صحت کے ساتھ مل جائیں۔ ایک بڑی لغت جو زیرِ ترتیب ہے اُس کی تکمیل کے لیے ابھی سالہا سال چاہیئیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ اس کام کو زیادہ وسیع پیمانے پر کر کے اس مدت کو کم کیوں نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح کوئی مبسوط دائرۃ المعارف ہمارے ہاں موجود نہیں ہے۔ درسی تعلیم کے لیے سائنسی اصطلاحات کا جو ذخیرہ بکھرا ہوا ہے اُسے یک جا کرنے کا کام بھی ابھی تک بحث و تمحیص کے مرحلے میں ہے۔ علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ ساتھ بے شمار اہم تصانیف غیر ملکی زبانوں میں شائع ہو رہی ہیں۔ ہمیں ہر سال ان میں سے بعض منتخب کتابوں کے ترجمے لازماً شائع کرنے چاہیئں۔ ہمارے ہاں مترادفات و اضداد، ہم معنی و ہم تعلق الفاظ کے ایسے مجموعے جو اہلِ قلم کو کسی موضوع پر لکھتے وقت مدد دے سکیں مفقود ہیں۔ اگر بہت بڑے پیمانے پر نہیں تو کم سے کم ابتدائی درجے ہی میں مستند طور پر اس قسم کی تحقیق فوراً جاری کی جائے۔

اب بھی وقت ہے کہ ہمارے عوام و خواص اور حکومت سب مل کر اس ضرورت کو اُس کی اہمیت کے ساتھ محسوس کریں اور اس سمت میں موثر قدم اٹھائے جائیں تاکہ ہمارے گزشتہ تغافل کی تلافی ہو سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ تنہا حکومت اس کام کو انجام نہیں دے سکتی۔ دو فریق اور بھی ہیں جنھیں اِس ذمہ داری کو قبول کرنا چاہیے۔ ایک اہلِ علم حضرات کا طبقہ اور دوسرا نشر و اشاعت والے تجارتی اداروں کا حلقہ۔ حکومت

کا فرض یہ ہے کہ ادبی اداروں کے ذریعہ یا براہِ راست اس وقت جو رقم اس قسم کے کاموں کے لیے مختص کی جا رہی ہے اس میں معتدبہ اضافہ کیا جائے اور معیاری تحقیقی کام کو وسیع پیمانے پر جاری کرنے کے لیے دائرۂ کار کو بڑھایا جائے ۔ اہلِ علم حضرات کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے اوقات میں سے ایک مخصوص وقت اس خدمت کے لیے نکالیں اور حکومت اور اس کے اداروں کے ساتھ تعاون کر کے اس کام کو بوجہ احسن انجام دیں ۔ اس سلسلے میں انھیں نشر و اشاعت کے آزاد اداروں سے بھی رجوع کرنا چاہیے ۔ ابتدا میں انھیں ضرور کچھ ایثار سے کام لینا ہوگا مگر رفتہ رفتہ ان کی خدمات کا معقول معاوضہ بھی انھیں ملنے لگے گا ۔ عوام اور ان کے نمایندے اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کا فرض یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اس اہم قومی ضرورت پر توجہ مبذول کراتے رہیں ۔

ہمیں اس موضوع پر صرف ایک بات اور عرض کرنی ہے ۔ ہمارے لیے یہ بات انتہائی حیرت کا موجب ہے کہ ہمارے ملک میں اس قسم کے آزاد علمی و ادبی ادارے کیوں قائم نہیں ہوتے جیسا ہندوستان میں تقسیم سے قبل دارالمصنفین اعظم گڑھ کا ادارہ تھا جسے علامہ شبلی نے ۱۹۱۴ء میں قائم کیا تھا اور جو آج تک ہندوستان میں قائم ہے اور اسے حکومتِ وقت کی طرف سے برابر امداد ملتی رہی ہے ۔ اسی قسم کے اور بھی چند ادارے ہندوستان میں جاری ہیں جو ادبی خدمت آزادانہ انجام دے رہے ہیں ۔ اس قسم کے آزاد اداروں سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ان کے لیے ہر قسم کی غیر سرکاری امداد حاصل کی جا سکتی ہے اور دوسری طرف ان کی کارکردگی کا سارا دار و مدار ان اہلِ علم حضرات کے مشوروں اور صواب دید پر ہوتا ہے جو ان کی مجالسِ منتظمہ کے ارکان ہوتے ہیں ۔ اس طرح وہ اپنے کاروبار کی تفصیلات میں سرکاری مداخلت سے بالکل آزاد ہوتے ہیں اور خالص علمی انداز پر نشو و نما پاتے ہیں ۔ حکومت سے انھیں ایک مقررہ امداد ضرور ملتی ہے جس میں ان کی کارکردگی کے مطابق اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر حکومت کے افسران پر ان کی تحقیقی و تخلیقی کام کی کوئی ذمے داری نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ان کا کام پوری طرح سکون کے ساتھ چلتا ہے ۔ ہمارے ملک میں اگر ایسے ادارے قائم ہوں تو ملک کے لائق اہلِ قلم ضرور ان سے وابستہ ہو سکتے ہیں اور حکومت کو بھی اس کام میں ان سے بہت مدد مل سکتی ہے۔

اگر اُردُو کو جلد نافذ نہ کیا گیا ـــــ

تو ہماری قومی یک جہتی روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتی جائیگی

ڈاکٹر جمیل جالبی

(ذیل میں ممتاز دانشور اور محقق و نقاد ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کی ایک تقریر نذرِ قارئین کی جا رہی ہے۔ یہ تقریر ڈاکٹر صاحب نے کراچی میں ۱۸ اگست ۱۹۸۲ء کو ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کے اعزاز میں منعقدہ ایک تقریب میں کی تھی)

جناب صدر، معزز حاضرین

یہ انتہائی مسرّت کا موقع ہے کہ اردو کے محب ہد، استادوں کے استاد، اردو فارسی زبان و ادب کے محقق اور نقاد پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب آج ہمارے درمیان موجود ہیں۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں ڈاکٹر عبداللہ نے ساری عمر اُردو زبان و ادب کی خدمت میں گزاری ہے اور اپنی بلند پایہ تصانیف سے اُردو زبان کو مالا مال کیا ہے۔ ان کی تصانیف ہماری زبان کا وہ قیمتی سرمایہ ہیں جنھیں آنے والی نسلیں محبت و احترام کے ساتھ سنبھال کر رکھیں گی۔ انھیں دیکھ کر، اُن سے مل کر، ان سے باتیں کر کے نہ صرف زندہ رہنے کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے بلکہ ساری عمر کام اور صرف کام کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ ان کی ذات مجسم خلوص ہے اور اسی خلوص کی وجہ سے ان کی شخصیت میں ایک ایسی دلکشی پیدا ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے محبت کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ذات جادو اثر، ان کی گفتگو پُر سحر اور ان کی تحریر پُر اثر ہے۔ ڈاکٹر صاحب صرف ادیب ہی نہیں ہیں بلکہ حقیقی ادیبوں کی اس عظیم برادری سے تعلق رکھتے ہیں، جن کی تحریر کے دائرے میں سارے مروجہ علوم آجاتے تھے اور اسی لیے ان کی تحریروں کا دامن وسیع، ان کا نقطۂ نظر فراخ اور ذہنی تناظر پھیلا ہوا ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ صاحب اُردو کے ان ادیبوں میں سے نہیں ہیں جو لکھتے اُردو میں ہیں، شہرت کی دولت اُردو کے وسیلے سے بٹورتے ہیں اور پھر نوکر شاہی کے 'ہرکارے' بن کر اسی ہنڈیا میں چھید کرتے ہیں جس میں کھا رہے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایک سیمینار میں شرکت کرنے کا اتفاق ہوا۔ اس جلسے کی صدارت ڈاکٹر عبداللہ صاحب فرما رہے تھے۔ وہاں "کچھ ادیبوں" نے جب اپنے مقالے پڑھے تو ان مقالوں کی ایک اہم خصوصیت تو یہ تھی کہ وہ موضوع سے ہٹے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ حضرات صرف اپنی بات کہنے کے لیے سیمینار کے پلیٹ فارم کو استعمال کر رہے ہیں۔ جن صاحب کا موضوع "سائنسی معاشرے میں ادب کا مقام" تھا انھوں نے اس موضوع پر تو ایسے کہا کہ اپنی بے ر

باتوں میں کہیں کہیں لفظ سائنس شامل کر دیا اور پھر جو کچھ کہنا چاہتے تھے وہ کہنے لگے ۔ مثلاً ایک جگہ ایک ہی سانس میں انھوں نے دو باتیں کہیں ۔ ایک یہ کہ اردو درباری زبان ہے ۔ دوسرے یہ کہ اُردو مشکل زبان ہے ۔ انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ اُردو ، جو آج تک عوام کی زبان رہی ہے اور جس کے ذریعے سارے پاکستان کے مختلف الزبان علاقے ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں ، کیسے درباری زبان ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے ہاں درباری زبان کے معنی عوامی زبان کے ہوں۔ بہرحال اردو وہ واحد زبان ہے جس کا تعلق اپنی پیدائش سے لے کر آج تک عوام سے رہا ہے۔ انگلستان اور امریکہ میں انگریزی عوامی زبان ہے لیکن پاکستان میں انگریزی عوام کی نہیں سرکار دربار کی زبان ہے ۔ اس لیے اگر وہ یہ کہتے کہ پاکستان میں انگریزی درباری زبان ہے تو بات سمجھ میں آتی لیکن اُن کا مقصد تو ایک نعرہ دینا تھا ۔ ایک لائن دینی تھی تاکہ یہ لائن اختیار کر کے اُردو کے نفاذ کو معرضِ التوا میں ڈال دیا جائے ۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اُردو مشکل زبان ہے ۔ اگر یہ مشکل زبان ہوتی تو عوام کی زبان نہیں بن سکتی تھی اور چونکہ یہ عوامی زبان ہے اور رابطے کی زبان ہے اس لیے مشکل کیسے ہو سکتی ہے ؟ — اگر مشکل سے مراد یہ تھی کہ اس میں فارسی و عربی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو مشکل ہیں تو وہ یہ بھول گئے کہ فارسی و عربی ہماری وہ زبانیں ہیں جن سے ہمارا ، خواہ ہم کوئی سی بھی زبان بولتے ہوں ، مذہبی ، تہذیبی و تاریخی رشتہ ہے اور وہ قومیں جو اپنے مذہب ، اپنی تہذیب اور اپنی ملّی و اجتماعی تاریخ سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہیں تو وہ اپنے حافظے کو کھو بیٹھتی ہیں اور حافظہ کھونے سے جیسے فرد پاگل ہو جاتا ہے اسی طرح حافظہ کھو دینے کے بعد معاشرہ بھی پاگل ہو جاتا ہے ۔ قرآن پاک میں تقریباً دو ہزار سے کچھ زیادہ بنیادی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کی مختلف صورتوں سے تقریباً اسی ہزار الفاظ بن جاتے ہیں ۔ ان دو ہزار بنیادی الفاظ میں سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سے زیادہ الفاظ ایسے ہیں جو اردو زبان میں استعمال ہوتے ہیں اور ان میں سے کم و بیش پانچ سو الفاظ ایسے ہیں جو اُردو اور پاکستان کی دوسری علاقائی زبانوں مثلاً سندھی ، پنجابی ، پشتو ، بلوچی، براہوئی وغیرہ میں مشترک ہیں ۔ کیا اس فطری لسانی اشتراک سے روگردانی کر کے ہم ملک کی یک جہتی اور قومی اتحاد کو نقصان نہیں پہنچائیں گے ۔ یہ بات یاد رکھیے کہ اگر اس ملک میں اردو زبان کو جلد نافذ نہ کیا گیا تو ہماری قومی یک جہتی روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتی جائے گی اور ایک دن آئے گا اور خدا کرے وہ میری زندگی میں نہ آئے کہ آسمان ہمارے سروں پر گر پڑے گا ۔ اردو ، جیسا کہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ صاحب نے کل اور پرسوں اپنے لیکچروں میں بتایا ، کم مایہ زبان نہیں ہے ۔ وہ زبان جس نے میر ، غالب ، اقبال جیسے شاعر پیدا کیے ہوں ، وہ زبان جس نے مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خان اور عطاءاللہ شاہ بخاری جیسے جادو بیان مقرر پیدا کیے ہوں ، وہ زبان جس نے سرسیّد احمد خان ، مولانا محمد حسین آزاد ، ابوالکلام آزاد اور شبلی و حالی جیسے نثر نگار پیدا کیے ہوں ، وہ زبان جس نے مولانا مودودی ، ابوالحسن علی ندوی اور عبدالماجد دریا بادی جیسے اُردو نثر لکھنے والے پیدا کیے ہوں کیا کم مایہ زبان کہلائے گی ؟ ۔ اس وقت ہمارا معاشرہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقل اور نور دونوں سے محروم ہو گیا ہے ۔ وہ اچھائی اور برائی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو گیا ہے ۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا ملک ہے جہاں دو نظامِ تعلیم رائج ہوں ۔ ایک انگریزی تعلیم کا نظام اور دوسرا اُردو تعلیم کا نظام ۔ انگریزی تعلیم حاکم پیدا کر رہی ہے ۔ ایسے حاکم جو لارڈ میکالے کے تصورات کی جیتی جاگتی تصویر ہیں ، جن کے ذہن ، جن کی روح ابد جن کی فکر بدیسی ہے اور دوسرے اُردو تعلیم ، جو رعیت اور محکوم پیدا کر رہی ہے ۔ اس سے رفتہ رفتہ جو صورتِ حال پیدا ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ معاشرہ اپنی بہترین صلاحیتوں سے محروم ہو کر اسی راستے پر چل رہا ہے جس پر ہمیں انگریزی سامراج چھوڑ گیا تھا ۔ اسی لیے ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی و مغربی سامراج کا نمائندہ و ترجمان ہے اور جاہل عوام ہماری تہذیب ، ہماری ثقافت اور ہماری روایت کے ترجمان ہیں ۔ اسی لیے گزشتہ ۳۵ سال سے ہم مسلسل عدمِ استحکام کا شکار رہے ہیں ۔ صاحبو ! قومیں اس طرح نہیں

بنتیں جس طرح اور جس انداز سے ہمارے حکمران اسے بناتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ صاحب اسی نقطۂ نظر کے ترجمان اور اسی مقصد کے علم بردار ہیں۔

میں نے ڈاکٹر عبداللہ صاحب کی کم و بیش ساری تحریریں اور کتابیں پڑھی ہیں۔ ان کی کتابوں اور خیالات سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی جوان ہمتی سے اپنے اندر کام کرنے کا حوصلہ پیدا کیا ہے۔ میں یہاں ان کی علمی و ادبی خدمات کا جائزہ نہیں لے رہا ہوں بلکہ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر عبداللہ جیسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اب جس مشن کو لے کر وہ اُٹھے ہیں، اردو کے نفاذ کے سلسلے میں وہ جو کچھ عملی اقدام کر رہے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم سب ان کا ساتھ دیں، ان کی ہمت بڑھائیں تاکہ وہ اُردو کے نفاذ کی تحریک کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیں۔ ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ احساسِ محرومی کا شکار نہیں ہونا چاہیے بلکہ حکمران طبقے کو راہِ راست پر لانے اور انھیں شعور و عقل سے متصف کرنے کے لیے اپنی جد و جہد کو جاری رکھنا چاہیے۔ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر سیّد عبداللہ کو صحت کے ساتھ عمرِ نوح عطا فرمائے۔

حضرات، جیسے ہمارے مُلک میں قحط سالی کے زمانے میں بارش کے لیے نمازِ استسقاء ادا کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہم گنہ گاروں پر اپنی رحمتوں کا نزول فرما کر بارش بھیج دیتے ہیں اسی طرح آیئے ہم نفاذِ اُردو، ملکی سلامتی اور قومی یک جہتی کے لیے "نمازِ انفاذ" ادا کریں ——— اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر جلد ہوش و شعور کی بارش برسائے اور ہماری قوم کا تہذیبی حافظہ واپس آجائے۔

مقتدرہ کا دفترِ معلومات

قومی زندگی کے تمام شعبوں میں قومی زبان اردو کے استعمال میں سہولت کے لیے مقتدرہ قومی زبان نے ایک دفترِ معلومات قائم کیا ہے۔ اس دفتر سے عوام کو انگریزی الفاظ کے اردو مترادفات اور اصطلاحات ٹیلی فون اور ڈاک کے ذریعے فراہم کی جاتی ہیں۔ ٹیلی فون پر مذکورہ معلومات (جمعہ کے علاوہ) صبح ۹ بجے سے ایک بجے تک حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ٹیلی فون : ۴۶۲۱۹۰

ڈاک سے معلومات حاصل کرنے کا پتہ یہ ہے :-

"دفترِ معلومات" مقتدرہ قومی زبان۔ ۳۴ ڈی، بلاک نمبر ۷، گلشنِ اقبال، کراچی نمبر ۴۷

سید مصطفیٰ علی بریلوی

ہمارا صوبہ سندھ اور اردو

ہندوستان اور پاکستان کو ایک ساتھ آزادی کی نعمت حاصل ہوئی، لیکن چند بنیادی معاملات میں بھارت ہم سے کہیں آگے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا، مثلاً قومی زبان، ملکی دستور، اسٹیل ملوں اور بھاری صنعتوں کے قیام، تعلیم کے پھیلاؤ، زراعت میں مشینری کا وسیع پیمانہ پر استعمال، غیر ملکی درآمدات سے غالب حد تک اجتناب اور جارحانہ ہتھیاروں کی پیداوار وغیرہ۔ ہمارے ملک میں صورتِ حال یہ پیدا ہوئی کہ صفِ اوّل کی مسلم قیادت، جو قائدِ اعظم محمد علی جناح اور قائدِ ملّت لیاقت علی خان سے عبارت تھی، بہت جلد ہم سے جدا ہو گئی۔ صفِ دوم کے پاکستانی رہنماؤں کو ۱۹۵۸ء میں قیادت سے جبرًا بے دخل کر دیا گیا اور یہ سلسلہ المیۂ بنگال پر ختم ہوا۔ ملک کو ایک متفقہ دستور دیا گیا لیکن بدقسمتی سے اس پر دیانت داری کے ساتھ عمل نہیں کیا جا سکا اور ملک "انارکی" کے دہانے تک پہنچ گیا۔ گزشتہ پانچ سال سے ہم اسلامی نظامِ حیات کو اپنانے اور نظریۂ پاکستان کی حقیقی تعبیر پیش کرنے کی جدوجہد میں مشغول ہیں۔

قومی زندگی میں ایک پائیدار دستور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس پر پوری طرح عمل نہ ہونے کی صورت میں ملکی اتحاد و سالمیت کو مسلسل خطرہ لاحق رہتا ہے۔ قیامِ پاکستان چند بنیادی مقاصد کے تحت عمل میں آیا تھا جن میں سرِ فہرست اسلامی احکام کے تحت زندگی گزارنا قومی زبان اردو کا ہر سطح پر استعمال اور ہندو اور انگریز کے سیاسی و معاشی شکنجہ سے آزادی شامل تھے۔ اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔ فی الوقت ہم اپنی قومی زبان اُردو کے بارے میں عرض کریں گے۔

ہمارے قائدینِ ملت حضرت قائدِ اعظم، لیاقت علی خان شہید، سردار عبدالرب نشتر، خواجہ ناظم الدین وغیرہ کے غیر مبہم اور واضح اعلانات کے باوجود تادمِ تحریر اُردو غیر ملکی زبان انگریزی کی جگہ لینے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر صوبہ پرست عناصر کو قومی زبان اُردو اور علاقائی زبان و ادب میں خلیج حائل کرنے اور اختلافات بڑھانے کا موقع ملنے لگا ہے۔ قومی زبان کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ ہمارے سابقہ سربراہانِ مملکت کو بخوبی رہا ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ اس ضمن میں قائدِ اعظم اور قائدِ ملّت کی طرح غیر معمولی جرأت اور ہمّت کے اوصاف سے خالی تھے۔ مثال کے طور پر ہمارے ایک سابق صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کا ارشاد ملاحظہ کیجیے۔

> "مجھ پر یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ دو قومی زبانوں کے ہوتے ہوئے ہم ایک قوم والی مملکت کبھی نہیں بن سکتے۔ ہماری حیثیت کئی قوموں والی مملکت ہی کی رہے گی۔"

سابقہ دورِ حکومت میں سیاسی مقاصد کی خاطر "لسانی فسادات" ہم پر مسلط کر دیے گئے جس کی آڑ میں یہ تاثر عام کرنے کی مذموم کوششیں شروع کی گئیں گویا اُردو زبان اور سندھ کا قریبی تعلق نہیں رہا ہے۔ علاوہ ازیں علاقائی زبان سندھی میں غیر مانوس الفاظ عربی اور فارسی کے اُن الفاظ کی جگہ

لینے لگے جو اُردو زبان میں پہلے سے بکثرت موجود ہیں۔ اس طرح صدیوں سے قائم لسانی رشتوں کو توڑنے کی کوششوں کا آغاز ہوا۔ جہاں تک ہمارے صوبۂ سندھ کا تعلق ہے یہ بات تاریخی ریکارڈ اور ماضی قریب کے واقعات سے واضح ہے کہ صوبۂ سندھ اور اُردو کا انتہائی قریبی تعلق رہا ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کا تو یہاں تک خیال تھا کہ اُردو کی ابتدا سندھ سے ہوئی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:-

"ہندوستان کی موجودہ بولی پیدا تو سندھ اور پنجاب میں ہوئی۔ نشو و نما دکن میں پائی۔ تعلیم و تربیت دلی میں حاصل کی لیکن تہذیب و سلیقہ لکھنؤ میں سیکھا۔"

اس سلسلہ میں پروفیسر محمد معین الدین دردائی مرحوم اپنی کتاب "صوفیائے سندھ اور اُردو" میں رقمطراز ہیں :-

"سندھ کے عوام آج سے چھ سات سو برس پہلے (۷۵۱ ہجری) میں بھی اُردو بولتے اور سمجھتے تھے اور سندھ میں نومولود سیال زبان نے صوفیاء کی کوشش سے سانچے کی شکل اختیار کر لی تھی۔"

پیر سید حسام الدین راشدی مرحوم فرماتے ہیں :-

"خیال یہ ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی سب سے پہلے وادیٔ سندھ میں آمد ہوئی اور یہیں ان کو مقامی زبانوں سے واسطہ پڑا اس لیے ایک ملی جلی زبان کا ہیولیٰ یہیں تشکیل پایا ہوگا۔"

۱۵۸۰ء سے دکن کی طرح سندھ میں بھی بعض ایسے شعرا کا پتہ چلتا ہے جنھوں نے فارسی کے ساتھ ساتھ اُردو میں بھی اشعار کہے ہیں۔

بارھویں صدی کے آخر اور تیرھویں صدی کے وسط تک سندھ پر تالپوروں کی حکومت رہی۔ ان کے دور میں فارسی شعر و ادب کی کافی ترقی ہوئی اور متعدد اہل اللہ پیدا ہوئے جنھوں نے سندھی اور اُردو شاعری کو اپنے اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا، اس طرح تبلیغِ دین کے ساتھ ساتھ علم و ادب کی آبیاری ہوتی رہی۔

قیامِ پاکستان کے بعد گزشتہ دو تین دہائیوں میں سندھ کے قدیم شعراء اور صوفیائے کرام پر قابلِ قدر کام ہوا ہے۔ جس کے مطالعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس گروہِ اصفیا نے فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی تھی۔ اُردو زبان کو ادبی حیثیت، عہدِ اورنگزیب سے حاصل ہونا شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ وہ عام بولی سے چل کر علمی و ادبی مجالس اور درباروں میں جگہ پانے لگی۔ چنانچہ جب انگریزوں نے اپنی دُور رس لسانی پالیسی کے تحت ۱۸۳۷ء میں فارسی کا خاتمہ کیا تو ان کے واسطے اس کے سوا اور کوئی حل نہیں تھا کہ اُردو کو متبادل زبان کی حیثیت سے سرکاری دفاتر اور عدالتوں کی زبان قرار دیں۔ چنانچہ کلکتہ کی صدر عدالت میں بھی اُردو کو عدالتی زبان کا شرف حاصل ہوا۔ ان شہادتوں کی بنیاد پر شعبۂ ایجوکیشن کے سابق سربراہ پروفیسر شبیر احمد بجا طور پر اس نتیجہ پر پہنچے کہ

"چنانچہ انگریزوں کے قبضہ (۱۸۴۳ء) کے بعد سندھ کی عدالتوں میں بھی غالباً اردو ہی رائج کر دی گئی تھی جیسا کہ لیفٹیننٹ کربی ڈپٹی جج، ایڈووکیٹ کے خط سے پتہ چلتا ہے جو اس نے کمشنر کے سیکرٹری کیپٹن ینگ کے نام (پروسیڈنگز ۱۸۴۹ء آر ۳۵۰ جلد ۲۵۔ پروگرس ۵۹۶۴) میں لکھا تھا۔"

"اُردو کی اس ہمہ گیری سے سندھ میں اس کا دفتری زبان بن جانا نہ صرف آسان ہی نہ تھا بلکہ یہاں کے تعلیم یافتہ لوگوں کی عین مرضی کے مطابق ہوتا مگر اس سے برٹن اور کیپٹن اسٹیک کا وہ مقصد فوت ہو جاتا جس کے لیے وہ اس قدر کوشاں تھے چنانچہ کیپٹن اسٹیک کمشنر سندھ کے سیکرٹری کو اپنے ایک خط مورخہ ۲۸ر اگست ۱۸۴۸ء میں لکھتا ہے کہ

"ان مقامات پر جہاں ہم عوام کی مرضی

سے حکومت نہیں کرتے ہماری سب سے
بڑی پالیسی یہ رہی ہے کہ "لڑاؤ اور حکومت
کرو"۔ اس لیے اگر ایک زبان (ہندوستانی)
کو سندھ کی دفتری زبان بنانا ممکن بھی ہو تو
اس سے ہمیں فائدہ پہنچنا مشتبہ ہے۔"

انگریزوں کی مندرجۂ بالا مصالح کی بنا پر صوبہ سندھ ے فارسی اور اُردو کی حوصلہ شکنی کا دور شروع ہوا۔ سب ے پہلے انگریزوں نے مسلمانوں کے دینی اوقاف ضبط لیے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اکثر مدرسے اور العلوم دم توڑ گئے۔ سادات روہڑی اور ٹھٹھ کو شاہی عہد ہ معافیات اراضی ملی ہوئی تھیں اور یہ لوگ علم و ادب کی دمت و اشاعت میں مشغول تھے۔ معافیات کی ضبطی سے ہ میں یہ بساط بھی الٹ گئی۔

۱۸۵۲ء میں سندھ میں عربی و فارسی مدرسوں اور العلوم کی تعداد ۶۴۸ تھی۔ تقریباً آٹھ ہزار طلباء میں ایک ر طالبات بھی شامل تھیں۔ ان مدارس کے علاوہ صاحبِ یت مسلمان اپنے نجی مدارس بھی چلا رہے تھے جن میں ناہ و گدا یکساں سطح پر علم حاصل کرتے تھے۔ مسلمانوں کے مدرسے اپنی سخت جانی کی بنا پر باقی رہ گئے ان میں ت تعلیم کے بجائے فیس مقرر کر دی گئی۔ اس طرح آہستہ ستہ قدیم مدارس خال خال رہ گئے۔ اس وقت ں مسلمانوں کا فارسی زبان سے تعلق اس حد تک گہرا تھا کہ ل العموم سندھی بزرگ فارسی میں خط و کتابت کرتے تھے۔ ۱۹۰ء تک فارسی کے ہفت روزہ اخبارات بھی جاری رہے۔ ربی و فارسی کی جانشین اُردو کو صرف نو سال سرکاری سرپرستی اصل رہی۔ قدیم نظامِ تعلیم اور ذریعۂ تعلیم کے خاتمہ کے مد انگریزوں نے صوبہ سندھ کو ۲۹ اسکولوں کا تحفہ دیا جن ں دو انگریزی اور ۲۷ سندھی پرائمری اسکول تھے۔ انگریزی تعلیم ی یہ حیثیت تھی کہ ۱۸۶۴ء میں کراچی اور حیدر آباد کے صرف و اسکول میٹرک کی سطح کے تھے۔

انگریزوں کی اس علم دشمن پالیسی کا قدرتاً ردِ عمل ا۔ انگریز مسلمانوں کو ان کے شاندار ماضی اور ملتِ اسلامیہ ہند سے بے تعلق کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ فارسی اور اُردو زبانوں کے ذریعہ ان کا تعلق قائم تھا، لہٰذا انگریزوں نے اسی شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ انگریزوں نے یہ بھی احکام دیے کہ تیسرے درجے کی جملہ ملازمتیں ان کے قائم کردہ اسکولوں کے فارغ التحصیل اصحاب کو دی جائیں۔ چنانچہ ہندوؤں نے حکومتِ وقت سے تعاون کر کے ملازمتوں پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے شدید ردِ عمل کے طور پر اپنے بچوں کو انگریزوں کے قائم کردہ مدارس میں بھیجنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انگریزوں نے اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کی غرض سے سندھی فارسی اسکول ۱۸۶۰ء کے لگ بھگ کھولے لیکن وہ مسلم رائے عامہ کو متاثر نہ کر سکے۔ اس دوران سندھ کے ایک انسپکٹر آف اسکولز نرائن جگناتھ واڈیا نے، جو صوبۂ بمبئی کا ایک برہمن تھا اور جس کے نام سے این۔ جے۔ وی ہائی اسکول قائم ہے، کوشش شروع کی کہ سندھی زبان کا رسم الخط بدل جائے اور ہندو سندھی رائج ہو جائے لیکن وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہونے سے قبل ہی "آنجہانی" ہو گئے۔ بہرحال یہ مسئلہ قطعی طور پر خود سندھ کے ہندوؤں اور خاص طور پر دیا رام گدو مل کی کوشش سے طے ہو گیا اور سندھی زبان کا موجودہ عربی رسم الخط برقرار رہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی تھی ورنہ ہم کو بنگلہ زبان کے رسم الخط بدلنے کے جو نتائج بھگتنا پڑے، خدا نخواستہ یہی صورت سندھ کی بھی ہوتی۔ یہ کشمکش چل ہی رہی تھی کہ انگریزوں کی طے شدہ پالیسی کے تحت انگریزی زبان کا غلغلہ اٹھا۔ مسلمانانِ سندھ، ہندوستان کے دیگر حصوں کے مسلمانوں کی طرح انگریزی زبان کے مخالف تھے، لیکن سندھ کے ہندوؤں نے اس موقع پر بھی حکومتِ وقت سے ہاتھ ملا کر اپنا سرکاری ملازمتوں، دفاتر اور دیگر ذرائع پر قبضہ برقرار رکھا۔

اب علی گڑھ تحریک کے زیرِ اثر سندھ مدرسۃ العلم کی تحریک نے سندھ میں اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔ مسلمانانِ سندھ ایک طرف تو اس کوشش میں تھے کہ مروّجہ انگریزی امتحانات مثلاً میٹرک انٹر، بی۔ اے کر کے اعلیٰ سرکاری ملازمتیں

اور سیاسی حقوق حاصل کر لیں، دوسری طرف ان کی کوشش تھی کہ اردو ذریعۂ تعلیم کے ادارے بڑی تعداد میں کھلوانے کے واسطے گورنمنٹ کو مجبور کریں۔ اسکول بورڈ کراچی کی رپورٹیں اس سلسلہ میں ہم کو وافر مواد مہیا کرتی ہیں۔

آپ کو یہ معلوم ہو کر خوشی اور تعجب ہوگا کہ ۱۹۳۰ء میں لیاری کراچی کے مسلمانوں نے اس امر کا احتجاج کیا تھا کہ جب تک کارپوریشن نصابِ تعلیم میں اردو اور قرآن شریف کی تعلیم کا بندوبست نہیں کرے گی وہ اپنے بچوں کو کارپوریشن کے اسکولوں میں نہیں بھیجیں گے۔ یہ ایجی ٹیشن چار سال بعد کامیاب ہوا۔

آج بھی صوبۂ سندھ میں علمی حلقوں کی حد تک اردو کی ہمہ گیری کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد ہمارے علم کے مطابق اردو میں سب سے زیادہ ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں سندھ یونیورسٹی سے اسکالروں کو عطا کی گئیں۔ اردو کالج کراچی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں سندھی طلبہ کی اکثریت زیرِ تعلیم ہے۔

مندرجۂ بالا معروضات کی روشنی میں ہمارا ناچیز خیال ہے کہ سندھی اردو کے جو تاریخی روابط ہیں، اُن کو ترقی دینا نہایت آسان ہے۔ قومی زبان کی حیثیت سے صوبۂ سندھ میں اُردو کو دیگر صوبوں سے زیادہ وقیع مقام اس وقت بھی حاصل ہے اور انشاء اللہ آیندہ بھی حاصل رہے گا۔ اس کا پاکستان کی سب سے قدیم زبان سندھی سے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم یہ بات ضروری ہے کہ قومی اور علاقائی زبانوں کے ادیبوں اور دانش وروں کو غیر ملکی ادیبوں اور ملک دشمن عناصر سے ہوشیار رہنا چاہیے جو انسان کی جبلی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر بھائی کو بھائی سے لڑوا دیتے ہیں۔ ہم کو یقین واثق ہے کہ پاکستان میں جلد از جلد قومی زبان اُردو کو انگریزی کی جگہ سختی کے ساتھ رائج کرنے کے واضح احکام کے نتیجہ میں سازشوں کے منصوبے مثل خس و خاشاک اُڑ جائیں گے۔ خدا ہم کو نیک عمل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

"میں مدراس، بمبئی، کلکتہ، الہ آباد، لکھنؤ، دہلی اور پنجاب وغیرہ کی تمام بڑی جامعات کا آنرز، ایم اے، پی ایچ ڈی اور ڈی ایس سی کا ممتحن رہا ہوں۔ بے شمار مرتبہ ان جامعات میں لیکچر دے چکا ہوں اور طلبہ سے ملتا رہا ہوں۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ استثنائی صورتوں کے علاوہ عام طور پر طلبائے جامعہ عثمانیہ کا معیار ریاضی میں دوسری جامعات کے طلبہ سے کافی اونچا تھا۔"

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی

صحیح املا : رشید حسن خان

س ، ش ، ص

(۱)

س ، سس اور شش ، ش میں کچھ فرق نہیں ۔ دونوں صورتیں یک ساں ہیں ۔ کون سی صورت کہاں پر اختیار کی جائے ، اِس کا تعلق اصل میں اِسی سے ہے یا ہونا چاہیے کہ لکھنے میں جلدی اور پڑھنے میں آسانی اور پھر یہ کہ خوش نمائی کا تقاضا کیا ہے ۔

س کے بعد ایک یا ایک سے زیادہ حرف آئیں جن کو شوشے سے ظاہر کیا جاتا ہے تو اُس صورت میں اچھا یہ ہوگا کہ دندانے دار س یا ش کے بجائے ، کشش دار سس یا شش بنایا جائے ۔ اِس طرح شوشوں کا ہجوم بھی نہیں ہوگا اور غلط نویسی کا امکان کم ہو جائے گا ، جیسے : سُنّا یاسین ۔ اگر دو سین یک جا ہوں ، اُس صورت میں مناسب یہ ہوگا کہ پہلے س کو کشش دار بنایا جائے اور دوسرا دندانے دار ، جیسے : سسرال ۔ اس کو "سسرال" بھی لکھا جا سکتا ہے ، مگر دونوں جگہ دندانے دار سین لکھنے سے ، لکھنے اور پڑھنے دونوں میں الجھن ہو سکتی ہے (جیسے : سسرال) اور بدنمائی بھی آ جائے گی ۔ اگر شش اور س یک جا ہوں ، تو اچھا یہ ہوگا کہ شش کو کشش دار اور س کو دندانے دار بنایا جائے ، جیسے : شمس ۔ ہاں ، لفظ کے منفصل ٹکڑوں میں اگر یہ یک جا ہوں ، اُس صورت میں دونوں کو کشش دار لکھنا کچھ بے جا نہ ہوگا ، جیسے : شارستان ۔

یہ دیکھا جاتا ہے کہ دندانے دار س جب لفظ کے شروع یا درمیان میں آتا ہے تو جلدی یا بے پروائی کی وجہ سے کبھی کبھی اُس کا ایک دندانہ غائب ہو جاتا ہے ، جیسے : "ہندستان" کو "ہندستان" لکھنا یا جیسے "مستیاں" کو یہ "مستیاں" رہ جاتا ہے ۔ اگر دندانے دار س لکھا جائے تو اِس کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے ۔

(۲)

قفس : اِس کا املا "قفس" اور "قفص" دونوں طرح درست ہے ۔ مگر اب عام طور پر "قفس" لکھا جاتا ہے اور اسی طرح لکھنا چاہیے ۔

قسائی : "قصاب" میں ص ہے ، اور "قسائی" کو س سے لکھا جائے گا ۔

مسالا : اِس کا پُرانا املا "مصالح" ہے ۔ دہلی والے اِسی طرح لکھتے تھے ۔ فارسی میں بھی یہی املا ہے ۔ مگر اب اُردو میں "مسالا" لکھا جاتا ہے اور اسی طرح لکھنا چاہیے ۔

مسرا : جیسے رام نراین مسرا ۔ اِس کو پہلے ص سے بھی لکھا جاتا تھا (مصرا) ۔ مسر ، مسرا ، مسرانی ؛ ان سب لفظوں میں اب س ہی لکھنا چاہیے ۔

مِسَل : جیسے : مقدمے کی مسل ۔ کچھ لوگ اِس کو "مثل" بھی لکھتے ہیں ۔ "مثمن" اور "مسل" ، اِن دونوں لفظوں میں س ہی لکھنا چاہیے ۔

(۳)

ص (اسی طرح ض) کے سلسلے میں یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہنا چاہیے کہ شوشہ اِس کا جُز ہے ۔ شوشے کے بغیر یہ مکمل نہیں ہوگا ۔ لفظ کے شروع یا درمیان میں جب یہ حرف آئے تو اِس کا خیال رکھنا چاہیے کہ شوشہ نہ چھوٹ جائے ، جیسے : صبا ، صیّاد ، صبح ، صید ۔

نکہت : اِس لفظ میں کاف ہے ، اِس کو "نگہت" لکھنا صحیح نہیں ۔

اُصولِ اِملا

جو انجمن ترقی اُردو کانفرنس، منعقدہ جنوری ۱۹۲۱ء بہ مقام ناگ پور طے کیے گئے تھے

۱۔ کتابت اور خاص کر چھاپے میں دو لفظوں کے درمیان واضح فصل چھوڑا جائے۔ ایک لفظ کے اوپر دوسرا لفظ نہ لکھا جائے۔ مرکب الفاظ کو ملا کر نہ لکھا جائے۔ جیسے، آج کل، کل جگ، گل کاری وغیرہ۔ اسی طرح ایسے مفرد الفاظ بھی جو دونوں طرح لکھے جاتے ہیں آیندہ منفصل ہی لکھے جائیں، جیسے: بی بی، جھٹ پٹا، جھن جھنا ہٹ، ہل چل وغیرہ۔ اور فارسی حروف بہ، نہ، چہ وغیرہ کو بھی ملا کر نہ لکھا جائے بلکہ علاحدہ تحریر کیا جائے جیسے بہ خوبی، بہ ہر حال، چناں چہ وغیرہ۔

۲۔ ہمزہ جب کسی منفصل حرف کے بعد آئے تو جداگانہ لکھا جائے اور اس کے لیے کوئی شوشہ نہ بنایا جائے۔ جیسے آءی، ساءل، گھاءل وغیرہ۔ (ایک گروہ کی رائے میں جہاں آسانی سے ممکن ہو وہاں ہمزہ کی بجائے حرف الف ہی سے کام لیا جائے جیسے: عزرایل، سا الیس وغیرہ)۔

۳۔ دھ، ڈھ، رھ، ڑھ کو لکھنے میں ہائے مخلوط کو اصل حرف سے ملا کر لکھا جائے۔ یعنی دھ، رھ، ڑھ اور اصل حرف کی مثل انھیں بھی حرف منفصل قرار دیا جائے۔ اور دوچشمی ھ کو لفظ کے دوسرے ٹکڑوں سے ملانے کی بجائے حسبِ ذیل طریقے پر لکھا جائے:

" دھ ن (بجائے دھن) دھ رتی (بجائے دھرتی)، پڑھ نا (بجائے پڑھنا)" (حرف ی اور نون غنہ کے متعلق کمیٹی کی پہلی تجاویز مسترد کر دی گئیں اور قرار پایا کہ اس کی موجودہ کتابت جو انجمن ترقی اُردو نے اختیار کی ہے، برقرار رکھی جائے۔)

۴۔ عربی کے حروف ان، من وغیرہ علاحدہ لکھے جائیں۔ جیسے: ان شاء اللہ، لیکن آگے عربی ضمیر آنے کی صورت میں ملا کر تحریر ہوں۔ جیسے: عنہم، منہم۔

۵۔ عربی حرف تعریف ال کا الف یا لام جہاں ساکت ہوں وہاں ان کے اوپر چھوٹا خط بنا دیا جائے جیسے السلام اور علیکم السلام۔

۶۔ عربی ناموں اور عام الفاظ میں الف مقصورہ کی بجائے پورا الف لکھا جائے، جیسے: ابراہیم، سلیمان، حیات' ریا اور اعلا: ادنا، مولانا وغیرہ۔

۷۔ غیر زبان کے الفاظ کو الگ الگ ٹکڑوں میں لکھا جائے۔ جیسے: انس پک ٹر، ڈاک ٹر، یونی ورسٹی، انس ٹی ٹیوٹ، ڈپارٹ منٹ وغیرہ۔ لیکن حروف متصل جب شروع میں آئیں تو ایک رکن ہونے کے باوجود انھیں جدا نہ لکھا جائے (جیسے: مسز)

۸۔ صرف ابتدائی تعلیم کی حد تک کمیٹی نے یہ تجویز بھی قبول کی کہ علاماتِ مصدر یا ماضی و حال، اصل مادّے سے جدا لکھے جائیں۔ جیسے: لکھ نا، لکھ تے، سمجھ نا وغیرہ۔

(ب) دوسرے یہ کہ ان ابتدائی کتابوں میں ہر لفظ کے ایک ایک رکن کو جدا کر کے لکھا جائے۔ لیکن شروع میں حرف متصل ہو تو اُسے ملا کر ہی لکھا جائے گا جیسے: مصی بت، قری نہ، وغیرہ الفاظ ہیں۔

۹۔ ایک اہم تجویز یہ منظور ہوئی کہ اعرابی ی کو الف اور واؤ کی مثل حرف منفصل قرار دیا جائے اور اس کی مجہول، معروف اور ماقبل مفتوح شکلوں کی کتابت وہی ہے جو انجمن نے اختیار کر رکھی ہے جیسے: بے ر (مشہور پھل) بی ر (بہ معنی بھائی) اور بے ر (بہ معنی دشمنی)

افکارِ معاصرین

اچھا فیصلہ

کسٹمز ٹیرف کو قومی زبان میں منتقل نے کے لیے چیئرمین سنٹرل بورڈ آف ریونیو ب فضل الرحمٰن کی سربراہی میں ایک کمیٹی عرصے قبل قائم کی گئی تھی۔ اِس کے کام کی رفت کا جائزہ کلکٹر کسٹمز جناب مبین احسن سربراہی میں ہونے والے ایک اعلیٰ اجلاس میں لیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ کام کو جلد از جلد مکمل کیا جائے گا تاکہ مد و برآمد کنندگان اور صنعت کاروں جن کی اکثریت انگریزی داں نہیں بلکہ اپنا کام قومی زبان اُردو ہی میں انجام دیتی کسٹمز کے قوانین محصولات اور ڈیوٹی کے مسائل سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

حُصولِ آزادی کے ۳۵ سال بعد س خبر کو پڑھ کر اظہارِ اطمینان ہی کیا ے گا۔ پاکستان سے باہر غیر ملکوں میں یہ خبر پڑھی جائے گی تو خدا جانے وہاں لوگوں کا تاثر کیا ہو گا۔ مبین احسن صاحب برِ نگرانی یہ کام بطریقِ احسن پورا ہو جائے شبہ ایک بڑا کام ہو گا۔

روزنامہ "جنگ" کراچی

۷ر نومبر ۱۹۸۲ء

قومی زبان کی توہین

ادارۂ قومی تشخص کے اجلاس میں پولیس کی طرف سے شائع ہونے والے اِس اشتہار پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کہ تمام گاڑیوں پر انگریزی میں نمبر پلیٹ لگائی جائے۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ یہ ہدایت وفاقی حکومت کے فیصلوں کے سراسر خلاف ہے اور اِس سے قومی زبان اُردو کی توہین ہوتی ہے اجلاس نے اِس سلسلے میں تحقیقات کا حکم بھی دیا ہے اور صدر مملکت سے گزارش کی ہے کہ اس پر سختی سے توجہ دی جائے۔ بین الصوبائی رابطہ کمیٹی کا جو اجلاس اکتوبر ۱۹۸۱ء میں ہوا تھا۔ اس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ موٹر گاڑیوں کی نمبر پلیٹ کے ہندسے اور شہروں کے حروف اُردو میں کر دیے جائیں گے اور اس سلسلے میں موٹر گاڑیوں کے قانون میں ترمیم کر دی جائے گی اس کے علاوہ بھی حکومت کی حکمت عملی یہ ہے کہ قومی زبان کو زندگی کے ہر شعبے میں رائج کیا جائے اور اس مقصد کے لیے حکومت کی طرف سے موثر کارروائی بھی کی جا رہی ہے اس کے باوجود ہماری پولیس ابھی تک انگریزوں کی غلامی برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انگریزی ہندسے اور حروف فوراً پڑھ لیے جاتے ہیں اور پولیس کو عادت اسی کی پڑ چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی کی عادت غلام رہنے کی پڑ چکی ہو تو اس کی وجہ سے ساری قوم کو تو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ ساری دنیا میں قاعدہ یہ ہے کہ گاڑیوں پر قومی زبان میں نمبر پلیٹ لکھوائی جاتی ہے۔ عرب ملکوں میں عربی میں اور ایران میں فارسی میں رجسٹریشن پلیٹ لگوانے کا رواج ہے۔ آخر ہمارے ملک میں ہی انگریزی پر اصرار کیوں کیا جا رہا ہے، یہ غلامی کی یادگار ہمارے اوپر مسلط رکھنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے ادارۂ قومی تشخص نے صدرِ مملکت سے بالکل درست گزارش کی ہے اس کے خلاف نہ صرف تحقیقات ہونی چاہیے بلکہ ایسے لوگوں کے خلاف کارروائی بھی ہونی چاہیے جو ہماری قومی انفرادیت کو مجروح کرنا چاہتے ہیں۔

روزنامہ "امروز" لاہور

۱۴ر اکتوبر ۱۹۸۲ء

نفاذِ اُردو کے بارے میں قطعی فیصلے کیے جائیں

وفاقی وزیرِ خزانہ غلام اسحٰق خاں نے مجلس شوریٰ کو بتایا ہے کہ وفاقی کابینہ اپنے آیندہ اجلاس میں اُردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج کرنے کے بارے میں مقتدرہ قومی زبان کی سفارشات پر غور کرے گی۔ انھوں نے بتایا کہ یہ مسئلہ وفاقی کابینہ کے حالیہ اجلاس میں بھی زیرِ بحث آیا تھا مگر صوبائی گورنروں کی عدم موجودگی اور وقت کی کمی کے باعث اِس پر غور آیندہ اجلاس پر ملتوی کر دیا گیا۔ انھوں نے بتایا کہ مقتدرۂ قومی زبان نے سرکاری دفاتر اور

عدالتوں میں تین سال کے عرصے میں مرحلہ وار پروگرام کے تحت اردو زبان کو رائج کرنے کے بارے میں اپنی سفارشات پیش کر دی ہیں۔ حکومت کو یہ سفارش بھی موصول ہو گئی ہے کہ وفاقی اور صوبائی پبلک سروس کمیشنوں کے مقابلوں کے امتحانات میں اُردو زبان کا زیادہ استعمال کیا جائے۔

یہ پہلا موقع ہے کہ کسی حکومت نے اردو کو سرکاری سطح پر رائج کرنے کے بارے میں سنجیدگی آمیز آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ صوبائی سطح پر اُردو کی ترویج کے لیے اقدامات ہو بھی چکے ہیں۔ اور صدرِ مملکت بار بار قومی زبان کی ترویج پر زور دے چکے ہیں وہ سرکاری اور بین الاقوامی تقریبات تک میں قومی زبان کو ہی ذریعۂ اظہار بنا چکے ہیں اور انھوں نے شوریٰ کے ارکان پر بھی زور دیا ہے کہ انگریزی کی بجائے اُردو کو ذریعۂ اظہار بنائیں۔ اِس سے بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صدرِ مملکت اردو کی ترویج میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کا برملا اعتراف ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی کر لیا ہے۔

روزنامہ "مشرق" کراچی
۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۲ء

قومی زبان کا مسئلہ

قیامِ پاکستان کے ۳۵ سال بعد بھی ہم اُردو کو قومی و سرکاری زبان کے طور پر نافذ نہ کر سکے اور ہمارے دفاتر، مدارس اور جامعات پر تاحال انگریزی ہی کا راج ہے جبکہ بانیٔ پاکستان قیامِ پاکستان سے قبل بھی اور بعد میں بھی متعدد بار یہ اعلان کر چکے تھے کہ پاکستان کی قومی زبان اُردو اور صرف اُردو ہوگی۔ قائدِ اعظم کے بعد آنے والی ہر حکومت محض فیشن کے طور پر یا عوامی دباؤ کے تحت اُردو کا نام لیتی رہی اور آنسو پونچھنے کے لیے وقتاً فوقتاً متعدد کمیٹیاں بھی بنائی جاتی رہیں مگر اُردو کا مسئلہ ہنوز روزِ اوّل کی منزل سے آگے نہ بڑھ سکا۔ انگریزی ابھی تک ہم پر مسلط ہے اور پڑھے لکھے نوجوان بھی انگریزی میں بات چیت کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔

اب جبکہ وفاقی کابینہ میں یہ مسئلہ اٹھایا جانے والا ہے کہ اُردو کو سرکاری زبان کے طور پر نافذ کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں، نامناسب نہ ہو گا اگر ہم عالمی بینک کے ان تحقیقاتی جائزوں کی رپورٹ کا خلاصہ پیش کریں جو اِس بینک نے محض اپنے قرض خواہ ممالک کے حوالے سے مرتب کیا تھا۔ رپورٹ میں منجملہ اور امور کے یہ بتایا گیا ہے کہ جو بچے خود اپنی قومی زبان میں ٹھیک طور سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھ سکے۔ ان سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ کسی دوسری زبان میں درسی مضامین سمجھ لیں گے۔ اگر قومی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا جائے تو بچوں میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہو گا اور اِس طرح ان پر ترقی کی راہیں کھل جائیں گی مناسب یہ ہے کہ تمام تر توجہ قومی زبان پر دی جائے اور کوئی اور زبان ان پر ٹھونسنے سے احتراز کیا جائے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانا آسان اور سستا نسخہ ہے اور اِس ذریعے وہ ملک کو پوری طرح خواندہ بنائیں گے۔ وہ جنت الحمقا میں بستے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ انگریزی کو بالکل ترک کر دیا جائے۔ انگریزی صرف علمی ہی نہیں ایک بین الاقوامی زبان بھی ہے اور جدید علوم کے ذخائر سے بھرپور ہے۔ اسے دوسری زبان کے طور پر ضرور برقرار رکھا جائے مگر قومی زبان یا سرکاری زبان اُردو ہی رہے۔ صوبائی زبانیں اپنی جگہ بر صورت پھلتی پھولتی رہیں گی۔

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی
۱۹ر اکتوبر ۱۹۸۲ء

> "زبان کو زبان بنانے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ اوّل اصول و لغت کی تدوین، دوم علمی تصنیفات اور تیسرے تراجم۔ ہم کو ان میں سے ہر ایک پر غور کرنا چاہیے کہ اب تک کیا ہو چکا ہے۔"
>
> سید سلیمان ندوی
>
> "نقوشِ سلیمانی" صفحہ ۱۶

نفاذِ اردو

کستان میں فوقیت اردو کی ہوگی، صدر ضیاء الحق

اردو کے بعد عربی اور انگریزی کا درجہ ہوگا۔ علاقائی زبانوں کو بھی ترقی دی جائے گی

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق
نے گزشتہ ماہ مجلس شوریٰ کے چوتھے
جلاس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ
کستان کی آئینی اور سرکاری زبان اردو ہوگی۔ انھوں نے
ا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں سرکاری زبان اردو
رنے کے لیے پندرہ سال کا عرصہ رکھا
یا تھا لیکن ہم نے اِس عرصہ کو اور کم کر
یا۔ انھوں نے کہا کہ اردو ہماری قومی زبان
ہے لیکن ہر صوبے کی علاقائی زبان کو بھی
روغ دیا جائے گا۔ انھوں نے سندھی زبان
کا خصوصیت سے ذکر کیا اور بتایا کہ سندھ
باب الاسلام ہے اور اس زبان کی افادیت
یہ ہے کہ سندھ میں اس وقت تمام عدالتوں
ور عدالتوں میں کارروائی سندھی زبان میں ہو
رہی ہے۔ صدر نے کہا کہ میں حکومت کی
جانب سے نہیں بلکہ بطور ضیاء الحق قومی زبان کو
فروغ دینے کا حامی ہوں۔ انگریزی تعلیم کی
اہمیت بھی اپنی جگہ ہے اور عربی کی اس سے
زیادہ ہے فوقیت اردو کو ہوگی اس کے بعد
انگریزی اور عربی کو حاصل رہے گی لیکن اس
کے ساتھ علاقائی زبانیں بھی فروغ پاتی رہیں
گی۔ انھوں نے شوریٰ کے اجلاس میں زبان
کے استعمال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جناب
زین نورانی انگریزی میں بہت اچھی تقریر کرتے
ہیں لیکن اب وہ انگریزی میں تقریر کراچی میں
کریں گے اور یہاں اردو میں کریں گے۔

آپ نے پچھلے دنوں سُنا ہوگا کہ
گزشتہ کابینہ کے اجلاس میں ہم نے ایک
بہت اہم فیصلہ ایک بہت اہم نکتہ پر بحث
کی اور وہ ہے زبان کا مسئلہ، خواجہ صاحب
نے مجھے یہ ارشاد کیا ہے کہ میں اِس سلسلے
میں مجلسِ شوریٰ کو یہ بتاؤں کہ حکومت کی
کیا پالیسی ہے۔ اس سلسلے میں ۷۳ کا جو
آئین ہے جو کہ اِس وقت معطل ہے لیکن
اس میں ایک شق صاف ظاہر کی گئی ہے لیکن
اس پر عمل درآمد نہیں ہوا۔ ہم انشاءاللہ
اس پر عمل درآمد کریں گے۔ وہ یہ ہے کہ
پاکستان کی آئینی زبان، پاکستان کی محکمانہ زبان
جو ہے وہ اردو ہے اور انشاءاللہ اردو
رہے گی لیکن میں آپ کی خدمت میں عرض
کرنا چاہتا ہوں کہ گزشتہ پانچ سالوں میں
آپ نے میرا کردار دیکھا میں نے اردو ہی
کو لیا لیکن پانچویں جماعت سے جس وقت
میں نے تعلیم حاصل کی۔ پانچویں جماعت میں
اردو کے ساتھ ساتھ ایک انگریزی کا قاعدہ
بھی پڑھایا جاتا تھا اور ساتویں جماعت سے
اردو اور انگریزی لازمی تھے اور اس کے
ساتھ عربی اور فارسی سے ایک مضمون چننے
تھے۔ خواہ آپ کے پاس سائنس مضامین
ہیں یا آرٹس کے ہیں۔ خواہ آپ کے پاس
حساب کے ہیں۔ حساب نہیں تاریخ ہے یا
نہیں ہے لیکن یہ زبان کے اندر یہ اس عربی
اور فارسی کی زبان کی چاشنی کا نتیجہ ہے۔ آج
اردو زبان جو ہے وہ اپنا مقام اپنی جگہ رکھتی
ہے۔ جس وقت کابینہ میں بحث ہو رہی تھی
میرے ایک رفیقِ کار نے کہا کہ جنرل صاحب
آپ اِس کو کیوں چھیڑ رہے ہیں۔ اردو کو خود
اللہ تعالیٰ نے اتنی قدرت اور طاقت دی ہے
کہ چاہے ایڑی چوٹی کا زور لگا لے اس کو
نقصان نہیں پہنچا لیکن ہر حکومت کی اپنی پالیسی
ہے۔ ہمارے یہاں حکومت کی سرکاری زبان
اردو ہے اور اس کو پورا کرنے کے لیے ۱۹۷۳ء
میں پندرہ سال کا عرصہ مقرر کیا گیا ہے ہم
نے اس عرصہ کو بھی کم کرنے کا جائزہ لیا
اور آیندہ مقتدرہ قومی زبان (پاکستان کی
جو لنگوئسٹک اتھارٹی ہے) لفظ ذرا ثقیل ہے۔ یہ
اتھارٹی جس کے سربراہ مرحوم ڈاکٹر اشتیاق
حسین قریشی تھے۔ ان کو ہم نے کہا کہ اپنی
سفارشات ہم تک پہنچائیں۔ ان کی سفارشات
ہم تک آرہی ہیں۔ کابینہ نے پچھلے اجلاس
میں اس کا جائزہ لیا ہے اور آیندہ اجلاس
میں اس پر بھرپور زیرِ بحث لانے کے بعد

اس پر عملی تجاویز آئیں گی لیکن میں یہاں آپ کی خدمت میں دو ایک چیزیں بتانا چاہتا ہوں اُردو ہماری زبان ہے اور چاروں صوبوں کے اندر ممکانہ زبان ۔لیکن ہر صوبہ کے اندر آپ کی جو علاقائی زبان ہے اس کو بھی فروغ ملنا چاہیے ۔ میرا خاص طور پر ذکر کرنے کا جو مطلب ہے وہ سندھی زبان ہے ۔ سندھی زبان اپنی جگہ ایک زبان کی افادیت رکھتی ہے ۔ شخص کے لیے زبان ، لباس اور رواج استعمال کیے جاتے ہیں ۔ زبان کے لحاظ سے اُردو ہماری زبان ہے لیکن آپ میری زبان سے سُن لیجیے کہ پاکستان میں جہاں ہم اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے بالکل تیار ہیں وہاں میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستان اپنے آپ کو موجودہ زمانے کے اندر ان پڑھ ملک نہیں رہ سکتا ۔ ہمیں ترقی یافتہ ملکوں کے شانہ بشانہ چلنا چاہیے ۔ ہمیں سائنسی اور تکنیکی مضامین میں مہارت حاصل کرلی ہے ۔ پاکستان نے اپنے آپ کو اس قابل بنانا ہے کہ موجودہ دور میں اگر ہمیں اپنی انرجی کی ضرورت کو پورا کرنا ہے تو اس کے لیے ٹیکنالوجی اپنانی ہوگی ۔ ہمیں جو علم ہے وہ اس زمانے کے ساتھ ہے ۔ ہمارا رشتہ جو ہے مسلمان ممالک کے ساتھ ہے ۔ قرآن جو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ۔ قرآن کی زبان لغت قرآن عربی ہے آپ عربی کو کیسے نظرانداز کر سکتے ہیں ۔ میں آپ کو حکومت پاکستان کی طرف سے نہیں بلکہ بطور ضیاءالحق بتا رہا ہوں کہ میرے اختیار میں جب تک ہے اردو کو فروغ ملے گا ۔ انشاءاللہ یہاں ساری زبانیں جو ہیں ۔ سندھی ہے ، پشتو ہے ، پنجابی ہے ، بلوچی ہے بروہی ہے ۔ ان کو اپنے اپنے مقام پر فروغ ملے گا ۔

ان کو ترقی حاصل کرنا ہوگی ۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انگریزی کی تعلیم کی اہم ضرورت ہے اور عربی کی اس سے زیادہ ۔ پاکستان میں تین زبانوں کا مقام ہے اُردو ، عربی اور انگریزی ۔ اس طریقے سے مجھے امید ہے کہ ایوان کے تمام ممبران میری اِس تجویز سے اتفاق کریں گے اور انشاءاللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ نہ صرف میں بلکہ تمام کے تمام زین نورانی انگریزی میں بڑی اچھی تقریر کرتے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ تقریر کرتے رہیں گے لیکن انگریزی میں تقریر کراچی میں کریں گے یہاں آکر اردو میں کریں گے ۔

کابینہ آئندہ اجلاس میں مقتدرہ قومی زبان کی سفارشات پر غور کریگی

غلام اسحٰق خان

وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان نے مجلسِ شوریٰ کو اپنے ۱۰ر اکتوبر کے اجلاس میں بتایا کہ وفاقی کابینہ اپنے اگلے اجلاس میں مقتدرہ قومی زبان کی ان سفارشات پر غور کرے گی جو اس نے اُردو کو دفتری زبان کے طور پر اختیار کرنے کے سلسلے میں مرتب کی ہیں ۔ مولانا کمال الدین کمال سالار پوری کے سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر خزانہ نے کہا کہ یہ مسئلہ پچھلے اجلاس میں کابینہ کے سامنے زیرِ غور آیا تھا لیکن صوبائی گورنروں کی غیر موجودگی اور تنگیٔ وقت کی بنا پر صدر نے فیصلہ کیا کہ اِس مسئلے پر وفاقی کابینہ کے اگلے اجلاس میں غور کیا جائے ۔ وقفۂ سوالات کے دوران وزیرِ خزانہ نے ایوان کو بتایا کہ مقتدرہ قومی زبان قومی زندگی کے تمام شعبوں میں اُردو کو قومی زبان کی حیثیت سے اختیار کرنے کے طور طریقوں کا مطالعہ اور تحقیق کر رہی ہے ۔ مقتدرہ قومی زبان نے اب تک اردو کو سرکاری دفتری زبان کے طور پر اختیار کرنے کا جو منصوبہ پیش کیا ہے ، وہ مرحلہ وار منصوبہ ہے اور اس کے تحت تین سال میں تمام سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اردو کو اختیار کرنے کی سفارش کی گئی ہے ۔ مقتدرہ قومی زبان نے وفاقی اور صوبائی ملازمتوں کے مقابلے کے امتحانات میں اُردو کو اپنانے سے متعلق بھی متعدد تجاویز پیش کی ہیں ۔

اردو کو شوریٰ کی سرکاری زبان بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے ۔ خواجہ صفدر

صدر نشین مجلسِ شوریٰ خواجہ محمد صفدر نے کہا ہے کہ اُردو کو شوریٰ کی سرکاری زبان بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے ۔ وہ مجلسِ شوریٰ کے ایک اجلاس منعقدہ ۱۳ر اکتوبر میں بلوچستان کے رکن ملک محمد ارمغان کی جانب سے اٹھائے گئے اس سوال کا جواب دے رہے تھے کہ بعض ارکان ایوان کی انگریزی میں کارروائی کو سمجھ نہیں سکتے ۔ خواجہ صفدر نے کہا کہ اُردو کو بطور سرکاری و قومی زبان کے اس کا جائز حق دینے کی حکمتِ عملی کے تحت جس کا ذکر صدر جنرل محمد ضیاءالحق نے اپنی ۱۴ر اگست کی تقریر میں کیا تھا ۔ شوریٰ کی معتمدی نے اپنی کارروائی اُردو میں انجام دینے کا کام شروع کر رکھا ہے مگر انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کا عمل ارتقائی اور انقلابی ہے اور معتمدی کو اس سلسلے میں بہت سی

عملی مشکلات کا سامنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سرکاری کارروائی کے اردو ترجمہ میں بعض اغلاط ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں ارکان کی جانب سے پوچھے گئے سوالات کا جواب متعلقہ محکمے انگریزی میں دیتے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ مقننہ کی کارروائی کی نوعیت اس قسم کی ہوتی ہے کہ اسے ہر قسم کی غلطیوں اور خامیوں سے پاک ہونا چاہیے۔ اس لیے جہاں ضروری ہوتا ہے کارروائی انگریزی میں انجام پاتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ شوریٰ کی معتمدی پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان کو درپیش متعدد مشکلات کے باوجود فاضل ارکان کو تمام دستاویزات کا اردو ترجمہ فراہم کر رہی ہے۔

مدرضیاءالحق اُردو کے نفاذ کے
امطے میں مخلص ہیں، عبدالرحمٰن چوہدری

انجمن نفاذ اُردو کے معتمد عمومی جناب بدالرحمٰن چوہدری نے کہا ہے کہ صدرِ پاکستان رِل محمد ضیاءالحق پاکستان میں اُردو کے ل نفاذ کے معاملے میں مخلص ہیں لیکن بلی اربابِ اختیار طوقِ غلامی انگریزی کو ستان میں بدستور مسلط رکھنا چاہتے ں۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ عام انتخابات ، تمام امیدواروں سے یہ حلف بھی لیا ئے کہ وہ اپنی قومی زبان اُردو بولیں اد یں گے اور اس عہد سے روگردانی کرنے لے کو انتخابات کے لیے نااہل قرار جائے۔

صوبائی دفاتر میں اُردو مختصر نویسی، ٹائپ اور خط و کتابت اختیار کرنے کی ہدایات
انگریزی ذریعۂ تعلیم اسکولوں کے قیام کی حوصلہ شکنی کی جائے گی

حیدرآباد ضلع میں اردو زبان کو دفاتر میں رائج کرنے کی کوششیں تیز کر دی گئی ہیں۔ اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے مجلس کا دفتر حیدرآباد میں بہت جلد قائم کر دیا جائے گا باخبر ذرائع کے مطابق گورنر سندھ کی واضح ہدایت کی روشنی میں حکومت کی طرف سے سندھ کے تمام محکموں کو ہدایت جاری کی جا چکی ہے کہ اُردو میں مختصر نویسی، اردو ٹائپ اور خط و کتابت اختیار کی جائے معلوم ہوا ہے کہ قومی زبان اُردو کو دفاتر میں پوری طرح رائج کرنے کے لیے اُردو کی تعلیم و تربیت پر بھی زور دیا جائے گا اور نئے انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اسکولوں کے قیام کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔ ان ذرائع کے مطابق سندھ کے دوسرے علاقوں میں بھی بہت جلد اردو کے مکمل نفاذ کے لیے انقلابی اقدامات کیے جائیں گے

"اعتراف خدمت گزاران اُردو" کانفرنس

انجمن ترقی اردو نے اردو زبان کے موقف کی خدمت کے اعتراف میں اپنی آیندہ کانفرنس کو "اعتراف خدمت گزاران اردو" کانفرنس سے منسوب کیا ہے۔ یہ کانفرنس دسمبر کے آخر میں لاہور میں منعقد ہو رہی ہے۔ کانفرنس کے ایک خبرنامہ کے مطابق کانفرنس میں ان نامعلوم مجاہدوں کو شایانِ شان طور پر خراجِ عقیدت پیش کیا جائے گا۔ جنھوں نے مشکل حالات میں اُردو زبان کے فروغ کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں اور ہمیشہ پس منظر میں رہے۔ خبرنامہ میں کہا گیا ہے کہ قوم ہمیشہ ان مجاہدوں کی قدر و منزلت کرتی رہے گی اور ان کی گراں قدر خدمات کو یاد رکھے گی۔ کانفرنس کے دوران ان افراد، اخبارات و جرائد، ادیبوں، شاعروں اور تنظیموں کی خدمات کو ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لیے قراردادیں منظور کی جائیں گی۔ جنھوں نے اُردو زبان کے فروغ اور اس کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

صدر ضیاءالحق نے استقبالیہ سے اردو میں خطاب کیا

اپنے دورہ چین کے دوران ۱۷ر اکتوبر کی شب صدرِ پاکستان جنرل ضیاءالحق نے بیجنگ میں چینی وزیرِ اعظم ژاؤ ژیانگ کی جانب سے اپنے اعزاز میں دیے گئے استقبالیہ سے اُردو میں خطاب کیا۔ صدر کے خطاب کو حاضرین نے انتہائی غور سے سُنا اور کئی بار تالیاں بجا کر ان کے جذبات کو سراہا۔

قومی لباس، غیر ملکی زبان

کراچی کے ایک اخبار کی اطلاع کے مطابق اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن کی دسویں سالگرہ کی تقریب کی تمام کارروائی انگریزی میں ہوئی۔ یہ تقریب قومی اداروں کی جانب سے قومی زبان کے بارے میں ان کے رویّے اور حکومت کی

ہدایات کی خلاف ورزی کا منہ بولتا ثبوت ہے، تقریب میں تمام تقاریر انگریزی میں کی گئیں اور ان کے انگریزی متن حاضرین میں تقسیم کیے گئے۔ یہاں تک کہ تلاوت کا ترجمہ بھی انگریزی میں پیش کیا گیا۔ واضح رہے کہ صدر جنرل محمد ضیاءالحق نے تمام سرکاری و نیم سرکاری اداروں کو اپنی تقاریب قومی زبان میں کرنے کی ہدایت کی ہے اور قومی زبان کی ترویج میں خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے بیشتر مواقع پر قومی زبان کو ہی ذریعہ اظہار بناتے ہیں، یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ تقریب سے خطاب کرنے والے تمام مقرر قومی لباس پہنے ہوئے تھے۔

کسٹم کے نرخنامہ کا ترجمہ اردو میں کیا جائیگا

پاکستان کسٹم کے نرخنامے کے قومی زبان میں ترجمے کے معاملے پر غور کرنے کے لیے اس ماہ کے اوائل میں کلکٹر کسٹم جناب مبین احسن کی زیرِ صدارت ایک اعلیٰ سطحی اجلاس کراچی میں منعقد ہوا، کسٹم کے ذرائع کے مطابق اجلاس میں ماہر مترجمین، ماہرین تعلیمات اور کسٹم کے اعلیٰ حکام نے شرکت کی۔ اس موقع پر نرخنامہ کو مزید بہتر بنانے کے لیے غور و خوض ہوا۔ ان ذرائع نے بتایا ہے کہ مرکزی بورڈ آف ریونیو کے چیئرمین جناب فضل الرحمٰن نے کسٹم کے نرخنامے کا حکومت کی پالیسی پر عمل درآمد کرنے کے لیے قومی زبان میں ترجمہ کرانے کی غرض سے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ جناب اشرف جہانگیر رکن کسٹمز مرکزی بورڈ آف ریونیو نے اس پروگرام کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ مرکزی بورڈ آف ریونیو نے مختلف ممالک بالخصوص مسلمان ملکوں سے اس ضمن میں رابطہ قائم کر رکھا ہے جن کے ہاں یہ نرخنامہ اپنی زبان میں رائج ہے اس سلسلے میں سعودی عرب اور ایران سے خصوصی طور پر رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ مسٹر اشرف جہانگیر نے توقع ظاہر کی ہے کہ کسٹم کے نرخنامے کے اردو میں ترجمے اور اسے بہتر بنانے کے کام سے صنعت کاروں اور درآمد و برآمد کے تاجروں کو بہت زیادہ مدد ملے گی۔

کسی تعطل کا شکار نہ ہوں۔ چنانچہ متعلقہ عملہ اور افسروں کی تربیت کا کام ہری پور ہزارہ میں جاری ہے۔

سرکاری دفاتر میں فوری طور پر اردو نافذ کیجائے

انجمنِ نفاذِ اردو کے معتمد عمومی جناب عبدالرحمٰن چوہدری نے ایک بیان میں صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاءالحق سے اپیل کی ہے کہ سرکاری دفاتر میں فوری طور پر اردو نافذ کرنے کا حکم جاری کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ جس ملک کی اکثریت اردو زبان بولتی اور سمجھتی ہو وہاں انگریزی مسلط رہنے کا کوئی جواز نہیں انھوں نے کہا کہ پاکستان میں انگریزی کے نفاذ کا اگر کوئی جواز تھا بھی تو وہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد ختم ہو گیا ہے۔

اردو ٹیلی پرنٹر آیندہ سال مارچ میں کام شروع کر دیں گے

کراچی کے ایک اخبار کے مطابق اگلے سال یوم پاکستان کے موقع پر شہری ایک دوسرے کو اردو ٹیلی پرنٹر کے ذریعہ تہنیتی پیغامات بھیج سکیں گے کیونکہ صنعتِ ٹیلی فون پاکستان نے اردو کے جو ٹیلی پرنٹر تیار کیے ہیں وہ ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء سے کام شروع کر دیں گے۔ اخبار مذکور کی اطلاع کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ صنعتِ ٹیلی فون کے تیار کردہ اردو کی بورڈ کے ٹیلی پرنٹرز کے لیے انجینئروں اور مکینکوں کی تربیت کا نصف کام مکمل ہو چکا ہے۔ منصوبہ کے مطابق اسی سال اگست میں اردو ٹیلی پرنٹر کام کرنا شروع کر دیتے لیکن صنعتِ ٹیلی فون نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اردو ٹیلی پرنٹر کے انجینئروں اور مکینکوں کی تربیت مکمل کر لی جائے تاکہ اردو ٹیلی پرنٹر کی خدمات

"ہم غیر زبانوں کے سیکھنے میں عمریں برباد کرتے ہیں اور بدیسی جذبات و خیالات کی نقالی سے اپنی قومی ترقی کا مجنونانہ خواب دیکھتے ہیں۔"
سید سلیمان ندوی
"نقوشِ سلیمانی" صفحہ ۷

تازہ مطبوعات

سلطانِ ما محمدؐ

اُردو کے یگانۂ روزگار انشا پرداز اور مفکر و ادیب مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے دیگر متنوع اور متلون موضوعات کے ساتھ ساتھ سیرت طیبہؐ پر بھی بلند پایہ مقالات تحریر کیے تھے۔ جنھیں غلام دستگیر رشید صاحب نے ۱۹۴۳ء میں حیدرآباد دکن سے "مردوں کی مسیحائی" کے نام سے مرتب کر کے شائع کرایا تھا۔ ان مقالاتِ سیرت کو قدرے حذف و ترمیم کے بعد "سلطانِ ما محمدؐ" کے نام سے نوجوان نقاد اور مولانا دریا بادی کی حیات و فکر کے محقق تحسین فراقی نے مرتب کر کے اپنے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس تازہ اشاعت میں مرتب نے چار ایسے مقالات "ولادت با سعادت"، "رحمۃ للعٰلمین"، "یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ" اور "یوم النبیؐ کا ایک نشریہ" بھی شامل کیے ہیں، جو پہلی اشاعت میں شامل نہیں تھے ـــــ اور انھیں "صدقِ جدید" کے مختلف شماروں میں سے تلاش کیا گیا ہے۔ اسی طرح سابقہ اشاعت کے تین مقالات "مسئلہ طلاق"، "خطبۂ نکاح"، "اعدائے رسولؐ کی ہجو" اور "تقدیسِ رسولؐ" کو سیرت سے براہِ راست متعلق نہ ہونے کے سبب تازہ اشاعت سے حذف کر دیا گیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ـــــ دیگر کتبِ سیرت کے مقابلہ میں بالخصوص اپنے اسلوب اور مصنف کے جذب و للٰہیت کے سبب منفردِ تاثیر اور جاذبیت کی حامل ہے۔ چنانچہ اس کے مطالعہ سے حاصل ہونے والا کیف و سرور بہت کم کتبِ سیرت میں نظر آتا ہے۔ انشائے ماجدی کا جس قدر نمایندہ اظہار اس کتاب سے ہوتا ہے ـــــ وہ اِس قدر یکجا کسی اور تصنیف میں مشکل ہی سے ہو سکے گا۔ مرتب نے اپنے مقدمہ میں مولانا دریا بادی کے اسلوب اور ان کی سیرت نگاری کے امتیاز کو نمایاں کرنے کی بڑی جامع کوشش کی ہے۔

اس کتاب کو مکہ بکس (۵۔ بخش سٹریٹ، بیرون موری دروازہ) لاہور نے نفاست سے شائع کیا ہے۔ صفحات ۱۸۹ اور قیمت ۲۷ روپے۔

قراردادِ پاکستان
ایک مطالعہ

پروفیسر محمد جہانگیر عالم سیاسیات کے استاد اور تحریکِ پاکستان پر اہم کتابوں و تحریروں کے مصنف ہیں۔ حال میں ان کی ایک اور کتاب "قراردادِ پاکستان۔ ایک مطالعہ" شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب گو مختصر ہے لیکن اس میں بڑی جامعیت کے ساتھ تصورِ پاکستان کو اس کے حقیقی پس منظر میں اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور پھر قراردادِ پاکستان کا اس کے تمام ضروری پہلوؤں کے ساتھ مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ کتاب تحریکِ پاکستان کا مطالعہ کرنے والوں کے ساتھ ساتھ عام قارئین کے لیے بھی مفید اور معلوماتی ہے۔ اور چونکہ ایک راسخ فکر کے ساتھ لکھی گئی اِس لیے اس کا مطالعہ طلبہ کے لیے بھی مفید ہوگا۔ اسے محبوب بک ڈپو، امین پور بازار فیصل آباد نے شائع کیا ہے۔ قیمت صرف ۵ روپے ہے۔

مطالعۂ غبارِ خاطر

"غبارِ خاطر" مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف میں اپنے اسلوب اور اپنے طرزِ نگارش کی وجہ سے سب ممتاز سمجھی جاتی ہے۔ اور اسے ان کی دیگر تصانیف کے مقابلہ میں زیادہ شہرت اور مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔ یہ کتاب دراصل ان کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، جو اگست ۱۹۴۲ء اور جون ۱۹۴۵ء کے درمیان حالتِ اسیری میں اپنے عزیز دوست حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کو لکھے گئے تھے۔ کچھ عرصے سے اُردو مکتوب نگاری کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی ہے اور اسی اہمیت کے حوالہ سے اُردو کے ممتاز مکتوب نگاروں کے موضوعات اور ان کے اسالیب کے جائزہ کی متعدد کاوشیں عام ہوئی ہیں۔ اب مکتوب نگاری کا جائزہ ایک صنفِ ادب کے طور پر بھی لیا جا رہا ہے۔ چنانچہ حال میں اس قسم کی کئی کوششیں منظرِ عام پر آئی ہیں۔ زیرِ نظر تصنیف "مطالعۂ غبارِ خاطر"

اس قسم کی ایک مبسوط اور مستقل کوشش ہے، جس کے فاضل مصنف پروفیسر عبدالقوی دسنوی نے اسے نہایت مفید اور معلوماتی بھی بنا دیا ہے۔

اس کتاب میں مکتوب نگاری کا جائزہ لیتے ہوئے اُردو کے منفرد مکتوب نگاروں کے اسلوب پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور پھر "غبارِ خاطر" کے پس منظر، موضوعات، اسالیب اور محاسن کا مفصل اور جامع تنقیدی جائزہ اِس طرح لیا گیا ہے کہ دراصل اِس سے مولانا آزاد کا اسلوب نگارش اور ان کے طرزِ تحریر کی خصوصیات سامنے آتی ہیں۔ اپنی اس خصوصیت کے لحاظ سے یہ کتاب فی الحقیقت مولانا آزاد کے ادبی اسلوب کو متعین کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔ اس کو مزید مفید اور معلوماتی بنانے کے لیے فاضل مصنف نے اس کے آخر میں "حیاتِ آزاد کی اہم تاریخیں" بھی درج کی ہیں اور "ابو الکلام آزاد نما" بھی مرتب کیا ہے ـــــ جو دراصل مولانا آزاد پر اب تک شائع ہونے والی کتابوں، مضامین اور رسائل کا اشاریہ ہے۔

اس مفید اور معلوماتی کتاب کو "نئی آواز" جامعہ نگر نئی دلی بھارت نے شائع کیا ہے۔ صفحات ۲۲۸ ہیں اور قیمت ۱۲ روپے ہے۔

استفسارات

سرائیکی اور پشتو کا ایک رُجحان

سرائیکی اور پشتو کا ایک لسانی رجحان دو حرفِ صحیح کا مختلف مقامات پر صوتی انضمام ہے۔ علماءِ لسانیاتِ اُردو نے اس کا ابھی تک مشاہدہ نہیں کیا نہ اس کے پس منظر کا سُراغ لگانے کی کوشش کی ہے۔ یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ یہ رجحان سنسکرت کے باقیات میں سے ہے۔ دوسری پراکرتوں نے تو اس انضمام کو قدرے منفصل کر کے آسان بنا لیا لیکن مذکورہ دو زبانوں کے بولنے والوں نے مخصوص وجوہ سے اسے قائم رکھا اور اب تک ان کے بولنے والے اس رجحان کا اظہار کرتے ہیں۔ ذیل کے گوشوارے سے اس رجحان کے شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ رجحان آریائی زبانوں سے مخصوص ہے۔

انگریزی:۔ TRIP, BRICK

سنسکرت:۔ پرتگیا، ستیا (ستیہ)

سرائیکی:۔ گولیاں، غازیاں

پشتو:۔ گولیاں، غازیاں

مندرجہ بالا انگریزی الفاظ میں TR اور BR، سنسکرت میں پ ر، گ ی، سرائیکی اور پشتو دونوں میں ل ی اور ز ی ایک دوسرے میں منضم ہیں۔ ہندی اور پنجابی اور لہندا گروہ میں اس رجحان کی مستعمل صورتیں یہ ہیں۔

پرت گ ی ا گ پر نیم فتحہ سا ہے] اسی طرح ستیا 'صداقت' میں آخری نیم مفتوح ی کے بعد اشباع دار الف ہے۔ سرائیکی اور پشتو میں گولیاں اور غازیاں جیسے لفظوں میں ل ی اور ز ی منضم ہیں۔ انضمام یا ادغام کا صوتی نتیجہ تشدید ہے جو لغوی نہیں مثلاً ستیا میں ت مشدد ہے لیکن پرتگیا میں گ مشدد نہیں۔ ماہر لسانیات سے گزارش ہے کہ سرائیکی اور پشتو کے اس مخصوص رجحان پر مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

جابر علی سیّد

گورنمنٹ کالج، سول لائنز، ملتان۔

مسائل و مباحث

جلیل قدوائی، کراچی

آپ کی مہربانی سے آپ کا قابلِ قدر ماہنامہ "اخبار اردو" مجھے برابر ملتا رہتا ہے اور میں اس سے استفادہ کرتا رہتا ہوں۔ کبھی کبھی کچھ عرض معروض کرنے کا موقع نکل آتا ہے، مگر فرصت نہیں ملتی کہ لکھ کر بھیجوں۔ آج کسی نہ کسی طرح وقت نکال ہی لیا۔

آپ کی موجودہ اشاعت بابت ماہ ستمبر ۱۹۸۲ء میں "مسائل و مباحث" کے ذیل میں پروفیسر نیاز عرفان صاحب پرنسپل گورنمنٹ حشمت علی اسلامیہ کالج راولپنڈی نے PLANT کے ترجمہ کے سلسلے میں وارث سرہندی صاحب کے "کارخانچہ" کو پسند کیا ہے مگر اسے مزید مختصر کر کے اگر "کرخنچہ" کر دیا جائے تو کیا بہتر نہ ہوگا! زبان پر آسانی سے چڑھ سکے گا۔ آخر "کرخندار" کی مثال ہمارے ہاں موجود ہے۔ ویسے سادہ سے لفظ "چھوٹے کارخانے" میں کیا حرج ہے؟ ہمیں نئے الفاظ گھڑنے میں اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو آسان ہو، کم اصطلاحی ہو اور علمی بلکہ عالمانہ بالکل نہ معلوم ہوں جبھی عوام انھیں آسانی سے استعمال کر سکیں گے۔

اسی طرح STORAGE کے دیے ہوئے ترجمہ میں "ذخیرہ کاری" اور "تذخیر" دونوں ہی اصطلاحی اور عالمانہ ہیں۔ گودام کا لفظ ہمارے ہاں STORE کے لیے پہلے ہی موجود ہے تو STOR- AGE کے لیے "گودام بھرائی" یا "گودام رکھوائی" میرے خیال سے سادگی کے اعتبار سے بُرے نہیں ہیں اور شروع شروع میں ججے تو نہیں، ظاہر ہے نئے نئے معلوم بھی ہوں تو زبان کی خراد پہ چڑھ کر آسان ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں ان دو ترجموں کو ترجیح دوں گا۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ سرکاری کمیٹی کیا کہتی ہے۔

آگے دو الفاظ WELDING اور SOLDERING ہیں۔ یہ زیادہ فنی اور اصطلاحی ہیں مگر ان کے ترجموں میں بھی آسانی ملحوظ رہ سکتی ہے ان دونوں لفظوں میں جڑائی کا مفہوم مشترک ہے، پہلے لفظ سے چادروں یا پتروں کی اور دوسرے سے ٹانکے کی جڑائی مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا "تپا جڑائی" اور "ٹانکے کی جڑائی" صحیح ہیں، مگر متعلقہ کاریگروں میں لفظ جھالا بھی مستعمل ہے تو اسے کیوں ترک کیا جائے بلکہ اسی کو استعمال کرنا چاہیے۔ میں نے اپنے گھر کی چھت پر پانی جمع کرنے کی غرض سے جست کی ٹنکی (جو TANK سے مستعار ہے) رکھائی تو ایک دن اُس میں سے پھل پھل پانی بہنے لگا حالانکہ پانی بند تھا۔ کاریگر نے دیکھا تو کہا ٹنکی کے "جھال" میں خرابی ہے۔

اس سلسلے میں دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ اگر بعض انگریزی الفاظ استعمال میں آ کر ہماری زبان کا جزو بن چکے ہیں، جیسے ٹنکی تو اُن کے ترجمے کی خاص طور پر کیا ضرورت ہے؟ میں نے انجمن کی بڑی ڈکشنری (خود ڈکشنری بھی ایسا ہی لفظ ہے) کی نظرِ ثانی کرتے وقت ایسے نہ جانے کتنے الفاظ رہنے دیے یا شامل کر دیے، مثلاً اوورگرام، کسٹوڈین، ٹیلی ویژن، تھرمامیٹر، بلاؤز، بلاٹنگ پیپر، مین ہول، پٹی کوٹ، ایمبولینس، آٹوگراف، باڈی گارڈ، انجکشن، پلاسٹک وغیرہ اور اگر ضرورت نہ ہو تب بھی کر دیا جائے اور ترجمہ کیا جائے تو غیر زبان کے مستعمل الفاظ بھی رہنے دیے جائیں۔ یہ گویا تسلیم شدہ الفاظ میں ایک طرح کا اضافہ ہوگا جو کسی طرح غیر مناسب نہ ہوگا۔ ان الفاظ کو نکال دینا اتنا ہی غیر فطری اور قابلِ اعتراض ہوگا جیسے ہندی والوں کی یہ ضد کہ اُردو میں سے فارسی اور عربی کے آئے ہوئے اور برسوں کے مستعمل الفاظ کو چُن چُن کر خارج کر دیا جائے۔

دوسری بات یہ کہ ترجمہ کرنے کے سلسلے میں وارث صاحب نے تو یہ کہا ہے (اخبارِ اُردو، بابت جولائی ۸۲ء) کہ "اب تک خرابی یہ رہی کہ کام ایسے لوگوں کے سپرد کیا گیا جو اِس کا تجربہ نہ رکھتے تھے"، تو اگرچہ یہ صحیح ہے مگر بابائے اُردو، سیّد ہاشمی فرید آبادی، وحید الدین سلیم جیسے لوگوں کے بجائے، جو اب ملنے کے نہیں، ہمیں کم از کم پیشہ ورانہ الفاظ کے لیے پیشہ وروں کے پاس جانا ہوگا، بلکہ ان کے زمانے میں بھی

جانا پڑا تھا اصطلاحات پیشہ وراں میں یہی اصول مدنظر رہتا ہے ۔ ایسے الفاظ کے ترجمے دفتروں میں بیٹھ کر نہیں کیے جا سکتے۔ SOLDER ۔ اور WELDING ۔ ING کے ترجموں کے سلسلے میں اوپر میں نے یہ بات مثال دے کر واضح کر دی ہے۔

اصطلاحی الفاظ کے ترجموں کے سلسلے میں متعلقہ لوگوں سے مل کر ہی صحیح نتائج حاصل ہوں گے ۔ ایک اور مثال یاد آتی ہے جو میرے متذکرہ اصول کو صحیح ثابت کرتی ہے ۔

جس زمانے میں سید راس مسعود مرحوم ناظم تعلیمات حیدر آباد دکن چند دن کے لیے دارالترجمہ کے کام کی براہِ راست نگرانی کر رہے تھے انھوں نے لفظ WATER SHED کے لیے علماء اور تجربہ کار مترجمین کی طرف سے ترجمہ کیے ہوئے لفظ "فصیلِ آب" کو ناپسند کیا، اس لیے کہ وہ ثقیل تھا مگر انھیں یقین تھا کہ کوئی آسان مستعمل لفظ اس کے لیے ہماری زبان میں ضرور موجود ہوگا ۔ گویا معاملہ ترجمہ کرنے کا نہیں تھا مستعمل لفظ کو ڈھونڈ نکالنے کا تھا اور یہی ہوا ۔ ایک بار وہ اپنے دورے پر ایک ایسے علاقہ سے گزرے جہاں لوگوں نے WATER SHED کے لیے "پنڈھال" کا لفظ بتا دیا ۔ وہ چونک پڑے اور خوشی خوشی اس لفظ کو قبول کر لیا ۔ کتنا اچھا اور پیارا مرکب لفظ تھا۔ WATER کے لیے پانی کا "پن" اور شیڈ کے لیے ڈھال ۔ یہ واقعہ اس زبانی شہادت میں موجود ہے جو انھوں نے دیسی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم کے طور پر استعمال کرنے خصوصاً اردو کو عثمانیہ یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم بنانے کی حمایت میں فادر بلیئر کمیشن کے سامنے اکتوبر ۱۹۲۴ء میں بمبئی میں دی تھی۔

سرکاری کمیشن تھا اور ایسے ایسے جغادری انگریزی کو بطور ذریعۂ تعلیم قائم رکھنے کے حامی اس کمیشن کے ارکان جیسے ایم آر جیکر، مسٹر کے نٹراجن ، سر ڈنشا پیٹیٹ، ڈاکٹر آر پرینج پائی ، مرزا علی خاں۔ مسعود صاحب نے تن تنہا ان سب کو زچ کر دیا تھا اس شہادت کے مخصوص حصے آپ کو اپنے اخبار میں شائع کرنے چاہئیں اور کچھ نہیں تو یہ بتانے کے لیے کہ قومی زبان اور ذریعۂ تعلیم کے جو معاملات ہماری غلامی کے زمانے میں ۱۹۲۴ء میں بلکہ اس سے بھی پہلے کامیابی سے طے کیے جا چکے تھے اب سو نہیں تو ساٹھ ستر برس کے بعد ہمارے آزاد ہو جانے پر انھیں پھر سے زیرِ بحث لایا جا رہا ہے ۔ یہ ہماری ذہنی غلامی کی انتہا ہے۔

جابر علی سید ملتان

"اخبار اردو" نومبر کے شمارے میں جناب شبیر احمد نے جنوبی ہند کی چار زبانوں کے جو علی الترتیب علاقے بتائے ہیں ان کی رُو سے ملیالم کسی علاقے کی زبان متعین نہیں ہوتی ۔ یہ بے ترتیبی بھی ہے اور بے خبری بھی۔

اصل بات یہ ہے کہ ملیالم مذکورہ صوبوں میں سے کسی ایک کی زبان بھی نہیں بلکہ ساحلِ مالابار کی بولی ہے ۔ اس کا ایک تلفظ پہلے لام کی تشدید اور کسرہ سے بھی ہے ۔ یعنی ملّے آلم یا ملّیالم ۔ یہ ایک چھوٹی سی زبان ہے جیسے ساحلی علاقوں کی زبانیں ہوتی ہیں ۔ مجھے ایک زمانے میں ایک مالاباری خاندان کے پڑوس میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ دراوڑی گروہ کی زبان ہے اور اس میں تشدید کو کافی دخل ہے ۔ مالاباریوں میں نائر یا نایر بمعنی چوہدری یا پاٹل بہت ملیں گے ۔ جیسے ہمارے یہاں زمیں داروں میں ۔ اس وقت سنگاپور کے صدر بھی مالاباری ہیں ۔ ان کا نام دیوان نایر ہے ۔ غالباً تجارت کے سلسلے میں سنگاپور جا کر آباد ہو گئے تھے ۔ میں نے صرف دو مالاباری مردانہ نام سنے ہیں اور دونوں اُنّی تھے ۔ ایک ہمارے ہمسایہ 'ذکسن بٹیا اور دوسرے کرنل اُنّی جو یو ۔ این کی فوج میں جنگی وقائع نگار تھے اور جنگِ کوریا ۱۹۵۲ء میں کام آئے ۔

ڈاکٹر خورشید رضوی، سرگودھا

شمارہ ستمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۲۷ پر جناب جابر علی سید نے لفظ "منجنیق" پر بحث فرماتے ہوئے اُسے یونانی الاصل قرار دیا ہے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن ایک بات یہاں کم از کم قابلِ ذکر ضرور تھی کہ عربی کی اہم کتبِ لغت میں اسے فارسی الاصل کہا گیا ہے اور "من چہ نیک" ۔ میں کیا خوب ہوں" سے معرّب بتایا گیا ہے ۔ اس رائے میں اوّلیت غالباً ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفیٰ ۳۹۸ ھ کو حاصل ہے جس

نے اپنی معروف کتاب "الصحاح" میں اس کا اظہار کیا۔ بعد ازاں "القاموس" "تاج العروس" وغیرہ مستند کتبِ لغت میں اس کا اعادہ کیا گیا۔ ابنِ خلکان نے بھی "وفیات الاعیان" میں یعقوب بن صابر المنجنیقی کے حالات کے تحت جوہری ہی کے حوالے سے اس رائے کو نقل کیا ہے۔

یہ بھی سمجھ میں نہیں آسکا کہ جناب جابر علی سید کا جملہ، "بظاہر خان آرزو کا اصول ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے"، سیاق و سباقِ کلام سے کیا ربط رکھتا ہے۔ یہ لفظ خواہ یونانی ہو یا فارسی یا ترکی، بہرحال "غیر عربی" تو ہوا۔ پھر وہ اصول کس طرح ٹوٹ گیا؟ علاوہ ازیں اس اصول کو کہ عربی الاصل الفاظ میں جیم اور قاف یکجا نہیں ہوتے۔ خان آرزو کا فیصلہ یا اُن کا اصول قرار دینا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ فیصلہ عربی کے اہلِ لغت بہت پہلے کرچکے ہیں۔ چنانچہ جوہری کی مذکورہ بالاتصنیف "الصحاح" میں، جو چوتھی صدی ہجری کی یادگار ہے۔ اس اصول کی صراحت ــ (باستثنائے حکایتِ صوت) ــ موجود ہے۔

صفحہ نمبر ۸ پر "منار، مینار، منارہ" کی بحث میں سید صاحب نے بجا طور پر "منار" کو صحیح لفظ قرار دیا ہے اور "مینار" کو غیر اصولی مگر اردو میں متداول و فصیح بتایا ہے۔ البتہ "منارہ" کو انھوں نے "نسبتاً دیہی تلفظ" فرمایا ہے جس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ شاید یہ لفظ بے سند ہے۔ حالانکہ عربی اصل کے اعتبار سے "منار" اور "منارہ" دونوں درست ہیں۔ بلکہ "مِئذَنَة" (منارۂ مسجد) کے معنوں میں "منارہ" عربی لغت کے اعتبار سے مناسب تر معلوم ہوتا ہے۔

آگے چل کر سید صاحب نے لفظ "متلاشی" کے بارے میں فرمایا ہے کہ اصولاً غلط طور پر وضع کیا گیا ہے یعنی فارسی کے "تلاش" سے عربی کا اسمِ فاعل بنا لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اُن کے نزدیک عندلیب شادانی صاحب کا یہ کہنا بھی اصولاً غلط ہے کہ یہ "لاشیٔ" سے اسمِ فاعل ہے کیونکہ، بقول اُن کے، "علم الصرف عربی اس کی اجازت نہیں دیتا۔" احقر کی رائے میں جناب شادانی کا قول قرینِ صواب ہے۔ یہ لفظ "لاشیٔ" ہی سے ماخوذ بتایا گیا ہے جس سے فعل تَلَاشَی یَتَلَاشَی تَلَاشِیًا از بابِ تفاعُل عربی میں مستعمل ہے جس کا مفہوم "لاشیٔ ہوجانا، معدوم ہوجانا، مضمحل ہوجانا" وغیرہ لیا جاتا ہے۔ اس باب سے اسمِ فاعل "مُتَلَاشِی" بروزن "مُتَفَاعِل" عربی قواعدِ صرف کے عین مطابق ہے۔ ہاں اس کا جو مفہوم اردو میں عموماً رائج ہے یعنی "جوئندہ و تلاش کنندہ" اس کی بنیاد التباسِ ذہنی پر ہے۔ فارسی "تلاش" سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں "اللہ کی شہادت" کے زیرِ عنوان، مولانا ابوالکلام آزاد نے اس لفظ کو اس کے اصل مفہوم میں یوں استعمال کیا ہے۔

"... تقاضا بالحق کا قانون، حق کو ثابت و قائم رکھ کر اور اس کے حریف کو محو و متلاشی کر کے حقیقتِ حال کا اعلان کر دیتا ہے۔"

(ترجمان القرآن، ساہتیہ اکادمی، نئی دلی ۱۹۶۴، صفحہ ۱۵۷)

صفحہ نمبر ۲۰ پر پروفیسر نیاز عرفان صاحب نے WELDING کے اردو ترجمے "تپا جڑائی" کو موزوں تر قرار دیا ہے۔ پروفیسر منہاج الدین کی "قاموس الاصطلاحات" میں بھی اس کا ترجمہ "ویلڈ کرنا" کے علاوہ "تپا جوڑنا" درج ہے۔ لیکن یہ اصطلاح صوتی حسن سے عاری ہونے کے علاوہ انگریزی لفظ کے مختلف مشتقات کو سمیٹنے سے بھی قاصر نظر آتی ہے۔ مثلاً WELD (اسم) WELD (فعلِ لازم) WELD (فعلِ متعدی) WEL-DER، WELDED، WELDABLE وغیرہ کے لیے اس سے صیغے ڈھالنا آسان نہ ہوگا۔ "ثانیاً" صوتی اعتبار سے سادہ و رواں ہے مگر پروفیسر صاحب کے بقول اس طرح WELDING اور SOLDERING میں امتیاز ختم ہوجائے گا۔ جدید عربی میں دونوں کے لیے "لَحْم، لِحام، اِلْتِحام، اِلْحام" وغیرہ الفاظ استعمال ہو رہے ہیں WELDER کو "لَحَّام" کہا جاتا ہے۔ یہی مادہ "ل۔ح۔م" گوشت کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ غور کیجیے تو دونوں میں ایک قدرِ مشترک موجود ہے۔ گوشت میں یہ قدرتی صلاحیت پائی جاتی ہے کہ اگر زخم آجائے تو وہ خود بخود جڑ کر مندمل ہوجاتا ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم بھی اسی مادے "ل۔ح۔م" سے اردو کے مزاج کے مطابق کوئی لفظ ڈھال لیں۔ مثال کے طور پر "تَلْحِیم"۔ اس سے تلحیم کاری، تلحیم کار، تلحیم شدہ،

تلحیمہ، قابلِ تلحیم، ناقابلِ تلحیم، تلحیم کرنا/کرانا/پانا/ہونا.... وغیرہ مشتقات نکالنے بھی آسان ہوں گے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جدید فارسی میں اس مفہوم کو کیسے ادا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی بہتر اصطلاح ہاتھ آجائے۔

سعید احمد عثمانی، کراچی

اصطلاح سازی ایک مشکل فن ہے۔ اس میں کافی محنت اور مطالعہ کی ضرورت ہے خاص طور سے اردو، عربی، فارسی، ہندی اور انگریزی زبانوں سے مکمل واقفیت بہت ضروری ہے۔ لیکن اب تک دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ہر کوئی اِس میدان میں کود پڑا ہے، جس کی وجہ سے فنِ اصطلاح سازی انتشار سے دو چار ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ ایک صاحب نے ایک لفظ کی اصطلاح وضع کی، دوسرے صاحب نے اسی لفظ کی دوسری اصطلاح بنا ڈالی اور تیسرے صاحب نے تیسری۔ اِس طرح یہ لا متناہی سلسلہ شترِ بے مہار کی طرح آگے بڑھتا رہا اور ایک لفظ کی کئی اصطلاحیں منظرِ عام پر آ گئیں، جس کی وجہ سے قارئین میں بے یقینی اور بے اعتمادی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اِس سلسلے میں چند تجاویز پیشِ خدمت ہیں:

کسی لفظ کی اصطلاح وضع کرنے سے پیشتر اِس بات کا علم بہت ضروری ہے کہ اس لفظ کی اصطلاح پہلے وضع کی جا چکی ہے یا نہیں، اگر پہلے وضع کی جا چکی ہے اور مقبولِ خاص و عام ہو چکی ہے تو اِس لفظ کی اصطلاح دوبارہ وضع کرنا مناسب نہیں ہے۔

اردو زبان میں دوسری خوبیوں کے علاوہ ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ یہ دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنے اندر اِس طرح جذب کرتی ہے کہ وہ الفاظ اس کا حصہ بن جاتے ہیں۔ خاص طور سے انگریزی کے وہ الفاظ جن کو اردو نے تھوڑی سی رد و بدل کے بعد قبول کر لیا ہے اور وہ رائج اور مقبول ہو چکے ہیں، ان کے لیے اصطلاح وضع کرنا مناسب نہیں ہے۔ مثلاً: گلاس، لیمپ، ٹکٹ، بسکٹ، ریل اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ۔

بعض افراد انگریزی کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو جاتے ہیں اور اس کی خامیاں گنوانے لگتے ہیں۔ دوسری خامیوں کے علاوہ ایک خامی یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ انگریزی میں تلفظ کا کوئی قاعدہ نہیں ہے کیونکہ BUT (بَٹ) ہوتا ہے اور PUT (پُٹ) ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اِس کے برعکس ہے۔ انگریزی میں عموماً "U" کی دو آوازیں ہوتی ہیں ایک LONG SOUND اور دوسری SHORT SOUND اس طرح BUT میں جو "U" ہے وہ SHORT SOUND کو ظاہر کرتا ہے جبکہ PUT کا "U" LONG SOUND کو ظاہر کرتا ہے۔ بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں عمل دخل اردو کا ہونا چاہیے لیکن انگریزی کو یکسر نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔

اصطلاح وضع کرنے سے پہلے متعلقہ لفظ کے معنی اور مفہوم کو پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ بعض دفعہ صرف لفظی ترجمے سے کام نہیں چلتا۔ بعض دفعہ صوتی آہنگ، شکل (SHAPE) اور کام (FUNCTION) کو بھی مدِّ نظر رکھنا پڑتا ہے کیونکہ وضعِ اصطلاح میں یہ چیزیں بھی بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

اصطلاح سازی میں عربی، فارسی، ہندی اور ترکی کے سابقوں اور لاحقوں سے بھی کام لینا چاہیے کیونکہ وضعِ اصطلاحات میں ان کی حیثیت مسلمہ ہے۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی، ہندی اور ترکی کے الفاظ کے میل سے بھی بہت سی اصطلاحات بن سکتی ہیں۔ بعض اہلِ علم اس طرح کے ملاپ کو ناپسند کرتے ہیں لیکن سوال پسند یا ناپسند کا نہیں ہے بلکہ اردو زبان کی ترویج و تشکیل اور وسعت زیادہ اہم ہے۔

حبیب صدیقی، کراچی

باوجودیکہ مقتدرہ قومی زبان نے یہ سہولت بہم پہنچائی ہوئی ہے کہ انگریزی الفاظ کی اردو اصطلاحات اور مترادفات بآسانی معلوم کی جا سکتی ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دفتر شاہی اس سہولت میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے انگریزی الفاظ غیر ضروری طور پر دفتری زبان میں مروج ہو کر رہ گئے ہیں جن کے اردو ترجمہ کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی مثلاً محکمہ ڈاک نے ہوائی ڈاک کے ایک لفافہ پر ایک جانب (BY AIR MAIL) کا اردو ترجمہ ہوائی ڈاک لکھا ہے جبکہ اسی لفافہ پر لفظ (AROGRAM) کو کسی متبادل اردو ترجمہ سے محروم رکھا ہے اور اِس لفظ کو اردو رسم الخط میں لکھ کر اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ اس لفظ کا اردو ترجمہ یا اس لفظ کے متبادل کوئی لفظ ممکن نہیں۔ واضح ہو کہ یہ انگریزی لفظ (AROGRAM) دو یونانی الفاظ کا مجموعہ ہے جو دراصل (AEROGRAM - A) ہے جس میں (AER) معنی ہوا اور (GRAMA) کے معنی (LETTER) حروفِ تہجی کے ہیں۔ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے یورپیوں نے اس لفظ کا اطلاق ہوائی ڈاک کے ایک ایسے

تراشہ ہوئے کاغذ پر کر دیا جائے اگر چاروں طرف سے موڑ دیا جائے تو لفافہ بن جاتا ہے جو دراصل ایک کھلا لفافہ یا بہتر طور پر ہوائی خط کہا جا سکتا ہے اور (BY AIR MAIL) کے ترجمہ کو بذریعہ فضائی یا ہوائی ڈاک کہا جا سکتا ہے جیسا کہ اس کے مماثل ایک انگریزی لفظ (PAR AVION) ہے لیکن دفتر شاہی نے اس لفظ کے معنی اور مفہوم کی طرف توجہ نہیں دی اور اس لفظ کو ایک اسمِ نکرہ سمجھ کر لکھ دیا۔ اگر مقتدرہ سے رجوع کر لیا جاتا تو کم از کم لفظ (AROGRAM) کو اُردو رسم الخط میں لکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی میرے خیال میں جن انگریزی الفاظ کی اُردو نہیں ہو سکتی ان کو انگریزی ہی میں استعمال ہونا چاہیے کیونکہ اردو میں لکھنے سے وہ لفظ بدل نہیں جاتا۔ اس روش سے اردو میں غیر ضروری الفاظ استعمال کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے حالانکہ مقتدرہ کی کوشش سے ملک کے ہر گوشہ سے صدائے اُردو بلند ہو رہی ہے۔ لیکن محکماتی نظام میں جہاں اردو آسانی سے استعمال ہو سکتی ہے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ اس شمارہ میں حرف "ڑ" سے متعلق ایک مضمون نظر سے گزرا۔ میں تو سمجھا تھا کہ فرانسیسی لفظ ڑھشاں پر بات ختم ہو گئی لیکن صاحبِ مضمون نے حرف "ڑ" جو حروفِ تہجی کے جسم میں ایک عضوِ معطل ہو کر رہ گئی ہے اپنی کوشش و تحقیق سے کارآمد بنایا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے علاقہ یوپی اور راجستھان میں ایک یا دو بیل والی گاڑی جس کے تین طرف ڈنڈے لگے ہوتے ہیں اور جو بار برداری کے کام آتی ہے اس کو ان دیہات اور مواضعات میں لوگ ڑیڑھی بولتے ہیں۔ موصوف کی اس بات سے میں متفق ہوں کہ لب ولہجہ کے لحاظ سے اکثر دیہات میں الفاظ کا تلفظ بدل جایا کرتا ہے ممکن ہے کچھ لوگ شہر میں بھی اس بیل گاڑی کو جو ریڑھی کہتے ہوں لیکن مصنف نے رائے شماری کے ذریعہ جو تجویز پیش کی ہے کہ "ڑیڑھی" اگر اس عامیانہ تلفظ کو اردو میں رائج کر لیا جائے تو مسئلہ زیرِ بحث کا حل نکل آتا ہے جسے مصور کر کے بچوں کو تلفظ سمجھایا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں کسی بحث میں جانا مشکل ہے البتہ عرض یہ ہے کہ یہاں مسئلہ دیہاتی لب و لہجہ میں ڑیڑھی کہنے یا ڑ سے ڑھشاں کہنے کا نہیں بلکہ "ڑ" سے شروع ہونے والے الفاظ تعلیمی نصاب میں شامل کرنے کا ہے۔ ہمارے پاکستانی بچوں نے یہ بیل گاڑی کبھی دیکھی نہیں اور نہ ہی یہ فرانسیسی ڑھشاں سے واقف ہیں چنانچہ جن اشیاء کے وجود سے ہی یہ واقف نہیں ان کو مصور کر کے کس طرح تعلیمی نصاب میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ بالفرض ہم نے فرضی تصویر ان اشیاء کی بنا کر بچوں کو تلفظ ذہن نشین کرایا تو "ڑ" کی ادائیگی تو ہم سے خود نہ ہو سکے گی تاوقتیکہ ہم خود پہلے "ڑ" سے شروع کرنے والے لفظ کی مشق نہ کر لیں اور اس لیے ہمیں کچھ ایسے الفاظ کی جانچ کرنی پڑے گی جو فوری طور پر "ڑ" کے تلفظ سے ادا ہو سکیں۔ ہماری آسان پسندی کا یہ عالم ہے کہ ہم "ڑ" سے کسی لفظ کو شروع کرنا نہیں چاہتے جبکہ دیہات میں اکثر حرف "ڑ" سے شروع کرتے ہوئے الفاظ سننے میں آ جاتے ہیں۔ آپ کی دلچسپی کے لیے چند الفاظ جو خود میں نے "ڑ" کے شروع میں استعمال کرتے سنے ہیں یہاں درج کرتا ہوں ان میں ایک لفظ "ڑبڑی" ہے جبکہ دوسرا لفظ "ڑیوڑی" ہے۔ یہ ہمارے ملک کی مشہور مٹھائیاں ہیں۔ ایک تیسرا لفظ جو میں نے دیہات میں عورتوں کی زبانی سنا ہے وہ "ڑنڈوا" ہے جو کسی ایسے شخص کے لیے اکثر عورتیں بولتی ہیں جس کی بیوی مر چکی ہو۔ بہرحال یہ صحیح ہے کہ دیہات اور مواضعات میں حرف "ڑ" لفظ کے شروع میں استعمال ہو جاتا ہے جبکہ شہر میں خاص طور پر پڑھا لکھا طبقہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اگر "رگڑا" کو "ڑگڑ" کہہ دیا جائے۔ ☼

صفحہ ۳۱ سے آگے

ہندی بمعنی ہندوستانی	INDIO	اِنڈیو
اندر	ENTRO	اِنترو
حُر بمعنی آزاد	HORRO	اُورّو
طراز	TRAZ	تراثو
شکر	AZUCAR	اَثوکر
گلیارا، گلی	GLERIA	گلیریا
رئیس	RES	رِیس
رسید	RECIBO	رسیبو
پیسہ	PESETA	پے سے تا
نام۔ نامہ	NOMINA	نومی نا
نہ۔ نہیں	NI	نی
انکار	NEGAR	نیگار
میز	MESA	مے سا
پھاہا۔ پھایا	FAJA	فاہا
دین۔ قرضہ	DEUDA	ڈیو اودا
گوریا (چڑیا)	GORRION	گوریان
پستہ	ALPISTA	ال پیس تے
اما بمعنی ماں	AMA	اما
گلی کوچہ	CALLE	کالیے
	JUELA	لا -

گردوپیش

ہسپانیہ میں اردو

نعیم خیالی

ادارہ اقوامِ متحدہ میں اسپینی زبان
پنجواں نمبر ہے ۔ اس کا تاریخی پس
ر یہ ہے کہ افریقہ میں عربوں کا تسلط پہلی
ی ہجری کے ختم اور آٹھویں صدی عیسوی
کےشروع میں قائم ہو چکا ہے ۔ اس
بعد عربوں نے یورپ کی طرف رُخ کیا۔
پھر جس وقت ایشیا و افریقہ میں بنی امیہ
سیاسی زوال اور بنی عباس کا غلبہ ہو
تھا ٹھیک اسی زمانے میں امرائے بنی
ہ کا ایک حوصلہ مند بیس سالہ نوجوان
الرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبد الملک
ی شمالی افریقہ کے لق و دق میدان۔
م کا ریگستان اور لبنان کے پہاڑوں کو
، کرتا ہوا سرزمین اسپین پر پہنچا اور عربوں
مختصر سی ٹولی کے ساتھ ۱۳۸ھ ۔ ۷۵۶ء
، اسپین پر مسلم عرب حکومت کا جھنڈا
ڑ دیا جو سینکڑوں سال تک ٹس سے
ں نہ ہو سکا۔ اس کا مرکزی مقام دکھنی
سپین کا صوبہ غرناطہ تھا اور اسپین کے
بسائی باشندوں نے سمٹ کر شمال
پین میں اپنا مستقر بنا لیا ۔ ان مختلف
مذہب و مختلف النسل شمال و جنوبی
استوں میں صدیوں تک جنگیں اور جھڑپیں
اری رہیں ۔ آخر کار بقول "ہر کمالے را
زوالے" مغربی یورپ میں عیسائیوں اور
عرب مسلمانوں کے مسلسل حریفانہ تصادم
کے بعد مختلف سیاسی قومی اور دینی اسباب
زوال کے نتیجہ میں پندرھویں صدی مسیحی
کے خاتمے تک اسپین کے ان عرب
مسلمانوں کا خاتمہ اجتماعی طور پر کرنے کی
زبردست کوشش کی گئی ۔ چنانچہ ۱۳۹۲ء
میں اسپینی ریاستوں کیس ٹیل اور ایراگون
نے مل کر غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ ایراگون کے
بادشاہ فردی ناند نے مسلمانوں اور یہودیوں
کو تبدیل مذہب پر مجبور کیا اور احکام جاری
کیے گئے کہ ۔ جو شخص عیسائی مذہب
اختیار کرتا ہے اُسے قتل یا جلا وطنی کی سزا
دی جائے گی ـــــ اسی طرح ۱۵۰۲ء میں پھر
فردی ناند نے حکم جاری کیا اور مور (MOOR)
یعنی غیر عیسائی مسلمانوں کے لیے ایک قانون
کو بہانہ بنایا تاکہ وہ یا تو عیسائی بنیں یا اسپین
چھوڑ کر نکل جائیں ۔ اس ظالمانہ قانون کے
نتیجے میں لاکھوں مسلمان اور یہودی مارے
یا قید کیے گئے اور بے شمار لوگ ملک
سے ہجرت کر کے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔
اسی کے بعد ۱۶۰۶ء میں بادشاہ وقت فلپ
نے اسپین میں اپنے ظالمانہ احکام و اعمال
کے ذریعہ موروں کے تابوت میں آخری
کیل جڑ کر ان کا بالکل ہی خاتمہ کر دیا۔

لفظ مور (MOOR یا MAURES)
اصلاً فنیقی زبان کا ہے ۔ متقدمین نے اس
کا اطلاق قوم بَربَر پر کیا ہے جو المغرب
یعنی مغربی افریقہ کے ساحلی باشندے تھے
مگر اسپین میں اس کا استعمال نووارد عرب
مسلمانوں کے لیے کیا گیا ہے اور لفظ
موریسکوس (MARISCOS) سے مراد
ہیں ۔ وہ عرب جو غرناطہ پر قبضہ کرنے کے
بعد اسپین کو وطن بنا کر مستقل بس گئے
تھے اور صدیوں سے وہاں کے باشندے
تھے اور جن کو تقریباً سترھویں صدی مسیحی
میں جلا وطن کر دیا گیا تھا اس وقت ان کی
تعداد نصف ملین یعنی پانچ لاکھ تھی ۔ ان کا
آبائی وطن جو بربروں کے علاقے شمالی سواحل
افریقہ اور صحرا اور تمام مغربی افریقہ پر مشتمل
تھا وہ علاقہ موری تینا (MAURITANIA)
کہلاتا ہے بعد میں اہلِ یورپ (مور) کا استعمال
صرف مسلمان کے معنی میں کرنے لگے۔

بہرحال اسپین میں صدیوں کی
مسلم حکومت کے زوال اور قومی پراگندگی
کے نتیجے میں انفرادی حیثیت سے مقہور و
مغلوب اور مظلوم مسلمان دیگر ممالک یورپ
براعظم افریقہ نیز جنوبی امریکہ کی طرف ہجرت

کر گئے۔ ان ہی میں وہ پرتگالی و اسپینی عرب مسلمان سیاح بھی تھے جو ۱۴۹۲ء میں مشہور عالم کرسٹوفر کولمبس کی دریافت امریکہ کی بحری مہم میں نہ صرف شریک تھے بلکہ اس کے جہازراں اور راہ نما تھے۔ اس امر کی مزید تصدیق ذیل کے مترجم اقتباس سے بھی ہوتی ہے۔

"مسلم آباد کاروں کی پہلی جماعت امریکہ کی دریافت کے وقت آئی۔ اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ اندلسی (اسپینی) مسلمان یورپی لوگوں سے پہلے براعظم امریکہ میں آئے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ پرتگالی اور ہسپانوی (اسپینی) دریافت کنندگان کو اندلسی مسلم ملاح لے کر امریکہ آئے جو کہ سمندروں کا زیادہ علم رکھتے تھے۔ دریافت کرنے والوں میں کچھ موریسکوس (MARISCOS) خفیہ طور پر مسلمان تھے۔ یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اندلسی مہاجر جو کہ مراکش کے ساحل پر الرباط اور سالہ (SALA) میں قیام پذیر ہیں انھوں نے ہسپانوی اور پرتگالی جہازوں کے خلاف شمالی بحرالکاہل سے لے کر جزائر جنوبی امریکہ کے ساحل تک جنگیں کی تھیں۔ شمالی اور جنوبی امریکہ میں قائم ہونے والی یورپی نوآبادیوں میں ہسپانوی اور پرتگالی افواج میں اندلسی مسلمان بھی اس علاقے میں آئے لیکن وہ لوگ عیسائی نام رکھے ہوئے تھے جو مجبوراً انھیں اختیار کرنا پڑے لیکن ان میں بہتوں نے اپنے مذہب کو قائم رکھا اور یہ بات ان اعلانوں سے ثابت ہے جو کہ پرتگالی بادشاہ نے اپنی برازیل کی نوآبادی میں موُرس (MOORES) کے خلاف جاری کیے تھے۔ یہ مسلمان ہسپانوی گروہ کے ساتھ براعظم کے شمالی حصے تک پہنچے جو آج کل آرٹیزونا (ARTIZONA)، فلوریڈا اور کیلی فورنیا کہلاتے ہیں — یہ مسلمان ہسپانوی اور پرتگالی مظالم سے بچنے کے لیے یورپ سے فرار ہوئے تھے لیکن وہ اپنی قسم کے مظالم کا شکار یہاں بھی ہوئے جس کی وجہ سے وہ اپنے مذہب اور اپنے تشخص کو زیادہ قائم نہیں رکھ سکے اور اس طرح امریکہ میں اسلام کی ترویج کی یہ پہلی کوشش ناکام ہوگئی۔

مذکورہ طویل اقتباس میں پندرھویں صدی میں یورپ کے اکثر مسلمانوں کے عیسائی نام کی ایک وجہ تو بین السطور میں واضح ہے۔

دوسرے یہ کہ بغیر کسی مجبوری کے بھی اکثر ممالک کے مسلمانوں اور نومسلموں میں یہ طریقہ پہلے بھی رائج رہا ہے اور اب بھی پایا جاتا ہے چنانچہ ایک مثال اسی عہد کی یہ ہے کہ ۱۴۹۴ء میں صوبہ اٹلی کے ملان نامی علاقے کے مسلمان حکمران کا نام لودو دیکو اسفورجہ (LODOVI-CO SPHORJA) جو ۱۴۹۹ء میں شاہ فرانس کے حملہ اٹلی کے سلسلے میں ہار کر سوئٹزرلینڈ چلا گیا تھا اور وہاں اس نے اپنی مخصوص فوج تیار کی تھی لیکن جلد ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ پھر حالات نے پلٹا لیا اور ۱۵۲۱ء میں متحدہ طاقتوں نے مل کر اس کے بیٹے فرانسس اسفورجہ کو ملان صوبہ اٹلی کا حکمران بنا دیا تھا۔ دوسری مثال خود بیسویں صدی عیسوی میں قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ نگار مشہور عالم مسٹر مارما ڈیوک پکتھال کا نام نامی ہے جو صحیح العقیدہ مسلمان تھے وغیرہ وغیرہ۔

حاصل کلام یہ کہ جس وقت کی ہم بات کر رہے ہیں وہ زمانہ براعظم یورپ کی نشاۃ اُولیٰ کا تھا۔ اس تقریباً پانچ چھ سو سال کی طویل مدت میں عربوں نے یونان، اٹلی، فرانس، اسپین اور جرمنی وغیرہ تقریباً نصف سے زائد یورپ کی زمین ناپ ڈالی تھی اور یورپ والوں کے ساتھ سیاسی سماجی تجارتی ہر طرح کے تعلقات اتصال کے ساتھ ساتھ سارا یورپ عربی علوم و فنون۔ تہذیب و تمدن اور سائنس و ٹکنالوجی سے متعارف ہو رہا تھا۔

چونکہ اسپین یا ہسپانیہ یورپ میں عربوں کا پہلا مضبوط مرکز تھا اس لیے قدرتی طور پر اسپینی زبان پر فاتح زبان یعنی عربی کا قابلِ ذکر اثر پڑا۔ نیز اہلِ ذوق عرب چونکہ اپنے دورِ عروج میں معروف شام فارس وچین، روم و یونان اور ہندوستان کے علوم کے ماہر و ترجمان تھے اس لیے ان کے ذریعے بہت سے ایشیائی زبانوں کے الفاظ بھی عربی کی تابعیت میں وہاں پہنچ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسپینی زبان میں ہمیں اردو کے ساتھ مشترک و مشابہ الفاظ بہ آسانی ملتے ہیں کیونکہ اردو جامع السند زبان ہے۔ جیسا کہ ذیل کی جدول لغات سے واضح ہوگا۔

اردو مشترک	اسپینی املا	اسپینی تلفظ
صفیر	CEFIRO	سیفیرو
صفر	CIFRA	سیفرا
کارآزمودہ	CORRIDO	کوری ڈو

کعب	CUBO	کوبُو
شغال	CHACAL	چکال
داد و دہش	DADIVA	دادیوا
درویش	DERVICHE	ڈروی چیئی
آبنوس	EBANO	ایبُانو
انشا بمعنی مضمون	ENSAYO	ان سیوڈی
		نیئی رد
دینار	DINERO	ڈی نیئی رد
خوشی	GASO	گوسو
گراں بمعنی	GRAN	گراں
بھاری		
وادی	HOYADA	اویاوا
انجیر	HIGUERA	ای گیی را
حوالہ	HULLA	دی لیا
اُردو	HURDO	اوردا بمعنی جھنڈ
عندیہ	IDEA	ایدیا
صابن	HABON	ہابون

حوالات	JAULA	ہاؤلا
جوان	JOVEN	ہودین
الف بے تے	ALFABETO	الفابیتو
میدہ	ALMIDO	ال میدو
لوبیا	ALUBIA	الوبیا
اناناس	ANANA	انانا
عصا	ASA	اوسا
اسیر کرنا	ASIR	اوسیر
کشمیر کپڑا	CACHMIRA	کاچے میرا
قاش	CACHO	کاچو
قافلہ	CAFILA	کافی لا
قانونی	CANONICO	کانونکو
کاشانہ	CASA	کاسا
بوسہ	BESO	بیئی سو
یہودی	JUDIO	ہودیو
لب	LABIO	لابیو
لمعہ	LLAMA	لیاما

ماسوا	MAS	ماس
ستارہ	ASTRO	اسٹرو
نیلوفر	NENUFAR	نے نوفار
مگس	MASCA	موسکا
مخلوط	MEZELA	میث کلا
سشنبہ	SEMANA	سیمنہ
راضی	RAZAN	راثون
تو	TI	تی
چغہ	TOGA	ٹوگا
معاف کرنا	ZAFAR	ثافر
شکم پُری	ZAMPAR	ثام پر
شمار	SUMAR	شمار
مسکین	MEZQUINE	میث کوئنیہ
علومی، معلم	ALUMNA	الوم نو
فلیتہ	FILETA	فی لیی یتی
اس طور سے	ESTOS	اس توس

باقی صفحہ ۲۸ پر

کر گئے۔ ان ہی میں وہ پرتگالی و اسپینی عرب مسلمان سیاح بھی تھے جو ۱۴۹۲ء میں مشہور عالم کرسٹوفر کولمبس کی دریافت امریکہ کی بحری مہم میں نہ صرف شریک تھے بلکہ اس کے جہازران اور راہ نما تھے۔ اس امر کی مزید تصدیق ذیل کے مترجم اقتباس سے بھی ہوتی ہے۔

"مسلم آباد کاروں کی پہلی جماعت امریکہ کی دریافت کے وقت آئی۔ اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ اندلسی (اسپینی) مسلمان یورپی لوگوں سے پہلے برِاعظم امریکہ میں آئے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ پرتگالی اور ہسپانوی (اسپینی) دریافت کنندگان کو اندلسی مسلم ملاح لے کر امریکہ آئے جو کہ سمندروں کا زیادہ علم رکھتے تھے۔ دریافت کرنے والوں میں کچھ موریسکوس (MARISCOS) خفیہ طور پر مسلمان تھے۔ یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اندلسی مہاجر جو کہ مراکش کے ساحل پر الرباط اور سالہ (SALA) میں قیام پذیر ہیں انھوں نے ہسپانوی اور پرتگالی جہازوں کے خلاف شمالی بحرالکاہل سے لے کر جزائر جنوبی امریکہ کے ساحل تک جنگیں کی تھیں۔ شمالی اور جنوبی امریکہ میں قائم ہونے والی یورپی نوآبادیوں میں ہسپانوی اور پرتگالی افواج میں اندلسی مسلمان بھی اس علاقے میں آئے لیکن وہ لوگ عیسائی نام رکھے ہوئے تھے جو مجبوراً انھیں اختیار کرنا پڑے لیکن ان میں بہتوں نے اپنے مذہب کو قائم رکھا اور یہ بات ان اعلانوں سے ثابت ہے جو کہ پرتگالی بادشاہ نے اپنی برازیل کی نوآبادی میں مورس (MOORES) کے خلاف جاری کیے تھے۔ یہ مسلمان ہسپانوی گروہ کے ساتھ براعظم کے شمالی حصے تک پہنچے جو آج کل آرتیزونا (ARTIZONA)، فلوریدا اور کیلی فورنیا کہلاتے ہیں — یہ مسلمان ہسپانوی اور پرتگالی مظالم سے بچنے کے لیے یورپ سے فرار ہوئے تھے لیکن وہ اپنی قسم کے مظالم کا شکار یہاں بھی ہوئے جس کی وجہ سے وہ اپنے مذہب اور اپنے تشخص کو زیادہ قائم نہیں رکھ سکے اور اس طرح امریکہ میں اسلام کی ترویج کی یہ پہلی کوشش ناکام ہوگئی۔

مذکورہ طویل اقتباس میں پندرھویں صدی میں یورپ کے اکثر مسلمانوں کے عیسائی نام کی ایک وجہ تو بین السطور میں واضح ہے۔

دوسرے یہ کہ بغیر کسی مجبوری کے بھی اکثر ممالک کے مسلمانوں اور نومسلموں میں یہ طریقہ پہلے بھی رائج رہا ہے اور اب بھی پایا جاتا ہے چنانچہ ایک مثال اسی عہد کی یہ ہے کہ ۱۴۹۴ء میں صوبہ اٹلی کے ملان نامی علاقے کے مسلمان حکمران کا نام لودو دیکو اسفورجہ (LODOVI - CO SPHORJA) جو ۱۴۹۹ء میں شاہ فرانس کے حملہ اٹلی کے سلسلے میں ہار کر سوئٹزر لینڈ چلا گیا تھا اور وہاں اس نے اپنی مخصوص فوج تیار کی تھی لیکن جلد ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ پھر حالات نے پلٹا لیا اور ۱۵۲۱ء میں متحدہ طاقتوں نے مل کر اس کے بیٹے فرانسس اسفورجہ کو ملان صوبہ اٹلی کا حکمران بنادیا تھا۔ دوسری مثال خود بیسویں صدی عیسوی میں قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ نگار مشہور عالم مسٹر مارما ڈیوک پکتھال کا نام نامی ہے جو صحیح العقیدہ مسلمان تھے وغیرہ وغیرہ۔

حاصل کلام یہ کہ جس وقت کی ہم بات کر رہے ہیں وہ زمانہ براعظم یورپ کی نشاۃِ اُولیٰ کا تھا۔ اس تقریباً پانچ چھ سو سال کی طویل مدت میں عربوں نے یونان، اٹلی، فرانس، اسپین اور جرمنی وغیرہ تقریباً نصف سے زائد یورپ کی زمین ناپ ڈالی تھی اور یورپ والوں کے ساتھ سیاسی سماجی تجارتی ہر طرح کے تصادم اتصال کے ساتھ ساتھ سارا یورپ عربی علوم و فنون۔ تہذیب و تمدن اور سائنس و ٹکنالوجی سے متعارف ہو رہا تھا۔

چونکہ اسپین یا ہسپانیہ یورپ میں عربوں کا پہلا مضبوط مرکز تھا اس لیے قدرتی طور پر اسپینی زبان پر فاتح زبان یعنی عربی کا قابلِ ذکر اثر پڑا۔ نیز اہلِ ذوق عرب چونکہ اپنے دورِ عروج میں مصر و شام فارس و چین، روم و یونان اور ہندوستان کے علوم کے ماہر و ترجمان تھے اس لیے ان کے ذریعے بہت سے ایشیائی زبانوں کے الفاظ بھی عربی کی تابعیت میں وہاں پہنچ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسپینی زبان میں ہمیں اردو کے ساتھ مشترک و مشابہ الفاظ بہ آسانی ملتے ہیں کیونکہ اردو جامع السند زبان ہے۔ جیسا کہ ذیل کی جدول لغات سے واضح ہوگا۔

اردو مشترک	اسپینی املا	اسپینی تلفظ
صفیر	CEFIRO	سیفی فیرو
صفر	CIFRA	سیفرا
کارآزمودہ	CORRIDO	کوری ڈو

کعب	CUBO	کوبُو
شغال	CHACAL	چکال
داود درویش	DAVIVA	دادیوا
مدولیش	DERVICHE	ڈردی چیپیں
آبنوس	EBANO	ایبُ بانو
انشا بمعنی مضمون	ENSAYO	ان سیو ڈی
		نیُ رد
دینار	DINERO	ڈی نیُ رد
خوشی	GASO	گوسو
گراں بمعنی	GRAN	گراں
بھاری		
وادی	HOYADA	ادیادا
انجیر	HIGUERA	ای گیی را
حوالہ	HULLA	دی لیا
اُردو	HURDO	اوردا بمعنی جھنڈ
عندیہ	IDEA	ایدیا
صابن	HABON	ہابو ن

حوالات	JAULA	ہاؤلا
جوان	JOVEN	ہودین
الف بے تے	ALFABETO	الفابیُتو
میدہ	ALMIDO	ال میدو
لوبیا	ALUBIA	الوبیا
اناناس	ANANA	اننانا
عصا	ASA	اہ سا
اسیر کرنا	ASIR	اہ سیر
کشمیر کپڑا	CACHMIRA	کاچمےمیرا
قاش	CACHO	کاچو
قافلہ	CAFILA	کافی لا
قانونی	CANONICO	کانونی کو
کاشانہ	CASA	کاسا
بوسہ	BESO	بیئی سو
یہودی	JUDIO	ہودیو
لب	LABIO	لابیو
لمعہ	LIAMA	لیاما

ماسوا	MAS	ماس
ستارہ	ASTRO	استرو
نیلوفر	NENUFAR	نے نوفار
مگس	MASCA	موسکا
مخلوط	MEZELA	میث کلا
ہفتہ	SEMANA	سیمنہ
راضی	RAZAN	راثون
تو	TI	تی
چغہ	TOGA	ٹوگا
صاف کرنا	ZAFAR	ثافر
شکم پری	ZAMPAR	ثام پر
شمار	SUMAR	شمار
مسکین	MEZQUINE	میث کوئینہ
علومی، معلم	ALUMNA	الوم نو
فلیتہ	FILETA	فی لی یتی
اس طور سے	ESTOS	اس توس

باقی صفحہ ۲۸ پر

34—D, GULSHAN-E-IQBAL, BLOCK—7, KARACHI-47
Registration No. S. 3195——VOL: 2—NO: 12—— December 1982

مقتدرہ قومی زبان کی اہم مطبوعات

مختصر اصطلاحاتِ دفتری (انگریزی۔اردو)

دفتروں میں کام کرنے والے حضرات کے لیے ایک مفید لغت، جس میں تقریباً ساڑھے تین ہزار ایسے الفاظ موجود ہیں —— جن کی ضرورت روز پیش آتی ہے۔

عمدہ کاغذ — اعلیٰ طباعت — صفحات ۱۶۸

قیمت: صرف دس روپے

فرہنگ اصطلاحات و محاورات قانون (انگریزی۔اردو)

شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی کے اہتمام سے شائع ہونے والی ایک مفید لغت جس کی اشاعت مقتدرہ کے تعاون سے عمل میں آئی ہے۔ اس میں بارہ ہزار سے زائد قانونی اصطلاحات و محاورات کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

عمدہ کاغذ، اعلیٰ طباعت — صفحات ۲۱۲۔

قیمت: قسم اوّل: ۶۰ روپے قسم دوم: ۵۵ روپے

اردو رسم الخط

مصنف: پروفیسر سید محمد سلیم

عمدہ کاغذ، اعلیٰ طباعت — صفحات ۹۸ —

قیمت: مجلد: ۲۰ روپے، غیر مجلد: ۱۵ روپے

افکار و اذکار

تصنیف: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

ترتیب و تالیف: ہلال احمد زبیری

عمدہ کاغذ، اعلیٰ طباعت — صفحات ۲۷۲ — قیمت ۳۰ روپے

اردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ

مرتبہ: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

عمدہ کاغذ، اعلیٰ طباعت — صفحات ۳۴۴ — قیمت ۶۰ روپے

اخبارِ اردو

قیمت: ایک روپیہ
سالانہ چندہ: صرف دس روپے